معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سامنے کوڑا کباڑ بکھرا ہوا تھا۔ دروازے کے باہر تالا لگا ہوا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دروازہ برسوں سے نہیں کھولا گیا اور کھولا بھی نہیں جائیگا۔ ایک پہلو میں کھڑکی تھی۔ اُسے ہاتھ لگایا تو کھل گئی۔ عالم اندر گیا۔ اس کے پیچھے یہ دونوں آدمی اندر چلے گئے۔ اندر سے کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ اس کے ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کی دستی تصویر اور دوسری طرف مریم کی تصویر تھی۔ عالم نے کہا ــــ "یہ میرا گرجا ہے اور پناہ گاہ بھی۔"

"خطرے کی صورت میں آپ کے پاس کیا انتظام ہے؟" آنکھ کی ہری پٹی والے نے پوچھا اور مشورہ دیا ــــ "آپ کو صلیب اور یہ تصویریں اس طرح سامنے نہیں رکھنی چاہئیں۔"

"یہاں تک کسی کے آنے کا خطرہ نہیں۔" عالم نے جواب دیا اور ہنس کر کہا۔ "مسلمان بڑی سیدھی اور جذباتی قوم ہے۔ یہ قوم جذباتی الفاظ اور سنسنی خیز دلائل پر مرتی ہے۔ جنس انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں ان لوگوں میں یہ کمزوری ابھار رہا ہوں۔ انہیں یہ سبق دے رہا ہوں کہ چار شادیاں فرض ہیں۔ آہستہ آہستہ انہیں بدکاری کی طرف راغب کر رہا ہوں۔ مذہب کے نام پر تم مسلمان سے بدی بھی کرا سکتے ہو نیکی بھی۔ ہاتھ میں قرآن رکھ کر بات کرو تو یہ لوگ احمقانہ باتوں کے بھی قائل ہو جاتے ہیں اور جھوٹ کو بھی سچ مان لیتے ہیں۔ میرا تجربہ کامیاب ہے۔ میں یہاں اپنے جیسا ایک گروہ پیدا کر لوں گا جو مسجد میں بیٹھ کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر ان لوگوں کے جذبۂ جہاد کو اور کردار کو قتل کر دے گا۔ عورت کے متعلق میں ان لوگوں کے نظریات بدل رہا ہوں۔ صلاح الدّین نے عورتوں کو بھی عسکری تربیت دینی شروع کر دی ہے۔ میں انہیں بتا رہا ہوں کہ عورت کو گھر میں قید رکھو۔ میں اس قوم کی نصف آبادی کو بیکار کر دوں گا۔"

"فوج کے خلاف نفرت پیدا کرنا ضروری ہے۔" ہری پٹی والے کے ساتھی نے کہا ــــ "صلاح الدّین ایوبی نے یہی کمال کر دکھایا ہے کہ قوم اور فوج کو ایک کر دیا ہے۔ وہ اس وقت اعلان کر دے کہ یروشلم فتح کرنا ہے تو مصر کی ساری آبادی اس کے ساتھ چل پڑے گی۔"

"لیکن وہ ایسا اعلان کرے گا نہیں۔" عالم نے کہا ــــ "وہ دانشمند ہے۔ وہ جذباتی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک تربیت یافتہ سپاہی کو ایک سو غیر تربیت یافتہ

جوشیلے آدمیوں پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کھوکھلے نعروں سے قوم کو بھڑکاتا نہیں۔ حقیقت کی بات کرتا ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اس کی قوم کو حقیقت اور تربیت سے دُور رکھیں اور اسے جذباتی بنا دیں۔ اس قوم میں شعور کی بجائے جوشش رہ جائے۔ وہ جوش جس میں حقیقت پسندی اور دانشمندی نہ ہو، دشمن کے پہلے تیر سے ہی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ خواہ تیر قریب سے گزر جائے۔ ہم ان میں صرف جوش رہنے دیں گے۔ تم نے سنا ہے کہ میں اپنے درس میں صلاح الدّین ایوبی کی بہت تعریفیں کر رہا تھا۔"

"یہ باتیں تو ہم بعد میں کریں گے۔" اس آدمی نے کہا ــــ "دونوں لڑکیاں دکھا دیں اور یہ بتائیں کہ ہمیں یہاں کس وقت اور کس طرح پناہ مل سکتی ہے اور یہاں اپنا کوئی اور آدمی رہتا ہے یا نہیں۔"

"نہیں!" ــــ عالم نے جواب دیا ــــ "یہاں اور کوئی نہیں رہتا۔"

ان کے درمیان کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا۔ وہ خفیہ الفاظ میں ایک دوسرے کو پہچان چکے تھے۔ عالم کمرے سے نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو بڑی ہی خوبصورت اور جوان لڑکیاں تھیں۔ یہی وہ دو لڑکیاں تھیں جن کے متعلق اس نے لوگوں کو بتایا تھا کہ اس کی بیویاں ہیں۔ انہیں وہ سر سے پاؤں تک برقعے میں چھپا کر رکھتا تھا۔ مگر ان دو آدمیوں کے سامنے وہ بے پردہ آئیں۔ عالم نے ان کا تعارف دونوں آدمیوں سے کرایا اور الماری میں سے شراب کی بوتل نکالی۔ ایک لڑکی گلاس لے آئی۔ شراب گلاسوں میں ڈالی گئی۔ ان دونوں آدمیوں نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔

"پہلے کام کی باتیں کریں۔" ہری پٹی والے نے کہا۔

"ہمیں دو آدمیوں کو قتل کرنا ہے۔" دوسرے نے کہا ــــ "صلاح الدّین ایوبی کو اور علی بن سفیان کو۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم نے دونوں کو نہیں دیکھا۔ ہمیں دونوں آدمی دکھا دیں۔ کیا آپ نے انہیں دیکھا ہے؟"

"اتنا دیکھا ہے کہ دونوں کو اندھیرے میں بھی پہچان سکتا ہوں۔" عالم نے کہا ــــ "میں نے جو مہم شروع کر رکھی ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ دونوں کو اچھی طرح پہچان لوں۔ علی بن سفیان اتنا ذہین اور کھاگ ہے کہ اپنے کسی جاسوس کو یہاں بھیجنے کی بجائے خود یہاں آ سکتا ہے۔ اگر وہ بھیس بدل کر میرے سامنے آئے تو بھی اسے پہچان لوں گا۔"

"اور صلاح الدّین ایوبی کے متعلق کیا خیال ہے؟" ــــ ہری پٹی والے پوچھا۔

"اسے بھی خوب پہچانتا ہوں۔" عالم نے جواب دیا۔

ہری پٹی والے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی کنپٹیوں پر رکھے۔ داڑھی کو پکڑا اور ہاتھوں کو نیچے کو جھٹکا دیا۔ اس کی لمبی داڑھی اور گھنی مونچھیں اس کے چہرے سے الگ ہو گئیں۔ نیچے چھوٹی سی داڑھی رہ گئی جو نہایت اچھی طرح تراشی ہوئی تھی۔ مونچھیں بھی تراشیدہ تھیں۔ لمبی داڑھی اور گھنی مونچھیں مصنوعی تھیں جو اب اس نے ہاتھ میں لے رکھی تھیں۔ اس نے آنکھ سے ہری پٹی بھی نوچ کر پرے پھینک دی۔ عالم جہاں تھا وہیں بُت بن گیا۔ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں اور اس کا منہ کھل گیا۔ دونوں لڑکیاں حیران و ششدر کبھی اس آدمی کو دیکھتیں جس نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا، کبھی عالم کو دیکھتیں جس کا رنگ لاش کی طرح ہو گیا تھا۔ عالم کے منہ سے حیرت اور گھبراہٹ میں ڈوبی ہوئی سرگوشی نکلی ۔۔۔ "صلاح الدّین ایوّبی!"

"ہاں دوست!" اسے جواب ملا ۔ "میں صلاح الدّین ایوّبی ہوں۔ تمہاری شہرت سن کر تمہارا درس سننے آیا تھا" ۔۔۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھی کی داڑھی کو مٹھی میں لے کر جھٹکا دیا تو اس کی داڑھی چہرے سے الگ ہو گئی۔ اس نے عالم سے کہا ۔۔۔ "آپ اسے بھی پہچانتے ہوں گے؟"

"پہچانتا ہوں" عالم نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا ۔۔۔ "علی بن سفیان"

علی بن سفیان کی صرف ٹھوڑی پر داڑھی تھی۔ اچانک لڑکیاں اور عالم پیچھے کو دوڑے اور الماری میں سے چھ‌ر‌ے‌ن‌ما تلواریں نکال لیں مگر وہ اِدھر کو گھومے تو ان کی تلواریں جھک گئیں کیونکہ صلاح الدین ایوّبی اور علی بن سفیان نے چغوں کے اندر سے اسی قسم کی تلواریں نکال لی تھیں۔ لڑکیوں کو تیغ زنی کی مشق تو کرائی گئی تھی لیکن دو پیشہ ور تیغ زنوں کے مقابلے میں نہ آسکیں۔ ان سے تلواریں رکھوالی گئیں۔ علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ ذرا سی دیر میں چھ آدمی جو باہر کھڑے تھے اسی سائز کی تلواریں سونتے کھڑکی میں سے کود کر آ گئے۔

دوسرے دن مسجد کے سامنے اس علاقے کے لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہاں چند ایک سرکاری اہل کار بھی تھے جو لوگوں کو باری باری عالم کے اس خفیہ کمرے میں لے جا رہے تھے جہاں صلیب، حضرت عیسیٰؑ اور مریم کی تصویریں آویزاں تھیں۔ لوگوں کو شراب کی بوتلیں بھی دکھائی گئیں۔ اہل کار لوگوں کو عالم کی اصلیت بتا رہے تھے اور وہ جہاد کا جو نظریہ پیش کرتا رہتا تھا اس کی وضاحت کر رہے تھے۔

✪

سلطان ایوّبی کی ہدایت پر علی بن سفیان نے سارے ملک میں جاسوسوں کا جال بچھا

دیا تھا کیونکہ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ملک میں، خصوصاً قاہرہ میں صلیبیوں نے بہت سے جاسوس اور تخریب کار بھیج دیئے تھے۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کی کردار کشی کی جو زمین دوز مہم چلائی تھی وہ سلطان ایوّبی کو زیادہ پریشان کر رہی تھی۔ اسے جب علی بن سفیان نے اطلاع دی تھی کہ ایک مسجد کا پیش امام ہر رات درس دیتا ہے اور اسلامی نظریات کو بگاڑ رہا ہے تو سلطان ایوّبی نے فوراً ہی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اس عالم کو گرفتار کر لو۔ اس نے کہا تھا ۔۔۔ "علی! مذہب میں فرقہ بندی شروع ہو گئی ہے۔ یہ پیش امام کسی فرقے کا ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن کی اپنی تفسیر پیش کر رہا ہو۔ میں مذہب میں دخل نہیں دینا چاہتا۔ میں حاکم ہوں عالم نہیں ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تخریب کار ہے تو گرفتاری سے پہلے پوری طرح چھان بین کر لو۔ پیش امام کا درجہ مجھ سے بہت زیادہ بلند ہے"

علی بن سفیان خود اس مسجد میں درس سننے نہیں گیا تھا کیونکہ اسے شک تھا کہ اگر یہ پیشِ امام واقعی دشمن کا بھیجا ہوا تخریب کار ہے تو اسے پہچانتا ہو گا۔ اس نے اپنے ذہین سراغرساں مسجد میں بھیجے تھے جو دس بارہ مرتبہ وہاں گئے اور انہوں نے جو درس سنے وہ من و عن علی بن سفیان کو سنا دیئے۔ آخر ایک رات اس صلیبی "عالم" نے جہاد پر درس دیا اور یہ تاویل پیش کی جو صلاح الدّین ایوّبی نے بھی سنی۔ سراغرسانوں نے یہ درس علی بن سفیان کو سنایا تو کوئی شک نہ رہا۔ علی نے سلطان ایوّبی کو بتایا اور یہ رائے دی کہ اگر یہ شخص صلیبیوں کا جاسوس اور تخریب کار نہیں تو بھی اسے پکڑنا یا روکنا ضروری ہے کیونکہ وہ جہاد کا ایسا نظریہ پیش کر رہا ہے جو صرف وہ آدمی پیش کر سکتا ہے جو دشمن کا آدمی ہو یا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

سلطان ایوّبی نے یہ رپورٹ بڑی ہی غور سے سنی اور کہا کہ معاملہ ہر حال مذہب، مسجد اور پیش امام کا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ علی بن سفیان کے ساتھ خود بہروپ میں درس سننے جائے گا اور خود یقین کرے گا کہ پیش امام کی نیّت اور اصلیّت کیا ہے۔ جہاد کے ساتھ حیوانی جذبے کے ذکر نے سلطان ایوبی کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے یہ بہروپ تیار کرایا تھا جس میں وہ مسجد میں گئے تھے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور جاسوسی کے خلاف دفاع کے فن کا ماہر تھا۔ اس نے سلطان ایوّبی کو اپنی ایک اور کامیابی سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ نیفی

الفاطمی کو جس صلیبی لڑکی نے موقعہ پر گرفتار کرایا اور احمد کمال نام کے ایک کماندار کی خاطر اسلام قبول کرنے اور اس کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر ماری گئی تھی۔ اس نے وہ خفیہ الفاظ اور اشارے بتائے تھے جو صلیبی جاسوس ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس کی نشاندہی پر چند ایک مسلمان بھی پکڑے گئے تھے جو صلیبیوں سے زر و جواہرات اور خوبصورت لڑکیاں لے کر ان کے لیے جاسوسی کرتے تھے۔ انہوں نے بھی علی بن سفیان کے تہہ خانے میں تصدیق کی تھی کہ یہ الفاظ اور اشارے استعمال ہوتے ہیں۔ اشارے یہ تھے کہ جاسوس جو ایک دوسرے سے پہلی بار ملتے اور ایک دوسرے کے متعلق یقین کرنا چاہتے تھے ان میں سے ایک آسمان کی طرف دیکھ کر کہتا تھا —"معلوم نہیں موسم کیسا رہے گا"— وہ ایسی بے پروائی کے سے لہجے میں کہتا تھا جیسے یونہی اسے موسم کا خیال آگیا ہو۔ دوسرا کہتا تھا "بارش آئے گی"۔ اسے جواب ملتا تھا "آسمان بالکل صاف ہے"۔ دوسرا کہتا تھا —"ہم گھٹائیں لائیں گے"— اور وہ قہقہہ لگاتا تھا۔ قہقہے کی ضرورت یہ ہوتی تھی کہ یہ مکالمہ کوئی اور سن لے یا دوسرا آدمی جاسوس نہ ہو تو وہ یہ سمجھے کہ اس آدمی نے مذاق کیا ہے۔ علی بن سفیان کو بتایا گیا تھا کہ یہ خفیہ مکالمہ اس وقت بدلا جائے گا جب یہ ظاہر ہو جائے گا۔ دوسری بات جو علی نے معلوم کی تھی وہ یہ تھی کہ جاسوس ایک دوسرے کو اپنا نام نہیں بتاتے۔ ان کا ہیڈکوارٹر فلسطین کا ایک قصبہ شوبک تھا جو ایک قلعہ تھا۔ یہ صلیبیوں کا جاسوسی کا مرکز تھا۔

ان انکشافات کے سہارے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان بہروپ میں مسجد میں چلے گئے۔ انہوں نے جہاد کے درس کی خواہش ظاہر کی تو عالم نے خواہش پوری کر دی۔ پھر وہ اس کے پاس اکیلے رہ گئے اور ان خفیہ مکالموں نے عالم کو بے نقاب کر دیا۔ اس نے بعد میں بیان دیا تھا کہ وہ اتنا کچا جاسوس نہیں تھا کہ وہ اجنبی آدمیوں کے آگے اپنا آپ ظاہر کر دیتا۔ اسے ان خفیہ الفاظ نے پھنسایا، کیونکہ یہ مکالمہ ہر ایک جاسوس کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ جاسوسوں کے اعلیٰ درجے کا مکالمہ ہے۔ اس سے نیچے اس سے کوئی جاسوس واقف نہیں ہوتا۔ اس مکالمے کے بعد کا قہقہہ خاص طور پر قابلِ ذکر تھا۔ اس کے بغیر ایک دوسرے پر اپنا راز فاش نہیں کیا جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے قہقہہ لگایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ چھ جانبازوں کو بھی لے گیا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت مدد دیں۔

علی بن سفیان نے اس جاسوس کو اور دونوں لڑکیوں کو اپنے تہہ خانے میں بند کر دیا اور سب سے پہلے اس علاقے میں جا کر تفتیش کی کہ یہ شخص اس مسجد پر قابض کس طرح ہوا اور اس سے پہلے وہ جس جھونپڑے میں رہتا تھا وہ اُسے کس نے دیا تھا۔ وہاں کے مختلف لوگوں نے جو بیان دیئے ان سے پتہ چلا کہ یہ شخص دو بیویوں کے ساتھ اس آبادی میں آیا۔ پہلے ایک آدمی کے گھر مہمان رہا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی عالم فاضل ہے تو انہوں نے اسے یہ جھونپڑا دے دیا۔ وہ اس مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا۔ وہاں بہت مدّت سے ایک پیش امام تھا۔ یہ شخص پیش امام کا مرید بن گیا۔ پندرہ سولہ روز بعد پیش امام نے مسجد میں ہی پیٹ درد کی شکایت کی۔ یہ شکایت اتنی تیزی سے بڑھی کہ اس کے بعد پیش امام مسجد میں نہ آسکا۔ حکیموں نے گھر جا کر دیکھا۔ دوائیاں دیں مگر وہ تیسرے روز مر گیا۔ اس کے بعد اس عالم نے لوگوں سے بات کر کے مسجد سنبھال لی۔ اس نے ایسا تاثر پیدا کیا کہ لوگ اس کے عقیدت مند ہو گئے اور اس کی ضرورت کے مطابق اسے مکان دے دیا۔

علی بن سفیان کے پوچھنے پر لوگوں نے اسے بتایا کہ انہوں نے کئی بار اس شخص کو پیش امام کے لیے کھانا لے جاتے دیکھا تھا۔ علی بن سفیان جان گیا کہ پیش امام کو اس آدمی نے زہر دیا ہے اور اسے راستے سے ہٹا کر مسجد پر قبضہ کیا تھا۔ اس جاسوس کے گھر کی تلاشی میں بہت سے ہتھیار برآمد ہوئے تھے جو مختلف جگہوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ وہاں سے زہر بھی برآمد ہوا۔ وہ ایک کتے کو دیا گیا تو کتا تین دن بے چین رہا اور گرتا اور اٹھتا رہا۔ تیسرے دن شام کے بعد کتا مر گیا۔

علی بن سفیان نے اپنی تفتیش سلطان ایوبی کے آگے رکھی تو سلطان نے اُسے کہا —"ان تینوں کو قید میں خوب پریشان کرو اور انہیں خوفزدہ کیے رکھو، لیکن میں انہیں جلّاد کے حوالے نہیں کروں گا اور انہیں قید میں بھی نہیں ڈالوں گا"۔

"پھر آپ کیا کریں گے؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"میں انہیں حفاظت اور عزّت سے واپس بھیج دوں گا"۔ علی بن سفیان نے حیرت زدہ ہو کر سلطان ایوبی کے منہ کی طرف دیکھا۔ سلطان نے کہا —"میں ایک جوا کھیلنا چاہتا ہوں علی! ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بازی لگاؤں یا نہیں"— اس نے ذرا توقف سے کہا —"کل دوپہر کے کھانے کے بعد نائب سالاروں، مشیروں، اعلیٰ کمانداروں اور انتظامیہ کے ہر شعبے کے سربراہ کو میرے پاس لے آنا۔ تمہاری

موجودگی بھی ضروری ہے۔"

علی بن سفیان نے اس رات پہلی بار اس "عالم" سے تفتیش کی لیکن وہ بڑا سخت آدمی نکلا۔ اس نے کہا۔ "غور سے میری بات سن لو علی بن سفیان! ہم دونوں ایک ہی میدان کے سپاہی ہیں۔ تم میرے ملک میں کبھی پکڑے گئے تو مجھے امید ہے کہ تم جان دے دو گے، اپنے ملک اور اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دو گے۔ تم یہی توقع مجھ سے رکھو۔ مجھے معلوم ہے میرا انجام کیا ہوگا۔ اگر میں تمہیں وہ ساری باتیں بتا دوں جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو تو بھی تم لوگ مجھے بخشو گے نہیں۔ مجھے اس قید خانے میں مرنا ہے خواہ تم جلادوں سے مروا دو خواہ اذیت میں ڈال کر مار دو۔ پھر میں کیوں اپنی قوم کو دھوکہ دوں۔"

"مجھے امید ہے کہ تم اپنا ارادہ بدل دو گے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "کیا تم ان دو لڑکیوں کی عزت بچانے کی خاطر یہ پسند نہیں کرو گے کہ میں جو پوچھوں وہ مجھے بتا دو؟"

"کیسی عزت؟" اس نے جواب دیا۔ "ان لڑکیوں کے پاس صرف حسن اور ناز نخرے میں یا وہ استادی ہے جس سے وہ پتھر دل کو بھی موم کر لیتی ہیں۔ ان کے پاس عزت نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہی تو انہیں سکھلایا جاتا ہے کہ اپنی عزت سے دستبردار ہو جاؤ۔ ہم لوگ اپنی جان اور عزت بہت دور پھینک آتے ہیں۔ تم ان لڑکیوں کے ساتھ جیسا بھی سلوک کرنا چاہو کر لو۔ انہیں میرے سامنے ذلیل کر لو، میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ لڑکیاں بھی تمہیں کچھ نہیں بتائیں گی۔"

"جاسوس لڑکیوں کو ہم سزائے موت دے دیا کرتے ہیں انہیں ذلیل کبھی نہیں کیا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "ہمارا مذہب عورت کو اذیت میں ڈالنے کی ہمیں اجازت نہیں دیتا۔"

"میرے دوست!" جاسوس نے کہا۔ "تم پیار کا حربہ استعمال کرو یا اذیت کا ہم میں سے کوئی بھی اپنے ان ساتھیوں کی نشاندہی نہیں کرے گا جو تمہاری سلطنت کی جڑوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم نے لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں اس کے عوض تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری جنگ نہیں یہ صلیب اور چاند تارے کی جنگ ہے۔ میں اُن معمولی سے جاسوسوں میں سے نہیں ہوں جو

ادھر کی خبریں اُدھر بھیجتے اور تمہارے آئندہ کے ارادے معلوم کرتے رہتے ہیں۔ اس شعبے میں میرا رُتبہ بہت اونچا ہے۔ میں عالم ہوں۔ اپنے مذہب کا مطالعہ اتنا ہی گہرا کیا جتنا تمہارے مذہب کا۔ انجیل اور قرآن کی تہہ تک پہنچا ہوں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمہارا مذہب بہتر اور سادہ ہے۔ یہ ہر انسان کا مذہب ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ اس کی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے مذہب کی اصلیت کو بگاڑ دیا ہے تاکہ اس کی مقبولیت ختم ہو جائے۔ یہودیوں نے مسلمان علماء کے بھیس میں اس میں بے بنیاد روایات شامل کر دی ہیں۔ اسلام توہمات کے خلاف تھا مگر اس وقت سب سے زیادہ توہم پرست مسلمان ہیں۔ میں نے چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت مسلمانوں کو سجدے کرتے اور نذرانے دیتے دیکھا ہے اور ایسی کئی ایک بدعتیں تمہارے مذہب میں شامل کر دی گئی ہیں....

"ہم ایک لمبی مُدت سے تمہارے اصل نظریات کو بگاڑ رہے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں صرف دو مذہب رہ جائیں گے۔ ایک عیسائیت دوسرا اسلام، اور یہ دونوں اُس وقت تک معرکہ آرا رہیں گے جب تک کہ دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔ کسی بھی مذہب کو تیروں اور تلواروں سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کسی مذہب کو تبلیغ سے بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا یہی ایک طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا تھا۔ میں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ اس مہم میں میں اکیلا نہیں۔ پورا ایک گروہ تمہارے نظریات پر حملہ آور ہوا ہے۔"

علی بن سفیان اس کے سامنے ٹہل رہا تھا اور اس کی باتیں غور سے سُن رہا تھا۔ اس نے عالم جاسوس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ اس کا ارادہ تو یہ تھا کہ اس جاسوس کو بھی ہر جاسوس کی طرح اذیتوں کے اُسی مرحلے میں سے گزارے گا جہاں کسی بھی ملک کے جاسوس سارے راز اُگل دیتے ہیں لیکن اس نے قید خانے کے ایک محافظ کو بلا کر اس آدمی کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھلوا دیں اور اس کے لیے پانی اور کھانا منگوایا۔ اس نے کہا۔ "میرے اس سلوک کو اگلوانے کا حربہ نہ سمجھنا۔ ہم عالموں کی قدر کیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں۔ میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ جو کچھ بتانا پسند کرتے ہو بتا دو۔"

"اور میں تمہاری قدر کرتا ہوں علی!" عالم جاسوس نے کہا۔ "میں نے

تمہاری بہت تعریف سنی ہے۔ تم میں فن کا کمال بھی ہے اور جذبے کی حرارت بھی۔ تمہارے لیے سب سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ صلیبی بادشاہ تمہیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صلاح الدّین ایوّبی اور نورالدین زنگی کے ہم پلّہ ہو..... میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں نے علم سے یہ حاصل کیا ہے کہ کسی قوم کے تہذیب و تمدن اور مذہب کو بگاڑ دو تو فوجوں کے حملے اور جنگ و جدل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں جنسی آگ بھڑکا دو۔ یقین نہ آئے تو اپنے مسلمان حکمرانوں کی حالت دیکھ لو۔ تمہارے رسولؐ نے کہا تھا کہ نفس کو مارو کہ یہی تباہی کی جڑ ہے۔ تمہاری قوم نے اس پر کب تک عمل کیا؟ رسولؐ کی زندگی تک۔ یہودیوں نے اپنی حسین لڑکیوں سے تمہاری قوم کو بھڑکایا۔ آج تمہاری قوم نفس کی غلام ہو گئی ہے۔ تم میں جس کے پاس دولت آجاتی ہے وہ سب سے پہلے حرم کو عورتوں سے بھرتا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ غریب ہی ہو، چار بیویاں ضرور رکھنا چاہتا ہے۔ یہودیوں نے مولویوں کے روپ میں تمہارے نظریات میں جنسیت ڈال دی۔ اگر اپنے رسولؐ کی ہدایت پر مسلمان عمل پیرا رہتے تو میں یہ یقین سے کہتا ہوں کہ آج دنیا کا تین چوتھائی حصہ مسلمان ہوتا، مگر اب یہ حال ہے تین چوتھائی مسلمان برائے نام مسلمان ہیں اور تمہاری سلطنت سکڑتی سمٹتی چلی جارہی ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ اس حملے کا نتیجہ ہے جو مجھ جیسے عالموں نے تمہارے مذہب اور تہذیب و تمدن پر کیا ہے۔

"میرے دوست! یہ حملے جاری رہیں گے۔ میں پیشین گوئی کر سکتا ہوں کہ ایک روز اسلام اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ اگر ہوگا تو ایک فرسودہ نظریئے کی شکل میں موجود رہے گا اور اس کے پیروکار جنسی لذّت میں مست ہوں گے۔ ہر کوئی صلاح الدّین اور نورالدّین نہیں بن سکتا۔ انہیں کل پرسوں مر جانا ہے۔ ان کے بعد جو آئیں گے، انہیں ہم نفس پرستی میں مبتلا کر دیں گے۔ مجھے قتل کر دو۔ میری مہم کو قتل نہیں کر سکو گے۔ انسانوں کے مر جانے سے مقاصد نہیں مر جایا کرتے۔ میری جگہ کوئی اور آجائے گا۔ ہم اسلام کو ختم کر کے یا اپنا غلام بنا کر دم لیں گے..... اب چاہو تو مجھے جلّاد کے حوالے کر سکتے ہو۔ میں اور کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

علی بن سفیان نے اس سے اور پوچھا بھی کچھ نہیں۔ وہ غالباً سوچ رہا تھا کہ اس کا کام کس قدر دشوار اور کتنا نازک ہے۔ اس صلیبی تخریب کار نے جو کچھ کہا سچ

تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ قوم میں اخلاقی تباہی کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں۔ عرب کے امراء و وزراء تو پوری طرح تباہ ہو چکے تھے۔ صلاح الدّین ایوّبی میدانِ جنگ میں صلیبیوں کو شکست دے کر سلطنتِ اسلامیہ کو وسیع تر کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا مگر صلیبیوں نے ایسے پہلو سے حملہ کیا تھا جسے روکنا سلطان ایوّبی کے بس سے باہر نظر آتا تھا..... علی بن سفیان عالم جاسوس کی کوٹھری بند کرا کے اُن کوٹھڑیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا جن میں لڑکیاں قید تھیں۔ وہ ایک کوٹھڑی کھلوا کر اندر چلا گیا۔ لڑکی فرش پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ علی اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔

✪

اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد فوج اور انتظامیہ کے تمام حاکم اور عہدیدار اس کمرے میں جمع تھے جہاں صلاح الدّین ایوّبی انہیں احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ ان سب کو پتہ چل چکا تھا کہ ایک جاسوس دو لڑکیوں کے ہمراہ پکڑا گیا ہے۔ وہ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ سلطان ایوّبی آگیا۔ اس نے سب کو گہری نظر سے یوں دیکھا جیسے ان میں سے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔

"میرے عزیز ساتھیو!" اس نے کہا — "آپ نے سُن لیا ہوگا کہ ہم نے ایک مسجد سے ایک صلیبی کو پکڑا ہے جو وہاں باقاعدہ امام بنا ہوا تھا۔" اس نے تفصیل سے بتایا کہ اُسے کس طرح پکڑا گیا ہے۔ پھر انہیں وہ باتیں سنائیں جو جاسوس نے علی بن سفیان کے ساتھ قید خانے میں کی تھیں۔ علی بن سفیان یہ باتیں سلطان ایوّبی کو سنا چکا تھا۔

صلاح الدّین ایوّبی نے کہا — "میں نے آپ کو یہ وعظ سنانے کے لیے نہیں بلایا کہ جاسوسوں اور تخریب کاروں سے بچو۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والا جہنّم میں جائے گا۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنے والے کے لیے میں یہ دنیا جہنّم بنا دوں گا۔ میں اب کسی غدّار کو سزائے موت نہیں دوں گا۔ موت نجات کا ذریعہ ہے۔ میں نے اب غدّار کے لیے یہ سزا مقرر کی ہے کہ اس کے گلے میں رسّی ڈال کر ایک تختی آگے اور ایک پیچھے لٹکا کر اسے ہر روز بازاروں میں گھما پھرا کر چوک میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ تختیوں پر لکھا ہوگا — 'میں غدّار ہوں'۔ اسے ہر روز صبح سے شام کھڑا رکھا جائے گا تا آنکہ وہ بھوکا پیاسا مر جائے گا اور اس کی لاش شہر سے باہر پھینک دی

جائے گی جس کے لواحقین کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ اس کا جنازہ پڑھیں یا اسے دفن کریں....

"لیکن میرے عزیز دوستو! اس سے دشمن کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ایک اور غدار پیدا کرلے گا۔ جب تک اس کے پاس عورت کی بے حیائی اور زر و جواہرات کی فراوانی اور ہمارے پاس ایمان کی کمی ہے، وہ غدار پیدا کرتا رہے گا۔ کیا یہ آپ کی غیرت کے لیے چیلنج نہیں کہ آپ کا دشمن آپ کی مسجد میں بیٹھ کر آپ کا قرآن ہاتھ میں لے کر آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مسخ کرے؟ اس پہلو پر بھی غور کریں کہ صلیبی جو لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے اور ہماری قوم کی کردار کشی کے لیے بھیج رہے ہیں، ان میں بہت سی لڑکیاں مسلمانوں کی بچیاں ہیں جنہیں ان کفار نے قافلوں سے اغوا کیا اور انہیں بدکاری کی شرمناک تربیت دے کر جاسوسی کے لیے تیار کیا ہے۔ فلسطین کفار کے قبضے میں ہے۔ وہاں مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا ہے، وہ مختصراً یہ ہے کہ صلیبی ان کے گھروں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ وہ فریاد کرتے ہیں تو قید خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کی کمسن بچیوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ ان میں جو غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی ہیں ان کے ذہنوں سے مذہب اور قومیت نکال دی جاتی ہے اور انہیں بے حیائی کی تربیت دے کر مردوں کو انگلیوں پر نچانا سکھا کر انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ اس گروہ میں ان کی اپنی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان میں تو شرم و حجاب اور عصمت کی کوئی قدر ہی نہیں۔ وہ مسلمان بچیوں کو بھی بدی کے لیے استعمال کرتے ہیں....

"انہوں نے جب فلسطین پر قبضہ کیا تو وہاں سب سے بڑا جو انقلاب لائے وہ یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے جینا حرام کر دیا۔ ان کا قتلِ عام کیا، ان کے گھروں کو لوٹ لیا، مسجدوں کو اصطبلوں اور گرجوں میں بدل دیا، مسلمان بچیوں کو اغوا کر کے انہیں قحبہ خانوں میں بٹھا دیا گیا، جو خوبصورت نکلیں انہیں تخریب کاری اور بدکاری کی تربیت دے کر ہمارے امیروں اور وزیروں کے حرموں میں داخل کر دیا اور انہیں ہمارے خلاف بھی استعمال کیا۔ مسلمان گھرانوں کی بچیوں کے گلوں میں انہوں نے صلیب لٹکا دی۔ مسلمان جو فلسطین سے بھاگے اور ہمارے پاس پناہ لینے کے لیے قافلہ در قافلہ چلے انہیں راستے میں شہید کر دیا گیا۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی آبروریزی سرِعام ہوئی اور میرے کلمہ گو بھائیو! یہ سلسلہ رکا نہیں۔ ابھی تک جاری ہے۔ صلیبیوں کا مقصد

صرف یہ ہے کہ اسلام کا کوئی نام لیوا زندہ نہ رہے اور مسلمان لڑکیاں عیسائیوں کو جنم دیں۔ ہم سب پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے کہ ہم اپنے ان مسلمان بھائیوں اور ان کی بچیوں کو فراموش کیے بیٹھے ہیں جو وہاں ذلت اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ان شہیدوں کو بھی فراموش کیے بیٹھے ہیں جو صلیبیوں کی بربریت کا شکار ہوئے.... میں آپ کو کوئی حکم دینے سے پہلے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس صورتِ حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ میں تجربہ کار فوجی ہیں اور انتظامیہ کے حاکم بھی۔"

پرانی عمر کا ایک کمانڈر اٹھا۔ اس نے کہا — "امیرِ مصر! ہمیں آپ کے حکم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ حکمِ خداوندی ہے کہ تمہارے پڑوس میں مسلمان نسل پر ظلم ہو رہا ہو اور وہاں کے مسلمان خدا کو مدد کے لیے پکار رہے ہوں تو ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس ملک پر فوج کشی کر کے اپنے کلمہ گو بھائیوں کو نجات دلائیں۔ ہمیں فلسطین پر فوج کشی کرنی چاہیے۔"

نائب سالار کے رتبے کے ایک اور شخص نے اٹھ کر جوش سے کہا — "کفار پر فوج کشی سے پہلے آپ ان مسلمان حاکموں اور امراء پر فوج کشی کریں جو درپردہ کفار کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہ صورتِ حال باعثِ شرم ہے کہ ہماری صفوں میں غدار بھی ہیں۔ فیض الفاطمی کے رتبے کا آدمی غدار ہو سکتا ہے تو چھوٹے عہدوں پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمان بچی کی آبروریزی کا انتقام لینے کے لیے ساری قوم کو فنا ہو جانا چاہیے مگر یہاں ہماری ایک پوری نسل کی آبروریزی ہو رہی ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ صلیبیوں نے ہماری بچیوں کو بدکاری کے لیے تیار کیا اور ہم سے ان کے ساتھ بدکاری کرا رہے ہیں۔ محترم امیر! اگر میں جذباتی نہیں ہو گیا تو مجھے یہ تجویز پیش کرنے کی اجازت دیں کہ ہمیں فلسطین لینا ہے۔ صلیبیوں نے ہمارے قبلۂ اول کو بدی کا مرکز بنا دیا ہے۔"

ایک اور آدمی اٹھا لیکن سلطان ایوبی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بٹھا دیا اور کہا — "میں یہی سننا چاہتا تھا۔ آپ میں سے جو میرے قریب رہتے ہیں جانتے ہیں کہ میرا اولین ہدف فلسطین ہے۔ میں مصر کی امارت کے فرائض سنبھالتے ہی فلسطین پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر دو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، ایمان فروشوں نے مجھے مصر میں ایسا الجھایا ہے جیسے میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ ذرا ان دو سالوں کے واقعات پر غور کریں۔ آپ صلیبی تخریب کاروں

اور غداروں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ سوڈانیوں کو ہمارے خلاف لڑانے والے ہم میں سے ہی ہیں۔ سوڈانی حبشیوں سے مصر پر حملہ کرانے والے ہمارے اپنے سالار اور کماندار تھے۔ وہ اس قومی خزانے سے تنخواہ لیتے تھے جس میں قوم کا پیسہ ہے اور جس میں خدا کے نام پہ دی ہوئی زکوٰۃ کا پیسہ ہے۔ میں نے اس امید پہ دو سال گزار دیئے ہیں کہ میں جاسوسوں، انہیں پناہ اور مدد دینے والوں اور ایمان فروشوں کو ختم کرکے فلسطین پہ حملہ کروں گا، لیکن میں اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ تخریب کاری کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ کیوں نہ اس چشمے کو جا کر بند کیا جائے جہاں اسلام دشمنی کے سامان پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہم صلیبیوں کو خود موقع دے رہے ہیں کہ وہ ہماری صفوں میں غدار پیدا کریں....

"میں نے آپ کو آج اس لیے بلایا ہے کہ فلسطین پہ حملے میں اب زیادہ تاخیر نہیں ہوگی۔ فوج کی جنگی مشقیں اور تربیت تیز کردو۔ مجاہدین کو لمبے عرصے کا محاصرہ کرنے کی مشق کراؤ۔ مجھے ترک اور شامی دستوں پہ پورا اعتماد ہے۔ مصریوں اور وفادار سوڈانیوں میں جذبہ پیدا اور پختہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں دشمن کے خلاف قہر اور غضب پیدا کر دو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ ان میں غیرت پیدا کرو اور انہیں بتاؤ کہ وہ تمہاری ہی بہنیں اور بیٹیاں ہیں جو صلیبیوں کی درندگی کا شکار ہو رہی ہیں.... آپ میں انتظامیہ کے جو حضرات ہیں ان کے ذمے یہ فرض ہے کہ وہ مسجدوں کے پیش اماموں سے کہیں کہ لوگوں پر جہاد کی غرض و غایت واضح کریں اور نو عمر لڑکوں میں عسکری خیالات پیدا کریں۔ کوئی بھی پیش امام یا خطیب اسلامی نظریات کو غلطی سے یا دانستہ غلط رنگ میں پیش کرتا ہے اسے امامت کے فرائض سے سبکدوش کر دیں۔ اگر کردار مضبوط ہو تو کوئی کشش اور کوئی انگیخت گمراہ نہیں کر سکتی۔ ذہنوں کو فارغ نہ رہنے دیں، کھلا نہ چھوڑیں۔ ورنہ دشمن انہیں استعمال کرے گا.... فوجوں کے کوچ کے احکامات آپ کو جلدی مل جائیں گے۔ اللہ آپ کا حامی اور ناصر ہے۔"

سات روز گزر گئے۔

عالم جاسوس اور دونوں لڑکیوں کو سلطان ایوبی نے ملاقات کے لیے بلایا۔ انہیں لایا گیا تو سلطان ایوبی نے کہا کہ انہیں دوسرے کمرے میں بٹھا دو۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں تھیں۔ انہیں جس کمرے میں بٹھایا گیا وہ سلطان ایوبی کے خاص کمرے کے ساتھ تھا۔ دونوں کے درمیان ایک دروازہ تھا،

جس کا ایک کواڑ کھلا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے ٹہلتے ٹہلتے کہا۔ "میں فوری طور پر کرک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

کرک فلسطین کا ایک قلعہ نما قصبہ تھا۔ دوسرا مشہور قصبہ شوبک تھا۔ یہ بھی ایک مضبوط قلعہ تھا۔ شوبک کو صلیبیوں نے مرکز بنا رکھا تھا۔ صلیبی بادشاہ اور اعلیٰ کمانڈر شوبک میں ہی اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہیں صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ہیڈ کوارٹر تھا اور یہ جاسوسوں کا ٹریننگ کیمپ تھا۔ سلطان ایوبی کے فوجی اور شہری انتظامیہ کے حلقوں میں یہ خیال یقین کی حد تک تھا کہ سلطان ایوبی سب سے پہلے شوبک پر حملہ کرے گا کیونکہ اس جگہ کی اہمیت ہی ایسی تھی۔ اگر اس مضبوط اڈے کو سر کر لیا جاتا تو صلیبیوں کی کمر توڑی جا سکتی تھی۔ مگر سلطان ایوبی کہہ رہا تھا کہ پہلے کرک پر حملہ کیا جائے گا۔ یہ تو ثانوی اہمیت کی جگہ تھی۔ ایک نائب سالار نے کہا — "محترم! آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میری ناقص رائے یہ ہے کہ پہلے شوبک سر کر لیا جائے۔ دشمن کی مرکزی کمان ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم نے شوبک لے لیا تو کرک لینا کوئی مشکل نہ ہوگا اور اگر ہم نے کرک پر طاقت ضائع کر دی تو شوبک لینا ناممکن ہو جائے گا۔"

دوسرے کمرے میں جاسوس بیٹھے تھے۔ درمیانی دروازے کا ایک کواڑ کھلا تھا۔ سلطان ایوبی کے کمرے کی آوازیں اس کمرے میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ عالم جاسوس کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ آہستہ آہستہ سرک کر دروازے کے ساتھ ہو گیا۔ اس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا — "میں درجہ بدرجہ پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں۔ کرک شوبک کی نسبت آسان شکار ہے۔ میں اس پر قبضہ کرکے اسے اڈہ بنا لوں گا۔ کمک منگوا کر اور فوج کو کچھ عرصہ آرام دے کر پوری تیاری کے بعد شوبک پر حملہ کروں گا۔ اس قصبے کا دفاع، ہمارے جاسوسوں کے کہنے کے مطابق، اتنا مضبوط ہے کہ ہمیں لمبے عرصے تک اسے محاصرے میں رکھنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ کرک پر ہماری زیادہ طاقت ضائع نہیں ہوگی۔ ہمیں پہلے ایک اڈہ چاہیے اور ایسی رسد گاہ جہاں سے ہمیں فوری طور پہ رسد ملتی رہے۔"

عالم جاسوس دروازے کے ساتھ بیٹھا سن رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی اس کے پاس آ بیٹھیں۔ علی بن سفیان نے بھی دھیان نہ دیا کہ ایسی راز کی باتیں جاسوسوں کے کانوں میں پہنچ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان نے اس لیے

احتیاط نہ کی ہوتی تو ان جاسوسوں کو شوبک واپس تھوڑے ہی جانا تھا۔ انہیں تو ساری عمر قید میں گزارنی تھی یا جلاد کے ہاتھوں مرنا تھا۔ عالم جاسوس نے لڑکیوں سے سرگوشی میں کہا ——— "کاش، ہم میں سے کوئی ایک یہاں سے نکل سکے اور صلاح الدین ایوبی کے اس ارادے کی اطلاع شوبک اور کرک تک پہنچا دے۔ یہ کتنا قیمتی راز ہے۔ اگر پہلے ہی وہاں پہنچا دیا جائے تو مسلمانوں کی فوج کو کرک کے راستے میں ہی لڑائی میں اُلجھا کر اس کی طاقت ختم کی جا سکتی ہے۔ ان کا حملہ کرک سے دور ہی پسپائی میں بدلا جا سکتا ہے۔"

"ہمیں مکمل راز داری کی ضرورت ہے" ——— سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا ——— "اگر صلیبیوں کو ہمارے حملے کی خبر قبل از وقت ہو گئی تو ہم کرک تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ ہمیں راستے میں روک لیں گے۔ ہمارے لیے خطرہ یہ ہے کہ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری فوج بہت کم ہے۔ صلیبیوں کی نفری زیادہ ہونے کے علاوہ ان کے گھوڑے اور ہتھیار ہم سے بہتر ہیں۔ ان کے خود لوہے کے ہیں اور وہ زرہ بکتر بھی پہنتے ہیں۔ اس سے ہمارے تیر انداز بیکار ثابت ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ صلیبیوں کو بے خبری میں جا لوں تاکہ انہیں کھلے میدان میں لڑنے کا موقعہ نہ ملے۔ اگر وہ کھلے میدان میں لڑے تو ہمارے عقب میں آ کر وہ ہماری رسد کا نظام روک دیں گے۔ اس کا نتیجہ پسپائی اور شکست کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ میں وہ راستہ اختیار کروں گا جو جاریب کے ٹیلوں میں سے گزرتا ہے۔ یہ بڑا وسیع اور عریض علاقہ ہے۔ مجھے خطرہ صرف یہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبی راستے میں آ کر لڑے تو ہمیں شکست کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"اس کا علاج یہ ہے کہ فوج کو تین چار حصوں میں تقسیم کر کے صرف رات کے وقت کوچ کرایا جائے۔ دن کے وقت کوئی حرکت نہ کی جائے" ——— علی بن سفیان نے کہا ——— "راستے میں کوئی بھی اجنبی آدمی یا قافلہ نظر آئے اسے روک لیا جائے اور کرک تک پہنچنے تک اسے اپنے ساتھ رکھا جائے۔ جاسوسی کے خلاف یہی اقدام کارگر ہو سکتا ہے۔"

اس وقت جب عالم جاسوس اور دو لڑکیاں سلطان ایوبی کی زبان سے اس قدر نازک اور اہم منصوبہ سن رہی تھیں، شوبک کے قلعے میں صلیبیوں کی اہم شخصیتوں اور کمانڈروں کی کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ پریشان سے تھے۔

ان میں حاتم الاکبر نام کا ایک مصری مسلمان بھی بیٹھا تھا۔ وہ انہیں یہ خبر تفصیل سے سنا چکا تھا کہ خلیفہ العاضد معزولی کے بعد مر چکا ہے۔ مصر اب بغداد کے خلیفہ کے تحت آ گیا ہے۔ صلیبیوں کا وفادار مسلمان نائب سالار رجب پُراسرار طریقے سے مارا جا چکا ہے۔ وہ جن تین لڑکیوں کو شوبک سے لے گیا تھا وہ ماری جا چکی ہیں اور صلیبیوں کا ایک اور وفادار مسلمان فوجی حاکم فیض الفاطمی بھی جلاد کے ہاتھوں مروا دیا گیا ہے۔ اب حاتم الاکبر نے انہیں یہ خبر بھی سنائی کہ جس عالم جاسوس کو دو لڑکیوں کے ساتھ قاہرہ بھیجا گیا تھا وہ عین اس وقت لڑکیوں سمیت گرفتار ہو گیا ہے جب اس کا مشن کامیاب ہو رہا تھا۔

"یہ ثبوت ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا سراغرسانی کا نظام بہت ہوشیار ہے" ——— کونارڈ نے کہا۔ کونارڈ صلیبیوں کا مشہور حکمران اور فوجی کمانڈر تھا۔ اس نے کہا ——— "ان لڑکیوں کو وہاں سے آزاد کرانا ممکن نہیں۔ نہایت اچھی لڑکیاں ضائع ہوتی جا رہی ہیں۔"

"صلیب کی خاطر ہمیں یہ قربانی دینی پڑے گی" ——— صلیبیوں کے ایک اور بادشاہ اور فوجی کمانڈر گے آف لوزینان نے کہا ——— "ہمیں بھی مرنا ہے۔ ہمارے جو آدمی پکڑے گئے ہیں انہیں بھول جاؤ۔ ان کی جگہ اور آدمی بھیجو۔ یہ دو لڑکیاں کہاں سے آئی تھیں؟" ——— اس نے پوچھا ——— "اور وہ تین لڑکیاں کون تھیں جو رجب کے ساتھ ماری گئی تھیں؟"

"ان میں دو عیسائی تھیں" ——— ان کے انٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا۔ "دونوں اطالوی تھیں اور تین مسلمان تھیں۔ انہیں بچپن میں اڑا لیا گیا تھا۔ بہت خوبصورت تھیں، جوانی تک انہیں یاد نہیں رہا تھا کہ وہ مسلمان تھیں۔ ہم نے انہیں بچپن میں ہی اس فن کی تربیت دینی شروع کر دی تھی۔ یہ شک نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں چونکہ معلوم تھا کہ وہ مسلمان ہیں اس لیے انہوں نے ہمیں دھوکا دیا۔"

"مسلمان تھیں تو کیا؟" ——— کونارڈ نے کہا اور حاتم الاکبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ہمارا پیارا دوست حاتم بھی تو مسلمان ہے۔ کیا اسے اپنے مذہب کا پاس نہیں؟" ——— اس نے شراب کا گلاس حاتم کے ہاتھ میں دے کر کہا ——— "حاتم جانتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی مصر کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے اور وہ اسلام کے نام پر کھیل رہا ہے۔ ہم مصر کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو مصر میں چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔"

حاتم الاکبر صلیبیوں کی شراب میں بدمست اس کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ اس نے

کہا — "میں اب وہاں ایسا انتظام کروں گا کہ آپ کا کوئی آدمی وہاں پکڑا نہیں جائیگا"

"اگر ہم مصر میں یہ زمین دوز گڑبڑ جاری نہ رکھتے تو صلاح الدین ہم پر کبھی کا حملہ کر چکا ہوتا" — ایک صلیبی کمانڈر نے کہا — "یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم اس کی طاقت اس کے اپنے آدمیوں پر ضائع کر رہے ہیں"

"کیا اس کے اور علی بن سفیان کے خاتمے کا ابھی کوئی انتظام نہیں ہوا؟" — کمانڈر نے پوچھا۔

"کئی بار ہو چکا ہے" — انٹیلی جنس کے سربراہ نے کہا — "لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں پتھر قسم کے انسان ہیں۔ نہ وہ شراب پیتے ہیں نہ عورت کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے نہ انہیں شراب میں کچھ دیا جا سکتا ہے نہ عورت کے ہاتھوں مروایا جا سکتا ہے۔ اب کامیابی کی توقع ہے۔ ایوبی کے باڈی گارڈز میں چار آدمی فدائی ہیں۔ انہیں میں نے بڑی چابکدستی سے وہاں تک پہنچایا ہے۔ جب بھی موقع ملا وہ دونوں کو یا ایک کو ختم کر دیں گے"

"کیا ہمارے ہاں ایوبی کے بھیجے ہوئے جاسوس ہیں؟" — گے آف لوزینان نے پوچھا۔

"یقیناً ہیں" — انٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا — "جب سے ہم نے مصر میں اور ادھر شام میں جاسوسی اور تباہ کاری کا سلسلہ شروع کیا ہے صلاح الدین نے بھی اپنے جاسوس ہمارے ہاں بھیج دیئے ہیں۔ ان میں سے دو پکڑے گئے ہیں۔ وہ اذیتوں سے مر گئے مگر اپنے کسی تیسرے ساتھی کی نشاندہی نہیں کی"

"ان کی کامیابی کس حد تک ہے؟"

"بہت حد تک" — دوسرے نے جواب دیا — "کرک میں ہماری رسد کو جو آگ لگی تھی جس میں آدھی رسد جل گئی اور گیارہ گھوڑے زندہ جل گئے تھے، وہ ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں کا کام تھا۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ہماری جنگی کیفیت اور اہلیت کی پوری معلومات صلاح الدین ایوبی کو ملتی رہتی ہیں۔ اس کے جاسوسوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ جان پر کھیل جاتے ہیں اور کام پوری دیانت داری سے کرتے ہیں"

ان میں بہت دیر اس مسئلے پر بحث ہوتی رہی کہ مصر اور شام میں تخریبی کارروائیوں کو کس طرح تیز اور مزید تباہ کن کیا جا سکتا ہے۔ حاتم الاکبر انہیں سلطان ایوبی کی حکومت کی کمزور رگیں اور مضبوط پہلو دکھا رہا تھا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ حاتم الاکبر کو کچھ آدمی اور دو تین لڑکیاں دی جائیں۔

اس وقت سلطان ایوبی اپنے دو نائبین اور علی بن سفیان کو اپنے اس منصوبے سے آگاہ کر رہا تھا کہ وہ کرک پر حملہ کریگا۔ اس نے بیس روز بعد کا دن بتایا جب اسے فوجوں کو کوچ کرانا تھا۔ یہ تمام تر منصوبہ عالم جاسوس اور دو لڑکیاں ساتھ والے کمرے میں سن رہی تھیں۔ عالم نے ایک بار پھر لڑکیوں کے ساتھ افسوس کا اظہار کیا کہ انہیں ایک راز معلوم ہو گیا ہے مگر وہ اُسے شوبک تک نہیں پہنچا سکتے۔ ایک لڑکی نے کہا "میں کوشش کروں گی کہ صلاح الدین ایوبی مجھے پسند کرے۔ اگر تھوڑی سی دیر کے لیے بھی وہ مجھے اپنے ساتھ تنہائی میں رکھ لے تو میں اس سے رہائی پا لوں گی۔ مجھے اُمید ہے کہ میں اس کی عقل پر قبضہ کر لوں گی"

"معلوم نہیں اس نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟" — عالم جاسوس نے کہا — "تم دونوں یاد رکھو۔ اگر وہ تمہیں اکیلے اکیلے بلائے تو دونوں یہ کوشش کرنا کہ اسے حیوان بنا سکو۔ اگر وہ شراب پیئے تو تم جانتی ہو کہ اسے کتنی پلا کر بے ہوش کیا جا سکتا ہے۔ وہ بیہوش ہو جائے تو فرار کا طریقہ تم جانتی ہو اور دونوں کو معلوم ہے کہ تمہیں کس کے پاس پہنچنا ہے۔ اس کا گھر مسجد کے بالمقابل ہے"

"میں جانتی ہوں" — ایک لڑکی نے کہا — "مہدی الہادان"

"ہاں!" — عالم نے کہا — "اگر تم مہدی تک پہنچ گئیں تو وہ تمہیں شوبک تک پہنچا دے گا۔ میرے فرار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے ایوبی کا منصوبہ سُن لیا ہے۔ کوچ کی تاریخ یاد رکھو۔ راستہ یاد کر لو۔ کوچ رات کے وقت ہوا کرے گا۔ دن کے وقت اس کی فوج کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ حملہ کرک پر ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ یہ اطلاع قبل از وقت پہنچ گئی تو ہماری فوج ایوبی کو راستے میں روک لے گی۔ ایوبی اسی صورتِ حال سے ڈرتا ہے۔ شوبک میں جا کر یہ خاص طور پر بتانا کہ ایوبی کھلے میدان میں آمنے سامنے نہیں لڑنا چاہتا کیونکہ اس کے پاس فوج کم ہے"

سلطان ایوبی کے کمرے سے ایسی آوازیں آئیں جیسے اجلاس ختم ہو گیا ہو اور نائبین باہر جا رہے ہیں۔ عالم اور لڑکیاں فوراً اس جگہ سرک گئیں جہاں انہیں بٹھایا گیا تھا۔ عالم کے کہنے پر انہوں نے سر گھٹنوں میں دے لیے جیسے انہوں نے کچھ بھی نہیں سنا اور گرد و پیش کا کوئی ہوش نہیں۔ انہیں اپنے کمرے میں قدموں کی آواز سنائی دی تو بھی انہوں نے اوپر نہ دیکھا۔ عالم نے اس وقت اوپر دیکھا جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا — "اٹھو۔ میرے ساتھ آؤ" — وہ علی بن سفیان تھا۔ علی نے لڑکیوں کو بھی اٹھایا اور انہیں سلطان ایوبی کے کمرے میں لے گیا۔

"میں تمہارے علم اور تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔" سلطان ایوبی نے عالم جاسوس سے کہا۔ "ان کی زنجیریں کھول دو..... تم تینوں بیٹھ جاؤ۔" علی بن سفیان باہر نکل گیا۔

سلطان ایوبی نے عالم سے کہا۔ "لیکن تم علم کو کس شیطانی کام میں استعمال کر رہے ہو۔ اس کی بجائے تم یہاں آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تو میں تمہاری قدر دل کی گہرائیوں سے کرتا کہ تم اپنے مذہب اور اپنے نبی کی خدمت کر رہے ہو۔ کیا تمہارے مذہب میں یہ روا ہے کہ تم دوسرے مذہب کی عبادت گاہ میں اس کے مذہب میں جھوٹ شامل کرو؟ کیا تمہارے دل میں اپنی مقدس صلیب کا، حضرت عیسیٰ کا اور کنواری مریم کا یہ احترام ہے کہ جھوٹ اور ابلیسیت جیسے کبیرہ گناہ کرکے تم ان کی عبادت کرتے ہو؟"

"یہ جھوٹ میرے فرائض میں شامل ہے۔" عالم نے کہا۔ "میں نے جو کچھ کیا مقدس صلیب کے لیے کیا۔"

"تم کہتے ہو کہ تم نے انجیل اور قرآن کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "کیا ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی انسان کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اس قسم کی نوخیز لڑکیوں کو بدکاری کی راہ پر ڈالو اور غیر مردوں کے پاس بھیج کر اپنی مطلب براری کرو؟ کیا انجیل نے تمہیں کہا ہے کہ صلیب کی خاطر اپنی قوم کی بیٹیوں کی عصمت دوسروں کے حوالے کردو؟ کیا تم نے کسی مسلمان لڑکی کو قرآن اور اسلام کے نام پر اپنی عصمت غیر مردوں کے حوالے کرتے کبھی دیکھا ہے؟"

"اسلام کو میں عیسائیت کا دشمن سمجھتا ہوں۔" عالم نے کہا۔ "مجھے جو زہر ہاتھ آئے گا اسلام کی رگوں میں ڈالوں گا۔"

"تم اتنے میٹھے زہر سے چند ایک مسلمانوں کے کردار کو ہلاک کرسکتے ہو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔" اس نے لڑکیوں سے کہا۔ "تم کس خاندان کی بیٹیاں ہو؟ معلوم ہے تمہیں؟ اپنی اصلیت جانتی ہو تو مجھے بتاؤ۔" دونوں خاموش رہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم نے اپنی پاکیزگی ختم کرلی ہے۔ اب بھی تم کسی باعزت گھر کی قابل احترام بیویاں بن سکتی ہو؟"

"میں قابل احترام بیوی بننا چاہتی ہوں۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "کیا آپ مجھے قبول کریں گے؟ اگر نہیں تو مجھے کوئی باعزت خاوند دے دیں۔ میں اسلام قبول کرکے گناہوں سے توبہ کرلوں گی؟"

سلطان ایوبی مسکرایا اور ذرا سوچ کر کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ اس عالم کا علم جلاد

کی تلوار سے خون میں ڈوب جائے اور میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کی جوانی اور حسن میرے قید خانے میں گھٹا سڑتا رہے ۔ ۔ ۔ ۔ سنو لڑکی! تم اگر واقعی گناہوں سے توبہ کرنا چاہتی ہو تو میں تمہیں تمہارے ملک میں بھیج دیتا ہوں، لیکن وہ ملک تمہارا نہیں، ہمارا ہے ۔ میں ایک نہ ایک دن اپنا ملک تمہارے بادشاہوں سے لے لوں گا۔ تم جاؤ اور کسی کی بیوی بن جاؤ ۔ ۔ ۔ میں تم تینوں کو رہا کرتا ہوں "

تینوں یوں ہڑکے جیسے انہیں سوئیاں چبھو دی گئی ہوں ۔ اتنے میں علی بن سفیان لوہار کے ساتھ کمرے میں آیا اور تینوں کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ سلطان نے کہا ۔" علی! میں نے انہیں رہا کر دیا ہے "۔ علی بن سفیان کا ردعمل بھی یہی تھا۔ وہ کچھ ہی دیر سلطان ایوبی کے منہ کی طرف دیکھتا رہا ۔ سلطان نے کہا ۔" انہیں تین اونٹ دو اور چار مسلح محافظ ساتھ بھیجو جو گھوڑ سوار ہوں۔ نہایت ذہین اور دلیر محافظ جو انہیں شوبک کے قلعے میں چھوڑ کر واپس آجائیں۔ راستے کے لیے سامان ساتھ دو اور آج ہی انہیں روانہ کر دو "۔ اس نے عالم سے کہا ۔" وہاں جا کر یہ غلط فہمی نہ پھیلا دینا کہ صلاح الدین ایوبی جاسوسوں کو بخش دیا کرتا ہے ۔ میں انہیں دانے کی طرح چکی میں پیس پیس کر مارا کرتا ہوں۔ تمہیں صرف اس لیے رہا کر رہا ہوں کہ تم عالم ہو۔ تمہیں موقع دے رہا ہوں کہ علم کا روشن پہلو دیکھو۔ تمہاری نجات اسی میں ہے "

✪

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا جب انہیں اونٹوں پر سوار کر کے چار محافظوں کے ساتھ روانہ کر دیا گیا۔ محافظ خاص طور پر منتخب کیے گئے تھے ۔ اس انتخاب کی دو وجوہات تھیں ۔ ایک یہ کہ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ انہیں صلیبی کمانڈروں کے سامنے جانا تھا۔ وہ خوبرو اور وجیہہ تھے ۔ اونٹ اور گھوڑے بھی نہایت اچھی قسم کے بھیجے گئے تھے، مگر سب حیران تھے کہ سلطان ایوبی نے یہ فیاضی کیوں کی ہے ۔ دشمن کو بخش دینا اس کا شیوہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان نے اس سے پوچھا تو اس نے اتنا ہی کہا ۔" علی، میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ایک جُوا کھیلنا چاہتا ہوں ۔ اگر میں بازی ہار گیا تو صرف اتنا ہی نقصان ہوگا جو میں پہلے ہی اٹھا چکا ہوں کہ دشمن کے تین جاسوس میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں ۔ اس سے زیادہ کوئی نقصان نہیں ہوگا "۔ علی بن سفیان نے اس جوئے کی وضاحت چاہی لیکن سلطان ایوبی نے اسی پر بات ختم کر دی کہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔

باقی سب تو حیران تھے مگر رہا ہونے والے خوشی سے باؤلے ہوئے جا رہے تھے۔ خوشی صرف رہائی کی نہیں تھی۔ اصل خوشی اس راز کی تھی جو وہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ وہ قاہرہ شہر سے دُور نکل گئے تھے۔ ان کے اونٹ پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ دو محافظ آگے تھے اور دو پیچھے۔ عالم نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ ان کی زبان سمجھتے ہیں؟ چاروں اپنی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ عالم اور لڑکیاں ان کی زبان بڑی روانی سے بولتی تھیں۔ یہ انہیں خاص طور پر سکھائی گئی تھی۔

عالم نے لڑکیوں سے اپنی زبان میں کہا — "خدائے یسوع مسیح نے معجزہ دکھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے ہمارے ساتھ پیار ہے اور اسے ہماری فتح منظور ہے۔ یہ سچے مذہب کی نشانی ہے۔ صلاح الدّین ایوّبی اور علی بن سفیان جیسے داناؤں کو خدا نے عقل کا ایسا اندھا کیا ہے کہ انتہائی خطرناک راز ہمارے کانوں میں ڈال کر ہمیں رہا کر دیا ہے۔ ہم اپنی فوج کو ان کا سارا منصوبہ سنائیں گے اور ہماری فوج ایوّبی کو صحرا میں گھیر کر ختم کر دے گی۔ اسے کرک تک پہنچنے کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے کمانڈر جنگ کو حملے تک محدود نہیں رکھیں گے۔ وہ مصر پر ضرور چڑھائی کریں گے۔ مصر فوجوں سے خالی ہوگا۔ یہ فتح بڑی آسان ہوگی۔"

"آپ عالم ہیں، تجربہ کار ہیں" — ایک لڑکی نے کہا — "مگر آپ جسے معجزہ کہہ رہے ہیں وہ مجھے ایک خطرہ دکھائی دے رہا ہے.... خطرہ یہ چار محافظ ہیں۔ کہیں آگے جا کر یہ ہمیں قتل کر کے واپس چلے جائیں گے۔ صلاح الدّین ایوّبی نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ جلّاد کے حوالے کرنے کی بجائے ہمیں ان کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ ہمیں جی بھر کے خراب کریں گے اور قتل کر دیں گے۔"

"اور ہم نہتے ہیں" — عالم نے یوں کہا جیسے اس کے ذہن سے خوش فہمیاں نکل گئی ہوں۔ اس نے کہا — "تم نے جو کہا ہے وہ درست ہو سکتا ہے۔ کوئی حکمران اپنے دشمن کے جاسوس کو بخش نہیں سکتا اور مسلمان اس قدر جنس پرست ہیں کہ تم جیسی حسین لڑکیوں کو چھوڑ نہیں سکتے۔"

"ہمیں راتوں کو چوکنا رہنا پڑے گا" — دوسری لڑکی نے کہا — "اگر رات کو یہ سو جائیں تو انہیں انہی کے ہتھیاروں سے ختم کر دیا جائے۔ ذرا ہمت کی ضرورت ہے۔"

"ہمیں یہ ہمت کرنی پڑے گی" — عالم نے کہا — "یہ کام آج ہی رات ہو جائے

تو اچھا ہے۔ صبح تک ہم بہت دور نکل جائیں گے۔"

دو محافظ آگے اور دو پیچھے اپنی گپ شپ لگاتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ دو اتنی دلکش لڑکیاں ان کی تحویل میں ہیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ایک نے عالم سے کہا کہ ہم ابھی رکیں گے نہیں۔ رات کا پہلا پہر چلتے گزاریں گے.... وہ چلتے گئے اور صحرا کی رات تاریک ہوتی گئی۔ عالم اور لڑکیاں اونٹوں کو قریب کر کے محافظوں کے قتل کا منصوبہ بنا رہی تھیں۔ بہت دیر بعد ایک سرسبز سی جگہ آگئی۔ محافظ رک گئے اور وہیں پڑاؤ کیا۔ انہوں نے کھانے کے لیے جاسوسوں کو سامان دیا اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگے۔ جاسوسوں نے دیکھا کہ تین محافظ لیٹ گئے تھے اور ایک ٹہل رہا تھا۔ عالم لڑکیوں کے ساتھ محافظوں سے کچھ دُور لیٹا۔ ان تینوں کی نظر محافظوں پر تھی۔ وہ چوتھے محافظ کو دیکھتے رہے۔ وہ پڑاؤ کے ارد گرد ٹہلتا رہا۔ ایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ دوڑ کر ادھر گیا اور اچھی طرح دیکھ بھال کر کے آگیا۔

تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ اس نے اپنے ایک اور ساتھی کو جگایا اور خود اس کی جگہ لیٹ گیا۔ جو جاگا تھا وہ پڑاؤ کے ارد گرد ٹہلنے لگا۔ کبھی جانوروں کے پاس جا کر انہیں دیکھتا اور کبھی سوئے ہوئے انسانوں کو دیکھتا۔ عالم نے لڑکیوں سے کہا — "ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ یہ کمبخت پہرہ دے رہے ہیں، جو ہوگا ہو کے رہے گا، سو جاؤ" — اور وہ سو گئے۔

رات گزر گئی۔ صبح ابھی دھندلی تھی جب محافظوں نے انہیں جگایا اور روانہ ہونے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی ترتیب میں چلے جا رہے تھے جس میں ایک روز پہلے تھے۔ تین اونٹ پہلو بہ پہلو، دو محافظ آگے اور دو اونٹوں کے پیچھے۔ وہ ایک بار پھر لڑکیوں سے لاتعلق ہو گئے۔ انہوں نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی تھی جس سے شک ہوتا کہ یہ لوگ اوباش یا بدمعاش ہیں۔ سورج ابھرتا آیا۔ پھر یہ قافلہ ٹیلوں کے علاقے میں داخل ہوگیا۔ مٹی اور ریت کی پہاڑیاں منقی سی دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان میں گلیاں سی تھیں اور ان پر پہاڑیوں کا سایہ تھا۔ لڑکیاں ڈرنے لگیں۔ ڈر ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہ میں یہ جگہ جرم اور قتل وغیرہ کے لیے موزوں تھی مگر محافظ ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔

"ان سے کہو کہ ہمارے ساتھ باتیں کریں" — ایک لڑکی نے عالم سے کہا۔

"ان کی خاموشی اور لاتعلقی مجھے ڈرا رہی ہے۔ انہیں کھو کر ہمیں مارنا چاہتے ہیں تو فوراً مار دیں۔ میں موت کا انتظار نہیں کر سکتی۔"

عالم خاموش رہا۔ وہ لڑکیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تینوں ان محافظوں کے رحم و کرم پر تھے ..... سورج سر پر آگیا تو وہ ان ٹیلوں کے اندر ایسی جگہ رک گئے جہاں ریت کی ریلوں والے ٹیلے تھے اور اوپر جا کر آگے کو جھکے ہوئے۔ ان کے سائے میں انہوں نے قیام کیا۔ کھانے کے دوران عالم نے محافظوں سے پوچھا ۔۔۔ "تم لوگ ہمارے ساتھ باتیں کیوں نہیں کرتے؟"

"جو باتیں ہمارے فرض میں شامل نہیں وہ ہم نہیں کیا کرتے" ۔۔۔ محافظوں کے کمانڈر نے جواب دیا اور پوچھا ۔۔۔ "اگر تم لوگ کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہو تو ہم سنیں گے اور جواب دیں گے۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم کون ہیں؟" عالم نے پوچھا۔

"تم تینوں جاسوس ہو" ۔۔۔ محافظ نے جواب دیا ۔۔۔ "یہ لڑکیاں بیکار ہیں۔ یہ ان آدمیوں کے استعمال کے لیے ہیں جنہیں تم لوگ ہمارے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہو۔ امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی، اللہ اس کے نیک ارادوں میں برکت دے والے تمہیں معلوم نہیں کیوں بخش دیا ہے۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں قلعہ شوبک میں چھوڑ آئیں۔ تم امانت ہو ..... تم نے یہ بات مجھ سے کیوں پوچھی ہے؟"

"تمہارے ساتھ باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا" ۔۔۔ عالم نے جواب دیا ۔۔۔ "اتنا لمبا سفر اس لاتعلقی اور بیگانگی سے بڑا کٹھن ہو رہا ہے۔ ہمارے ساتھ باتیں کرتے چلو۔"

"ہم ہمسفر ہیں" ۔۔۔ محافظ نے کہا ۔۔۔ "لیکن ہماری منزلیں جدا ہیں۔ دو روز بعد ہم جدا ہو جائیں گے۔"

عالم جاسوس نے جیسے محافظ کا جواب سنا ہی نہ ہو۔ اس کی آنکھیں کسی دور کی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ صحرا سے اچھی طرح واقف تھا۔ صحرا کے خطروں سے واقف تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور غالباً ڈر سے پھٹتی جا رہی تھیں۔ محافظ نے اس طرف دیکھا جس طرف عالم دیکھ رہا تھا۔ محافظ کی بھی آنکھیں کھل گئیں ۔۔۔ کوئی دو سو گز دور ایک بلند جگہ دو اونٹ کھڑے تھے۔ ان پر دو آدمی سوار تھے جن کے چہروں اور سروں پر پگڑیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ اونٹوں کی ٹانگیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ بلندی کے پیچھے تھیں۔ سوار خاموشی

سے کھڑے محافظوں اور جاسوسوں کے قافلے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا انداز اور لباس بتا رہا تھا کہ وہ کون ہیں۔

"جانتے ہو یہ کون ہیں؟" ۔۔۔ محافظوں کے کمانڈر نے عالم سے پوچھا۔

"صحرائی ڈاکو" ۔۔۔ عالم نے جواب دیا ۔۔۔ "معلوم نہیں کتنے ہوں گے۔"

"دیکھا جائے گا" ۔۔۔ محافظ نے کہا۔ اس نے اٹھتے ہوئے اپنے ایک ساتھی سے کہا ۔۔۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر ڈاکوؤں کی طرف چلے گئے۔ ان کے پاس تلواروں کے علاوہ برچھیاں بھی تھیں۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر شتر سوار بلندی کے پیچھے غائب ہو گئے۔ دو محافظ جو پیچھے رہ گئے تھے، قریب کے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ عالم نے لڑکیوں سے کہا ۔۔۔ "میرا خیال ہے تمہارا خدشہ صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ یہ ڈاکو نہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کے بھیجے ہوئے آدمی معلوم ہوتے ہیں ورنہ یہ محافظ اتنی دلیری سے ان کی طرف نہ چلے جاتے۔ ایوبی تم دونوں کو بہت زیادہ ذلیل کرانا چاہتا ہے۔ میرے لیے تو موت لکھی ہوئی ہے۔ تمہیں بڑی خوفناک سزا دی جائے گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم آزاد نہیں" ۔۔۔ ایک لڑکی نے کہا ۔۔۔ "ہم ابھی تک قیدی ہیں؟"

"یہی معلوم ہوتا ہے" ۔۔۔ دوسری لڑکی نے کہا۔

دونوں محافظ واپس آگئے۔ ان کے ساتھی اور جاسوس ان کے گرد جمع ہو گئے۔ محافظوں کا کمانڈر جس کا نام حدید تھا انہیں بتانے لگا ۔۔۔ "وہ صحرائی قزاق ہیں۔ ہم ان سے مل آئے ہیں۔ ان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ یہ دونوں جو ہمیں دیکھ رہے تھے کہتے ہیں کہ صبح سے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ تم فوج کے آدمی اور مسلمان معلوم ہوتے ہو لیکن یہ لڑکیاں مسلمان نہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو، ہم تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔ میں نے انہیں کہا ہے کہ یہ لڑکیاں کسی بھی مذہب کی ہوں، ہمارے پاس امانت ہیں۔ ہم جیتے جی تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ ہم اپنی جانیں ضائع نہ کریں۔ میں انہیں کہہ آیا ہوں کہ پہلے ہماری جانیں ضائع کرو پھر لڑکیوں کو لے جانا" ۔۔۔ اس نے عالم اور لڑکیوں سے پوچھا ۔۔۔ "تم کوئی ہتھیار استعمال کر سکتے ہو؟"

"ان لڑکیوں کو ہر ایک ہتھیار چلانے کی تربیت دی گئی ہے" ۔۔۔ عالم نے کہا ۔۔۔ "تمہارے پاس برچھیاں ہیں، تلواریں بھی ہیں اور تیر کمان بھی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک ہتھیار ہمیں

دے دو۔"

"ابھی نہیں"۔ حدید نے سوچ کر کہا۔ "میں قبل از وقت تمہیں ہتھیار نہیں دے سکتا۔ اگر ڈاکوؤں سے ٹکر ہوگئی تو اس وقت دے دوں گا..... ہمیں اس علاقے سے فوراً نکل جانا چاہیے۔ ان سے گھوڑوں اور اونٹوں پر لڑائی ہوگئی تو یہ علاقہ موزوں نہیں گھوڑے گھما پھرا کر لڑنے کے لیے یہ جگہ خراب ہے۔"

وہ فوراً وہاں سے چل پڑے۔ محافظوں نے کمانیں ہاتھوں میں لے لیں اور ترکش کھول لیے۔ حدید آگے تھا۔ اسے اس کے ساتھی نے کہا۔ "ان جاسوسوں کو ہتھیار دینا ٹھیک نہیں۔ آخر ہمارے دشمن ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر ہمیں مار ڈالیں۔"

عالم لڑکیوں سے کہہ رہا تھا۔ "ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں۔ انہوں نے ہمیں ہتھیار دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ڈاکو ان کے اپنے آدمی ہیں۔ یہ تم دونوں کو ان کے حوالے کر دیں گے اور مجھے مروا دیں گے۔"

دونوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں تھا اور دونوں پر ڈاکوؤں کا ڈر سوار ہو گیا تھا۔ حدید نے اپنے محافظوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی نقاب پوش نظر آئے تو مجھے بتائے بغیر اس پر تیر چلا دو۔ ان کے ساتھ ٹکر ضرور ہوگی۔ دیکھنا یہ ہے کہ کب ہوگی اور کہاں ہوگی..... وہ تیز رفتاری سے چلتے گئے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کو آرام، چارہ اور پانی ملتا رہا تھا، اس لیے تھکن کا ان پر کوئی اثر نہیں تھا۔ ٹیلوں کا علاقہ بہت دور چلا گیا تھا۔ کئی جگہوں پہ یہ قافلہ اونچے ٹیلوں کے درمیان آجاتا تھا۔ حدید کو ڈر یہ تھا کہ ڈاکو اوپر سے تیر نہ برسا دیں۔ اس نے گھوڑوں کو ایڑ لگانے کو کہا اور جاسوسوں سے کہا کہ وہ بھی اونٹوں کو گھوڑوں کی رفتار پہ کر لیں اور اوپر کو دیکھتے رہیں۔

وہ اس علاقے سے نکل گئے۔ کوئی ڈاکو نظر نہیں آیا۔ سورج نیچے جانے لگا تھا۔ ایک بار دور دو اونٹ اسی سمت پر جاتے نظر آئے، جدھر یہ قافلہ جا رہا تھا۔ قافلہ چلتا رہا۔ راستے میں ایک جگہ پانی مل گیا۔ انہوں نے جانوروں کو پانی پلایا، خود بھی پیا اور چل پڑے۔ سورج نیچے جاتا رہا اور افق کے پیچھے چلا گیا۔ شام تاریک ہوئی تو حدید نے قافلے کو روک لیا۔ کہنے لگا۔ "یہ جگہ لڑائی کے لیے اچھی ہے کیونکہ ارد گرد کوئی رکاوٹ نہیں"..... اس نے گھوڑوں کی زینیں کھولی نہیں،

تاکہ ضرورت کے وقت گھوڑے تیار ملیں۔ اونٹوں کو بٹھا دیا گیا۔ کھانا کھا کر حدید نے لڑکیوں کو اپنے درمیان لٹایا اور انہیں کہا کہ وہ ہوشیار رہیں۔ محافظوں سے کہا کہ وہ کمانیں تیار رکھیں۔ سوئیں نہیں، لیٹے رہیں۔ اسے یقین تھا کہ رات کو حملہ ضرور ہوگا۔

رات آدھی گزر گئی۔ صحرا پُرسکون اور خاموش رہا۔ پھر اچانک ان کے گرد بلیوں جیسے بڑے بڑے سائے دوڑنے لگے۔ اونٹوں کے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی اور زمین ہل رہی تھی۔ اونٹوں کی تعداد دس سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ان پر ایک ایک سوار تھا۔ وہ محافظوں وغیرہ کو دہشت زدہ کرنے کے لیے ان کے ارد گرد اونٹوں کو دوڑا رہے تھے۔ تین چار چکر پورے کر کے ایک نے للکارا۔ "لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو۔ تم سے کچھ اور لیے بغیر ہم چلے جائیں گے۔"

اس کے جواب میں حدید نے لیٹے لیٹے پہلا تیر چلایا۔ جسے تیر لگا اس کی بڑی زور کی آواز سنائی دی۔ دوسرے محافظوں نے بھی لیٹے لیٹے ایک ایک تیر چلایا۔ دو اونٹ بلبلا کر بولے اور بے قابو ہو گئے۔ حدید نے لڑکیوں سے کہا۔ "بھاگنا نہیں ہمارے ساتھ رہنا۔"

شتر سواروں میں سے کسی نے کہا۔ "ٹوٹ پڑو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ لڑکیوں کو اٹھا لو۔"

صحرا کی رات اتنی شفاف ہوتی ہے کہ چاندنی نہ ہو تو بھی کچھ دور تک نظر آجاتا ہے۔ شتر سوار اونٹوں سے کود آئے۔ پھر تلواریں اور برچھیاں ٹکرانے کا اور دونوں فریقوں کی للکار کا شور رات کا جگر چاک کرنے لگا۔ کسی کو کسی دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ حدید اور محافظ نے لڑکیوں کو اس طرح اپنے درمیان کر لیا تھا کہ محافظوں کی پیٹھیں لڑکیوں کی طرف تھیں۔ لڑکیوں نے کئی بار کہا کہ ہمیں بھی کچھ دو۔ حدید نے کہا۔ "میری تلوار نکال لو۔" وہ خود برچھی سے لڑ رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اس کی نیام سے تلوار نکال لی اور دونوں محافظوں کے درمیان سے نکل گئی۔ حدید نے اسے کہا۔ "ہم سے جدا نہ ہونا لڑکی"۔ ڈاکوؤں کا زیادہ زور لڑکیوں پر تھا۔ عالم کی کوئی آواز نہ سنائی دی۔

یہ معرکہ بہت دیر لڑا جاتا رہا۔ آدمی بکھرتے چلے گئے۔ محافظ ایک دوسرے کو پکارتے رہے پھر ان کی پکار ختم ہو گئی۔ معرکے کا شور بھی کم ہوتا گیا۔ حدید نے

اپنے ساتھیوں کو پکارا لیکن اُسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اسے ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے پکار رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ حدید سمجھ گیا کہ کوئی ڈاکو ایک لڑکی کو اونٹ کی بجائے کسی محافظ کے گھوڑے پر ڈال کر لے گیا ہے۔ وہ دوڑ کر ایک گھوڑے تک پہنچا۔ زین کسی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور بھاگنے والے گھوڑے کے ٹاپوؤں کی آواز پر تعاقب میں گیا۔ دوسری لڑکی کے متعلق اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ صحرا میں کوئی رکاوٹ، کوئی ندی نالہ نہیں تھا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اگلا گھوڑا بھی اچھی نسل کا تھا۔ فرق یہ کہ اس گھوڑے پر دو سوار تھے۔

کوئی ایک میل بعد حدید کو اگلے گھوڑے کا سایہ نظر آنے لگا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا۔ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ حدید نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے بھی ایک گھوڑا آ رہا ہے جس کا سوار محافظ بھی ہو سکتا تھا ڈاکو بھی۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پچھلا گھوڑا قریب آگیا تھا۔ حدید نے پکارا — "کون ہو؟" — اُسے جواب نہ ملا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا اور گھوڑے کو اور زیادہ تیز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اگلا گھوڑا سیدھا جا رہا تھا۔ اس کی باگ شاید لڑکی کے ہاتھ میں آگئی تھی کیونکہ حدید دیکھ رہا تھا کہ وہ گھوڑا دائیں بائیں ہو رہا ہے اور اس کی رفتار بھی گھٹتی جا رہی ہے...... وہ اس تک پہنچ گیا۔ اس کے پاس برچھی تھی۔ اس نے اگلے سوار کے پہلو پر جا کر برچھی کا وار کیا لیکن وہ گھوڑا ایک طرف ہو گیا۔ سوار تو بچ گیا برچھی گھوڑے کو لگی۔ حدید نے گھوڑا روکا اور گھمایا۔ دوسرا سوار بھی گھوڑے کو گھمانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن لڑکی جو اس کے آگے بیٹھی تھی، باگیں اِدھر اُدھر کر کے گھوڑے کا رخ صحیح نہیں ہونے دیتی تھی۔ حدید نے لڑکی کو پکارا تو لڑکی اور زیادہ دلیر ہو گئی۔

سوار لڑکی کو ساتھ لیے گھوڑے سے کود گیا اور اس نے اپنے گھوڑے کو ڈھال بنا لیا۔ حدید اپنے گھوڑے کو گھما گھما کر لاتا مگر جدھر سے بھی وار کرنے آتا ڈاکو لڑکی کو ساتھ لیے اپنے گھوڑے کی اوٹ میں ہو جاتا۔ آخر حدید گھوڑے سے اتر آیا۔ اتنے میں دوسرا سوار بھی آگیا۔ وہ محافظ نہیں ڈاکو تھا۔ وہ بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ حدید نے انہیں للکارا۔ "لڑکی کو نہیں لے جا سکو گے" — ایک ڈاکو نے لڑکی کو دبوچے رکھا اور دوسرا حدید سے لڑنے لگا۔ لڑکی کے پاس اب تلوار نہیں تھی۔ دوسرے ڈاکو نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور وہ حدید پر ٹوٹ پڑا۔

حدید نے لڑکی کو پکار کر کہا — "تم گھوڑے پر بیٹھو اور شوبک کی طرف نکل جاؤ۔ میں ان دونوں کو تمہارے پیچھے نہیں آنے دوں گا" — مگر لڑکی وہیں کھڑی رہی۔

حدید نے دونوں کا خوب مقابلہ کیا۔ ڈاکوؤں نے اسے بار بار کہا — "ایک لڑکی کے لیے اپنی جان مت گنواؤ" — حدید نے ہر بار یہی جواب دیا — "پہلے میری جان لو پھر لڑکی کو لے جانا" — اور اس نے کئی بار لڑکی سے کہا "تم یہاں کیوں کھڑی ہو، بھاگو یہاں سے" آخر لڑکی نے کہا "تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی" — حدید زخمی ہونے لگا۔ اس نے ایک بار پھر لڑکی سے کہا — "میں زخمی ہو گیا ہوں۔ میرے مرنے سے پہلے نکل جاؤ"۔

ایک ڈاکو لڑکی کی طرف گھوما۔ حدید کو موقع مل گیا۔ اس نے برچھی اس کے پہلو میں اتار دی، لیکن اس وقت دوسرے ڈاکو کی تلوار اس کے کندھے پر لگی۔ لڑکی نے ایک ڈاکو کو گرتے دیکھ لیا۔ اس نے دوڑ کر اس کی تلوار لے لی اور پیچھے سے آکر دوسرے ڈاکو کی پیٹھ میں برچھی کی طرح اتار دی۔ وہ سنبھلنے لگا تو آگے سے حدید کی برچھی اس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ ڈاکو بھی ختم ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی حدید بھی کھڑا رہنے کے قابل نہ رہا۔ لڑکی نے اسے سہارا دیا تو اس نے کہا — "تم ٹھیک ہو نا؟ مجھے چھوڑ دو۔ گھوڑے پر بیٹھو اور فوراً شوبک کو روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں خیریت سے پہنچا دے گا۔ شوبک دور نہیں۔ اپنے ساتھیوں کی طرف نہ جانا۔ وہاں شاید کوئی زندہ نہیں ہوگا"۔

"زخم کہاں کہاں ہیں؟" لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"مجھے مرنے دو لڑکی!" حدید نے کہا — "تم نکل جاؤ۔ خدا کے لیے میرا فرض تم خود ہی پورا کر دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اور قزاق اِدھر آ نکلے"۔

لڑکی کی غلط فہمی اور شکوک رفع ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس شخص نے اس کی خاطر جان خطرے میں ڈالی ہے۔ اس نے اسے اکیلا چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ دوڑ کر گئی۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی پانی کی چھاگل کھول لائی اور حدید کے منہ کے ساتھ لگا دی۔ اسے پانی پلا کر چھاگل گھوڑے کے ساتھ باندھ دی اور اس سے پوچھنے لگی کہ اس کے زخم کہاں ہیں۔ حدید نے اسے زخم بتائے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اور کچھ ٹکڑے حدید کے لباس سے پھاڑے۔ انہیں پانی میں بھگو کر اس نے حدید کے زخموں پر باندھ دیا۔ اسے اس کام کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس نے حدید کو سہارا دے کر اٹھایا اور گھوڑے تک لے گئی۔ بڑی مشکل سے اسے گھوڑے پر بٹھایا، خود دوسرے گھوڑے پر بیٹھنے لگی تو حدید نے کہا "میں اکیلا گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکوں گا"۔ وہاں تین

گھوڑے تھے۔ لڑکی نے یہ دانشمندی کی کہ گھوڑے ضائع کرنے مناسب نہ سمجھے۔ دو گھوڑوں کی باگیں ایک گھوڑے کی زین کے پیچھے باندھ دیں اور خود حدید کے پیچھے سوار ہوگئی۔ اس نے حدید کی پیٹھ اپنے سینے سے لگالی اور اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔

"شوبک کی سمت بتا سکتے ہو؟"۔ لڑکی نے پوچھا۔

حدید نے آسمان کی طرف دیکھا۔ تارے دیکھے اور ایک طرف اشارہ کر کے کہا — "اس رخ کو چلو"۔ پھر اس نے کہا — "میں شاید زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ خون نکل رہا ہے۔ جہاں کہیں میری جان نکل جائے مجھے وہیں دفن کر دینا اور اگر تمہیں میری نیت پر کوئی شبہ تھا تو وہ دل سے نکال کر مجھے بخش دینا۔ میں نے امانت میں خیانت نہیں کی۔ خدا تمہیں زندہ و سلامت اپنے ٹھکانے پر پہنچا دے"۔

گھوڑا چلا جا رہا تھا اور رات گزرتی جا رہی تھی۔

✪

صبح طلوع ہوئی تو حدید نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا اور اپنے آپ کو ہوش میں رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ اس کا خون رک گیا تھا لیکن زیادہ تر خون بہہ جانے سے اُس کا جسم بے جان ہوگیا تھا۔ لڑکی نے اسے چھوٹے سے نخلستان میں اتارا، اسے پانی پلایا۔ گھوڑوں کے ساتھ کچھ کھانے کی چیزیں بندھی ہوئی تھیں، وہ حدید کو کھلائیں۔ اس سے اس کا دماغ صاف ہونے لگا۔ اسے پہلا خیال یہ آیا کہ پہلے وہ اس لڑکی کا محافظ تھا اب اس کا قیدی ہے۔ لڑکی نے اسے لٹا دیا۔ وہ رات بھر گھوڑے پر سوار رہے تھے۔ کچھ دیر کے آرام سے حدید کا جسم ٹھکانے آگیا۔ اس نے لڑکی سے کہا — "شوبک دور نہیں شاید ایک دن کی مسافت ہے۔ تم ایک گھوڑا لو اور اسے بھگاتی لے جاؤ، جلدی پہنچ جاؤ گی۔ میں واپس چلا جاؤں گا"۔

"تم زندہ واپس نہیں پہنچ سکو گے"۔ لڑکی نے کہا — "اگر یہیں سے واپس جانا ہے تو مجھے ساتھ لے چلو۔ تم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی"۔

"میں مرد ہوں"۔ حدید نے کہا — "میرا دل نہیں مان رہا کہ ایک لڑکی میری حفاظت کرے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں"۔

"میں ان معمولی سی لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو گھروں میں پڑی رہتی ہیں"۔ لڑکی نے کہا — "اور جو مرد کی حفاظت کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتیں۔ مجھے ایک فوجی مرد سمجھو۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرا ہتھیار میری خوبصورتی، میری جوانی اور میری چرب زبانی

ہے۔ میں تمہاری طرح سختیاں برداشت کرسکتی ہوں۔ میں شوبک تک پیدل پہنچ سکتی ہوں"۔

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں"۔ حدید نے کہا — "ڈاکو ہم دونوں کو کتنا قریب لے آئے ہیں مگر ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم میرے ملک کی بنیادیں ہلانے کی کوشش کر رہی ہو اور ایک دن میں تمہارے ملک پر حملہ کرنے آؤں گا"۔

"لیکن اس وقت میری دوستی قبول کرلو"۔ لڑکی نے کہا — "دشمنی کی باتیں اُس وقت سوچیں گے جب تم تندرست ہو کر اپنے ملک میں چلے جاؤ گے"۔ اس نے حدید کی گردن کے نیچے بازو کر کے اسے اٹھایا۔ حدید اب اٹھ سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا گھوڑے تک پہنچ گیا۔ لڑکی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں رکھا اور اسے سہارا دے کر گھوڑے پر سوار کر دیا۔ لڑکی بھی اسی گھوڑے پر سوار ہونے لگی تو حدید نے ہاتھ آگے کر کے اسے روک دیا اور کہا — "تم اب دوسرے گھوڑے پر بیٹھو۔ میں اکیلا سواری کرسکوں گا"۔

"اس کے باوجود میں اسی گھوڑے پر بیٹھوں گی"۔ لڑکی نے کہا — "تمہیں اپنے ساتھ لگائے رکھوں گی"۔

حدید کی ضد کے باوجود لڑکی اس کے پیچھے سوار ہوگئی اور جب ایک بازو اُس کے سینے پر رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگانے لگی تو حدید نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ذرا اپنے سہارے بیٹھنے دو"— لڑکی نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا کر اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ اس نے حدید سے پوچھا — "میں جانتی ہوں تم مجھے بدکار لڑکی سمجھ کر مجھ سے دُور رہنے کی کوشش کر رہے ہو"۔

"نہیں"۔ حدید نے کہا — "میں تمہیں صرف لڑکی سمجھ کر دور رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں اپنے قریب کرنے کی خواہش ہوتی تو دو راتیں تم بے بسی کی حالت میں میری قید میں رہی ہو۔ میں تمہیں اپنی لونڈی بنا سکتا تھا لیکن میں نے اپنے اوپر شیطان کا غلبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ اب تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میں امانت میں خیانت کر رہا ہوں۔ میرے اندر گناہ کا احساس پیدا ہو رہا ہے"۔

"تم ہیجڑ تو نہیں ہو؟" لڑکی نے اس سے پوچھا — "مجھے تو جس مرد نے دیکھا ہے بھوکی نظروں سے دیکھا ہے۔ میں نے صرف اتنی سی قیمت دے کر تمہاری قوم کے دو سو مسلمانوں کے ایمان خرید لیے تھے"۔

"کتنی قیمت ہے؟" حدید نے پوچھا۔

"موت آتی سی کہ انہیں پاس بٹھایا اور سر اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا؟"

"ان کے پاس ایمان تھا ہی نہیں" حدید نے کہا۔

"جو کچھ بھی تھا" لڑکی نے کہا۔ "وہ میں نے ان سے لے لیا تھا۔ اس کی جگہ ان کے دلوں میں اپنی قوم کے خلاف غداری ڈال رہی تھی"

"وہ کون ہیں؟" حدید نے پوچھا۔

"ابھی نہیں بتاؤں گی" لڑکی نے جواب دیا۔ "جس طرح تم اپنے فرض کے پکے ہو اسی طرح مجھے بھی اپنا فرض عزیز ہے"

حدید خاموش ہو گیا۔ وہ لڑکی کے جسم کی حرارت اور ہلکی ہلکی بو محسوس کر رہا تھا۔ لڑکی کے کھلے ہوئے ریشمی سے بال ہوا سے لہرا کر اس کے گالوں پر پڑ رہے تھے اور گالوں کو سہلا رہے تھے۔ اسے اونگھ آ گئی۔ گھوڑا چلتا رہا۔ بہت دور جا کر حدید کی آنکھ کھلی تو سورج سر پر آ چکا تھا۔ اس نے کہا۔ "گھوڑے کو ایڑ لگاؤ۔ مجھے امید ہے کہ ہم سورج غروب ہونے کے بعد شوبک پہنچ جائیں گے"

لڑکی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور صحرا تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔

✪

سورج غروب ہو چکا تھا۔ شوبک کے قلعے کے اس کمرے میں جہاں صلیبی حاکموں اور کمانڈروں کے اجلاس ہوا کرتے تھے، وہاں حاکم اور کمانڈر بیٹھے تھے۔ ان میں عالم جاسوس بھی بیٹھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں یہ نہیں بتا سکتا کہ دونوں لڑکیوں کا کیا حشر ہوا یا ہو رہا ہے۔ میں نے انہیں بچانے بلکہ انہیں دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی کیونکہ ان سے زیادہ قیمتی یہ راز تھا جو مجھے آپ تک پہنچانا تھا۔ جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو میں موقع دیکھ کر ایک طرف ہو گیا اور ایک گھوڑے تک پہنچ گیا۔ ایک تو میری رہائی ایک معجزہ ہے۔ دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ میں اتنے خونریز معرکے میں سے صاف بچ کر نکل آیا۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکو نہیں تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھیجے ہوئے آدمی تھے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے ہم تینوں کو خود سزائے موت کیوں نہ دی اور لڑکیوں کو خراب کرانے کا یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ یہ ایک ڈھونگ تھا۔ لڑکیاں اب ان لوگوں کے قبضے میں ہوں گی اور ظالمانہ اذیتیں برداشت کر رہی ہوں گی"

"انہیں بچانے کا ہم کوئی ارادہ نہیں [illegible]" — ایک صلیبی حاکم نے کہا — "یہ قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں۔ ہمارے پاس لڑکیوں کی کمی نہیں۔ ہمارا یہ طریقہ کامیاب ہے۔ اسے جاری رکھنے کے لیے اور لڑکیاں تیار کر ... سب آگئے ہیں۔ اب وہ راز بتاؤ جو تم اپنے ساتھ لائے ہو"

عالم جاسوس انہیں سنا چکا تھا کہ وہ قاہرہ کی ایک مسجد سے کس طرح گرفتار ہوا تھا۔ قید خانے میں اس کے ساتھ اور لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوا اور سلطان ایوبی نے انہیں کس طرح خلافِ توقع رہا کیا۔ اس نے یہ بھی سنایا کہ یہ راز سلطان ایوبی نے اسے کس طرح دیا ہے۔ اس نے تاریخ بتا کر کہا — "صلاح الدین ایوبی اس روز اپنی فوج کو کوچ کرائے گا۔ وہ کرک پر حملہ کرے گا۔ نائب سالار کہہ رہے تھے کہ شوبک کو پہلے لینا چاہیے کیونکہ یہ زیادہ مضبوط قلعہ ہے لیکن صلاح الدین شوبک پر اپنی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کرک کو گھیرے میں لے کر پہلے اسے لینا چاہتا ہے۔ وہاں وہ اپنی فوج اور رسد وغیرہ کا اڈہ بنائے گا۔ رسد جمع کر کے وہ کمک بلائے گا اور فوج کو کافی آرام دے کر شوبک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ خاص طور پر کہا تھا کہ وہ ہمیں بے خبری میں لینا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ اس نے یہ بتائی ہے کہ اس کی فوج کم ہے اور ہماری فوج زیادہ بھی ہے اور ہمارے پاس گھوڑے بھی بہتر ہیں اور ہمارے پاس خود اور زرہ بکتر ہیں۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر صلیبی فوج نے اسے راستے میں روک لیا تو اسے شکست کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ کھلے میدان میں لڑنے سے ڈرتا ہے" — عالم جاسوس نے وہ تمام باتیں بتائیں جو اس نے سلطان ایوبی کی زبان سے سنی تھیں۔

اتنے قیمتی اور اہم راز کی تفصیل سن کر لڑکیوں کو سب بھول گئے اور اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سلطان ایوبی غیر معمولی طور پر دانش مند جنگجو ہے۔ اس نے کرک پر حملے کا جو پلان بنایا ہے، اس میں اس کی جنگی فہم و فراست کا پتہ ملتا ہے۔ راستے میں نہ لڑنے کا فیصلہ بھی اس کی دانائی کی دلیل ہے۔ وہ راستے میں طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ یہ خدائے یسوع مسیح کا خاص کرم ہے کہ اس کے پلان کا علم ہو گیا ہے، ورنہ وہ کرک کو اور شوبک جیسے مضبوط دفاع کے لیے خطرہ بن سکتا تھا.... انہوں نے اسی وقت سلطان ایوبی کے پلان کے مطابق اپنی فوجوں کی نقل و حرکت اور دفاع کا پلان بنانا شروع کر دیا

پلان میں یہ اقدامات طے پائے:

صلیبی افواج کی متحدہ مرکزی کمان شوبک میں ہی رہے گی۔ رسدگاہ بھی وہیں رکھی جائے گی۔ جنگ کو شوبک سے ہی کنٹرول کیا جائے گا۔

کرک کی قلعہ بندی کو اور زیادہ مضبوط کیا جائے گا۔ کچھ اور فوج کرک منتقل کر دی جائے گی۔

ایوبی کو کرک سے دُور اس کی اپنی سرحد کے اندر کسی دشوار گزار علاقے میں روکا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج بھیجی جائے گی۔ اس فوج میں گھوڑ سوار اور شتر سوار زیادہ ہوں گے۔ کوشش کی جائے گی کہ ایوبی کی فوج کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ پانی کے چشموں پر پہلے سے قبضہ کر لیا جائے۔

ان اقدامات پر فوری طور پر عمل درآمد کے احکامات نافذ کر دیئے گئے۔ ہر کوئی خوش تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ سلطان ایوبی کا کوئی راز قبل از وقت معلوم ہو گیا تھا ورنہ اس نے صلیبیوں کو ہمیشہ آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ اس پر حیرت کا بھی اظہار کیا گیا کہ سلطان ایوبی جیسے آدمی سے یہ لغزش سرزد ہوئی کہ ان جاسوسوں کو دوسرے کمرے میں بٹھا کر جنہیں وہ رہا کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ایسی نازک باتیں بلند آواز سے کیں جو اسے شکست فاش سے دوچار کر سکتی تھیں۔ انہوں نے ایک اہتمام یہ بھی کیا کہ فرانس کی فوج جو وہاں سے بہت دور تھی یہ پیغام بھیج دیا کہ فلاں دن سے پہلے پہلے ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو روکا جا سکے۔

اتنے میں ایک صلیبی افسر اندر آیا اور انٹیلی جنس کے سربراہ کے کان میں کچھ کہا۔ اس سربراہ نے سب کو بتایا کہ ان دو میں سے ایک لڑکی جو ڈاکوؤں کے گھیرے میں آگئی تھی ابھی ابھی آئی ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اس کے ساتھ ایک زخمی مسلمان محافظ ہے۔ عالم جاسوس سب سے پہلے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی باہر چلے گئے۔ حدید کو لڑکی نے برآمدے میں لٹا دیا تھا اور خود اس کے پاس بیٹھی تھی گھوڑے کی اتنی لمبی سواری اور تیز رفتاری نے حدید کے زخم کھول دیئے تھے۔ اس کا خون جو صبح بند ہو گیا تھا پھر بہنے لگا تھا اور اس پر غشی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ صلیبی کمانڈروں نے حدید کی طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ ڈاکوؤں کا حملہ ایک ڈھونگ تھا۔ انہوں نے لڑکی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے اندر چلنے کو کہا۔ وہ بڑی تمیمتی لڑکی تھی لیکن اس نے اُس وقت تک

اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا جب تک حدید کی مرہم پٹی نہیں ہو جاتی۔

انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن نام کا جرمن تھا۔ اس نے لڑکی کو پرے لے جا کر کہا— "کس سانپ کے بچے کی تم مرہم پٹی کرانا چاہتی ہو۔ یہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی کہ بچ کر آ گئی ہو، ورنہ یہ دو خبر سے تمہیں ان وحشیوں کے حوالے کرنا چاہتے تھے جو ڈاکو بن کر آئے تھے۔"

"یہ جھوٹ ہے"۔ لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔ "پہلے ہمیں بھی یہی شک تھا لیکن اس شخص نے میرے سارے شکوک رفع کر دیئے ہیں۔ اس نے دو ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے مجھے بچایا ہے۔" اس نے ہرمن کو سارا واقعہ سنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ یہ شخص اسے بار بار کہتا تھا کہ مجھے یہیں مرنے دو اور تم چلی جاؤ۔

صلیبیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اتنی گہری اتری ہوئی تھی کہ اتنے زیادہ افسروں میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ اس زخمی کی مرہم پٹی کرو۔ عالم جاسوس تک نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ لڑکی ان کے ساتھ اندر نہیں جا رہی تھی۔ آخر کسی نے کہا کہ زخمی کو کمرے میں لے چلو اور فوراً مرہم پٹی کرو۔ اسے اٹھا کر لے گئے اور لڑکی اپنے افسروں کے ساتھ چلی گئی۔ اسے کہا گیا کہ وہ بیان کرے کہ کس طرح زندہ بچی ہے۔ اس نے پوری تفصیل سے سنا دیا۔ اس دوران اس کے لیے وہیں کھانا اور شراب آ گئی۔ اس نے کہا— "اگر زخمی کو کھانا کھلایا جا چکا ہے تو میں کھاؤں گی۔ میں ذرا اسے دیکھ آؤں"— وہ جانے کے لیے اٹھی۔

"ٹھہرو لوزینا!"— ہرمن نے اسے بڑے رعب سے کہا— "تم دوسری بار صلیب کی فوج کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔ پہلے تمہیں اندر چلنے کو کہا گیا تو تم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے زخمی کو اٹھاؤ۔ اب تم بلا اجازت اور بدتمیزی سے باہر جا رہی ہو۔ یہ سب صلیبی فوج کے اعلیٰ حکام ہیں اور یہاں دو صلیبی حکمران بھی بیٹھے ہیں۔ جانتی ہو اس حکم عدولی اور بدتمیزی کی سزا کیا ہے؟ .... دس سال سزائے قید۔ اور جب تم یہ حکم عدولی دشمن کے ایک معمولی سے عہدیدار کی خاطر کر رہی ہو، تو تمہیں سزائے موت بھی دی جا سکتی ہے۔"

"کیا صلیبی حکمران اور کمانڈر اس انسان کو اس کا صلہ نہیں دیں گے کہ اس نے ان کی ایک تجربہ کار جاسوسہ کی جان اپنی جان خطرے میں ڈال کر بچائی ہے؟" لڑکی نے کہا— "میں جانتی ہوں کہ وہ میرے دشمن کی فوج کا عہدیدار ہے لیکن میں نے

دشمن اس وقت کہوگی جب وہ اپنی فوج میں واپس چلا جائے گا؟"

"دشمن ہر حال میں اور ہر جگہ دشمن ہے" ـــ ایک صلیبی کمانڈر نے چلّا کر کہا ـــ "فلسطین میں ہم نے کتنے مسلمانوں کو زندہ رہنے دیا ہے؟ ان کی نسل ہم کیوں ختم کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔ دنیا پر صرف صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ ایک زخمی مسلمان ہمارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بیٹھ جاؤ۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

✪

اگلی صبح سے شوبک میں ایک نئی سرگرمی شروع ہوگئی۔ یہ فوجی نوعیت کی سرگرمی تھی۔ شوبک شہر کے لوگ اس سرگرمی سے بے نیاز اپنے کام کاج میں مصروف ہوتے جا رہے تھے۔ قلعے سے فوجیں نکل رہی تھیں۔ سامان بھی ادھر اُدھر کیا جا رہا تھا۔ باہر سے آنے والی فوج کی عارضی خیمہ گاہ کے لیے جگہ خالی کی جا رہی تھی۔ رسد اکٹھی کرنے کے لیے اونٹوں کی قطاریں آ رہی تھیں۔ فوجی ہیڈکوارٹر میں بھی بھاگ دوڑ تھی۔ یہ ساری تیاری صلاح الدین ایوبی کا حملہ روکنے کے لیے کی جا رہی تھی اور ان احکامات پر عمل درآمد شروع ہوگیا تھا جو گزشتہ رات کے پلان کے مطابق دیئے گئے تھے۔ ہر ایک افسر اس افراتفری میں مصروف تھا۔ چند ایک بڑے افسر کرک روانہ ہوگئے تھے۔

صرف ایک لڑکی تھی جو اس سرگرمی اور بھاگ دوڑ سے لاتعلق تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو زخمی حدید کو لائی تھی۔ اس کے افسر ہرمن نے اسے لوزینا کے نام سے پکارا تھا۔ رات اسے کانفرنس کے کمرے سے آدھی رات کے بعد فراغت ملی تھی۔ وہ جاسوسی کے خصوصی شعبے سے تعلق رکھتی تھی اس لیے کانفرنس میں اس کی ضرورت تھی۔ اُس سے قاہرہ کے ان افراد کے متعلق رپورٹیں لینی تھیں جن کے پاس وہ جاتی رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد نیند اور گھوڑ سواری کی تھکن نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ کانفرنس کے بعد ایک افسر نے اسے کہا تھا ـــ "اُسے ڈاکٹر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ تمہیں اس کی اتنی زیادہ پریشانی نہیں ہونی چاہیئے۔ تمہاری ڈیوٹی ایسی ہے جس میں ایسے جذبات کامیاب نہیں ہونے دیا کرتے" ـــ اور اس کے اپنے شعبے کے بڑے افسر ہرمن نے اسے کہا تھا ـــ "اگر آج رات میں نہ ہوتا تو گونارڈ اور گے آف لوزینان جیسے بادشاہ جو کسی کو بخشا نہیں کرتے تمہیں قید میں ڈال دیتے۔ تمہارے محافظ کا انتظام کر دیا گیا

ہے اور تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اسے تم نہیں ملوگی۔"

"کیوں؟" ـــ لوزینا نے حیرت اور مایوسی سے پوچھا ـــ "کیا میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکوں گی؟"

"نہیں" ـ ہرمن نے کہا ـــ "کیونکہ وہ دشمن کا فوجی ہے۔ تم اپنا شعبہ جانتی ہو کیا ہے۔ ہم تمہیں اس سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ تو تمہارے فن اور فرض کا تقاضہ ہے۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کے ساتھ تمہاری جذباتی وابستگی ہوگئی ہے۔ تمہیں دشمن کے ساتھ ایسی وابستگی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"آپ مجھے صرف اتنا سا یقین دلا دیں کہ اس کی مرہم پٹی ہوگئی ہے" لوزینا نے کہا ـــ "اور اسے صحیح و سلامت واپس بھیج دیا جائے گا۔"

"لوزینا!" ہرمن نے جھنجھلا کر کہا ـــ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری یہ خواہش پوری کر دی جائے گی اور سنو۔ تم بڑے مشکل اور خطرناک مشن سے واپس آئی ہو اور تمہارا سفر زیادہ خطرناک تھا۔ تمہیں آرام کے لیے دس دن چھٹی دی جاتی ہے۔ مکمل آرام کرو۔"

یہ باتیں رات کو ہوئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جاسوس لڑکیوں کی رہائش ہائی کمان کے ہیڈکوارٹر سے بہت دور تھی۔ اس جیسی اعلیٰ درجے کی جاسوس لڑکیاں نہایت اچھے کمروں میں رہتی تھیں جہاں انہیں شہزادیوں جیسی سہولتیں اور عیاشی میسر تھی۔ ان کی ڈیوٹی ایسی تھی کہ انہیں مسلمان ملکوں میں بھیجا جاتا تھا جہاں پکڑے جانے کی صورت میں انہیں ہر قسم کی اذیت اور ذلت میں ڈالا جا سکتا تھا۔ موت یا سزائے موت تو یقینی تھی۔ ایسی ڈیوٹی کا تقاضا تھا کہ ان لڑکیوں کو دنیا کی ہر آسائش مہیا کی جائے۔

لوزینا کمرے میں جاتے ہی سو گئی تھی۔ دوسرے دن اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اٹھنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ اٹھی اور ناشتہ کر کے باہر نکلی۔ اس کے ساتھ والے کمروں کی لڑکیاں آگئیں۔ وہ اس سے قاہرہ کی باتیں سننا چاہتی تھیں۔ اس نے بہت ہی مختصر سی بات سنا کر انہیں ٹال دیا اور ہسپتال کی طرف چل پڑی۔

✪

وہ تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اس کی ایک ساتھی لڑکی جو اس کی ہمراز سہیلی بھی تھی پیچھے سے جا ملی اور پوچھا ـــ "لوزی! کہاں جا رہی ہو؟ اور تم پریشان ہو۔ یہ تھکن کا اثر ہے یا کوئی خاص واقعہ ہوگیا ہے؟ تمہیں چھٹی نہیں ملی؟"

"چھٹی مل گئی ہے" اس نے جواب دیا ـــ "ایک خاص واقعہ ہوگیا ہے جس نے

مجھے پریشان کر دیا ہے"۔ وہ سہیلی کو ساتھ لیے ایک درخت کے نیچے جا بیٹھی اور اسے تمام واقعہ سنا دیا۔ اسے اپنے افسروں نے جو دھمکیاں دی تھیں وہ بھی سنائیں اور اس نے کہا — "میں حدید سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کی مرہم پٹی نہیں ہوئی اور اسے شہر سے نکال دیا گیا ہے یا اسے مرنے کے لیے کسی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔" سہیلی نے اُسے مشورہ دیا — "یہ خطرہ مول نہ لو۔ تم نے بتایا ہے کہ تمہیں اس سے ملنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ تم اگر پکڑی گئیں تو باقی عمر کو سزا کیا ہے؟"

"اس شخص کے لیے میں سزائے موت بھی قبول کر لوں گی" لوزینا نے کہا — "میں تمہیں سنا چکی ہوں کہ اس نے میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے۔ میری جان کو تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ڈاکو مجھے لے بھی جاتے تو چند دن مجھے خراب کر کے کسی امیر کبیر آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ حدید بھی اس انجام سے آگاہ تھا۔ اس نے میری عزت کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ ڈاکوؤں نے کہا بھی تھا کہ لڑکی ہمیں دے دو اور بچ جاؤ۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں پاکباز لڑکی نہیں مگر اس نے مجھے امانت سمجھا۔"

"تم اس کے لیے جذباتی ہو گئی ہو؟"

"ہاں!" لوزینا نے جواب دیا — "میں جذبات کا اظہار ہر کسی کے آگے نہیں کر سکتی تھی۔ اپنا دل تمہارے آگے رکھ سکتی ہوں۔ تم میری سہیلی ہو اور عورت کا دل رکھتی ہو۔ ہماری زندگی کیا ہے؟ ہم ایک خوبصورت خنجر اور میٹھا زہر ہیں۔ ہمارا جسم مرد کی تفریح اور فریب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ میں نے یہ باتیں پہلے کبھی نہیں سوچی تھیں۔ اپنے وجود کو جذبات سے خالی سمجھا تھا مگر اس آدمی کے جسم کو میں نے اپنے جسم کے ساتھ لگایا تو میرے وجود میں وہ سارے جذبات بیدار ہو گئے جو میں سمجھتی تھی مجھ میں نہیں ہیں۔ میں ایک ہی بار ماں، بہن، بیٹی اور کسی کو چاہنے والی لڑکی بن گئی۔ یہ شاید اس کا اثر تھا کہ اپنے آپ کو میں بادشاہوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والی شہزادی سمجھتی تھی...

"مجھ میں اتنی تخریب کاری ڈالی گئی ہے کہ جابر حکمرانوں کو بھی انگلیوں پر نچا سکتی ہوں مگر ڈاکوؤں نے مجھے بکنے والی چیز بنا دیا۔ مجھے اس سطح پر لے آئے جہاں مجھ جیسی لڑکیاں ہر رات نئے آدمی کے ہاتھ فروخت ہوتی ہیں یا کسی مسلمان امیر یا حاکم کے ہاتھ فروخت ہو کر اس کے حرم کی لونڈیاں بن جاتی ہیں۔ اس آدمی نے جس کا نام حدید ہے، مجھے اس سطح سے اوپر اٹھا لیا۔ اس سے پہلے میں اس کی قیدی تھی۔ اس نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے تفریح کا ذریعہ بناتا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ اس نے مجھے قتل نہ کیا جو اس نے

جب میری عزت کو بچانے کے لیے اپنا جسم کٹوا لیا تو میں نے بے قرار ہو کر اسے سینے سے لگا لیا اور اس سطح کی لڑکی بن گئی جس سے مجھے گرا دیا گیا ہے۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی بات یاد آئی۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ تم کسی باعزت آدمی کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتی؟ میں نے دل میں کہا تھا کہ یہ مسلمان احمق ہے۔ میں اب محسوس کر رہی ہوں کہ ہمارے دشمن نے کتنی عظیم بات کہی تھی... میں تمہیں صاف بتا رہی ہوں کہ میں اب جاسوسی نہیں کر سکوں گی۔ میرے دماغ میں بچپن سے جو سبق ڈالے گئے تھے وہ صحرا کی خوفناک رات نے ڈاکوؤں کے خطرے نے اور حدید کے جسم کی حرارت اور اس کے خون کی بُو نے زائل کر دیے ہیں۔"

"تم اتنی لمبی بات نہ کرتیں تو بھی میں جان گئی تھی کہ تم کیا محسوس کر رہی ہو" اس کی سہیلی نے کہا — "لیکن میں حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ اسے چلے جانا ہے۔ تم اس کے ساتھ نہیں جا سکو گی۔ وہ اگر یہاں تکلیف میں ہے تو حکم ہے کہ تم اسے نہیں مل سکتیں۔ اگر پکڑی گئیں تو اپنے ساتھ اسے بھی مرواؤ گی۔"

"تو تم میری مدد کرو" لوزینا نے منت کی — "یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے صرف یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ٹھیک ہو گیا ہے اور تندرستی کی حالت میں چلا گیا ہے تو میرے دل کو چین آ جائے گا۔"

"ہاں!" سہیلی نے کہا — "میں یہ کام کر سکتی ہوں۔ تم کمرے میں چلی جاؤ۔"

وہ کمرے میں چلی گئی اور اس کی سہیلی کسی اور طرف نکل گئی۔

✪

قاہرہ میں بھی فوجوں میں بہت سرگرمی تھی۔ فوج کو جنگی مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔ چند ایک دستے الگ کر لیے گئے تھے۔ انہیں شبخون مارنے، تھوڑی تعداد میں دشمن کی کئی گنا زیادہ نفری پر حملہ کرنے اور "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کی مشقیں اس طرح کرائی جا رہی تھیں کہ رات کو بھی دستے چھاؤنی سے باہر رہتے تھے۔ سلطان ایوبی ذاتی طور پر یہ مشقیں دیکھتا تھا۔ وہ تیسرے چوتھے روز اعلیٰ کمانڈروں اور دستوں کے کمانداروں تک کو کچہری دیتا اور انہیں نقشوں اور خاکوں کی مدد سے جنگی چالیں سکھاتا تھا۔ اس نے اس ٹریننگ کا بنیادی اصول یہ رکھا تھا — کم تعداد سے دشمن کا زیادہ نقصان کرنا۔ ہتھیار سے زیادہ عقل کو استعمال کرنا۔ آمنے سامنے کے معرکے سے گریز۔ سامنے سے حملہ نہ کرنا، دس بارہ آدمیوں کے

شب خونوں سے اتنا نقصان کرتا جتنا ایک سو آدمی دن کے وقت دُو بدو معرکے میں کر سکتے ہیں۔"

اس کے علاوہ وہ دشمن کے کسی قلعے یا شہر کو لمبے محاصرے میں رکھنے کے طریقے بتاتا اور قلعوں کی دیواروں میں نقب لگانے کے سبق دیتا تھا۔ اس نے تمام اونٹوں گھوڑوں اور خچروں کا معائنہ کر لیا تھا۔ کمزور یا عمر خوردہ جانوروں کو اس نے الگ کر دیا تھا۔ حملے کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ سلطان ایوبی نے فلسطین کی فتح کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کے پہلے مرحلے میں کامیابی سے داخل ہونے کی تیاری زور شور سے کر رہا تھا۔ اُدھر اسے راستے میں ہی روکنے کے اہتمام ہو رہے تھے۔

دونوں فوجوں کی تیاریاں ایسی تھیں جیسے ایک دوسری کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گی۔ صلیبیوں کی تیاریوں کا دائرہ شوبک سے کرک تک اور مصر کی سرحدوں تک تھا۔ وہ اس وسیع دائرے کو سلطان ایوبی کے لیے ایسا پھندا بنا رہے تھے جس میں سے اُس کے لیے ساری عمر نکلنے کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ ان کی تیاریاں سلطان ایوبی کے اُس منصوبے کی روشنی میں ہو رہی تھیں جو اُن تک قبل از وقت پہنچ گیا تھا۔

ان وسیع تیاریوں کے اندر شوبک میں ایک سرگرمی اور بھی تھی، جس کا تعلق جنگ سے نہیں جذبات سے تھا اور یہ ایک خفیہ سرگرمی تھی۔ لوزینا اپنے کمرے میں پڑی حدید کے لیے بے قرار ہو رہی تھی اور اس کی سہیلی دو روز سے حدید کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ افسروں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا اور وہ سپاہیوں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا۔ وہ جاسوس لڑکی تھی۔ بڑے بڑے افسر بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ لوزینا کو اور ہر جاسوس لڑکی کو وہاں یہی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے باوجود یہ سہیلی جس سے بھی پوچھتی کہ لوزینا کے ساتھ جو زخمی مسلمان آیا تھا وہ کہاں ہے تو اسے یہی ایک جواب ملتا — "میں نے تو اسے نہیں دیکھا"۔ تیسرے دن ایک افسر نے اسے رازداری سے بتایا کہ اس کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور اسے مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔

سہیلی نے جب یہ خبر لوزینا کو سنائی تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ "مسلمانوں کا کیمپ" ایک خوفناک بیگار تھی۔ اس میں پہلی جنگوں کے مسلمان قیدی بھی تھے اور وہ مسلمان بھی جنہیں کسی جرم کے بغیر صلیبیوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں سے پکڑا تھا۔

یہ مسلمان زیادہ تر ان قافلوں میں سے پکڑے جاتے تھے جنہیں صلیبی لُوٹتے تھے۔ یہ کیمپ قید خانہ نہیں تھا، نہ یہ جنگی قیدی کیمپ کہلاتا تھا۔ یہ ایک بیگار کیمپ تھا جس پر کوئی ایسا کڑا پہرہ نہ تھا جیسا قید خانوں میں ہوتا ہے۔ ان بدنصیب قیدیوں کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ بھی نہ تھا۔ یہ لوگ مویشی بنا دیئے گئے تھے۔ جہاں ضرورت ہوتی ان میں سے بہت سے آدمی ہانک کر لے جائے جاتے اور ان سے کام لیا جاتا تھا۔ انہیں خوراک صرف اتنی سی دی جاتی جس سے وہ زندہ رہ سکتے تھے۔ وہ خیموں میں رہتے تھے۔ ان میں جو بیمار پڑ جاتا اس کا علاج اسی صورت میں کیا جاتا تھا کہ بیماری معمولی ہو۔ اگر بیماری فوراً زور پکڑ لے تو اسے زہر دے کر مار دیا جاتا تھا۔ یہ بدنصیب مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو اس جرم کی سزا بھگت رہے تھے کہ وہ مسلمان ہیں۔ سلطان ایوبی کو اس کے جاسوسوں نے اس بیگار کیمپ کے متعلق خبریں دے رکھی تھیں۔

حدید کو بھی کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔ لوزینا کے لیے حکم تھا کہ اسے نہ ملے۔ ہرمن کو شک ہو گیا تھا کہ یہ ایک جذباتی وابستگی ہے، لیکن لوزینا نے اس حکم کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ حدید "مسلمانوں کے کیمپ" میں ہے تو اس نے سہیلی سے کہا کہ وہ اسے آزاد کرائے گی۔ سہیلی نے اس کی جذباتی حالت دیکھ کر مدد کا وعدہ کیا اور دونوں نے پلان بنا لیا۔

وہ اسی وقت شہر میں گئی اور ایک پرائیویٹ ڈاکٹر سے ملی۔ اسے کہا کہ وہ ایک زخمی کو لا رہی ہے جس کا علاج اسے اس شرط پر کرنا پڑے گا کہ وہ اس کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ ڈاکٹر نے اس رازداری کی وجہ پوچھی تو لوزینا نے کہا — "وہ ایک غریب سا مسلمان ہے جس نے میرے خاندان کی بہت خدمت کی ہے۔ وہ کہیں لڑائی جھگڑے میں زخمی ہو گیا ہے۔ اُس کے پلے کچھ بھی نہیں اس لیے کوئی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کرتا۔ چونکہ یہاں تمام ڈاکٹر عیسائی ہیں اس لیے وہ کسی مسلمان کا علاج بلا اُجرت نہیں کرتے۔ رازداری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر شہر کے منتظم تک یہ خبر پہنچ گئی کہ ان مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا ہوا ہے تو وہ اسی کو بہانہ بنا کر انہیں مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دے گا۔ انہیں تو [illegible]نہ چاہیے۔ میں اس آدمی کو اس خدمت اور ایثار کا صلہ دینا چاہتی ہوں جو اس نے میرے خاندان کے لیے کیا ہے۔ میں اسے رات کے وقت لاؤں گی۔ بتائیے آپ کتنی اُجرت لیں گے۔ میں رازداری

کی بھی اُجرت دوں گی۔"

اس دوران ڈاکٹر اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا۔ لوزینا نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ یہی بتایا تھا کہ وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ لڑکی کا غیر معمولی حُسن دیکھ کر ڈاکٹر جو اُجرت لینا چاہتا تھا، اسے وہ زبان پر نہیں لا رہا تھا۔ لوزینا اس میدان اور اس فن کی ماہر تھی۔ وہ مردوں کی نظریں پہچانتی تھی۔ اس نے اپنے فن کو استعمال کیا تو ڈاکٹر موم ہو گیا۔ لوزینا نے سونے کے چار سکے" اس کے آگے رکھ دیئے اور جب ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ تم سے زیادہ قیمتی کوئی سکہ نہیں تو لوزینا نے مخصوص مسکراہٹ سے کہا۔" آپ جو قیمت مانگیں گے دوں گی۔ میرا کام کر دیں۔"

ڈاکٹر یہ تو سمجھ گیا کہ معاملہ خطرناک اور پُراسرار معلوم ہوتا ہے لیکن لوزینا کو دیکھ کر اس نے خطرہ قبول کر لیا اور کہا۔" لے آؤ۔ آج رات، کل رات، جب چاہو لے آؤ۔ اگر میں سویا ہُوا ملوں تو جگا لینا۔" اس نے ایک ہاتھ میں سونے کے سکے" اور دوسرے ہاتھ میں لوزینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

✪

اس مہم کا سب سے زیادہ نازک اور پُرخطر مسئلہ تو یہ تھا کہ حدید کو کیمپ سے نکالا کس طرح جائے۔ رات کو وہاں پہرہ برائے نام ہوتا تھا۔ ان بدنصیب قیدیوں میں بھاگنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے انہیں مشقت پر لگایا جاتا اور سورج غروب ہونے کے بعد کیمپ میں لایا جاتا۔ ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ لوزینا کی سہیلی نے کیمپ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ زخمی اور بیمار قیدیوں کو معمولی سی ایک ڈسپنسری میں ہر روز بھیجا جاتا ہے۔ اُن کے ساتھ صرف ایک پہرہ دار ہوتا ہے۔ دوسرے دن لوزینا اپنی سہیلی کے ساتھ وہاں پہنچ گئی جہاں مریض قیدیوں کو لے جایا جاتا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ کیمپ میں مریضوں کی ایک پارٹی نہایت آہستہ آہستہ چلتی آ رہی تھی اور پہرہ دار ہاتھ میں لاٹھی لیئے انہیں مویشیوں کی طرح ہانکتا لا رہا تھا جو تیز نہیں چل سکتے تھے انہیں وہ لاٹھی سے دھکیل دھکیل کر لا رہا تھا۔

دونوں لڑکیاں آگے چلی گئیں۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے تماشہ دیکھ رہی ہوں سب مریضوں کا ٹولہ ان کے قریب سے گزر رہا تھا تو وہ ہر ایک کو دیکھنے لگیں۔ اچانک

لوزینا کو دھچکہ لگا۔ حدید اسے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے اچھی طرح چلا نہیں جاتا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ رونق اور رمق بُجھ گئی تھی جو لوزینا نے زخمی ہونے سے پہلے دیکھی تھی۔ حدید کے کندھے جھک گئے تھے۔ اس کے کپڑے خون سے لال تھے۔ خون خشک ہو چکا تھا۔ لوزینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر حدید کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ اس نے منہ پھیر لیا.... یہ مریض ٹولہ آگے نکل گیا تو لوزینا اور اس کی سہیلی پہرہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کرنے لگیں جن میں ان مسلمان مریضوں کے خلاف نفرت تھی۔ انہوں نے زبان کے جادو سے پہرہ دار کو اپنا گرویدہ کر لیا اور کہا کہ وہ ازراہِ مذاق ان قیدیوں کے ساتھ باتیں کرنا چاہتی ہیں۔

ڈسپنسری میں دوسرے مریض بھی تھے۔ خاصا ہجوم تھا۔ قیدیوں کو ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ لوزینا ان کے قریب چلی گئی اور اس کی سہیلی نے پہرہ دار کو باتوں میں اُلجھا لیا۔ حدید دیوار کے سہارے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ لوزینا نے آنکھ کے اشارے سے اسے پرے بلایا۔ وہ جب اس کے قریب گیا تو لوزینا نے آہستہ سے اُسے کہا۔" مجھے حکم ملا ہے کہ تم سے کبھی نہ ملوں۔ بیٹھ جاؤ۔ ہم یہ ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ ہم باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہارے حکم دینے والوں پر۔" حدید نے نحیف مگر غضبناک آواز میں کہا۔" میں نے تمہیں کسی صلے کے لالچ میں ڈاکوؤں سے نہیں بچایا تھا۔ وہ میرا فرض تھا۔ کیا تم فرض ادا کرنے والوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو؟"

"چپ رہو حدید!"۔ لوزینا نے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا۔" یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ مجھے بتاؤ کہ رات تم کس جگہ ہوتے ہو۔ آج رات تمہیں وہاں سے نکالنا ہے۔"

حدید اُس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لوزینا نے اسے آنسوؤں سے اور بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ وہ اسے دھوکہ نہیں دے رہی۔ حدید نے بتایا کہ وہ رات کو جہاں سوتا ہے وہاں سے نکلنا مشکل نہیں لیکن نکل کر وہ جائے گا کہاں؟.... انہوں نے جلدی جلدی میں فرار کا منصوبہ بنا لیا۔

✪

"مسلمانوں کا کیمپ" ایسی نیند سویا ہُوا تھا جیسے یہ لاشوں کی بستی ہو۔ پہرہ دار بھی سو گئے تھے۔ یہاں سے کبھی کوئی بھاگا نہیں تھا۔ بھاگ کر کوئی جاتا بھی کہاں! اس کے علاوہ پہرہ داروں کو یہ بھی معلوم تھا کہ کوئی ایک آدھ بھاگ بھی گیا تو کون جواب طلبی کرے گا۔

رات کا پہلا پہر ختم ہو رہا تھا کہ پھٹے پرانے ایک خیمے سے ایک آدمی پیٹ کے بل رینگتا ہوا خیموں کی اوٹ میں وہاں تک چلا گیا جہاں اسے کوئی پہرہ دار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آگے اسے اندھیرے میں بھی کھجور کا درخت نظر آنے لگا جہاں تک اسے پہنچنا تھا۔ ایک سایہ سر سے پاؤں تک موٹے کپڑے میں لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ رینگنے والا اٹھ کھڑا ہوا اور کھجور کے تنے تک پہنچ گیا۔ وہ حدید تھا۔ لوزینا اس کی منتظر تھی۔

"تیز چل سکو گے؟" — لوزینا نے پوچھا۔

"کوشش کروں گا" — حدید نے جواب دیا۔

وہ کیمپ سے دور نکل گئے۔ آگے وسیع علاقہ غیر آباد تھا۔ مشکل یہ تھی کہ حدید تیز نہیں چل سکتا تھا۔ لوزینا نے سہارا دے کر تیز چلانے کی کوشش کی اور اسے بتاتی گئی کہ اسے کیسے کیسے حکم اور دھمکیاں ملی ہیں۔ اس نے حدید کی غلط فہمی رفع کر دی۔ آگے شہر کی گلیاں آگئیں اور پھر ڈاکٹر کا گھر آگیا۔ تین چار بار دستک دینے سے ڈاکٹر باہر آیا اور انہیں فوراً اندر لے گیا۔ اس نے حدید کے زخم کھول کر دیکھے تو کہا کم از کم بیس روز مرہم پٹی ہوگی۔ یہ سن کر لوزینا کے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ آگیا۔ وہ یہ تھا کہ اتنے دن وہ حدید کو چھپائے گی کہاں؟ اسے بیگار کیمپ میں واپس تو نہیں لے جانا تھا۔ اس کی عقل جواب دے گئی۔ ڈاکٹر مرہم پٹی کر چکا تو اس نے کہا کہ اسے نہایت اچھی اور مقوی غذا کی ضرورت ہے۔

لوزینا اسے پرے لے گئی اور کہا — "یہ جہاں رہتا ہے وہاں اسے اچھی غذا نہیں مل سکتی۔ میں گھر میں اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔ آپ اسے یہیں رکھیں اور جو چیز اس کے لیے فائدہ مند ہو وہ کھلائیں۔ مجھ سے آپ جتنی قیمت اور اُجرت مانگیں گے دوں گی۔"

ڈاکٹر نے جو اجرت بتائی وہ بہت ہی زیادہ تھی۔ لوزینا نے کم کرنے کو کہا تو ڈاکٹر نے کہا — "تم مجھ سے بہت ہی خطرناک کام کرا رہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ شخص مسلمانوں کے کیمپ سے لایا گیا ہے اور یہ مصری فوج کا سپاہی ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ مجھے منہ مانگی اجرت دو گی تو تمہارا یہ راز میرے گھر سے باہر نہیں جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے" — لوزینا نے کہا — "اور یہ بھی سن لو ڈاکٹر! اگر یہ راز فاش ہوگیا تو آپ زندہ نہیں رہیں گے۔"

ڈاکٹر نے حدید کو ایک کمرے میں لٹا دیا اور اسے بتایا کہ وہ ٹھیک ہونے تک یہیں

رہے گا۔ اس نے اندر سے اسے دودھ اور پھل لا دیئے اور لوزینا کو ایک اور کمرے میں لے گیا۔۔۔۔ دوسرے دن لوزینا اور اس کی سہیلی نے کیمپ کی جاسوسی کی۔ ڈسپنسری میں گئیں۔ مریض تبدیلی وہاں لے جائے گئے۔ دونوں لڑکیوں نے پہرہ دار کے ساتھ گپ شپ لگائی اور اپنے مخصوص ڈھنگ سے باتیں کر کے معلوم کر لیا کہ حدید کی گمشدگی سے کیمپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہاں کوئی ہلچل نہیں۔

دن گزرتے گئے۔ ڈاکٹر کو چونکہ منہ مانگی قیمت اور اجرت مل رہی تھی، اس لیے اس نے حدید کو چھپائے بھی رکھا اور اس کا علاج پوری توجہ سے کرتا رہا۔ اسے مقوی غذا بھی دیتا رہا۔ لوزینا شام کے بعد وہاں جاتی۔ کچھ دیر حدید کے ساتھ بیٹھتی اور بہت دیر ڈاکٹر کے کمرے میں گزارتی۔ اس روز مرہ کے معمول میں بیس روز گزر گئے اور حدید کے زخم مل گئے۔ اس کی صحت بھی بحال ہو گئی۔ لوزینا نے ڈاکٹر سے کہا کہ وہ کل رات کسی بھی وقت حدید کو لے جائے گی۔

دوسرے دن اس نے اپنی سہیلی کو استعمال کیا۔ چھوٹے عہدے کا ایک افسر اس کی سہیلی کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ سہیلی نے اس افسر کو جھانسہ دیا اور لوزینا نے اس کے ٹرنک سے اس کی وردی نکال لی جو اس نے حدید کو پہنا دی۔ گھوڑے کا انتظام مشکل نہ تھا۔ وہ بھی ہو گیا۔ یہ اہتمام اس لیے کیا جا رہا تھا کہ شہر کے اردگرد مٹی کی بہت اونچی دیوار تھی۔ اس کے چار دروازے تھے جو رات کو بند رہتے تھے۔ اُن دنوں دن کے وقت یہ دروازے کھلے رکھے جاتے تھے کیونکہ سلطان ایوبی کے آنے والے حملے کے لیے فوجوں اور ان کے سامان کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے قلعے کے بڑے دروازے کی طرف ایک صلیبی افسر گھوڑے پر جا رہا تھا۔ اس کی کمر سے لٹکتی ہوئی تلوار مسلمانوں کی طرح ٹیڑھی نہیں سیدھی تھی اور اُس کا دستہ صلیب کی شکل کا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے صلیبی تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے اونٹوں کا ایک کارواں رسد سے لدا ہوا باہر جا رہا تھا۔ ظاہر یہی ہوتا تھا جیسے یہ گھوڑ سوار افسر اس کارواں کے ساتھ جا رہا ہو۔ وہ دروازے کے پاس پہنچا تو صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ، ہرمن، گھوڑے پر سوار دروازے میں داخل ہوا۔ وہ کہیں باہر سے آ رہا تھا۔ اس نے اس افسر کو دیکھا اور مسکرایا، مگر اس افسر نے مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے نہ دیا۔ ہرمن چند قدم اندر کو آیا تو اس نے گھوڑا روک لیا۔ اسے دو تین سو قدم دور لوزینا کھڑی نظر آئی جس نے

اپنے ٹھکانے کی طرف چلی گئی۔
ہرمن کو دیکھا تو وہاں سے تیزی سے
علی بن سفیان کی طرح ہرمن بھی ماہر جاسوس اور سراغرساں تھا۔ اس نے فوراً گھوڑا دروازے کی طرف گھمایا اور ایڑ لگادی۔ وہ اپنا ایک شک رفع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو گھوڑا دوڑ پڑا۔ باہر جاکر ہرمن نے دیکھا کہ جو افسر اس کے پاس سے گزرا تھا وہ اتنی دُور نکل گیا تھا کہ اس کے تعاقب میں جانا بیکار تھا۔ اُس گھوڑ سوار نے دروازے سے نکلتے ہی گھوڑے کو ایڑ لگادی تھی۔ گھوڑا بہت تیز رفتار تھا۔ ہرمن اسے دیکھتا رہا اور وہ صحرا کی وسعت میں گم ہوگیا — لوزینا نے حدید کو آزاد کرا کے صلہ دے دیا تھا۔

✪

ہرمن نے گھوڑا موڑا اور تیزی سے اندر گیا۔ وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے کیمپ میں گیا اور وہاں کے انچارج سے حدید کی نشانیاں بتا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ کچھ پتہ نہ چلا جس خیمے میں حدید کو رکھا گیا تھا وہاں کے رہنے والوں نے بتایا کہ ایک صبح وہ یہاں سے غائب تھا۔ وہ سمجھے کہ اسے اِدھر اُدھر کردیا گیا ہے۔ ہرمن کا شک یقین میں بدل گیا۔ وہ حدید ہی تھا جسے اُس نے صلیبی فوج کی وردی میں دروازے سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ مزید تفتیش سے پہلے لوزینا کے کمرے میں گیا۔ وہ سر ہاتھوں میں تھامے رو رہی تھی۔

"کیا اسے تم نے بھگایا ہے؟" ہرمن نے گرج کر کہا۔ لوزینا نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ ہرمن نے کہا — "جھوٹ بولوگی تو میں تفتیش کرکے ثابت کردوں گا کہ اسے تم نے فرار میں مدد دی ہے"

"نہ آپ کو تفتیش کی ضرورت ہے نہ مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت" — لوزینا نے کہا — "میری زندگی ایک شاہانہ جھوٹ اور میرا وجود ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ اپنی روح کی نجات کے لیے میں سچ بول کر مر رہی ہوں" — اس کی آواز میں غنودگی تھی جو بڑھتی جارہی تھی۔ وہ اٹھی تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑائیں۔ اس کے قریب ایک گلاس پڑا تھا جس میں چند قطرے پانی تھا۔ اس نے گلاس اٹھا کر ہرمن کی طرف بڑھا کر کہا — "میں نے اپنے آپ کو سزائے موت دے دی ہے۔ اس گلاس میں پانی کے چند قطرے گواہی دیں گے کہ میں نے اپنے ناپاک جسم کو سزائے موت اس

لیے نہیں دی کہ اپنی قوم سے غداری کی اور دشمن کو قید سے بھگا دیا ہے بلکہ میرا جرم یہ تھا کہ میں اُن انسانوں کو دھوکے دینے گئی تھی جن کے ہاں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں۔ ان میں سے چار انسانوں نے میری وہ عزت بچانے کے لیے جو میرے پاس تھی ہی نہیں، دس ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا۔ پھر ایک انسان نے مجھے اپنا جسم کٹوا کر ڈاکوؤں سے چھینا۔ مجھے نیکی اور بدی، محبت اور نفرت کا فرق معلوم ہوگیا۔ میں سچ بول کر مر رہی ہوں۔ یہ پُر سکون موت ہے"

وہ گرنے لگی تو ہرمن نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر اسے تھام لیا۔ لوزینا نے اپنے جسم کو جھٹکا دیا اور ہرمن کے بازوؤں سے نکل کر پرے ہوگئی۔ اونگھتی ہوئی آواز میں بولی — "میرے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ اب تمہارے کام کا نہیں رہا۔ اس زہر نے اس میں سچ داخل کردیا ہے۔ تمہیں ناپاک جسموں کی ضرورت ہے.... اُسے میں نے بھگایا ہے۔ اسے میں نے بیس روز چھپائے رکھا تھا۔ اسے میں نے فرنیڈس کی وردی چرا کر پہنائی تھی۔ اُسے میں نے گھوڑا دیا تھا۔ میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ میں اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی، اس لیے میں نے زہر پی لیا۔ اگر تم مجھے پکڑ نہ لیتے تو بھی میں زہر پی لیتی" — وہ پلنگ پر لڑھک گئی۔ ہرمن کو اُس کی آخری سرگوشی سنائی دی — "سچ بول کر مرنے میں کتنا سکون ہے" — اُس نے آخری سانس اس طرح لی جیسے سکون سے آہ بھری ہو۔

اُسے جب دفن کرچکے تو ایک افسر نے پوچھا — "اس کا کوئی خاندان تھا تو انہیں اس کی موت کی اطلاع دے دو"

"اس کا خاندان ہم ہی تھے" — ہرمن نے جواب دیا — "اسے دس گیارہ سال کی عمر میں کسی قافلے سے اغوا کرکے لائے تھے"

صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کوچ کیے تیسرا دن تھا۔ صلیبیوں نے اسے راستے میں روکنے کے لیے فوج بھیج دی تھی۔ حملہ چونکہ کرک پر آرہا تھا، اس لیے صلیبیوں نے شوبک سے زیادہ تر فوج کرک بھیج دی تھی۔ اس کا ایک حصہ شام کی طرف بھی بھیج دیا تھا تاکہ نورالدین زنگی مدد کے لیے آئے تو اسے کرک سے کچھ دور روکا جا سکے اور اس فوج کا کچھ حصہ سلطان ایوبی کو راستے میں روکنے والی فوج کو دیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کرکے کوچ کرایا تھا اور تینوں کو دُور دُور رکھا تھا۔ وہ جب اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں صلیبیوں سے ٹکر ہونی چاہیے تھی، اُس

نے تینوں حصوں کے کمانڈروں اور ان کے ماتحت کمانڈروں کو اپنے خیمے میں بلایا۔

"ہم اس مقام پر آگئے ہیں جہاں مجھے راز فاش کر دینا چاہیے" ــــ سلطان ایوبی نے کہا ــ "تم شاید حیران ہو رہے ہو گے کہ میں تمہیں یہ بتاتا رہا ہوں کہ میں کرک پر حملہ کروں گا مگر میں تمہیں کسی اور طرف لے آیا ہوں۔ میں کرک پر حملہ نہیں کر رہا۔ ہماری منزل شوبک ہے۔ ایک سوال تم سب کو پریشان کر رہا ہے کہ میں نے ان تین جاسوسوں کو جن میں ایک عالم تھا اور دو لڑکیاں کیوں رہا کر دیا تھا اور انہیں محافظ کیوں دیئے تھے۔ اس سوال کا جواب سن لو۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ والے کمرے میں بٹھا کر درمیان کا دروازہ آدھا کھلا رکھا اور علی بن سفیان اور دو نائبین کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ میں فلاں تاریخ کو کرک پر حملہ کر رہا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ جاسوس سن رہے تھے۔ میں نے ان کے کانوں میں یہ بھی ڈالا کہ میں صلیبیوں سے کھلے میدان کی جنگ سے ڈرتا ہوں....

"اس قسم کی باتیں ان کے کانوں میں ڈال کر انہیں رہا کر دیا اور انہیں محافظ دیئے تاکہ وہ صحیح و سلامت شوبک پہنچ جائیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ راستے میں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ ڈاکوؤں نے تین محافظوں اور ایک لڑکی کو مار ڈالا ہے۔ چوتھا محافظ کل رات شوبک سے واپس آگیا ہے۔ وہاں ہمارے جو جاسوس ہیں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ عالم جاسوس زندہ شوبک پہنچ گیا تھا جس نے میرا دھوکہ کامیاب کر دیا ہے۔ صلیبیوں نے اپنی فوج میری مرضی کے مطابق تقسیم کر دی ہے۔ اس وقت تمہاری فوج کا بائیں والا حصہ صلیبیوں کی بہت بڑی فوج کے بائیں پہلو سے چار میل دور ہے۔"

اُس نے بائیں حصے کے کمانڈر سے کہا ــ "آج سورج غروب ہونے کے بعد تم اپنے تمام گھوڑ سوار دستے سیدھے آگے دو میل لے جاؤ گے۔ وہاں سے اپنے بائیں کو ہو جانا۔ چار میل سیدھا جانا پھر بائیں کو جانا اور دو میل پر تمہیں دشمن آرام کی حالت میں ملے گا۔ حملہ کرنا تم جانتے ہو۔ یہ تیز ہلہ ہو گا۔ راستے میں جو کچھ آئے اسے کچلتے ہوئے نکل آؤ اور اپنی اسی جگہ پر آ جاؤ جہاں سے چلے تھے۔ دوسرا حصہ شام کے بعد سیدھا آگے بڑھے گا۔ آٹھ نو میل جا کر بائیں کو ہو جائے گا۔ تمہیں دشمن کی رسد اور قافلے ملیں گے۔ اس کے علاوہ تم دشمن کے عقب میں ہو گے۔ دن کے وقت دشمن بائیں والے حصے کے تعاقب میں آئے گا لیکن تم سامنے کی ٹکر نہیں لو گے۔ دن کو بہت پیچھے آ جاؤ گے۔ رات کو پھر حملہ کرو گے اور رکو گے نہیں۔ صلیبی آگے بڑھیں گے تو

درمیان والا حصہ عقب سے حملہ کرے گا اور دشمن کے سنبھلنے تک بکھر جائے گا۔ تیسرا حصہ جو میرے ساتھ ہے، آج رات کوچ کر رہا ہے۔ ہم کل دوپہر تک شوبک کا محاصرہ کر چکے ہوں گے۔ باقی دو حصے صلیبیوں کو ان طریقوں سے جن کی میں تمہیں مشق کراتا رہا ہوں دشمن کو صحرا میں پریشان کیے رکھیں گے۔ اس تک رسد نہیں پہنچنے دیں گے وہ جوں ہی پانی کے چشموں سے ہٹے گا تم چشموں پر قبضہ کر لو گے۔ حملہ ہمیشہ پہلو پہ کرو گے اور لڑنے کے لیے رکو گے نہیں۔ جانباز دستے ہر رات دشمن کے مویشیوں پر آگ پھینکیں گے۔"

یہ ۱۱۷۱ء کے آخری دن تھے جب کرک والوں کو سلطان ایوبی کے لمبے انتظار کے بعد پتہ چلا کہ شوبک جیسا اہم قلعہ سلطان ایوبی کے محاصرے میں آگیا ہے جب کہ زیادہ تر فوج کرک میں اکٹھی کر لی گئی ہے اور صحرا میں بھیج دی گئی ہے۔ شوبک کو وہ کوئی مدد نہیں دے سکتے تھے۔ صحرا میں جو فوج گئی تھی، مسلمان اُس کا بُرا حشر کر رہے تھے۔ صلیبیوں کی پریشانی یہ تھی کہ مسلمان سامنے آکر نہیں لڑتے تھے۔ وہ گوریلا اور کمانڈو طرز کے حملوں سے ان کا نقصان کر رہے تھے۔ انہوں نے رسد روک لی تھی۔ پانی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں کی یہ فوج نہ لڑنے کے قابل رہی تھی نہ پیچھے ہٹ کر شوبک کو بچانے کے لیے پہنچ سکتی تھی۔

شوبک میں صلیبیوں نے قلعے اور شہر کی دیواروں سے تیروں اور برچھیوں سے بہت مقابلہ کیا لیکن سلطان ایوبی کے نقب زن دستوں نے دیواریں توڑ لیں۔ یہ محاصرہ تقریباً ڈیڑھ مہینہ رہا۔ آخر سلطان ایوبی شوبک میں داخل ہو گیا۔ وہ سب سے پہلے بیگار کیمپ میں گیا، جہاں کے بدنصیب قیدیوں نے شکر کے سجدے کیے۔ صلیبیوں کی صحرا والی فوج بے ترتیبی میں پسپا ہو کر کرک کے قلعے میں چلی گئی جہاں بہت سی فوج بیکار بیٹھی صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہی تھی۔

اَیونا جب عائشہ بنی

۱۱۷۲ء کا دوسرا مہینہ گزر رہا تھا۔ شوبک کا قلعہ تو سر ہو چکا تھا لیکن شہر میں ابھی بدنظمی اور افراتفری تھی۔ عیسائی اپنے کنبوں سمیت وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ بھاگ بھی گئے تھے۔ انہیں ڈر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جس طرح انہوں نے شوبک کے مسلمان باشندوں پر ظلم و تشدد روا رکھا تھا، اسی طرح اب مسلمان ان کا جینا حرام کر دیں گے۔ اس انتقامی کارروائی سے وہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ انہوں نے جب اپنی فوج کو قلعے سے بھاگتے، سلطان ایوبی کے تیراندازوں کے تیروں سے مرتے اور ہتھیار ڈالتے دیکھا تو بال بچوں کو لے کے گھروں سے نکلنے لگے۔ مسلمان سپاہ نے انہیں جانے نہیں دیا تھا۔ سالاروں اور کمانداروں نے اپنے طور پر حکم دے دیا تھا کہ شہر سے کسی شہری کو کہیں جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی بھاگنے والے عیسائیوں کو ریگستان کے دُور دراز راستوں، گوشوں اور ٹیلوں کے علاقوں سے روک روک کر واپس بھیج رہے تھے۔

یہ لوگ دراصل اپنے اور اپنے حکمرانوں کے گناہوں کی سزا سے بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کو کیڑے مکوڑے بنا رکھا تھا۔ "مسلمانوں کا کیمپ" اس کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ سلطان ایوبی کو اس کیمپ کا علم تھا۔ وہ شوبک میں داخل ہوتے ہی اس کیمپ میں پہنچا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں دو ہزار کے قریب مسلمان قید تھے۔ یہ دو ہزار لاشیں تھیں۔ ان سے مویشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ان سے غلاظت تک اٹھوائی جاتی تھی۔ ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو یہاں جوانی میں لائے گئے تھے اور بوڑھے ہو چلے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ وہ انسان ہیں۔ ان میں پہلی لڑائیوں کے جنگی قیدی بھی تھے اور ان میں اُن بدنصیبوں کی تعداد زیادہ تھی جنہیں صلیبیوں نے قافلوں سے اور شہر سے پکڑ کر کیمپ میں ڈالا تھا۔ یہ امیر کبیر تاجر تھے یا

خوبصورت لڑکیوں کے باپ تھے۔ ان سے دولت، مال اور لڑکیاں چھین لی گئی تھیں۔ ان میں شہر کے وہ مسلمان بھی تھے جن کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کے وفادار اور صلیب کے دشمن ہیں۔ شہر میں جو مسلمان رہتے تھے وہ نماز اور قرآن گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھتے تھے، وہ بھی اس طرح کہ آواز باہر نہ جائے۔۔۔۔ وہ معمولی حیثیت کے عیسائیوں کو بھی جھک کر سلام کرتے تھے۔ اپنی جوان بیٹیوں کو تو وہ پردے میں رکھتے ہی تھے۔ اپنی معصوم بچیوں کو بھی وہ باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔ عیسائی خوبصورت بچیوں کو اغوا کر لیتے تھے۔

سلطان ایوبی نے جب ان دو ہزار زندہ لاشوں کو دیکھا تو اس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس نے کہا تھا — "ان مظلوموں کو آزاد کرانے کے لیے میں پوری کی پوری سلطنتِ اسلامیہ کو داؤ پر لگا سکتا ہوں" — اس نے ان کی غذا اور اُن کی صحت کے لیے فوری احکامات جاری کر دیے تھے اور کہا تھا کہ ابھی انہیں اسی جگہ رکھا جائے اور انہیں بستر مہیا کیے جائیں۔ اس کے پاس ابھی ان کی کہانیاں سننے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اسے ابھی باہر کی کیفیت کو قابو میں لانا تھا۔ باہر کا یہ عالم تھا کہ جنگ ابھی جاری تھی جس کی نوعیت کھلی جنگ کی سی نہیں تھی۔ صورت یہ تھی کہ صلیبی فوج جو سلطان ایوبی کے دھوکے میں آ کر کرک اور شوبک سے دُور اُس کی فوج کو روکنے کے لیے چلی گئی تھی وہ بکھر کر پسپا ہو رہی تھی۔ مسلمان دستے اُس پر شب خون مار مار کر اور زیادہ بُرا حال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو اطلاعیں مل رہی تھیں کہ بعض جھڑپوں میں اس کے دستے گھیرے میں آ کر نقصان اٹھا رہے تھے۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ کرک کے قلعے میں جو صلیبی فوج ہے، وہ صحرا میں پھنسی اور بکھری ہوئی اپنی فوج کی مدد کے لیے بھیج دی جائے گی۔

اس صورتِ حال کے لیے سلطان ایوبی کے پاس فوج کی کمی تھی۔ مصر سے وہ کمک نہیں منگوانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں کی سازشیں دبی نہیں تھیں۔ معزول کی ہوئی فاطمی خلافت کے حامی در پردہ سازشوں میں مصروف تھے۔ سوڈانی حبشی الگ طاقت جمع کر رہے تھے۔ ان دونوں کو صلیبی مدد دے کر سلطان ایوبی کے خلاف متحد کر رہے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ متعدد مسلمان سیاسی اور فوجی سربراہ بھی سلطان ایوبی کے خلاف در پردہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ یہ ایمان فروشوں کا ٹولہ تھا جو اقتدار کے حصول کے لیے اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کر رہا تھا۔ انہوں

نے حشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں جنہوں نے سلطان ایوبی کے قتل کا منصوبہ بنا لیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کئی بار کہا تھا کہ صلیبیوں کی یہ کتنی بڑی کامیابی ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مسلمانوں کو قتل کرا رہے ہیں۔ وہ بیشک ایمان فروش ہیں جنہیں میں نے غداری کی پاداش میں سزائے موت دی ہے لیکن وہ مسلمان تھے، کلمہ گو تھے۔ کاش، یہ لوگ اپنے دشمن کو پہچان لیتے۔

اب جب کہ شوبک کا قلعہ اس کے قدموں میں تھا اور وہ قلعے کی دیوار پر اپنے فوجی مشیروں وغیرہ کے ساتھ گھوم رہا تھا اسے شہر کے مسلمان باشندے گروہ در گروہ ناچتے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے نظر آ رہے تھے۔ اونٹوں پر شہیدوں کی لاشیں اور زخمی لائے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اس کا دست راست بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے — "صلاح الدین کے چہرے پر فتح و نصرت کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ خوشیاں منانے والے شوبک کے مسلمان ڈھول، دف اور شہنائی کی تال پر ناچتا اس دیوار کے دامن میں آن رکا جہاں ہم کھڑے تھے۔ صلاح الدین ایوبی انہیں دیکھتا رہا۔ لوگ اسے دیکھ کر پاگلوں کی طرح ناچنے لگے۔ ایوبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ اس نے ان لوگوں کے لیے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ بس دیکھ رہا تھا۔ گروہ میں سے کسی نے بلند آواز سے کہا — صلاح الدین بن نجم الدین ایوب! تم شوبک کے مسلمانوں کے لیے پیغمبر بن کر آئے ہو — وہ لوگ عربی نسل کے تھے۔ ایک دوسرے کو باپ کے نام سے پہچانتے اور پکارتے تھے۔ اس لیے ان میں بیشتر صلاح الدین ایوبی کو بن ایوب یا بن نجم کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کرد نسل سے تھا۔۔۔۔

"ناچنے والوں میں سے کسی نے نعرہ لگایا — کُرد کے بچے! ہم تیری پیغمبری کو سجدہ کرتے ہیں' — صلاح الدین ایوبی یکلخت بیدار ہو گیا۔ تڑپ کر بولا — انہیں کہو مجھے گناہگار نہ کریں۔ میں پیغمبروں کا غلام ہوں۔ سجدے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے' — میں نے سلطان کے ایک محافظ سے کہا، بھاگ کر جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ ایسے نعرے نہ لگائیں۔ امیرِ مصر ناراض ہوتے ہیں۔ محافظ جانے لگا تو ایوبی نے اسے روک کر کہا — 'آرام سے کہنا۔ ان کا دل نہ دکھانا۔ انہیں تلخیاں دور انہیں گانے دو۔ انہوں نے جہنم سے نجات حاصل کی ہے۔ میری زندگی ان لوگوں

کی ستونیوں کے پیچے دُلف ہے"۔۔۔ وہ اور کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔ یہ جذبات کا غلبہ تھا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ وہ ہم سب سے اپنے آنسو چھپا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہم سب کی طرف دیکھا اور کہا ۔۔۔"ہم ابھی فلسطین کی دہلیز پر پہنچے ہیں۔ ہماری منزل بہت دُور ہے۔ ہمیں شمال میں وہاں تک جانا ہے جہاں سے بحیرۂ روم کا ساحل گھوم کر مغرب کو جاتا ہے۔ ہمیں سرزمین عرب سے آخری صلیبی کو دھکیل کر بحیرۂ روم میں ڈبونا ہے"۔

وہیں سلطان ایوبی نے اپنے متعلقہ مشیر کو حکم دیا کہ سارے شہر میں منادی کرادو کہ کوئی غیر مسلم اس خوف سے شہر سے نہ بھاگے کہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔ کسی کو کسی مسلمان فوجی یا شہری سے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ قلعے کے دروازے پر شکایت کرے۔ اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ اس نے زور دے کر کہا کہ ہم کسی کے لیے تکلیف اور مصیبت کا نہیں پیار اور محبت کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر کسی نے اسلامی حکومت کے خلاف کوئی بات یا حرکت کی تو اسے اسلامی قانون کے تحت سزا دی جائے گی جو بہت سخت ہوگی اور یاد رکھو کہ اسلامی قانون سے نہ کوئی غیر مسلم بچ سکتا ہے نہ مسلمان ۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ شہر میں اگر کوئی صلیبی فوجی یا جاسوس چھپا ہوا ہے یا اسے کسی نے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے تو وہ فوراً اپنے آپ کو مسلمان فوج کے حوالے کر دے۔

سلطان ایوبی کی فوج قلعے کی ایک دیوار توڑ کر اندر گئی تھی۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ قلعے کے اس حصے پر فوراً قبضہ کیا جائے جہاں صلیبیوں کے محکمۂ جاسوسی کا مرکز تھا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے اس مرکز کے متعلق بہت سی معلومات دی تھیں اور راہنمائی بھی کی تھی مگر صلیبی اتنے اناڑی نہیں تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اسی حصے کو خالی کیا اور دستاویزات نکال لے گئے تھے۔ ان کی جاسوسی کا سربراہ، ہرمن اور اس کے دیگر ماہرین وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ البتہ آٹھ لڑکیاں پکڑی گئی تھیں جو علی بن سفیان کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ وہ ان سے معلومات لے رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے بتایا تھا کہ کم و بیش بیس لڑکیاں وہاں سے نکل گئی ہیں۔ وہ سب اپنے طور پر بھاگی تھیں۔ ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ مرد جاسوس بھی نکل گئے تھے۔ ان آٹھ لڑکیوں میں سے ایک نے اپنی ساتھی لڑکی، لوزینا کے متعلق بتایا تھا کہ اس نے ایک مسلمان فوجی (حدید) کو قلعے سے فرار کرا کے خودکشی کر لی تھی۔

شوبک میں امن اور شہری انتظامات بحال کرنے کی سرگرمیاں تھیں اور کرک میں شوبک پر حملے اور راستے سلطان ایوبی سے چھڑانے کی سکیمیں بن رہی تھیں لیکن صلیبی حملے کے لیے اتنی جلدی تیار نہیں ہو سکتے تھے جتنا وہ سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے پہلا سوال تو یہ تھا کہ ان کے عالم جاسوس نے بڑی پکی اطلاع دی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس کی فوجیں کرک کی طرف ہی آ رہی تھیں۔ ان کے قاہرہ کے جاسوسوں نے بھی ناقابلِ تردید اطلاعیں دی تھیں کہ سلطان ایوبی کی فوج کرک پر حملہ کرے گی جس کی کمان وہ خود کرے گا مگر آدھے راستے سے اس کی فوجوں نے رُخ بدل دیا اور ایسی چالیں چلیں کہ صلیبی فوج جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے گئی تھی، شب خونوں کی زد میں آگئی اور سلطان ایوبی نے کرک سے اتنی زیادہ دُور شوبک پر حملہ کر دیا۔

یہ سوال ایک کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا جس میں صلیبی فوج کے اعلیٰ افسر اور صلیبی حکمران موجود تھے۔ ان کے محکمۂ جاسوسی کا سربراہ ، جرمن نژاد ہرمن اور عالم جاسوس جسے سلطان ایوبی نے قاہرہ سے گرفتار کر کے رہا کر دیا تھا، ملزموں کی حیثیت سے کانفرنس میں پیش کیے گئے۔ عالم جاسوس شوبک کے قلعے سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے کانفرنس میں ہتھکڑیوں میں پیش کیا گیا تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے غلط اطلاع دے کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا اور ان کی فتح کا باعث بنا ہے۔ اس نے ایک بار پھر بیان دہرایا کہ اسے یہ اطلاع کس طرح ملی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس کی اطلاع میں کوئی شک تھا تو متعلقہ محکمے کو اس کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کے اس بیان پر ہرمن سے پوچھا گیا کہ اس نے جاسوسی کے ماہر کی حیثیت سے کیوں تسلیم کر لیا تھا کہ اس جاسوس کی لائی ہوئی اطلاع بالکل صحیح ہے۔

"مجھے اس ضمن میں بہت کچھ کہنا ہے"۔۔۔ ہرمن نے کہا۔۔۔"میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر ہوں مگر کئی مواقع ایسے آئے ہیں جن میں میری مہارت اور میرے جاسوسوں کی محنت اور قربانی کو نظر انداز کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری مہارت فوج کی مرکزی کمان کے حکم یا کسی بادشاہ کے حکم کی نذر ہو گئی۔ اس کانفرنس میں تین حکمران موجود ہیں اور ان کی متحدہ کمان کے اعلیٰ کمانڈر بھی موجود ہیں اور جبکہ ہم اتنی بڑی شکست سے دوچار ہوتے ہیں جس میں شوبک جیسا قلعہ ہاتھ سے نکل گیا ہے، اس کے ساتھ میلوں وسیع علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے، سال بھر کی رسد اور دیگر ساز و سامان دشمن کے ہاتھ لگا ہے اور شوبک کی پوری آبادی مسلمانوں

کی غلام ہوگئی ہے۔ میں آپ کی خامیاں اور احمقانہ حرکتیں آپ کے سامنے رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور میں آپ سب کو بصد احترام یاد دلاتا ہوں کہ ہم نے صلیب پر حلف اٹھایا ہے کہ صلیب کے وقار کے لیے اپنا آپ قربان کردیں گے۔ اگر آپ میں سے کسی کے ذاتی وقار کو ٹھیس پہنچے تو اسے صلیب کا وقار پیش نظر رکھنا چاہیئے۔"

ہرمن کی حیثیت ایسی تھی کہ کونارڈ، گے آف لوزینان اور شاہ آگسٹس جیسے خودسر بادشاہ بھی اس کی بات رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ جاسوسی کا تمام تر نظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ ان میں تباہ کار جاسوس بھی تھے۔ ہرمن کسی بھی حکمران کو خفیہ طریقے سے قتل کرانے کی ہمت اور اہلیت رکھتا تھا۔ اسے اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنا تجزیہ پیش کرے۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ دشمن کے راز معلوم کرنے کے لیے اور اس کی کردار کشی کے لیے صرف لڑکیوں پر کیوں بھروسہ کیا جارہا ہے۔" اس نے پوچھا۔

"اس لیے کہ عورت انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے"— کسی حکمران نے کہا۔ "کردار کشی کا بہترین ذریعہ عورت ہے، خواہ وہ تحریر میں ہو یا گوشت پوست کی صورت میں ہو۔ کیا تم اس سے انکار کرسکتے ہو کہ عرب میں بہت سے مسلمان امراء، قلعہ داروں اور وزراء کو ہم نے عورت کے ہاتھوں اپنا غلام بنا لیا ہے؟"

"لیکن آپ یہ نہیں سوچ رہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حکومت فوج کے ہاتھ میں ہے۔" ہرمن نے کہا۔ "ان کا خلیفہ اپنا حکم نہیں منوا سکتا۔ فوجی امور میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی مصر میں حیثیت ایک گورنر کی ہے لیکن اس نے وہاں کے خلیفہ کو معزول کردیا ہے۔ ادھر نورالدین زنگی ہے جس کی حیثیت ایک سالار اور وزیر کی ہے لیکن جنگی امور میں اسے بغداد کے خلیفہ سے حکم اور اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ پیش نظر رکھیے کہ آپ نے چند ایک امیروں، وزیروں اور قلعہ داروں کو ہاتھ میں لے لیا ہے تو ان کی حیثیت چند ایک غداروں کی ہے۔ وہ آپ کو اپنے ملک کا ایک انچ علاقہ بھی نہیں دے سکتے۔ اسلامی سلطنت کے اصل حکمران فوجی ہیں۔ نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوجوں کی تربیت ایسی کی ہے کہ آپ لڑکیوں سے اس فوج کا کردار خراب نہیں کرسکتے اور نہ ہی کرسکے ہیں۔ اس فوج کے لیے شراب پینا سنگین جرم ہے۔ اسلام میں ہر کسی کے لیے شراب حرام ہے۔ اس پابندی کا اثر ہے کہ مسلمان فوجی ہو یا شہری وہ اپنے ہوش ٹھکانے رکھتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی شراب کا عادی ہوتا تو آج مصر ہمارا ہوتا اور صلاح الدین ایوبی شوبک کے قلعے کا فاتح نہ

ہوتا بلکہ اس قلعے میں ہمارا قیدی ہوتا۔"

"ہرمن!"— ایک کمانڈر نے اسے ٹوک کر کہا۔ "اپنی بات لڑکیوں تک رکھو۔ ہمارے پاس مسلمانوں کے اوصاف سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں"— ہرمن نے کہا۔ "کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کا استعمال ناکام ہوچکا ہے۔ گزشتہ دو برسوں میں ہم بڑی قیمتی لڑکیاں مصر میں بھیج کر مسلمان فوجیوں کے ہاتھوں مروا چکے ہیں۔ لڑکی کے معاملے میں یہ بھی یاد رکھیے کہ عورت ذات جذباتی ہوتی ہے۔ آپ لڑکیوں کو کتنی ہی سخت ٹریننگ کیوں نہ دیں، وہ مردوں کی طرح پتھر نہیں بن سکتیں۔ ہم انہیں خطروں میں پھینک دیتے ہیں۔ خطرہ بہرحال خطرہ ہوتا ہے اور دل و دماغ پر اثر کرتا ہے۔ بعض اوقات حالات بہت ہی بگڑ جاتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمان فوجی ہماری لڑکیوں کو تفریح کا ذریعہ بنانے کی بجائے انہیں پناہ میں لے لیتے ہیں اور ان کے جسم اپنے اوپر حرام کرلیتے ہیں۔ لڑکیاں جذبات سے مغلوب ہوکے رہ جاتی ہیں۔ حال ہی میں ہماری ایک لڑکی کو صلاح الدین ایوبی کے ایک کمانڈر نے ڈاکوؤں سے بچایا اور زخمی ہوگیا۔ لڑکی اسے شوبک میں لے آئی۔ ہم نے اسے مسلمانوں کے کیمپ میں پھینک دیا۔ لڑکی نے اسے ہماری فوج کے ایک افسر کی وردی پہنا کر قلعے سے نکال دیا۔ اسے گھوڑا بھی دیا۔ میں نے لڑکی کو پکڑ لیا۔ لڑکی نے زہر کھا کر خودکشی کرلی۔ اس نے سزا کے خوف سے خودکشی نہیں کی تھی۔ اس نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ گناہگار ہے اور اپنے جسم کو دھوکے کے لیے استعمال کررہی ہے۔ یہ احساس اتنا شدید تھا کہ اس نے زہر پی لیا...

"لڑکیوں کے خلاف میں ایک دلیل اور بھی دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس جو جاسوس لڑکیاں ہیں، ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جنہیں ہم نے بچپن میں مسلمانوں کے قافلوں سے یا ان کے گھروں سے اغوا کرایا تھا۔ انہیں ہم نے اپنا مذہب دیا اور اپنی ٹریننگ دی۔ وہ جوان ہوئیں اور اپنا بچپن اور اپنی اصلیت بھول گئیں۔ انہیں یاد بھی نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کی بیٹیاں ہیں مگر ہم نے ان کے صرف نام بدلے، ان کا مذہب اور ان کا کردار بدلا، ان کے خون کو نہ بدل سکے۔ میں انسانی نفسیات کو سمجھتا ہوں لیکن یہ میرا تجزیہ ہے کہ مسلمان کی نفسیات دوسرے مذاہب کے انسانوں سے مختلف ہے۔ یہ لڑکیاں جب کسی مسلمان کے سامنے جاتی ہیں تو جیسے انہیں اچانک یاد آجاتا ہے کہ ان کی رگوں میں بھی مسلمان باپ کا خون ہے۔ مسلمان کے خون سے اس کا مذہب نکلتا نہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی لڑکی کو جاسوسی کے لیے نہ بھیجا جائے؟" ایک کمانڈر نے اس سے پوچھا۔

"کسی ایسی لڑکی کو نہ بھیجا جائے جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوئی تھی" ــــ ہرمن نے جواب دیا ــــ "اگر آپ لڑکیوں کو میرے محکمے سے نکال ہی دیں تو صلیب کے لیے بہتر رہے گا۔ آپ مسلمان امراء کے حرموں میں لڑکیاں بھیجتے رہیں۔ آپ انہیں پھانس سکتے ہیں۔ وہ آسانی سے آپ کے ہاتھ آجاتے ہیں کیونکہ انہوں نے میدانِ جنگ نہیں دیکھا۔ ان کی تلوار ہماری تلوار سے نہیں ٹکرائی ہیں ان کی صرف فوج پہچانتی ہے۔ دشمن کو صرف فوج جانتی ہے۔ اس لیے وہ ہمارے جھانسے میں نہیں آسکتی۔"

صلیبیوں کا شاہ آگسٹس انتہا درجے کا شیطان فطرت حکمران تھا جو اسلام کی دشمنی کو عبادت سمجھتا تھا۔ اس نے کہا ــــ "ہرمن! تمہاری نگاہ محدود ہے۔ تم صرف صلاح الدین اور نورالدین کو دیکھ رہے ہو۔ ہم اسلام کو دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں اس مذہب کی بیخ کنی کرنی ہے۔ اس کے لیے کردار کشی اور نظریات میں شکوک پیدا کرنا لازمی ہے۔ مسلمانوں میں ایسی تہذیب رائج کرو جس میں کشش ہو۔ ضروری نہیں کہ ہم اپنا مقصد اپنی زندگی میں حاصل کر لیں ــــ ہم یہ کام اپنی اگلی نسل کے سپرد کر دیں گے۔ کچھ کامیابی وہ حاصل کرے گی اور یہ مہم اس سے اگلی نسل ہاتھ میں لے لے گی . . . . پھر ایک دور ایسا آ ہی جائے گا جب اسلام کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ اگر اسلام زندہ رہا بھی تو یہ مذہب کسی اور صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو جنم نہیں دے گا۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مذہب مسلمانوں کا اپنا ہوگا لیکن یہ مذہب ہماری تہذیب میں رنگا ہوا ہوگا۔ ہرمن! آج سے سو سال بعد پر نظر رکھو۔ فتح اور شکست عارضی واقعات ہیں۔ ہم شوبک پر دوبارہ قبضہ کر لیں گے۔ تم مصر میں سازشوں کو مضبوط کرو، فاطمیوں اور سوڈانی حبشیوں کو مدد دو۔ حشیشین کو استعمال کرو۔"

⊛

کانفرنس کے کمرے میں ایک صلیبی افسر داخل ہوا۔ گرد سے اٹا ہوا اور تھکا ہوا تھا۔ وہ اس فوج کے کمانڈروں میں سے تھا جو باہر ریگستان میں چلی گئی تھی اور آہستہ آہستہ کرک کی طرف پسپا ہو رہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے کہا ــــ "فوج کی حالت اچھی نہیں۔ میں یہ تجویز لے کے آیا ہوں کہ کرک کی تمام تر فوج کے ساتھ کافی کمک ملا کر شوبک پر حملہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ آمنے سامنے کی جنگ لڑیں۔ اس

وقت جنگ کی کیفیت یہ ہے کہ ہمارے دستے مرکزی کمان کے حکم کے مطابق کرک کی طرف پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے شب خون مارنے والے دستے تھوڑی سی نفری سے رات کو عقبی حصے پر شب خون مارتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ دن کے وقت ان کے تیر انداز چند ایک تیر برسا کر نقصان کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ وہ نشانہ گھوڑے یا اونٹ کو بناتے ہیں۔ جس جانور کو تیر لگتا ہے، وہ بھگدڑ مچا دیتا ہے۔ اسے دیکھ کر دوسرے گھوڑے اور اونٹ بھی ڈرتے اور بے قابو ہو جاتے ہیں۔ ہم نے رک کر ادھر ادھر کے دستے اکٹھے کیے اور جوابی حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن مسلمان آمنے سامنے نہیں آتے۔ ہمارے کچھ دستوں کو انہوں نے صرف اس لیے مارا ہے کہ مسلمان انہیں اپنی مرضی کے میدان میں لے جا کر لڑاتے ہیں۔ سپاہ میں لڑنے کا جذبہ ماند پڑ گیا ہے۔ جذبے کو بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک شدید جوابی حملہ کیا جائے۔"

اس مسئلے پر بحث شروع ہو گئی۔ صلیبیوں کے لیے مشکل یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ان کی فوج کا بڑا حصہ جسے بہترین لڑاکا سمجھا جاتا تھا، کرک سے دور ریگزار میں بکھر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی چال کامیاب تھی۔ اس کے کمانڈر اور دستوں کے عہدیدار اس کی چال کو خوش اسلوبی سے عملی رنگ دے رہے تھے۔ وہ پانی پر قبضہ کر لیتے تھے، بلندیوں پر پہنچ جاتے تھے، ٹیلوں کے علاقوں میں گھات لگاتے تھے اور دن کے وقت اگر ہوا تیز ہو تو ہوا کے رُخ سے حملہ کرتے تھے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ ہوا اور گھوڑوں کی اڑائی ہوئی ریت صلیبیوں کی آنکھوں میں پڑتی اور انہیں اندھا کرتی تھی۔ سلطان ایوبی کی نفری کافی نہیں تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ صلیبی حملہ کر دیتے تو سلطان ایوبی کے پاس اتنی نفری نہیں تھی کہ وہ شوبک کو بچا سکتا۔ اس نے جنگی فہم و فراست سے کام لیا اور صلیبیوں پر اپنا رعب قائم کر دیا تھا۔ شوبک کے شمال مشرق میں صلیبیوں کی خاصی فوج بیکار بیٹھی تھی۔ اسے اس ڈر سے واپس نہیں بلایا جا رہا تھا کہ نورالدین زنگی سلطان ایوبی کو کمک بھیج دے گا۔

صلیبی حکمران اور کمانڈر کرک کے قلعے میں بیٹھے ہوئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ شوبک میں ایوبی کو یہ مسئلہ پریشان کر رہا تھا کہ صلیبیوں نے حملہ کر دیا تو وہ کس طرح روک سکے گا۔

اس نے عیسائیوں کے بھیس میں اپنے جاسوس کرک بھجوا دیئے تھے تاکہ صلیبیوں کے عزائم اور منصوبوں سے آگاہ کرتے رہیں۔ اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اسے محاذ کی خبریں تیزی سے مل رہی تھیں۔ اس نے شوبک سے اور گرد و نواح کے علاقے سے فوج کے لیے بھرتی شروع کر دی اور حکم دیا کہ قلعے میں فوری طور پر ان کی ٹریننگ شروع کر دی جائے۔ صلیبیوں کے بہت سے گھوڑے اور اونٹ قلعے میں رہ گئے تھے۔

باہر کے دستوں کو اس نے حکم بھیج دیا تھا کہ دشمن کے جانوروں کو مارنے کی بجائے پکڑیں اور قلعے میں بھیجتے رہیں۔ نئی بھرتی کی ٹریننگ کے سلسلے میں اس نے یہ حکم جاری کیا کہ انہیں شب خون مارنے کی اور متحرک جنگ لڑنے کی ٹریننگ دی جائے۔

کرک میں جو کانفرنس ہو رہی تھی اس میں ہرمن کی اس تجویز کو رد کر دیا گیا تھا کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ البتہ عالم جاسوس کو چھوڑ دیا گیا اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں پر نظریاتی حملہ کرنے کے لیے آدمی تیار کرے۔ اس کے بعد یہ پوچھا گیا کہ شوبک میں کتنی جاسوس لڑکیاں اور مرد رہ گئے ہیں اور کیا لڑکیوں کو وہاں سے نکالا جا سکتا ہے؟ ہرمن نے انہیں بتایا کہ چند ایک لڑکیاں مسلمانوں کی قید میں ہیں۔ کچھ نکل آئی ہیں اور کچھ لاپتہ ہیں۔ مرد جاسوسوں کے متعلق اس نے بتایا کہ چند ایک قید ہو گئے ہیں اور بہت سے وہیں ہیں۔ انہیں اطلاع بھیج دی گئی ہے کہ وہیں رہیں اور اب مسلمان بن کر اپنا کام کریں .... ایک صلیبی حکمران نے کہا کہ جو لڑکیاں وہاں قید میں ہیں انہیں نکالنا شاید آسان نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ کچھ لڑکیاں وہاں عیسائیوں کے گھروں میں روپوش ہو گئی ہوں۔ انہیں وہاں سے نکالنا لازمی ہے۔

تھوڑی دیر کے بحث مباحثے کے بعد طے ہوا کہ ایک ایسا گروہ تیار کیا جائے جو سلطان ایوبی کے شب خون مارنے والے آدمیوں کی طرح جان پر کھیلنا جانتا ہو۔ اس گروہ کا ہر ایک آدمی ذہین اور پھرتیلا ہو۔ عربی یا مصری زبان بول سکتا ہو۔ اس گروہ کو ایسے مسلمانوں کے بھیس میں شوبک بھیجا جائے جس سے پتہ چلے کہ کرک کے عیسائیوں کے ظلم و تشدد سے بھاگ کر آئے ہیں۔ انہیں یہ کام دیا جائے کہ شوبک میں رہ کر لڑکیوں کا سراغ لگائیں اور انہیں وہاں سے نکالیں۔ اس کام کے لیے

وہ جرائم پیشہ آدمی موزوں رہیں گے جنہیں ان کی خواہش کے مطابق جیلوں سے نکال کر فوج میں لیا گیا ہے۔ فوج میں پیشہ ور مجرموں کو تلاش کرو اور انہیں چند دن ٹریننگ دے کر شوبک بھیج دو لیکن یہ خیال رکھو کہ ان میں وہی سپاہی ہوں جو شوبک میں رہ چکے ہیں اور وہاں کے گلی کوچوں اور لوگوں سے واقف ہیں .... یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ جرائم پیشہ آدمی اس خطے کی زبان نہیں جانتے۔ اس کا یہ حل پیش کیا گیا کہ زیادہ تر ایسے آدمی بھیجے جائیں جو وہاں کی زبان جانتے ہوں۔

متعدد مؤرخین نے شوبک کی فتح کو کئی ایک رنگ دیئے ہیں۔ ان میں صاف گو قسم کے مؤرخین نے جو ولیم آف ٹائر کی طرح عیسائی ہیں، صلیبیوں پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے حکمران خوبصورت لڑکیوں کے ذریعے مسلمان علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور کردار کشی پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس سے ان کے اپنے کردار کا پتہ ملتا ہے کہ کیا تھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے چند ایک غیر فوجی سربراہوں کو اپنے زیر اثر لے لیا تھا لیکن ان کے دماغ میں یہ نہ آئی کہ مسلمانوں کی ایک قوم بھی ہے اور ایک فوج بھی ہے۔ کسی قوم اور اس کی فوج کے قومی جذبے کو مارنا آسان کام نہیں ہوتا اور اس صورت میں جب کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے نہتے قافلے لوٹے تھے، ان کی بچیاں اغوا کی تھیں، مفتوحہ علاقوں میں وسیع پیمانے پر آبروریزی کی، قتل عام کیا اور مسلمانوں کو بیگار کیمپوں میں ٹھونس کر جانور بنا دیا، مسلمان قوم اور فوج کے جذبے کو مجروح کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام کی صفوں میں چند ایک غدار پیدا کر لینے سے اس مذہب کی عظمت کو مجروح نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس وقت جب شوبک پر حملے کی ضرورت تھی اور جب صلاح الدین ایوبی جنگی لحاظ سے کمزور تھا، صلیبیوں نے شوبک سے چند ایک لڑکیوں کو نکال لانے پر توجہ مرکوز کر لی اور اس مہم کے لیے جانبازوں کا گروہ تیار ہونے لگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کی جنگی فہم و فراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے صلیبیوں پر یہ رعب طاری کر دیا تھا کہ اس نے ان کی فوج کو بکھیر دیا ہے۔ صلیبیوں نے اس تاثر کو قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہ دی کہ ایوبی کی اپنی فوج دستہ دستہ ٹولہ ٹولہ ہو کے بکھر گئی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلطان ایوبی اس صورت حال سے کچھ پریشان بھی تھا۔ اس کے مشیر خاص شداد نے اس کی جس پریشانی

کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے دستے صلیبیوں کے تعاقب میں بکھر گئے تھے۔ اس سے مرکزیت ختم ہو گئی تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کے دستے ذاتی اور قومی جذبے کے تحت لڑ رہے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملی ہیں کہ بعض مسلمان دستے صحرائی بھول بھلیوں میں بھٹک گئے اور خوراک اور پانی سے محروم رہے لیکن وہ ہر حال اور ہر کیفیت میں لڑتے رہے۔

یہ جذبے کی جنگ تھی جس سے صلیبی سپاہی عاری تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو پسپا ہوتے دیکھا تو ان میں لڑنے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اگر صلیبی ادھر توجہ دیتے تو ایوبی کی بکھری ہوئی فوج پر قابو پا سکتے تھے مگر وہ ذرا ذرا سی باتوں پر اتنی زیادہ توجہ دیتے تھے جتنی اہم جنگی امور پر دی جاتی ہے۔

یہاں ایک اور وضاحت ضروری ہے۔ اُس دور کے صلیبی وقائع نگاروں کے حوالے سے دو تین غیر مسلم مؤرخین نے اس قسم کی غلط بیانی کی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے مسلسل دو سال شوبک کو محاصرے میں رکھا اور ناکام لوٹ گیا۔ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ زنگی کو اس کے مشیروں نے خبردار کیا تھا کہ ایوبی مصر کو اپنے ذاتی تسلط میں رکھ کر فلسطین کا بھی خود مختار حکمران بننا چاہتا ہے۔ وہ فلسطین پر قبضہ کر کے زنگی کو معزول کر دے گا۔ یہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ نورالدین زنگی نے اس بہانے شوبک کو اپنی فوج روانہ کر دی کہ یہ سلطان ایوبی کے لیے کمک ہے لیکن اس نے اپنے کمانڈروں کو یہ خفیہ ہدایت دی تھی کہ وہ شوبک کے جنگی امور اپنے قبضے میں لے لیں چنانچہ یہ فوج آئی۔ سلطان ایوبی سے کسی نے کہا کہ نورالدین زنگی نے یہ فوج اس کی مدد کے لیے نہیں بھیجی بلکہ اس کی مرکزی کمان پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجی ہے۔ یہ سن کر سلطان ایوبی دل برداشتہ ہو گیا اور وہ شوبک کا محاصرہ اٹھا کر مصر کو کوچ کر گیا۔

عیسائی مؤرخین نے زنگی اور ایوبی کی اس مفروضہ چپقلش کو بہت اچھالا ہے لیکن ان مؤرخین کی تعداد زیادہ ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ سلطان ایوبی نے ڈیڑھ ماہ کے محاصرے کے بعد شوبک کا قلعہ لے لیا تھا۔ البتہ یہ پتہ بھی ملتا ہے کہ صلیبی تخریب کاروں نے نورالدین زنگی کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سلطان ایوبی کے والد نجم الدین ایوب لمبی مسافت طے کر کے شوبک پہنچے۔ انہیں شک ہو گیا تھا کہ ان کا بیٹا ایسی حماقت

پر اُتر ہی نہ آیا ہو اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تخریب کار اس کے کان زنگی کے خلاف بھر دیں۔

بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں میں رقمطراز ہے — "اپنے والد بزرگوار کو دیکھ کر ایوبی بہت حیران ہوا۔ اُن کے گھٹنے چھو کر مصافحہ کیا اور سمجھا کہ محترم والد اسے فتح کی مبارکباد دینے آئے ہیں مگر انہوں نے بیٹے کو پہلے الفاظ یہ کہے — کیا نورالدین زنگی جاہل ہے جس نے تجھ جیسے گمنام اور غریب آدمی کے بیٹے کو مصر کا حکمران بنا ڈالا ہے؟ کیا مجھے یہ سننا پڑے گا کہ تیرا بیٹا ذاتی اقتدار کی خاطر سلطنت اسلامیہ کے محافظ نورالدین زنگی کا دشمن ہو گیا ہے؟ .... جاؤ اور زنگی سے معافی مانگو ....

بات کھلی تو معلوم ہوا کہ سلطان ایوبی کا ذہن صاف ہے اور وہ نورالدین زنگی سے کمک مانگنے والا ہے۔ نجم الدین ایوب مطمئن ہو گئے اور واضح ہو گیا کہ یہ صلیبیوں کی تخریب کاری اور عیاری ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی قاصد اور معتمد فقیہہ عیسیٰ الہکاری کو اپنے والد محترم کے ساتھ رخصت کیا اور الہکاری کو نورالدین زنگی کے نام ایک تحریری پیغام دیا۔ اس کے ساتھ شوبک کے کچھ تحفے بھی بھیجے۔ اس نے لکھا "بیش قیمت تحفہ شوبک کا قلعہ ہے جو میں آپ کے قدموں میں پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد خدائے عزوجل کی مدد سے کرک کا قلعہ پیش کروں گا"۔

اس پیغام میں سلطان ایوبی نے واضح کیا تھا کہ صلیبیوں کی تخریب کاری سے خبردار رہیں اور یہ نہ بھولیں کہ کچھ مسلمان امراء بھی اس تخریب کاری اور سازشوں میں صلیبیوں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ ان کی سرکوبی کی جائے۔ اس پیغام میں سلطان ایوبی نے شوبک کی اس وقت کی صورتِ حال اور اپنی فوج کی کیفیت تفصیل سے لکھی اور کچھ انقلابی تجاویز پیش کیں۔ اس نے زنگی کو لکھا کہ ان حالات میں جب دشمن ہماری سرزمین پر قلعہ بند ہے اور وہ میدانِ جنگ میں ہمارے خلاف سرگرم ہے اور زمین دوز کارروائیوں سے بھی ہمارے درمیان غدار پیدا کر رہا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہماری غیر فوجی قیادت نہ صرف ناکام ہو گئی ہے بلکہ سلطنتِ اسلامیہ کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ ہم گھر سے دور بے رحم صحراؤں میں دشمن سے برسرِ پیکار ہیں۔ ہمارے مجاہد لڑتے اور مرتے ہیں۔ وہ بھوکے اور پیاسے بھی لڑتے ہیں۔ انہیں کفن نصیب نہیں ہوتے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے تلے روندی جاتی اور صحرائی لومڑیوں اور گدھوں کی خوراک بنتی ہیں۔ اسلام کی عظمت

اور قوم کے وقار کو جتنا وہ سمجھتے ہیں اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ہمارے غیر فوجی حکام اور سربراہوں کے خون کا ایک قطرہ نہیں گرتا۔ وہ میدان جنگ سے بہت دُور محفوظ بیٹھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عیش و عشرت کے عادی ہوگئے ہیں۔ دشمن انہیں نہایت حسین اور چلبلی لڑکیوں اور یورپ کی شراب سے اپنا مرید بنا لیتا ہے۔ ہم دین و ایمان کی سربلندی کے لیے مرتے ہیں اور وہ ایمان کو دشمن کے ہاتھ بیچ کر عیش کرتے اور اس کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔

سلطان ایوبی نے لکھا کہ اب جبکہ میں فلسطین کی دہلیز پر آگیا ہوں اور میں نے فلسطین لیے بغیر واپس نہ جانے کا تہیہ کر لیا ہے، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ (نورالدین زنگی) غیر فوجی قیادت پر کڑی نظر رکھیں۔ امیر العلماء سے کہیں کہ وہ مساجد میں اور ہر جگہ اعلان کر دے کہ سلطنتِ اسلامیہ کا صرف ایک خلیفہ ہے اور یہ بغداد کی خلافت ہے۔ ہر مسلمان پر اس واحد خلافت کی اطاعت فرض ہے لیکن خطبے میں اور کسی مسجد میں خلیفہ کا نام نہیں لیا جائے گا۔ عظیم نام صرف اللہ اور اس کے رسول صلعم کا ہے۔ یہ حکم بھی جاری کیا جائے کہ آئندہ جب خلیفہ یا کوئی حاکم کسی دورے یا معائنے کے لیے باہر نکلے گا تو اس کے محافظ دستے کے سوا کوئی جلوس اس کے ساتھ نہیں ہوگا اور لوگ راستے میں رُک کر اور جُھک جُھک کر اُسے سلام نہیں کریں گے۔ … سلطان ایوبی نے سب سے زیادہ اہم بات یہ لکھی کہ شیعہ سُنّی تفرقہ بڑھتا جا رہا ہے۔ فاطمی خلافت کی معزولی نے اس تفرقے میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ تفریق ختم ہونی چاہیے۔ بے شک خلافت اور حکومت سُنّی ہے لیکن کسی سُنّی حاکم یا اہل کار کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شیعوں کو اپنا غلام سمجھے۔ حکومت اور فوج میں شیعوں کو پوری نمائندگی دی جائے۔

اس قسم کی کچھ اور بھی انقلابی تجاویز تھیں جو سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی کو بھیجیں۔ مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ زنگی نے ان پر فوری طور پر عمل کیا۔ اپنے ہاں بھی سلطان ایوبی نے شیعہ سنی تفرقہ پیار و محبت اور عقل و دانش سے مٹانا شروع کر دیا۔

کرک میں صلیبی سلطان ایوبی پر جوابی وار کرنے پر غور کر رہے تھے۔ ان کی مرکزی کمان نے قاصدوں کے ذریعے اپنی بکھری ہوئی فوج کو احکام بھیج دیئے کہ مسلمانوں

سے لڑنے کی کوشش نہ کریں بلکہ نکلنے کی ترکیب کریں تاکہ جوابی حملے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج پہنچ جائے۔ ان احکام کے ساتھ ہی انہوں نے چالیس جانبازوں کا ایک گروہ تیار کر لیا جسے مظلوم مسلمانوں کے بہروپ میں شوبک میں داخل ہونا اور لڑکیوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔ صلیبی حکمرانوں نے اس خیال سے کہ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر ہے وہاں اپنے تخریب کاروں میں اضافہ کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔ وہ سوڈانیوں اور فاطمیوں کو جلد از جلد متحد کر کے قاہرہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

شوبک اور کرک کے درمیانی علاقے میں بہت خون بہہ رہا تھا۔ وہ سارا علاقہ ہموار ریگستان نہیں تھا۔ کئی جگہوں پر مٹی اور ریتلی سلوں کے ٹیلے تھے اور کہیں ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جن میں کوئی داخل ہو جائے تو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ ایسے علاقوں میں صلیبی بھی مر رہے تھے اور سلطان ایوبی کے مجاہدین بھی — اور وہاں شوبک کے وہ عیسائی بھی مر رہے تھے جو مسلمانوں کے ڈر سے شہر سے کرک کی سمت بھاگ اٹھے تھے۔ فضا میں گِدھوں کے غول اُڑ رہے تھے ان کے پیٹ انسانی گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ صحرائی درندے لاشوں کو چیر پھاڑ رہے تھے اور معرکہ آرائی کا یہ عالم تھا جیسے اُفق سے اُفق تک انسان ایک دوسرے کا کشت و خون کر رہے ہوں۔ اس وسیع ریگزار میں کہیں کہیں نخلستان بھی تھے جہاں پانی مل جاتا تھا۔ تھکے ہارے انسان، زخمی انسان اور پیاس کے مارے ہوئے انسان وہاں جا جا کر گرتے تھے۔

عماد ہاشم سلطان ایوبی کی فوج کے ایک چھوٹے سے دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ شامی باشندہ تھا۔ اسی لیے وہ اپنا نام عماد شامی بتایا کرتا تھا۔ صلیبیوں کے خلاف جو جذبہ ہر مسلمان سپاہی کے دل میں تھا، وہ عماد شامی میں بھی تھا لیکن اس کے جذبے میں انتقام کا قہر اور غضب زیادہ تھا۔ اس کے متعلق سب جانتے تھے کہ وہ یتیم ہے اور اس کا سگا عزیز رشتہ دار کوئی نہیں لیکن اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہ یتیم ہے یا نہیں کیونکہ اس کا باپ اس کی آنکھوں کے سامنے مرا نہیں تھا۔ وہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں گھر سے بھاگا تھا۔ اس وقت اس کا گھر شوبک میں تھا۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس کے بچپن میں شوبک پر صلیبیوں کا قبضہ ہوا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کا کشت و خون شروع کر دیا تھا۔ اس کا بچپن صلیبیوں کی دہشت میں گزرا تھا۔ اس نے مسلمان جنگی قیدی بھی دیکھے جنہیں مار مار کر لایا جا رہا تھا اور اس کے

سامنے دو قیدیوں کے سر کاٹ دیئے گئے تھے کیونکہ وہ زخموں کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے۔ اس نے مسلمان گھروں سے لڑکیاں اغوا ہوتے دیکھی تھیں اور اس نے مسلمانوں کو بیگار میں جاتے بھی دیکھا تھا۔ شوبک کے مسلمان کہا کرتے تھے کہ جب شہر میں عیسائی مسلمانوں کو بلاوجہ پکڑ پکڑ کر کیمپ میں لے جانا شروع کر دیں اور ان کے گھروں پر حملے کرنے لگیں تو سمجھ لو کہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں کہیں شکست ہوئی ہے۔

عماد شامی کا گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ اُس کی ایک بہن تھی جس کی عمر سات آٹھ سال تھی۔ اُسے وہ بہن یاد تھی۔ بہت خوبصورت اور گڑیا سی بچی تھی۔ گھر میں اس کا باپ تھا، ماں تھی اور ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ ایک روز عماد کی گڑیا سی بہن باہر نکل گئی اور لاپتہ ہو گئی۔ باپ نے تلاش کی مگر کہیں نہ ملی۔ ایک مسلمان پڑوسی نے اسے بتایا کہ اُسے عیسائی اُٹھا لے گئے ہیں۔ باپ شہر کے حاکم کے پاس فریاد لے کر گیا۔ جونہی اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہے، حاکم اس پر برس پڑا اور اس پر الزام عائد کیا کہ وہ حکمران قوم پر اتنا گھٹیا الزام تھوپ رہا ہے۔ گھر آکر باپ نے اور عماد کے بڑے بھائی نے عیسائیوں کے خلاف شور شرابا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو ان کے گھر حملہ ہوا۔ عماد نے اپنی ماں اور بڑے بھائی کو قتل ہوتے دیکھا۔ وہ باہر بھاگ گیا اور ایک مسلمان کے گھر جا چھپا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر نہیں گیا کیونکہ اس مسلمان نے اس ڈر سے اُسے باہر نہ نکلنے دیا کہ عیسائی اسے بھی قتل کر دیں گے۔

تھوڑے دنوں بعد اس مسلمان نے اسے ایک اور آدمی کے حوالے کر دیا جو اسے چوری چھپے شہر سے باہر لے گیا۔ صبح کے وقت وہ ایک قافلے کے ساتھ جا رہا تھا۔ بہت دنوں کی مسافت کے بعد وہ شام پہنچا۔ وہاں اُسے ایک امیر کبیر تاجر کے گھر نوکری مل گئی۔ اب اس کی یہی زندگی تھی کہ نوکری کرے اور زندہ رہے۔ وہ ذہنی طور پہ بالغ اور بیدار ہو گیا۔ یہ انتقام کا جذبہ تھا۔ اسی جذبے کے زیر اثر اسے فوجی اچھے لگتے تھے۔ اس نے تاجر کی نوکری چھوڑ کر کسی فوجی حاکم کے گھر میں نوکری کر لی۔ عماد نے اسے بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونا چاہتا ہے۔

اس حاکم نے اس کی پرورش کی اور سولہ سال کی عمر میں اسے شام کی فوج میں

بھرتی کرا دیا۔ وہ انتقام کے لیے بے تاب تھا۔ اسے تین چار معرکوں میں شریک ہونے کا موقع ملا جن میں اس کے جوہر سامنے آ گئے۔ گیارہ بارہ سال بعد اُسے اس فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا گیا جو نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی کی مدد کے لیے بھیجی تھی۔ دو سال مصر میں گزر گئے۔ پھر خدا نے اس کی یہ مراد بھی پوری کی کہ وہ شوبک پر حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ گیا لیکن اُسے اُس فوج میں رکھا گیا جسے ریگزار میں صلیبیوں کی فوج پر حملے کرنے تھے۔

وہاں وہ صلیبیوں کے لیے قہر بنا ہوا تھا۔ اس کا چھاپہ مار سوار دستہ مشہور ہو گیا تھا۔ عماد شامی اپنے سواروں کو ساتھ لیے صحرا میں صلیبیوں کی گشت لیتا پھرتا اور بھیڑیوں اور چیتوں کی طرح ان پر جھپٹتا تھا مگر اس کے سینے میں جو آگ لگی ہوئی تھی وہ سرد نہیں ہوتی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ایک ماہ بعد اس کے دستے میں کُل چار سوار رہ گئے تھے، باقی سب شہید ہو گئے۔ ۔ ۔ ۔ ایک رات اس نے ان چار سواروں سے صلیبیوں کے کم و بیش پچاس افراد کے دستے پر حملہ کر دیا۔ وہ سارا دن چھپ چھپ کر اس کا پیچھا کرتا رہا تھا۔ دن کے وقت وہ چار سپاہیوں سے پچاس سپاہیوں پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کے تعاقب میں وہ بہت دُور نکل گیا۔ رات کو صلیبی رک گئے اور انہوں نے پڑاؤ کیا لیکن بہت سے سنتری بیدار رکھے۔ عماد نے آدھی رات کے وقت گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور سوتے ہوئے صلیبیوں کے درمیان سے اس طرح گزرا کہ برچھی سے دائیں بائیں وار کرتا گیا۔ اس کے چاروں جانبازوں کا بھی یہی انداز تھا۔

انہیں جو ہلتی چیز نظر آئی اس پر برچھیوں یا تلواروں کے وار کرتے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ کئی سوئے ہوئے صلیبی ان کے گھوڑوں تلے روندے گئے۔ سنتریوں نے تاریکی میں تیر چلائے جو خطا گئے۔ آگے جا کر عماد نے اپنے جانباز سواروں کو روکا اور انہیں وہاں سے آہستہ آہستہ پیچھے لایا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ دشمن بیدار ہو چکا ہے۔ وہ گھوڑ سواروں کو پھر قریب لے گیا اور ایڑ لگانے کا حکم دے دیا۔ اندھیرے میں اُسے سائے سے گھومتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ پانچوں گھوڑے سرپٹ دوڑتے ان کے درمیان سے گزرے مگر اب وہ دشمن پر وار کر کے آگے گئے تو وہ پانچ کی بجائے تین تھے۔ دو کو صلیبی تیر اندازوں نے گرا لیا تھا۔

عماد کا خون اور زیادہ جوش میں آگیا۔ اس نے اپنے مجاہدوں سے کہا: "ابھی انتقام لیں گے" ۔۔۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ اُس نے اپنے دونوں مجاہدوں کو موڑا اور صلیبیوں کے قریب آہستہ آہستہ آکر حملے کا حکم دے دیا۔ اب تو گھوڑے بھی تھک گئے تھے اور دشمن پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ اس حملے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عماد اکیلا رہ گیا۔ اب کے وہ دشمن میں سے نکلا تو اس کے ساتھ اپنے دو ساتھیوں کی بجائے دو صلیبی تھے جو اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اندھیرے میں اس نے انہیں ان کی للکار سے پہچانا۔ ورنہ وہ انہیں اپنے ساتھی سمجھ رہا تھا۔

وہ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس پر تلواروں سے حملہ کیا۔ اس کے پاس لمبی برچھی تھی۔ دوڑتے گھوڑے سے اس نے دونوں کا مقابلہ کیا۔ گھوڑا گھما کر آمنے سامنے آکر معرکہ لڑا۔ لڑائی خاصی لمبی ہو گئی اور وہ دور ہٹتے چلے گئے۔ آخر عماد نے دونوں صلیبیوں کو مار لیا اور دونوں کے گھوڑے شوبک بھیجنے کے لیے پکڑ لیے۔ ان کی تلواریں بھی لے لیں مگر اسے یہ خیال نہ رہا کہ کہاں تک جا پہنچا ہے۔ اس نے گھوڑے کو اور اپنے آپ کو آرام دینے کے لیے ایک جگہ قیام کیا لیکن وہ سونے سے ڈرتا تھا کیونکہ کسی بھی وقت اور کہیں بھی وہ دشمن کے نرغے میں آسکتا تھا۔ اس نے رات جاگتے گزار دی۔ ستارے دیکھ کر اس نے یہ معلوم کر لیا کہ شوبک کس طرف اور کرک کس طرف ہے اور اسے صحرا میں کون سی جگہ جانا ہے جہاں اسے اپنا کوئی دستہ مل جائے گا۔

صبح ہوتے ہی وہ چل پڑا۔ وہ صحراؤں میں جنا پلا تھا۔ بھٹکنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ خطرے کو دُور سے سونگھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اُسے دُور دُور صلیبی چار چار یا پانچ پانچ کی ٹولیوں میں جاتے نظر آئے۔ اگر اُس کے پاس دو فالتو گھوڑے نہ ہوتے تو کسی ٹولی پر حملہ کر دیتا۔ وہ بچتا بچاتا اپنی راہ چلتا گیا۔ راستے میں اُسے کئی جگہ گھوڑوں اور اونٹوں کے مردار اور صلیبی سپاہیوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں جنہیں گِدھ اور لومڑیاں کھا رہی تھیں۔ ان میں اُس کے اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی ہوں گی۔ وہ چلتا گیا اور سورج افق پر چلا گیا۔ آگے ٹیلوں کا علاقہ آگیا جس میں سے راستے ہر چند قدم پر گھومتے تھے۔ یہاں ڈر تھا کہ صلیبیوں کی کوئی ٹولی رات کے لیے قیام کرے گی۔ وہ سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈر بھی تھا کہ کسی ٹیلے پر کوئی تیر انداز نہ بیٹھا ہو۔ وہ ہر

طرف اور اوپر دیکھتا چلتا گیا۔

آگے راستہ دو ٹیلوں کے درمیان سے مڑتا تھا۔ وہاں سے وہ مڑا تو اچانک اُسے کسی کے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی آدمی ساتھ والے ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا اور ایڑی لگائی۔ تیز رفتار سے وہ ٹیلے کے پیچھے گیا تو آگے راستہ ایک اور ٹیلے نے بند کر رکھا تھا۔ یہ جگہ ایک وسیع کھنڈر جیسی ہوئی تھی۔ عماد سے کوئی بیس قدم دُور ٹیلے کے پیچھے سے چھپنے والا ایک آدمی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عماد کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ اس آدمی کا سر ڈھکا ہوا تھا۔ وہ آدمی نہتہ معلوم ہوتا تھا۔ عماد نے اسے للکارا مگر وہ ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ٹیلا مشکل قسم کا تھا۔ عماد آگے چلا گیا۔ اس آدمی نے ایک کوشش اور کی مگر کہیں ہاتھ پاؤں نہ جما سکا۔ وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ ٹیلے سے اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ لڑھکتا ہوا عماد کے گھوڑے کے قدموں میں آن پڑا۔ اُس کے سر سے چغے کی اوڑھنی والا حصہ اُتر گیا۔ عماد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک جوان لڑکی تھی اور خوبصورت اتنی جو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

عماد گھوڑے سے اُترا۔ لڑکی خوفزدہ تھی۔ اس کی رہی سہی قوت بھی خوف نے ختم کر دی۔ وہ اٹھی مگر بیٹھ گئی۔ عماد نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا ۔۔۔ "پانی پلاؤ" ۔۔۔ عماد نے ایک گھوڑے سے پانی کی چھاگل کھول کر اسے دے دی۔ اس نے بے تابی سے پانی پیا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ عماد نے اسے کھانے کے لیے کچھ دیا جو اس کے پیٹ میں گیا تو اس کے چہرے پر زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ عماد نے اسے کہا ۔۔۔ "مجھ سے ڈرو نہیں۔ بتاؤ کون ہو؟"

"شوبک سے اپنے خاندان کے ساتھ چلی تھی" اس نے تھکی ہاری زبان میں کہا ۔۔۔ "سب مارے گئے ہیں۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ مسلمانوں نے راستے میں حملہ کر دیا تھا۔"

"مجھے یہ کیوں نہیں بتا دیتی کہ تم کون ہو؟" عماد نے کہا ۔۔۔ "تم نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔"

"جھوٹ ہی سہی" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا ۔۔۔ "مجھ پر رحم کرو اور مجھے کرک تک پہنچا دو"

"شوبک تک" عماد نے کہا ۔۔۔ "میں تمہیں شوبک لے جا سکتا ہوں۔ کرک نہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ میں راستے میں عیسائی فوج کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا"

"پھر مجھے ایک گھوڑا دے دو" لڑکی نے کہا ۔۔۔ "میں لڑکی ہوں۔ اگر راستے میں کسی کے قبضے میں آگئی تو جانتے ہو کہ میرا انجام کیا ہوگا"

"میں تمہیں گھوڑا بھی نہیں دے سکتا۔ تمہیں یہاں سے اکیلے روانہ بھی نہیں کر سکتا" عماد نے کہا ۔۔۔ "یہ میرا فرض ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ شوبک لے جاؤں"

"وہاں مجھے کس کے حوالے کرو گے؟"

"اپنے حاکموں کے حوالے کروں گا" عماد نے کہا اور اسے تسلی دی ۔۔۔ "تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جس کا تمہیں ڈر ہے"

لڑکی کرک جانے کی ضد کر رہی تھی۔ عماد نے اسے بتایا کہ انہیں حکم ملا ہے کہ شوبک کے کسی عیسائی باشندے کو وہاں سے بھاگنے نہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے لڑکی کو خبردار کیا کہ وہ کرک تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ چونکہ گوری رنگت کی خوبصورت لڑکی تھی اس لیے لڑکی کو یہ ڈر تھا کہ یہ مسلمان فوجی اسے بے آبرو کرے گا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس کے ساتھ آبرو کا ہی سودا کر کے اُسے کہا جائے کہ وہ اسے گھوڑا دے دے۔ لڑکی نے اپنا رویہ بدل لیا اور عماد سے کہا ۔۔۔ "میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ آج رات یہیں قیام کیا جائے۔ صبح شوبک کو روانہ ہو جائیں گے" عماد بھی تھکا ہوا تھا۔ گھوڑوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لڑکی کی بھی حالت دیکھ رہا تھا۔ اُس نے وہیں رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے لڑکی نے اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے یہی دیکھا تھا کہ یہ بڑھی ہوئی داڑھی والا مسلمان فوجی ہے جو جسم کی ساخت اور گرد سے اٹے ہوئے چہرے سے وحشی لگتا ہے۔ اس سے اُسے رحم کی اُمید نہیں تھی۔ اب جبکہ اس نے کچھ اور ہی سوچ لیا تھا، اس نے عماد کو گہری نظروں سے دیکھا۔

اس وقت عماد بھی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس قدر حسین لڑکی کا اس صحرا میں اکیلے رہ جانا جہاں صلیبی اور اسلامی سپاہی لمبے عرصے سے بھوکے بھیڑیوں کی طرح بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں اس کے

لیے کتنا خطرناک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی پر سپاہی یا کماندار آپس میں ہی لڑ مریں۔ وہ خود بھی فرشتہ نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا۔ اُس وقت لڑکی اسے دیکھ رہی تھی۔ عماد نے کوشش کی کہ وہ لڑکی سے نظریں پھیر لے مگر لڑکی کی آنکھوں نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔ اس نے اپنے جسم کے اندر کوئی ایسا جذبہ محسوس کیا جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس نے ایک بار نظریں جھکا لیں مگر آنکھیں اپنے آپ پھر اوپر اٹھ گئیں اور وہ بے چین سا ہونے لگا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ عماد نے آہستہ سے کہا ۔۔۔ "تم شاید کنواری ہو"

"ہاں" لڑکی نے جواب دیا اور ذرا سا بھی سوچے بغیر کہہ دیا ۔۔۔ "میرا دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ اگر میرے ساتھ کرک چلے چلو تو میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں گی"

عماد بیلہ سا ہو گیا۔ اس نے کہا ۔۔۔ "پھر تم مجھے کہو گی کہ اپنا مذہب تبدیل کر لو، جو میں نہیں کر سکوں گا۔ تم شوبک چل کر میرے ساتھ شادی کرو اور مسلمان ہو جاؤ"

"مجھے بہر حال کرک جانا ہے" لڑکی نے کہا ۔۔۔ "اگر میرے ساتھ وہاں تک چلو گے تو تمہاری دنیا بدل جائے گی"

لڑکی نے سودا بازی شروع کر دی تھی لیکن عماد کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ یہ سوچ ایسی تھی جسے وہ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ بار بار لڑکی کے چہرے، اس کے ریشمی بالوں اور آنکھوں کو دیکھتا اور سر جھکا کر سوچ میں کھو جاتا تھا۔ لڑکی کی جیسے وہ کوئی بات سُن ہی نہیں رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کا چہرہ گہری شام کی تاریکی میں چھپ گیا۔ اس نے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے میں سے کھانے کی دو تین چیزیں نکالیں۔ لڑکی کو دیں اور خود بھی کھائیں۔ اس کا جسم اس قدر نڈھال تھا کہ جونہی لیٹا اس کی آنکھ لگ گئی۔

✪

آدھی رات کے بہت بعد لڑکی نے کروٹ بدلی اور اس کی آنکھ کھُل گئی۔ اس نے عماد کو دیکھا۔ وہ خراٹے لے رہا تھا۔ ان سے چند قدم دور گھوڑے کھڑے تھے رات کے پچھلے پہر کا چاند ٹیلوں کے اوپر آگیا تھا۔ صحرائی چاندنی آئینے کی طرح شفاف تھی۔ لڑکی نے گھوڑوں کو دیکھا۔ عماد کو اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ سونے سے پہلے گھوڑوں کی زینیں اتار دیتا۔ لڑکی نے گھوڑے

تیار دیکھے، عماد کو گہری نیند سوئے دیکھا اور یہ بھی محسوس کیا کہ پیٹ میں خوراک اور پانی جانے سے اس کا جسم تروتازہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنے چغے کے اندر ہاتھ ڈالا۔ جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس کی آتی دلکش انگلیوں نے ایک خنجر کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ چاندنی میں اسے عماد کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ تو بیہوشی کی نیند سویا ہوا تھا۔ لڑکی نے چاندنی میں چمکتے ہوئے خنجر کو دیکھا اور ایک بار پھر عماد کے چہرے پر نظر ڈالی۔ عماد آہستہ سے کچھ بڑبڑایا۔ وہ نیند میں بول رہا تھا۔ لڑکی یہی سمجھ سکی کہ وہ گھر والوں کو یاد کر رہا ہے۔

لڑکی نے عماد کے سینے کو غور سے دیکھا اور اندازہ کیا کہ اس کا دل کہاں ہے۔ وہ ایک سے دوسرا وار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ وار دل پر ہونا چاہیے تھا تاکہ عماد فوراً مر جائے ورنہ وہ مرتے مرتے بھی اُسے مار ڈالے گا۔ لڑکی نے خنجر کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑوں کو دیکھا۔ اس نے دل ہی دل میں پورا عمل دہرایا۔ وہ خنجر دل میں اتار دے گی اور بھاگ کر ایک گھوڑے پر سوار ہو جائے گی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دے گی۔ وہ سپاہی نہیں تھی ورنہ وہ بلا سوچے سمجھے خنجر مار کر عماد کو ختم کر دیتی۔ یہی وجہ کافی تھی کہ عماد مسلمان ہے اور اس کا دشمن، مگر وہ بار بار عماد کے چہرے پر نظریں گاڑ لیتی تھی اور جب اسے قتل کرنے کے لیے خنجر کو مضبوطی سے پکڑتی تھی تو اس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ عماد ایک بار پھر بڑبڑایا۔ اب کے اس کے الفاظ ذرا صاف تھے۔ وہ خواب میں اپنے گھر پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ماں کا نام لیا بہن کو بھی یاد کیا اور کچھ ایسے الفاظ کہے جیسے انہیں قتل کر دیا گیا اور عماد قاتلوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔

کوئی احساس یا جذبہ لڑکی کا ہاتھ روک رہا تھا۔ خوف بھی ہو سکتا تھا۔ یہ قتل نہ کرنے کا جذبہ بھی ہو سکتا تھا۔ لڑکی بے چین ہو گئی۔ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ قتل نہ کرے۔ آہستہ سے اٹھے۔ گھوڑے پر بیٹھے اور آہستہ آہستہ اس کھڈ سے نکل جائے۔ وہ اٹھی اور خنجر ہاتھ میں لیے گھوڑے کی طرف چل پڑی مگر ریت نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ اس نے رک کر عماد کو دیکھا تو اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس مرد نے اتنی بھی پرواہ نہیں کی کہ اسے ایک جوان لڑکی تنہائی میں مل گئی ہے اور اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ لڑکی عیسائی ہے جو اُسے سوتے میں قتل کر سکتی ہے اور اس نے گھوڑے کی زینیں بھی نہیں اتاریں اور اس نے

اپنی برچھی اور تلوار بھی احتیاط سے نہیں رکھی۔ کیوں؟ کیا اسے مجھ پر بھروسہ تھا؟ یا کیا یہ اتنا ہی بے حس ہے کہ میری جوانی اس کے اندر کوئی جذبہ بیدار نہیں کر سکی؟ .... اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اس آدمی نے اسے گھوڑے سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا۔ وہ آہستہ آہستہ ایک گھوڑے تک پہنچی۔ گھوڑا ہنہنایا۔ لڑکی نے گھبرا کر عماد کو دیکھا۔ گھوڑے کی آواز پر بھی اس کی آنکھ نہ کھلی۔

وہ تین گھوڑوں کی اوٹ میں کھڑی ایک گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ "کون ہو تم؟" — لڑکی نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ایک آدمی نے منہ سے وسل بجائی اور کہا — "ہماری یہ قسمت!" — وہ دو تھے۔ دوسرا ہنسا۔ لڑکی زبان سے پہچان گئی کہ یہ صلیبی ہیں۔ ایک نے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ لڑکی نے کہا — "میں صلیبی ہوں"۔ دونوں آدمی ہنس پڑے اور ایک نے کہا — "پھر تم سالم ہماری ہو۔ آؤ"۔

"ذرا ٹھہرو اور میری بات سنو" — اس نے کہا — "میں شوبک سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ میرا نام الیونا ہے۔ میں جاسوسی کے شعبے کی ہوں۔ کرک جا رہی ہوں۔ وہ دیکھو ایک مسلمان سپاہی سویا ہوا ہے۔ اس نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر بھاگ رہی ہوں۔ میری مدد کرو۔ یہ گھوڑے سنبھالو اور مجھے کرک پہنچاؤ"۔ اس نے انہیں اچھی طرح سمجھایا کہ وہ صلیبی فوج کے لیے کتنی قیمتی اور کارآمد لڑکی ہے۔

ایک صلیبی نے اسے وحشیوں کی طرح بازوؤں میں جکڑ لیا اور کہا — "جہاں کہو گی پہنچا دیں گے"۔ دوسرے نے ایک بیہودہ بات کہہ دی اور دونوں اسے ایک طرف کو دھکیلنے لگے۔ وہ صلیبی فوج کے پیادہ سپاہی تھے جو مسلمان چھاپہ ماروں سے بھاگے، پھر رہے تھے۔ رات وہ چھپ کر ذرا آرام کرنا چاہتے تھے۔ ایسی خوبصورت لڑکی نے انہیں حیوان بنا دیا۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ انہیں صلیب کا بھی کوئی خیال نہیں تو اس نے اس اُمید پر بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا کہ عماد جاگ اٹھے گا۔ اسے سپاہیوں نے گھسیٹنا شروع کر دیا۔

اچانک ایک نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے ساتھی کا نام لے کر کہا — "بچو"۔ مگر اس کے بچنے سے پہلے ہی عماد کی برچھی اس کی پیٹھ میں اتر چکی تھی۔ دوسرے نے

تلوار سونت لی۔ اُس وقت لڑکی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ اس نے خنجر صلیبی سپاہی کے پہلو میں گھونپ دیا۔ یکے بعد دیگرے دو اور وار کیے اور چلا چلا کر کہا — "تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ تم صلیب کے نام پر غلیظ داغ ہو۔"

جب دونوں صلیبی ٹھنڈے ہوگئے تو لڑکی بے قابو ہو کر رونے لگی۔ عماد نے اسے بہلایا اور کہا۔ "اب یہاں رکنا ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے زیادہ سپاہی اِدھر آ نکلیں۔ ہم ابھی شوبک کو روانہ ہو جاتے ہیں۔" اس نے لڑکی سے پوچھا۔ "انہوں نے تمہیں جگایا تھا؟"

"نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا — "میں جاگ رہی تھی اور گھوڑوں کے پاس کھڑی تھی۔"

"وہاں کیوں؟"

"گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے کے لیے۔" لڑکی نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔"

"تم نے خنجر کہاں سے لیا ہے؟"

"میرے پاس تھا۔" لڑکی نے جواب دیا — "میں نے پہلے ہی ہاتھ میں لے رکھا تھا۔"

"پہلے ہی ہاتھ میں کیوں لے رکھا تھا؟" عماد نے پوچھا۔ "شاید اس لیے کہ میں جاگ اٹھوں تو تم مجھے قتل کر دو۔"

لڑکی نے جواب نہ دیا۔ عماد کو دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد بولی — "میں تمہیں قتل کر کے بھاگنا چاہتی تھی۔ پیشتر اس کے کہ تم مجھے قتل کرو، میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں نے یہ خنجر تمہیں قتل کرنے کے لیے کھولا تھا لیکن ہاتھ اٹھا نہیں۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں نے تمہارے دل میں خنجر کیوں نہیں اُتارا۔ تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں بزدل نہیں۔ پھر بھی میں تمہیں قتل نہ کر سکی۔ میں کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتی۔ شاید تم کچھ بتا سکو۔"

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" عماد نے کہا — "تمہارا ہاتھ میرے خدا نے روکا تھا اور تمہاری عزت خدا نے بچائی ہے۔ میرا وجود تو ایک بہانہ اور ایک سبب تھا... کسی گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور چلو۔"

لڑکی نے خنجر عماد کی طرف بڑھا کر کہا — "میرا خنجر اپنے پاس رکھ لو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"تم میری تلوار بھی اپنے پاس رکھ لو۔" عماد نے کہا — "تم مجھے قتل نہیں کر سکو گی۔"

یہ مذاق نہیں تھا۔ دونوں پر سنجیدگی طاری تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تیسرا گھوڑا ساتھ لے کر چل پڑے۔

سورج نکلنے تک وہ اُس علاقے میں پہنچ چکے تھے جہاں کوئی صلیبی سپاہی نظر نہیں آتا تھا۔ عماد کی اپنی فوج کے چند سپاہی اسے نظر آئے، جن کے ساتھ اس نے کچھ باتیں کیں اور چلتے گئے۔ اپریل کا سورج بہت ہی گرم تھا۔ وہ منہ اور سر لپیٹے ہوئے چلتے گئے۔ دُور سے ریت پانی کے سمندر کی طرح چمکتی نظر آتی تھی اور بائیں سمت رتیلی سلوں کی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ سفر کے دوران وہ آپس میں کوئی بات نہ کر سکے۔ گرمی کے علاوہ ان لاشوں نے بھی ان پر خاموشی طاری کر رکھی تھی جو انہیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کوئی ایک بھی لاش سالم نہیں تھی۔ گدھوں اور درندوں نے ان کے اعضاء الگ کر دیئے تھے۔ بعض لاشوں کی صرف ہڈیاں اور کھوپڑیاں رہ گئی تھیں۔ عماد نے لڑکی سے کہا — "یہ تمہاری قوم کے سپاہی ہیں۔ یہ اُن بادشاہوں کی خواہشوں کا شکار ہو گئے ہیں جو اسلامی سلطنت کو ختم کرنے برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے ہیں۔"

لڑکی خاموش رہی۔ وہ بار بار عماد کو دیکھتی تھی اور آہ بھر کر سر جھکا لیتی تھی۔ عماد نے سلوں کی پہاڑیوں کا رُخ کر لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہاں پانی ضرور ہوگا اور سایہ بھی۔ سورج ان کے پیچھے جانے لگا تو وہ پہاڑیوں میں پہنچ گئے۔ تلاش کے بعد انہیں ہری جھاڑیاں اور گھاس نظر آ گئی۔ ایک جگہ سے پہاڑی کا دامن پھٹا ہوا تھا۔ وہاں پانی تھا۔

وہ گھوڑوں سے اُترے۔ پہلے خود پانی پیا پھر گھوڑوں کو پانی پینے کے لیے چھوڑ دیا اور سائے میں بیٹھ گئے۔

"تم کون ہو؟" لڑکی نے اس سے پوچھا — "تمہارا نام کیا ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں مسلمان ہوں۔" عماد نے جواب دیا — "میرا نام عماد ہے اور میں شامی ہوں۔"

"رات خواب میں تم کسے یاد کر رہے تھے؟"

"یاد نہیں رہا۔" عماد نے کہا — "میں شاید خواب میں بول رہا ہوں گا۔ میرے ساتھی مجھے بتایا کرتے ہیں کہ میں خواب میں بولا کرتا ہوں۔"

"تمہاری ماں ہے؟ بہن ہے؟" لڑکی نے پوچھا اور کہا — "تم شاید انہیں یاد کر رہے تھے"

"تھیں کبھی!" عماد نے آہ بھر کر کہا — "اب انہیں خواب میں دیکھا کرتا ہوں"

لڑکی نے اُس سے ساری بات پوچھنے کی بہت کوشش کی لیکن عماد نے اور کچھ نہیں بتایا۔ اس نے لڑکی سے کہا — "تم نے اپنے متعلق جھوٹ بولا تھا۔ مجھے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم کون ہو۔ میں تمہیں متعلقہ حاکم کے حوالے کرکے واپس آجاؤں گا۔ اگر سچ بول سکو تو اپنے متعلق کچھ بتا دو لیکن یہ نہ کہنا کہ تم ان صلیبی لڑکیوں میں سے نہیں ہو جو ہمارے ملک میں جاسوسی کے لیے آتی ہیں"

"تم ٹھیک کہتے ہو" لڑکی نے کہا — "میں جاسوس لڑکی ہوں۔ میرا نام اُیونا ہے"

"تمہارے ماں باپ کو معلوم ہے کہ تمہارا کام کس قسم کا ہے؟" عماد نے پوچھا

"میرے ماں باپ نہیں ہیں" ایونا نے جواب دیا — "میں نے ان کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میرا محکمہ میری ماں اور اس محکمہ کا حاکم ہرمن میرا باپ ہے" اس نے یہ بات یہیں پہ ختم کر دی اور کہا — "میری ایک ساتھی لڑکی نے ایک مسلمان سپاہی کو بچانے کے لیے زہر پی لیا تھا۔ میں اُس وقت بہت حیران ہوئی تھی کہ کوئی صلیبی لڑکی ایک مسلمان کے لیے اتنی بڑی قربانی کر سکتی ہے؟ میں آج محسوس کر رہی ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

پتہ چلا تھا کہ اُس مسلمان سپاہی نے بھی تمہاری طرح اُس لڑکی کو ڈاکوؤں سے لڑکر بچایا، خود زخمی ہُوا اور لڑکی کو شوبک تک پہنچایا تھا۔ تمہاری طرح اس نے بھی دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے۔ لوزینا بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہاری خاطر اپنی جان قربان کر دوں گی"

"میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے" عماد نے کہا — "ہم لوگ حکم کے پابند رہتے ہیں"

"شاید یہ جذبات کا اثر ہے کہ میں ایسے محسوس کرتی ہوں جیسے میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے"

"دیکھا ہوگا" عماد نے کہا — "تم مصر گئی ہو گی۔ وہاں دیکھا ہو گا"

"میں مصر ضرور گئی ہوں" لڑکی نے کہا — "تمہیں نہیں دیکھا تھا" اس نے مسکرا کر پوچھا — "میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں"

"تمہاری خوبصورتی سے میں نے انکار نہیں کیا" عماد نے سنجیدگی سے کہا — "میں

سمجھ گیا ہوں تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔ تم مزید حیران ہو گی کہ میں نے تمہارے ساتھ وہ سلوک کیوں نہیں کیا ہے جو تمہاری صلیب کے دو سپاہیوں نے تمہارے ساتھ کرنا چاہا تھا۔ ہو سکتا ہے تمہارے دل میں یہ خوف ابھی تک موجود ہو کہ میں تمہیں دھوکہ دے رہا ہوں اور تمہیں شوبک لے جا کر خراب کروں گا یا تمہارے ساتھ تمہاری مرضی کے خلاف شادی کر لوں گا یا تمہیں بیچ ڈالوں گا۔ میں تمہارا یہ خوف دُور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لڑکی میرے مذہب کی ہو یا کسی دوسرے مذہب کی۔ میں کسی لڑکی کو بُری نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب تیرہ چودہ سال کا تھا تو میری ایک چھوٹی سی بہن اغوا ہو گئی تھی۔ اس کی عمر چھ سات سال تھی۔ سولہ سال گزر گئے ہیں۔ اسے شوبک کے عیسائی اٹھا لے گئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ اگر زندہ ہے تو کسی امیر کے حرم میں ہو گی یا تمہاری طرح جاسوسی کرتی پھر رہی ہو گی۔ میں جس لڑکی کو دیکھتا ہوں اسے اپنی بہن سمجھ لیتا ہوں۔ اسے بُری نظر سے اس لیے نہیں دیکھتا کہ وہ میری گمشدہ بہن ہی نہ ہو۔ میں تمہیں صرف اس لیے شوبک لے جا رہا ہوں کہ محفوظ رہو۔ میں جانتا تھا کہ صحرا میں اکیلے جانے اور پیدل چلنے سے تمہارا کیا حشر ہوتا اور تم کسی کے ہاتھ چڑھ جاتیں تو تمہارا حال وہی ہوتا جو تمہارے اپنے صلیبی بھائی کرنے لگے تھے۔ مجھے اپنی خوبصورتی کا احساس نہ دلاؤ۔ میں اس احساس کے لحاظ سے مُردہ ہوں۔ مجھے لذّت اِن صحراؤں میں صلیبیوں کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے اور ان کا خون بہاتے ملتی ہے"

لڑکی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پیاس کا تاثر تھا۔ اس کے ساتھ ایسی باتیں کسی نے نہیں کی تھیں۔ اسے بے حیائی اور عیاری کے سبق دیئے گئے تھے اور اس کی باتوں اور چال ڈھال میں بڑی محنت سے جنسی کشش پیدا کی گئی تھی۔ اسے ایک بڑا ہی خوبصورت فریب بنایا گیا تھا۔ اس پر حُسن اور شراب کا نشہ طاری کیا گیا تھا۔ اسے عصمت کے موتی سے محروم رکھا گیا تھا اور وہ اس ٹریننگ کے بعد اپنی ساتھی لڑکیوں کی طرح اپنے آپ کو مردوں کے دلوں پہ راج کرنے والی شہزادی سمجھنے لگی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اس کا گھر کہاں ہے اور اس کے ماں باپ کیسے تھے۔ عماد کی جذباتی باتوں نے اُس کی ذات میں ایک عورت کے جذبات بیدار کر دیئے۔ وہ گہری سوچ کے عالم میں کھو گئی۔ عماد سے جیسے وہ بے تکلف ہو گئی ہو۔

اس نے گہری سوچ کے عالم میں کہا — "ایک ڈراؤنے خواب کی طرح یاد آتا ہے کہ مجھے ایک گھر سے اٹھایا گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں آرہا کہ اُس وقت میری عمر کیا تھی۔" اس نے اپنے بالوں میں دونوں ہاتھ پھیرے اور بالوں کو دونوں مٹھیوں میں لے کر جھنجھوڑا جیسے پرانی یادوں کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے اُکتا کر کہا — "کچھ یاد نہیں آتا۔ میرا ماضی شراب اور عیش و عشرت اور حسین عیاریوں میں گم ہو گیا ہے۔ میں نے کبھی بھی نہیں سوچا کہ میرے والدین کون تھے اور کیسے تھے۔ مجھے کبھی ماں باپ کی ضرورت محسوس ہوئی ہی نہیں۔ میرے اندر جذبات تھے ہی نہیں۔ مجھے معلوم ہی نہیں کہ مرد باپ اور بھائی بھی ہو سکتا ہے۔ مرد مجھے اپنی تفریح کے استعمال کی چیز سمجھتے ہیں لیکن میں مردوں کو استعمال کیا کرتی ہوں۔ جس پر میری خوبصورتی اور میری جوانی کا نشہ طاری نہ ہو اسے میں حشیش اور شراب سے اپنا غلام بنا لیا کرتی ہوں۔ مگر اب تم نے جو باتیں کی ہیں انہوں نے مجھ میں وہ حسیں بیدار کر دی ہیں جو ماں، باپ، بہن اور بھائی کا پیار مانگتی ہیں۔"

اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ وہ رک رک کر بولتی رہی پھر بالکل ہی چپ ہو گئی۔ کبھی عماد کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتی اور کبھی اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے بال مٹھی میں لے کر جھنجھوڑنے لگتی۔ وہ دراصل گم گشتہ ماضی اور حال کے درمیان بھٹک گئی تھی۔ عماد نے جب اُسے کہا کہ اٹھو چلیں، تو وہ بھولے بھالے معصوم سے بچے کی طرح اس کے ساتھ چل پڑی۔ ان کے گھوڑے انہیں پہاڑی علاقے سے بہت دور لے گئے تو بھی وہ عماد کو دیکھ رہی تھی۔ صرف ایک بار اس نے ہنس کر کہا — "مرد کی باتوں اور وعدوں پر میں نے کبھی اعتبار نہیں کیا۔ میں سمجھ نہیں سکتی کہ میں کیوں محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے تمہارے ساتھ جانا چاہیے۔" عماد نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

وہ جب شوبک کے دروازے پر پہنچے تو اگلے روز کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ وہ صحرا میں ایک اور رات گزار آئے تھے۔ عماد لڑکی کو جہاں لے جانا چاہتا تھا اُس جگہ کے متعلق پوچھ کر وہ چل پڑا۔ گھوڑے شہر میں سے گزر رہے تھے۔ لوگ ایونا کو رک رک کر دیکھتے تھے۔ چلتے چلتے عماد نے ایک مکان کے سامنے گھوڑا

روک لیا اور بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ ایونا نے اس سے پوچھا — "یہاں کیوں رک گئے ہو؟" — اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ دروازے کے قریب جا کر گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اس نے دروازے پر آہستہ آہستہ دو تین ٹھوکریں ماریں۔ ایک بزرگ صورت انسان نے دروازہ کھولا۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" عماد نے عربی زبان میں پوچھا۔

"کوئی نہیں" بوڑھے نے جواب دیا — "عیسائیوں کا ایک خاندان رہتا تھا۔ ہماری فوج آ گئی تو پورا خاندان بھاگ گیا ہے۔"

"اب آپ نے اس پر قبضہ کر لیا ہے؟"

بوڑھا ڈر گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ سوار فوجی ہے اور اس سے بازپرس کر رہا ہے کہ عیسائی کے مکان پر اس نے کیوں قبضہ کر لیا ہے جبکہ سلطان ایوبی نے منادی کے ذریعے حکم جاری کیا ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے کسی عیسائی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ بوڑھے نے کہا — "میں نے قبضہ نہیں کیا۔ اس کی حفاظت کے لیے یہاں آ گیا ہوں۔ میں اسے بالکل بند کر دوں گا۔ اس کا مالک زندہ ہے۔ وہ مسلمان ہے اور پندرہ سولہ سال سے بیگار کیمپ میں پڑا ہے۔"

"کیا امیرِ مصر نے انہیں کیمپ سے رہا نہیں کیا؟" عماد نے پوچھا۔

"وہاں کے مسلمان اب آزاد ہیں لیکن ابھی کیمپ میں ہی ہیں" بوڑھے نے جواب دیا — "ان سب کی حالت اتنی بُری ہے کہ قابلِ احترام سالارِ اعظم ایوبی نے ان کے لیے دودھ، گوشت، دوائیوں اور نہایت اچھے رہن سہن کا انتظام وہیں کر دیا ہے۔ بہت سے طبیب ان کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ اُن میں جس کی صحت بحال ہو جاتی ہے اسے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں جو رہتے ہیں انہیں اُن کے رشتہ دار وہیں ملنے جاتے ہیں۔ اس مکان کا مالک بھی وہیں ہے۔ ایک تو اس کا بڑھاپا ہے اور دوسرے کیمپ کی پندرہ سولہ سالوں کی اذیتیں۔ بے چارہ صرف زندہ ہے۔ میں اسے دیکھنے جایا کرتا ہوں۔ امید ہے صحت یاب ہو جائے گا۔ میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ اس کا مکان خالی ہو گیا ہے۔"

"اس کے رشتہ دار کہاں ہیں؟" عماد نے پوچھا۔

"کوئی بھی زندہ نہیں" بوڑھے نے جواب دیا اور تین چار گھر چھوڑ کر ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا — "وہ میرا ذاتی مکان ہے۔ میں ان لوگوں کا صرف پڑوسی تھا

آپ مجھے ان کا رشتہ دار کہہ سکتے ہیں؟"

عماد یہ پوچھ کر کہ اندر مستورات نہیں ہیں گھوڑے سے اُتر کر اندر چلا گیا۔ کمروں میں گیا۔ دیواروں پر ہاتھ پھیرا۔ ایونا بھی اندر چلی گئی۔ اس نے عماد کو دیکھا۔ وہ آنسو پونچھ رہا تھا۔ ایونا نے آنسوؤں کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا ــــ "اپنے بچپن کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں اس گھر سے بھاگا تھا۔ یہ میرا گھر ہے" ــــ اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بوڑھے سے پوچھا ــــ "ان کے رشتہ دار مر گئے ہیں؟ ان کی کوئی اولاد بھی تھی؟"

"صرف ایک لڑکا بچا تھا جو عیسائی ڈاکوؤں سے بچ کر میرے گھر آ گیا تھا۔" بوڑھے نے جواب دیا ــــ "اسے میں نے شام روانہ کر دیا تھا۔ اگر یہاں رہتا تو مارا جاتا۔"

عماد کو وہ رات یاد آ گئی جب وہ اس گھر سے بھاگ کر پڑوسی کے گھر جا چھپا تھا۔ وہ یہی پڑوسی تھا مگر اس نے بوڑھے کو بتایا نہیں کہ وہ لڑکا جسے اس نے شوبک سے شام کو روانہ کر دیا تھا وہ یہی جوان ہے جسے وہ یہ کہانی سنا رہا ہے۔ عماد کے لیے جذبات پر قابو پانا محال ہو گیا لیکن وہ سخت جان فوجی تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا ــــ "میں اس مکان کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا نام بتا دو۔"
بوڑھے نے اسے اس کے باپ کا نام بتا دیا۔ عماد کو اپنے باپ کا نام اچھی طرح یاد تھا۔

"اس لڑکے کی ایک بہن تھی۔" بوڑھے نے کہا ــــ "بہت چھوٹی تھی۔ اسے عیسائیوں نے اغوا کر لیا تھا۔ اسی ضمن میں اس گھر کے سارے افراد عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔"

"ایونا!" عماد نے لڑکی سے کہا ــــ "اپنی مقدس صلیب کے پرستاروں کی کرتوت سن رہی ہو؟"

ایونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چھت کو دیکھنے لگی۔ اُس نے کمرے کے دروازے کے ایک کواڑ کو بند کیا اور اس کی الٹی طرف دیکھنے لگی۔ کواڑ پر تین چار چھوٹی چھوٹی اور گہری لکیریں کھدی ہوئی تھیں۔ وہ بیٹھ کر ان لکیروں کو بڑی غور سے دیکھنے لگی۔ عماد اسے دیکھ رہا تھا۔ ایونا لکیروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں بھی کواڑوں پر ہاتھ پھیر کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ عماد نے جا کر اس سے پوچھا ــــ "کیا دیکھ رہی ہو؟"

لڑکی مسکرائی اور بولی ــــ "تمہاری طرح میں بھی اپنا بچپن ڈھونڈ رہی ہوں۔" اس نے عماد سے پوچھا ــــ "یہ تمہارا گھر تھا؟ تم یہیں سے بھاگے تھے؟"

"یہیں سے۔" عماد نے جواب دیا اور اُسے سنا دیا کہ کس طرح اُن کے گھر پر عیسائیوں نے حملہ کیا اور اس کی ماں اور بڑے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ عماد بھاگ گیا اور وہ آج تک یہ سمجھتا رہا کہ اس کا باپ بھی قتل ہو گیا ہے۔ لیکن یہ بوڑھا بتاتا ہے کہ باپ کیمپ میں زندہ ہے۔

"تم نے اس بوڑھے کو بتا دیا ہے کہ وہ لڑکے تم ہی ہو جسے اس نے پناہ دی تھی؟"

"میں بتانا نہیں چاہتا۔" اس نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

ایونا اُسے بڑی غور سے دیکھنے لگی اور بوڑھا ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ دونوں یہاں کیا دیکھ رہے ہیں۔ عماد بچپن کی یادوں میں گم ہو گیا تھا۔ بوڑھے نے پوچھا ــــ "میرے لیے کیا حکم ہے؟"

عماد چونکا اور حکم دینے کے لہجے میں بولا ــــ "اس مکان کو اپنی نگرانی میں رکھیں۔ یہ آپ کی تحویل میں ہے۔" اس نے ایونا سے کہا ــــ "آؤ۔ چلیں۔"

"کیا تم اپنے باپ سے نہیں ملو گے؟" ایونا نے اس سے پوچھا۔

"پہلے اپنا فرض ادا کر لوں۔" عماد نے جواب دیا ــــ "مجھے ریگستان میں میرا کماندار ڈھونڈ رہا ہوگا۔ وہ مجھے مردہ قرار دے چکے ہوں گے۔ وہاں میری ضرورت ہے۔ آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ میں یہ امانت کسی کے حوالے کر دوں۔"

✪

"لڑکیاں، لڑکیاں، لڑکیاں۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے شگفتہ سے لہجے میں علی بن سفیان سے کہا ــــ "کیا یہ کمبخت صلیبی میرے راستے میں لڑکیوں کی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ لڑکیوں کو میرے سامنے نچا کر مجھ سے شوبک کا قلعہ لے لیں گے؟"

"امیرِ محترم!" علی بن سفیان نے کہا ــــ "آپ اپنی ہی باتوں کی تردید کر رہے ہیں۔ یہ لڑکیاں دیوار نہیں بن سکتیں۔ دیمک بن چکی ہیں اور دیمک کا کام کر رہی ہیں۔ آپ کے اور محترم نورالدین زنگی کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش لڑکیوں کے ہاتھوں کرائی گئی ہے اور ان لڑکیوں نے حشیش اور شراب کے ذریعے ہمارے مسلمان حکام اور امراء کو استعمال کیا ہے۔"

"یہ وہی موضوع ہے جس پر ہم سو بار بات کر چکے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے ان لڑکیوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آٹھوں جاسوس ہیں۔ انہوں نے اب تک کوئی نیا انکشاف کیا ہے یا نہیں؟"

"انہوں نے بتایا ہے کہ شوبک میں صلیبی جاسوس اور تخریب کار موجود ہیں۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "لیکن ان میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے گھروں اور ٹھکانوں کا علم نہیں۔ ان میں سے تین مصر میں کچھ وقت گزار آئی ہیں۔ وہاں انہوں نے جو کام کیا ہے وہ آپ کو بتایا جا چکا ہے۔"

"کیا وہ قید خانے میں ہیں؟" سلطان ایوبی نے کہا۔

"نہیں۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ اس نے کہا۔ "وہ اپنی پرانی جگہ رکھی گئی ہیں۔ ان پر پہرہ ہے۔"

اتنے میں دربان اندر آیا۔ اس نے کہا۔ "عماد شامی نام کا ایک عہدیدار ایک صلیبی لڑکی کو ساتھ لایا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے اس نے کرک کے راستے سے پکڑا ہے اور یہ لڑکی جاسوس ہے۔"

"دونوں کو اندر بھیج دو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

دربان کے جاتے ہی عماد اور ایونا اندر آئے۔ سلطان ایوبی نے عماد سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے بہت لمبی مسافت سے آئے ہو۔ تم کس کے ساتھ ہو؟"

"میں شامی فوج میں ہوں۔" عماد نے جواب دیا۔ "میرے کماندار کا نام احتشام ابن محمد ہے اور میں البرق دستے کا عہدیدار ہوں۔"

"البرق کس حال میں ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا اور علی بن سفیان سے کہا۔ "البرق فی الواقع برق ہے۔ ہم نے جب سوڈانیوں پر شبخون مارے تھے تو البرق قیادت کر رہا تھا۔ صحرائی چھاپوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔"

"سالارِ اعظم!" عماد نے کہا۔ "آدھا دستہ اللہ کے نام پر قربان ہو چکا ہے۔ میرے گروہ میں سے صرف میں رہ گیا ہوں۔"

"تم نے اتنی جانیں ضائع تو نہیں کیں؟" سلطان ایوبی نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "مر جانے اور قربان ہونے میں بہت فرق ہے۔"

"نہیں سالارِ اعظم!" عماد نے جواب دیا۔ "خدائے ذوالجلال گواہ ہے کہ ہم نے ایک ایک جان کے بدلے بیس بیس جانیں لی ہیں۔ اگر صلیبیوں کی فوج اپنے

ٹھکانے پر پہنچ گئی تو وہ صرف چند ایک زخمی ہوں گے۔ فلسطین کی ریت کو ہم نے صلیبیوں کے خون سے لال کر دیا ہے۔ ہمارے دوسرے دستوں نے بھی دشمن پر پورا قہر برسایا ہے۔ دشمن میں اب اتنا دم نہیں رہا کہ وہ تھوڑے سے عرصے میں اگلی جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔"

"اور تم؟" سلطان ایوبی نے لڑکی سے پوچھا۔ "کیا تم پسند کرو گی کہ اپنے متعلق ہمیں سب کچھ بتا دو؟"

"سب کچھ بتاؤں گی۔" ایونا نے کہا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔

"عماد شامی!" سلطان ایوبی نے عماد سے کہا۔ "فوجی آرام گاہ میں چلے جاؤ۔ نہاؤ دھوؤ۔ آج کے دن اور آج کی رات آرام کرو۔ کل واپس اپنے جیش میں چلے جانا۔"

"میں دشمن کے دو گھوڑے بھی لایا ہوں۔" عماد نے کہا۔ "ان کی تلواریں بھی ہیں۔"

"گھوڑے اصطبل میں اور تلواریں اسلحہ خانے میں دے دو۔" سلطان ایوبی نے کہا اور ذرا سوچ کر کہا۔ "اگر ان گھوڑوں میں کوئی تمہارے گھوڑے سے بہتر ہو تو بدل لو۔ باہر کے محاذ پر گھوڑوں کی کیا حالت ہے؟"

"کوئی پریشانی نہیں۔" عماد نے بتایا۔ "اپنا ایک گھوڑا ضائع ہوتا ہے تو ہمیں صلیبیوں کے دو گھوڑے مل جاتے ہیں۔"

عماد سلام کر کے باہر نکل گیا۔ اس نے امانت صحیح جگہ پہنچا دی تھی۔ ادھر سے تو وہ فارغ ہو گیا لیکن اس کے دل پر بوجھ تھا۔ یہ جذبات کا بوجھ تھا۔ یہ بچپن کی یادوں کا بوجھ تھا اور یہ اس باپ کی محبت کا بوجھ تھا جو کیمپ میں پڑا تھا۔ وہ تذبذب میں مبتلا تھا۔ جنگ ختم ہونے تک وہ باپ سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈرتا تھا کہ باپ کی محبت اور دل کے پرانے زخم اس کے فرض کے راستے میں حائل ہو جائیں گے..... وہ اپنے گھوڑے کے پیچھے دو گھوڑے باندھے اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔ اسے ماحول کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ گھوڑا اسے ایک گھاٹی پر لے گیا۔ اس نے سامنے دیکھا، شوبک کا قصبہ اسے نظر آ رہا تھا۔ وہ رک گیا اور اس قصبے کو دیکھنے لگا جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور جہاں سے جلاوطن ہوا تھا۔ اس پر جذبات نے رقت طاری کر دی۔

"راستے سے ہٹ کر رکو سوار!" اسے کسی کی آواز نے چونکا دیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پیچھے ایک گھوڑ سوار دستہ آ رہا تھا۔ اس نے گھوڑے ایک طرف کر لیے۔ جب دستے کا اگلا سوار اس کے قریب سے گزرا تو عماد سے پوچھا۔ "باہر سے آئے ہو؟ وہاں

کی کیا خبر ہے؟"

"اللہ کا کرم ہے دوستو!" اس نے جواب دیا۔ "دشمن ختم ہو رہا ہے شوبک کو کوئی خطرہ نہیں۔"

دستہ آگے چلا گیا تو عماد دائیں طرف چل پڑا۔

"میں نے آپ سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔" اَیونا سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ وہ بتا چکی تھی کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ قاہرہ میں ایک مہینہ رہ چکی ہے۔ اس نے وہاں کے چند ایک سرکردہ مسلمانوں کے نام بھی بتائے تھے جو سلطان ایوبی کے خلاف سرگرم تھے اور اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ صلیبیوں کی طرف سے سوڈانیوں کو بہت مدد مل رہی ہے اور صلیبی فوج کے تجربہ کار کمانڈو سوڈانیوں کو شبخون مارنے کی ٹریننگ دے رہے ہیں۔ . . . ایونا نے کسی استفسار کے بغیر ہی اتنی زیادہ باتیں بتا دیں جو جاسوس اذیتوں کے باوجود نہیں بتایا کرتے کیونکہ ان میں اُن کی اپنی ذات بھی ملوث ہوتی ہے۔ اس سے علی بن سفیان شک میں پڑ گیا۔

"اَیونا!" علی بن سفیان نے اسے کہا۔ "میں بھی تمہارے فن کا فنکار ہوں۔ میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ تم اونچے درجے کی فنکار ہو۔ ہمارے تشدّد اور قید خانے سے بچنے اور ہمیں گمراہ کرنے کا تمہارا طریقہ قابلِ تعریف ہے مگر میں اس دھوکے میں نہیں آسکتا۔"

"آپ کا نام؟" اَیونا نے پوچھا۔

"علی بن سفیان۔" علی نے جواب دیا۔ "تم نے شاید ہرمن سے میرا نام سنا ہو گا۔"

اَیونا اٹھی اور آہستہ آہستہ علی بن سفیان کے قریب جا کر دو زانو بیٹھ گئی۔ اس نے علی بن سفیان کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہاتھ چوم کر بولی۔ "آپ کو زندہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ کے متعلق مجھے بہت کچھ بتایا گیا تھا۔ ہرمن کہا کرتا تھا کہ علی بن سفیان مر جائے تو ہم مسلمانوں کی جڑوں میں بیٹھ کر انہیں جنگ کے بغیر ختم کر سکتے ہیں۔" — لڑکی اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی —

"میں نے قاہرہ میں آپ کو دیکھنے کی بہت کوشش کی تھی مگر دیکھ نہ سکی۔ میری موجودگی میں آپ کے قتل کا منصوبہ تیار ہوا تھا۔ پھر مجھے نہیں بتایا گیا کہ یہ منصوبہ کامیاب ہوا تھا یا نہیں۔ مجھے شوبک بلا لیا گیا تھا۔"

"ہم کس طرح یقین کر لیں کہ تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے؟" — علی بن سفیان نے پوچھا۔

"آپ مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے؟" لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس لیے کہ تم صلیبی ہو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"اگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں صلیبی نہیں مسلمان ہوں تو آپ کہیں گے کہ یہ بھی جھوٹ ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ سولہ سترہ سال گزرے، میں اسی قصبے سے اغوا ہوئی تھی۔ یہاں آکر مجھے پتہ چلا ہے کہ میرا باپ کیمپ میں ہے۔" اس نے اپنے باپ کا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اُسے اپنے باپ کا نام اب معلوم ہوا ہے۔ اس نے سنایا کہ عماد نے اسے کس طرح صحرا سے بچایا تھا اور وہ رات کو اُسے قتل کرنے لگی مگر اس کا خنجر والا ہاتھ اٹھتا ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ "میں نے دن کے وقت اس کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں نظر ڈالی تو میرے دل میں کوئی ایسا احساس بیدار ہو گیا جس نے مجھے شک میں ڈال دیا کہ میں عماد کو پہلے سے جانتی ہوں یا اسے کہیں دیکھا ضرور ہے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ایسے نہیں ہو سکتا۔ . . . رات کو دو صلیبی سپاہیوں نے مجھ پر حملہ کیا تو عماد جاگ اٹھا۔ اس نے ایک کو برچھی سے مار دیا۔ میں اُس وقت تک اپنے آپ کو صلیبی سمجھتی تھی۔ میری ہمدردیاں صلیبیوں کے ساتھ تھیں مگر میں نے دوسرے صلیبی سپاہی کو خنجر سے ہلاک کر دیا اور مجھے خوشی اس پر نہیں ہوئی کہ میں نے اُن سے اپنی عزت بچائی ہے بلکہ اس پر ہوئی کہ میں نے عماد کی جان بچائی ہے . . . .

"اور جب راستے میں عماد نے میرے ساتھ اپنے متعلق کچھ جذباتی باتیں کیں تو زندگی میں پہلی بار میرے سینے میں بھی جذبات بیدار ہو گئے۔ میں تمام سفر میں عماد کو دیکھتی ہی رہی۔ مجھے صرف اتنا یاد آیا کہ مجھے بچپن میں اغوا کیا گیا تھا مگر یہ یاد بھی ذہن میں دھندلی ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھ جیسی لڑکیوں کو کس طرح تیار کیا جاتا ہے۔ بچپن کی یادیں اور اصلیت ذہن سے اُتر جاتی ہے۔ یہی حال میرا ہوا۔ لیکن مجھے یقین ہونے لگا کہ عماد کو میں جانتی ہوں۔ یہ خون کی کشش تھی۔ آنکھوں نے آنکھوں کو اور دل نے دل کو پہچان لیا تھا۔ شاید عماد نے بھی یہی کچھ محسوس کیا ہو اور شاید اسی احساس کا اثر تھا کہ اس نے مجھ جیسی دلکش لڑکی کو اس طرح

نظر انداز کیے رکھا جیسے میں اس کے ساتھ تھی ہی نہیں۔ اس نے مجھے گہری نظروں سے بہت دفعہ دیکھا ضرور تھا۔

ایونا نے تفصیل سے سنایا کہ شوبک میں داخل ہو کر عماد ایک مکان کے آگے رک گیا اور ہم دونوں اندر چلے گئے..... اس نے کہا۔ "یہ گھر اندر سے دیکھ کر میری یادیں بیدار ہونے لگیں۔ مجھے ذہن پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ذہن اپنے آپ ہی مجھے اس گھر میں گھمانے پھرانے لگا۔ میں نے ایک کواڑ کی اندر کی طرف دیکھا۔ وہاں مجھے خنجر کی نوک سے کھدی ہوئی لکیریں نظر آئیں۔ یہ میں نے بچپن میں بڑے بھائی کے خنجر سے کھودی تھیں۔ میرا ذہن مجھے ایک اور کواڑ کے پیچھے لے گیا۔ وہاں بھی ایسی ہی لکیریں تھیں۔ پھر میں نے عماد کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔ داڑھی کے باوجود اس کی سولہ سترہ سال پرانی صورت یاد آ گئی۔ میں نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے قابو میں رکھا۔ میں نے عماد کو بتایا نہیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ وہ اتنا پاک فطرت انسان اور میں اتنی ناپاک لڑکی۔ وہ اتنا غیرت مند اور میں اتنی بے غیرت۔ اگر میں اسے بتا دیتی تو معلوم نہیں وہ کیا کر گزرتا۔"

اس دوران علی بن سفیان نے کئی بار سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ وہ لڑکی کو ابھی تک شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، لیکن لڑکی کی جذباتی کیفیت، اس کے آنسو اور بعض الفاظ کے ساتھ اس کی سسکیاں دونوں پر ایسا اثر کر رہی تھیں جیسے لڑکی کی باتیں سچ ہیں۔ لڑکی نے آخر انہیں اس پر قائل کر لیا کہ اس کے متعلق وہ چھان بین کریں۔ اس نے کہا۔ "آپ مجھ پر اعتبار کریں نہ کریں، مجھے قید خانے میں ڈال دیں، جو سلوک کرنا چاہتے ہیں کریں، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے کچھ کر کے مرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا کر سکتی ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"اگر آپ مجھے کرک تک پہنچا دیں تو میں صلیب کے تین چار بادشاہوں اور اپنے محکمے کے سربراہ ہرمن کو قتل کر سکتی ہوں۔"

"ہم تمہیں کرک تک پہنچا سکتے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن اس کام سے نہیں کہ تم کسی کو قتل کرو۔ میں تاریخ میں اپنے متعلق یہ تہمت چھوڑ کر نہیں مرنا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے دشمنوں کو ایک عورت کے ہاتھوں مروایا تھا

اور شوبک میں فوج لے کے بیٹھا رہا۔ اگر مجھے پتہ چلے گا کہ صلیبیوں کا کوئی بادشاہ کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہے تو میں اس کے علاج کے لیے اپنے طبیب بھیجوں گا اور پھر ہم تم پر ایسا بھروسہ کر بھی نہیں سکتے۔ البتہ تمہاری اس خواہش پر غور کر سکتے ہیں کہ تمہیں معاف کر کے کرک بھیج دیں۔"

"نہیں۔" ایونا نے کہا۔ "میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں۔ میں یہیں مروں گی۔ میری اس خواہش کا ضرور خیال رکھیں کہ عماد کو یہ نہ بتائیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ میں کیمپ میں اپنے باپ کو ضرور دیکھنے جاؤں گی لیکن اسے بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں اس کی بیٹی ہوں۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔

علی بن سفیان نے اپنی ضرورت کے مطابق اس سے بہت سی باتیں پوچھیں پھر سلطان ایوبی سے پوچھا کہ اسے کہاں بھیجا جائے۔ سلطان ایوبی نے سوچ کر کہا کہ اسے آرام اور احترام سے رکھو۔ فیصلہ سوچ کر کریں گے۔

علی بن سفیان اسے اپنے ساتھ لے گیا اور ان کمروں میں سے ایک اسے دے دیا جہاں جاسوس لڑکیاں رہا کرتی تھیں۔ لڑکی نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ "ان کمروں سے مجھے نفرت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے اس گھر میں رکھا جائے جہاں سے میں اغوا ہوئی تھی؟"

"نہیں۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "کسی کے جذبات کی خاطر ہم اپنے قواعد و ضوابط نہیں بدل سکتے۔"

وہاں کے پہرہ داروں اور ملازموں کو کچھ ہدایات دے کر علی بن سفیان لڑکی کو وہاں چھوڑ گیا۔

عماد فوجی آرام گاہ میں گیا اور نہا کر سو گیا مگر اتنی زیادہ تھکن کے باوجود اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوشش کے باوجود وہ سو نہ سکا۔ اس کے ذہن میں یہی ایک سوال کھلبلا رہا تھا کہ باپ سے ملے یا نہ ملے۔ تھک ہار کر وہ اٹھا اور اس جگہ کی طرف چل پڑا جو شوبک میں مسلمانوں کے کیمپ کے نام سے مشہور تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے باپ کا نام لیا اور پوچھتا پوچھتا باپ تک پہنچ گیا۔ اس کے سامنے ایک بوڑھا لیٹا ہوا تھا۔ عماد نے اس سے ہاتھ ملایا اور اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ اس کا باپ ہڈیوں کا پنجر بن چکا تھا۔ اسے اچھی خوراک اور دوائیاں دی جا رہی تھیں۔ عماد نے اپنا تعارف کرائے بغیر اس سے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ سولہ

برسوں کی اذیت ناک مشقت، قید اور بچوں کے غم نے اس کا یہ حال کر دیا ہے کہ اتنی اچھی غذا اور اتنی اچھی دوائیاں اس پر کوئی اثر نہیں کر رہیں۔

باپ دھیمی آواز میں عماد کو اپنا حال سنا رہا تھا لیکن عماد سولہ سترہ سال پیچھے چلا گیا تھا۔ اسے باپ کی صورت اچھی طرح یاد تھی۔ اب اس کے سامنے جو باپ لیٹا ہوا تھا اس کے چہرے کی ہڈیاں باہر نکل آئی تھیں۔ پھر بھی اسے پہچاننے میں عماد کو ذرہ بھر دقت نہ ہوئی۔ اس نے کئی بار سوچا کہ اسے بتا دے کہ وہ اس کا بیٹا ہے؟ — اس نے عقل مندی کی کہ نہ بتایا۔ اس نے دو خطرے محسوس کیے تھے۔ ایک یہ کہ باپ یہ خوشگوار دھچکہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ دوسرا یہ کہ اگر اس نے برداشت کر لیا تو اس کے لیے رکاوٹ بن جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ محاذ پر جانے لگے تو یہ صدمہ اسے لے بیٹھے —— وہ باپ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

وہ آرام گاہ میں واپس گیا تو اسے حکم ملا کہ مرکز اسے ابھی یہیں رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ہر وقت آرام گاہ میں حاضر رہے۔ وہ بہت حیران ہوا کہ مرکزی کمان کو اس کے ساتھ کیا کام ہو سکتا ہے؟ یہ حکم علی بن سفیان نے ایونا کے متعلق چھان بین کرنے کے سلسلے میں بھیجا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ایونا کی کہانی کہاں تک سچ ہے۔ وہ کیمپ میں گیا۔ ایونا نے اسے اپنے باپ کا نام بتا دیا تھا جو اُسے عماد سے معلوم ہوا تھا۔ علی بن سفیان نے باپ سے تصدیق کرائی کہ اس کی بچی اغوا ہوئی تھی۔ بڑا بیٹا اور بیوی مارے گئے اور چھوٹا بیٹا اس کے پڑوسی کے ہاں چلا گیا تھا جس کے متعلق اسے کیمپ میں اطلاع ملی تھی کہ شوبک سے نکلوا دیا گیا ہے۔

آدھی رات کا عمل ہو گا۔ ایونا بستر سے اٹھی۔ اس وقت تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے علی بن سفیان کے رویے سے محسوس کر لیا تھا کہ اس پر اعتبار نہیں کیا گیا اور اب نہ جانے اس کا انجام کیا ہو گا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کس طرح یقین دلائے کہ اس نے جو آپ بیتی سنائی ہے وہ جھوٹ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا خون انتقام کے جوش سے کھول رہا تھا۔ عماد کے ساتھ اپنے گھر میں جا کر اس کے ذہن میں بچپن کی یادیں از خود جاگ اٹھی تھیں اور خواب کی طرح اسے بہت سی باتیں یاد آ گئی تھیں۔ اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اسے اغوا کے بعد بے تحاشا پیار، کھلونوں اور نہایت اچھی خوراک سے بہروپ دیا گیا تھا۔ پھر اسے وہ گناہ یاد آئے جو اس سے کرائے گئے تھے اور

وہ سراپا گناہ بن گئی تھی۔ وہ انتقام لینے کو بیتاب ہوئی جا رہی تھی۔۔۔۔ اس جذباتی حالت نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ اس ذہنی کیفیت میں باپ سے ملنے کی خواہش بھی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ باہر دو پہرہ دار ہر وقت ٹہلتے رہتے تھے۔ اس کا دماغ اب سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ اب جذبات کے زیر اثر تھی۔

اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ اسے باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔ دائیں طرف کوئی بیس گز دور اسے دونوں پہرہ دار باتیں کرتے سائے کی طرح نظر آئے۔ لڑکی دروازے میں سے سر نکالے انہیں دیکھتی رہی۔ پہرہ دار وہاں سے ذرا پرے ہٹ گئے۔ لڑکی دبے پاؤں باہر نکلی اور اس عمارت کی اوٹ میں ہو گئی۔ آگے گھاٹی اترتی تھی۔ وہ بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرکتی گھاٹی اتر گئی۔ اب اسے پہرہ دار نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا کیمپ کہاں ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اب یہ کیمپ قید خانے سے مہمان خانہ بن گیا ہے۔ اس لیے اسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہاں کوئی سنتری اسے روک لے گا۔ وہ باپ کو ملنے جا رہی تھی جس کا اسے صرف نام معلوم تھا۔ وہ تیز تیز جا رہی تھی کہ اسے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے پیچھے دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ اس آہٹ کو وہ اپنے قدموں کی آہٹ سمجھ کر چل پڑی لیکن یہ کسی اور کی آہٹ تھی۔ ایک تنومند آدمی وہیں سے اس کے پیچھے چل پڑا تھا جہاں سے وہ گھاٹی اتری تھی۔

ایونا کو یہ آہٹ ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ رکی ہی تھی کہ اس کے سر اور منہ پر کپڑا آن پڑا۔ پلک جھپکتے کپڑا بندھ گیا اور دو مضبوط بازوؤں نے اسے جکڑ کر اٹھا لیا۔ وہ تڑپی مگر تڑپنا بیکار تھا۔ رات تاریک تھی اور یہ علاقہ غیر آباد تھا۔ ذرا آگے جا کر اسے ایک کمبل میں لپیٹ کر گٹھڑی کی طرح اٹھا لیا گیا۔ وہ ایک نہیں دو آدمی تھے۔۔۔۔ نصف گھنٹے کے بعد اسے اتار کر کھولا گیا۔ وہ ایک کمرے میں تھی جس میں دو دیئے جل رہے تھے۔ وہاں چار آدمی تھے۔ اس نے سب کو باری باری حیرت سے دیکھا اور کہا —— "تم لوگ ابھی یہاں ہو؟۔۔۔۔ اور آپ گیرالڈ؟ آپ بھی یہیں ہیں؟"

"ہم جا کر آئے ہیں" —— گیرالڈ نے جواب دیا —— "تم سب کو یہاں سے نکالنے کے لیے اچھا ہوا کہ تم مل گئیں"

یہ وہ چالیس صلیبی تھے جنہیں کرک سے اس کام کے لیے بھیجا گیا تھا کہ جاسوس

لڑکیاں جو مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئی ہیں انہیں وہاں سے نکالیں اور شوبک میں اپنے جو جاسوس رہ گئے ہیں انہیں وہاں منظم کریں اور اگر ممکن ہو تو وہاں تخریب کاری بھی کریں۔ تخریب کاری میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اصطبل میں داخل ہو کر جانوروں کے چارے میں زہر ملائیں، رسد کو آگ لگائیں اور ذخیرے کے اسلحہ خانے میں بھی رہ جا سکیں تو کوشش کریں۔ اس گروہ کا کمانڈر گیرالڈ نام کا ایک برطانوی تھا جو تباہ کاری اور جاسوسی کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ایونا اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی بلکہ اس کی شاگرد رہ چکی تھی اور اس کے ساتھ اس کی دوستانہ بے تکلفی بھی تھی۔ اسے دیکھ کر ایونا کا خون نفرت اور انتقام کے جوش سے کھول اٹھا لیکن وہ فوراً سنبھل گئی۔ یہ موقع نفرت کے اظہار کا نہیں تھا۔ گیرالڈ تو یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایونا بالکل بدل گئی ہے۔ اس نے ایونا سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی تھی؟ ایونا نے کہا کہ اسے فرار کا موقع مل گیا تھا۔ اس لیے وہ فرار ہو رہی تھی۔

گیرالڈ نے اسے بتایا کہ وہ چھاپہ مار جاسوسوں کا ایک گروہ کرک کے مفرور مسلمانوں کے روپ میں یہاں لایا ہے۔ ان دنوں شوبک کے حالات ایسے تھے کہ یہ گروہ آسانی سے ایک ہی گروہ کی صورت میں شہر میں آ گیا تھا۔ جنگ کی وجہ سے لوگ آ جا رہے تھے۔ اردگرد کے دیہات کے مسلمان بھی شہر میں آ رہے تھے۔ اسی دھوکے میں یہ گروہ بھی آ گیا۔ شہر میں پہلے سے جاسوس موجود تھے۔ انہوں نے پورے گروہ کو پس پردہ کر لیا۔ گیرالڈ نے ایونا کو بتایا کہ وہ دو راتوں سے اس مکان کو دیکھ رہا ہے جس میں لڑکیاں ہیں۔ اس جگہ سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہ انہی کی بنائی ہوئی تھی۔ رات کو وہ دیکھنے جاتا تھا کہ پہرہ داروں کی حرکات اور معمول کیا ہے۔ یہ بڑا اچھا اتفاق تھا کہ اسے ایونا مل گئی۔ ایونا نے اسے بتایا کہ لڑکیوں کو نکالنا آسان نہیں، تاہم نکالا جا سکتا ہے۔

رات کو ہی سکیم تیار ہو گئی۔ ایونا نے گیرالڈ کو بتایا کہ لڑکیاں کتنے کمروں میں ہیں، جو تہہ خانہ نہیں، پہرہ دار صرف دو ہیں۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی تفصیلات تھیں جو ایونا نے انہیں بتائیں۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ لڑکیوں کو نکالنے کے لیے کتنے آدمی جائیں گے اور باقی آدمی کہاں سے مکان میں داخل ہوں گے۔ اس سکیم کے بعد ایونا نے یہ تجویز پیش کی کہ اسے واپس بھیج دیا جائے کیونکہ اس کی گمشدگی سے لڑکیوں پر پہرہ سخت کر دیا جائے گا جس سے یہ کام ناممکن ہو جائے گا۔ گیرالڈ نے ایونا کی یہ تجویز پسند کی اور اسے اپنے ساتھ لے

جا کر اس کی رہائش گاہ کے قریب چھوڑ گیا۔ ایونا کو باہر سے آتے دیکھ کر پہرہ داروں نے اس سے باز پرس کی۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ ٹہلنے گئی تھی۔ پہرہ داروں کے لیے چپ ہو رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ یہ ان کی لاپروائی تھی کہ لڑکی نکل گئی تھی۔

دوسرے دن علی بن سفیان کسی اور کام میں مصروف تھا۔ ایونا نے پہرہ داروں سے کہا کہ وہ اسے علی بن سفیان کے پاس لے چلیں۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں اس کے بولنے پر کوئی نہیں آئے گا بلکہ اس کی جب ضرورت ہوگی تو اسے بلایا جائے گا۔ ایونا نے بڑی مشکل سے پہرہ داروں کو قائل کیا کہ وہ کسی اور کو بتائے بغیر علی بن سفیان کے کسی فرد کو یہ پیغام پہنچائیں کہ نہایت اہم اور ارجنٹ بات کرنی ہے۔ اس نے پہرہ داروں سے کہا کہ اگر انہوں نے اس کا یہ پیغام نہ پہنچایا تو اتنا زیادہ نقصان ہوگا کہ پہرہ دار اس کوتاہی کی سزا سے بچ نہیں سکیں گے...... پہرہ داروں نے پیغام بھجوانے کا بندوبست کر دیا۔ علی بن سفیان نے پیغام تو لے لیا لیکن اس کے جواب میں کوئی بات میں واپس نہیں آئی۔

رات کو جب شوبک کی سرگرمیاں سو گئیں اور شہر پر خاموشی طاری ہو گئی تو اس عمارت کے اردگرد آٹھ دس سائے سے حرکت کرتے نظر آئے جہاں لڑکیوں کو رکھا گیا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پہرہ دار غائب تھے۔ آٹھ دس چھاپہ مار خوش ہونے کی بجائے حیران ہوئے ہوں گے کہ پہرہ دار نہیں ہیں۔ وہ آٹھوں پیٹ کے بل رینگ کر آگے آ گئے۔ ایونا نے انہیں بتا دیا تھا کہ لڑکیاں کون کون سے کمرے میں ہیں، کمروں کے دروازے اور کھڑکیوں سے یہ لوگ واقف تھے۔ دو چھاپہ مار ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ باقیوں نے پہرہ داری کی کہ وہاں پہرہ دار ہیں یا نہیں۔ انہیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ پہرہ دار صرف دو ہوتے ہیں۔ دو پہرہ داروں کا قابو پانا مشکل نہیں تھا۔ وہ سب لڑکیوں کے کمروں میں گھس گئے کہ ان میں سے باہر کوئی بھی نہ نکلے۔

گیرالڈ اسی مکان میں تھا جہاں وہ گزشتہ رات ایونا کو لے گیا تھا۔ اس مکان میں سکیم کے مطابق بیس آدمی تھے۔ باقی کسی اور عیسائی کے گھر چھپے ہوئے تھے۔ گیرالڈ بے صبری سے لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تک انہیں اس کے گھر پہنچ جانا چاہیے تھا...... آخر دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک کا یہ طے شدہ خاص انداز تھا

گیرالڈ نے خود جا کر دروازہ کھولا۔ یہ مکان پرانے دور کی قلعہ نما حویلی تھی جس میں ایک امیر کبیر عیسائی رہتا تھا۔ گیرالڈ نے جوں ہی دروازہ کھولا اسے کسی نے باہر گھسیٹ لیا۔ فوجیوں کا ایک ہجوم دروازے میں داخل ہوا۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تھیں۔ فوجی تیز اور تُند سیلاب کی طرح اندر چلے گئے۔ ایک وسیع کمرے میں بیٹھے ہوئے بیس صلیبی چھاپہ مار جاسوسوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ ان سے ہتھیار لے لیے گئے اور انہیں گھر کے مالک اور اس کے کنبے سمیت باہر لے گئے۔

ایسا ہی ہلّہ اس مکان پر بھی بولا گیا جہاں باقی صلیبی چھاپہ مار تیار بیٹھے تھے۔ یہ دونوں چھاپے بیک وقت مارے گئے۔ اسی رات دس گیارہ مکانوں پر چھاپے مارے گئے۔ یہ سرگرمی رات بھر جاری رہی۔ مکانوں کی تلاشی لی گئی اور صبح کے وقت علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے سامنے جو لوگ کھڑے کیے ان میں ایک تو گیرالڈ اور اس کے چالیس چھاپہ مار تھے اور تقریباً اتنی ہی تعداد اُن جاسوسوں اور تخریب کاروں کی تھی جنہیں دوسرے مکانوں سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ان مکانوں سے جو سامان برآمد ہوا اس میں بے شمار ہتھیار، زہر کی بہت سی مقدار، تیروں کا ذخیرہ، آتش گیر مادہ اور بہت سی نقدی برآمد ہوئی۔ یہ کارنامہ ایونا کا تھا۔ اس نے گیرالڈ کے ساتھ سکیم بنائی تھی اور اس سے ان تمام جاسوسوں کے ٹھکانے معلوم کر لیے تھے جو شوبک میں چھپے ہوئے تھے۔ گیرالڈ کو اس پر کلی اعتماد تھا۔ ایونا رات کو ہی واپس آ گئی اور صبح اس نے تمام تر سکیم علی بن سفیان کو بتا دی اور جاسوسوں کے ٹھکانوں کی بھی نشاندہی کر دی۔ علی بن سفیان کے جاسوس دن کے سارے ٹھکانے دیکھ آئے تھے۔ شام کے وقت سلطان ایوبی کے خصوصی چھاپہ مار دستوں کو ان ٹھکانوں پر چھاپے مارنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ لڑکیوں کو کمروں سے نکال کر کہیں اور چھپا دیا گیا تھا۔ ان کی جگہ ہر کمرے میں تین تین چھاپہ مار بھیج دیے گئے۔ جوں ہی چھاپہ مار لڑکیوں کو اپنے ساتھ لانے کے لیے کمروں میں داخل ہوئے مسلمان چھاپہ ماروں نے انہیں پکڑ لیا۔ اس طرح شوبک میں صلیبیوں کے تقریباً تمام جاسوس اور چھاپہ مار پکڑے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی گیرالڈ تھا۔ تمام کو تفتیش اور اس کے بعد سزا کے لیے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

ایونا نے ان تمام مسلمان سرکردہ شخصیتوں کی بھی نشاندہی کر دی جو قاہرہ میں سلطان ایوبی کے خلاف سرگرم تھے۔ حشیشین کے ہاتھوں سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کو قتل کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا گیا تھا وہ بھی ایونا نے بے نقاب کیا اور سلطان

ایوبی سے کہا ۔۔۔ ”اب تو آپ کو مجھ پر اعتبار آ جانا چاہیے۔“

وہ منظر بڑا ہی جذباتی اور رقت انگیز تھا جب عماد کو بتایا گیا کہ ایونا اس کی بہن ہے اور جب بہن بھائی کو ان کے باپ کے سامنے کھڑا کیا گیا تو جذبات کی شدت سے بوڑھا باپ بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی کا نام عائشہ ہے۔ سلطان ایوبی نے اس خاندان کے لیے خاص وظیفہ مقرر کیا اور علی بن سفیان کے محکمے کے لیے حکم جاری کیا کہ تمام جاسوس لڑکیوں کے متعلق چھان بین کی جائے۔ صلیبیوں نے دوسری لڑکیوں کو بھی مسلمان گھرانوں سے اغوا کیا ہو گا۔ سلطان نے حکم میں کہا کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کے خاندان ڈھونڈے جائیں اور لڑکیوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔

سلطان ایوبی کی فوج بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہو گئی ۔۔۔۔ شوبک سے دور کے محاذ کی خبریں امید افزا تھیں لیکن فوری ضرورت یہ تھی کہ بکھرے ہوئے دستوں کو یکجا کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے سلطان ایوبی نے شوبک کا فوجی نظام اپنے معاونوں کے حوالے کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر شوبک سے دور صحرا میں منتقل کر لیا۔ اس نے برق رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھ لی۔ اس کے ذریعے اس نے ایک ماہ میں بکھرے ہوئے دستے ایک دوسرے کے قریب کر لیے۔ اس کے بعد انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے شوبک کا دفاع اسی طرح منظم کر دیا جس طرح قاہرہ کا کیا تھا۔ سب سے دور سرحدی دستے تھے جن کے سوار گشت کرتے تھے۔ ان سے پانچ چھ میل پیچھے فوج کا دوسرا حصہ خیمہ زن کر دیا اور تیسرے حصے کو متحرک رکھا۔

کرک میں اکٹھی ہونے والی فوج کی کیفیت ایسی تھی کہ فوری حملے کے قابل نہیں تھی۔ ادھر سلطان ایوبی نے بھرتی کی رفتار تیز کر دی اور نئی بھرتی کی ٹریننگ کا انتظام کھلے صحرا میں کر دیا۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ کرک میں اپنے جاسوس بھیجے جو وہاں کی اطلاعیں لانے کے علاوہ یہ کام بھی کریں کہ وہاں کے رہنے والے مسلمان نوجوانوں کو کرک سے نکلنے اور یہاں آ کر فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔

Volume 2

فہرست

تعارف	۶
قاہرہ میں بغاوت اور سلطان ایوبی	۷
کھنڈروں کی آواز	۳۵
رینی الیگزینڈر کا آخری معرکہ	۷۷
میرے فلسطین، میں آؤں گا	۱۱۹
وہ جو مردوں کو زندہ کرتا تھا	۱۵۵
جب خزانہ مل گیا	۱۹۵
اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟	۲۳۷
اسلام کی بقاء کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی	۲۷۱

تعارف

آپ نے اس ولولہ انگیز سلسلے کا پہلا حصہ پڑھ لیا ہے۔ دوسرا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ہم "داستان ایمان فروشوں کی" کے مصنف محترم التمش کے ممنون ہیں جنہوں نے "حکایت" میں مجاہدِ اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی تفتیشی کہانیوں کا یہ سلسلہ شروع کیا۔ ان میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور نوجوان نسل کے مطالبوں کی تسکین کریں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اُس قومی جذبے کو بھی زندہ و بیدار کریں گے جسے ہمارا دشمن پُرلذت اور تخریبی کہانیوں کے ذریعے مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے دور میں جتنی اسلام کش سازشیں ہوئی ہیں اتنی اور کسی دور میں نہیں ہوئیں۔ صلیبیوں کو میدانِ جنگ میں صلاح الدین ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے مسلمان امراء اور سالاروں کو ہاتھ میں لینے کے لیے جہاں بے دریغ زر و جواہرات استعمال کئے وہاں غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک عیسائی اور یہودی لڑکیوں کو بھی استعمال کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی نوجوان نسل کی کردار کشی کے نہایت دل کش ذرائع اختیار کئے۔ انہوں نے حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں کو بھی استعمال کیا۔

اُس دور کا دشمن آج بھی ہمارا دشمن ہے اور ابھی تک وہی پُرلذت حربے استعمال کر رہا ہے۔ یہ کہانیاں خود بھی پڑھیں، بچوں کو بھی پڑھائیں۔ اگر آپ سچے دل سے فحش، عریاں اور مخرب الاخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب گھر لے جائیے ـــ آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے اور صلاح الدین ایوبی کو پکار رہی ہے۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

قاہرہ میں بغاوت اور سُلطان ایوّبی

فلسطین ابھی صلیبیوں کے پاؤں تلے کراہ رہا تھا۔ یروشلم صلیب پر لٹکا ہوا تھا۔ اس مقدس شہر سے خون رِس رہا تھا۔ وہاں کے مسلمان جو صلیبیوں کے ظالمانہ استبداد کے شکنجے میں آئے ہوئے تھے، پِس رہے تھے، تڑپ رہے تھے اور صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن تک یہ اطلاعیں پہنچ چکی تھیں کہ سلطان ایوبی فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور شوبک کا قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ یہ اُن کے لیے خوش خبری تھی مگر یہ خوش خبری پیغامِ اجل ثابت ہوئی۔ صلیبیوں نے شوبک کی شکست کا انتقام یروشلم اور دیگر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں سے لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو مُردہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ وہ جاسوسی نہ کر سکیں اور حملے کی صورت میں صلاح الدین ایوبی کی مدد کرنے کی جرأت نہ کریں۔ سب سے زیادہ مظالم کرک کے مسلمانوں پر توڑے جا رہے تھے۔ شوبک کے بعد کرک ایک بڑا قلعہ تھا جس پر صلیبیوں کو بہت ناز تھا۔ ایسا ہی ناز انہیں شوبک پر بھی تھا مگر اُن کے ناز کو سلطان ایوبی کی نہایت اچھی چال اور اس کے مجاہدین کی شجاعت نے ریت کے ذروں کی طرح بکھیر دیا تھا۔ اب صلیبی کرک کو مضبوط کر رہے تھے۔ وہاں کے مسلمان باشندوں پر تشدد ایک احتیاطی تدبیر تھی۔ صلیبیوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ مسلمان جاسوسی کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی انہوں نے شوبک کی طرح مشتبہ مسلمانوں کو بیگار کیمپ میں پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

"...فلسطین کی فتح ہمارا ایک عظیم مقصد ہے مگر کرک سے مسلمانوں کو نکالنا اس سے بھی عظیم تر مقصد ہونا چاہیے۔" جاسوسوں کے ایک گروہ کا سربراہ سلطان ایوبی کو بتا رہا تھا۔ وہ طلعت چنگیز نام کا ایک ترک تھا جو چھ جاسوسوں کو شوبک سے بھاگے ہوئے عیسائی باشندوں کے بھروپ میں کرک لے گیا تھا۔ وہ تین مہینوں بعد واپس آیا تھا۔ سلطان ایوبی کو علی بن سفیان کی موجودگی میں وہاں کے حالات بتا رہا تھا۔ صلیبی فوج جو بھاگ کر کرک پہنچی تھی اس کے متعلق اُس نے بتایا کہ خاصی بُری حالت میں ہے اور فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں۔ اس ہاری ہوئی فوج نے کرک میں جاتے ہی مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ اندھا دُھند گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ مسلمان عورتوں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا ہے۔ جہاں کسی مسلمان پر ذرا سا شک ہوتا ہے اُسے پکڑ کر بیگار کیمپ میں لے جاتے ہیں جہاں انسان ایسا مویشی بن جاتا ہے جو بول نہیں سکتا۔ صبح کے اندھیرے سے رات کے

اندھیرے تک کام کرتا ہو کبھی روٹی اور پانی پر زندہ رہتا ہے ۔۔۔" ہم نے وہاں زمین دوز مہم چلائی ہے کہ جتنے مسلمان جوان ہیں یا لڑنے کی عمر میں ہیں۔ وہ یہاں سے نکل کر شوبک پہنچیں اور فوج میں بھرتی ہو جائیں تاکہ کمک کا انتظار کیے بغیر کرک پر حملہ کیا جا سکے۔" چنگیز ترک نے کہا ۔۔۔ "ہماری موجودگی میں کچھ لوگ وہاں سے نکل آئے تھے لیکن یہ کام ایک تو اس لیے مشکل ہے کہ ہر طرف صلیبی فوج پھیلی ہوئی ہے اور دوسری مشکل یہ ہے کہ اپنے کنبوں، خصوصاً عورتوں کو وہ عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں آ سکتے۔ فوری ضرورت یہ ہے کہ کرک پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو نجات دلائی جائے۔"

اس سے پہلے ایک اور جاسوس یہ اطلاع دے چکا تھا کہ صلیبیوں کی سکیم اب یہ ہے کہ سلطان ایوبی کرک کا محاصرہ کرے گا تو صلیبیوں کی ایک فوج، جو ایک صلیبی حکمران ریمانڈ کے زیر کمان ہے، عقب سے حملہ کرے گی۔ سلطان ایوبی نے پہلے ہی اپنے فوجی سربراہوں سے کہہ دیا تھا کہ صلیبی عقب سے حملہ کریں گے۔ اس صورتِ حال کے لیے اُسے زیادہ فوج کی ضرورت تھی۔ اس نے چنگیز کو رخصت کر کے علی بن سفیان سے کہا ۔۔۔ "جذبات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں فوراً کرک پر حملہ کر دینا چاہیے۔ میں اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہاں کے مسلمان کس جہنم میں پڑے ہوئے ہیں لیکن حقائق کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی صفوں کو مستحکم کیے بغیر آگے ایک قدم نہ اُٹھاؤ۔ ضرب اُس وقت لگاؤ جب تمہیں یقین ہو کہ کاری ہو گی۔ ہم اُن عورتوں اور بچوں کو نہیں بھول سکتے جو دشمن کے ہاتھوں ذلیل و خوار اور قتل ہو رہے ہیں۔ یہ ہمارے گمنام شہید ہیں۔ یہ قوم کی عظیم قربانی ہے۔ میں انہی کی آبرو اور انہی کے وقار کے لیے فلسطین لینا چاہتا ہوں۔ اگر میرا مقصد یہ نہ ہو تو جنگ کا مقصد ڈاکہ اور لوٹ مار رہ جاتا ہے۔ وہ قوم جو اپنی اُن بچیوں اور بچوں کو بھول جاتی ہے جو دشمن کے استبداد میں ذلیل و خوار اور قتل ہوتے، وہ قوم ڈاکوؤں اور رہزنوں کا گروہ بن جاتی ہے۔ اس قوم کے افراد دشمن سے انتقام لینے کی بجائے ایک دوسرے کو لوٹتے، ایک دوسرے کو دھوکے اور فریب دیتے ہیں۔ اُن کے حاکم قوم کو لوٹتے اور عیش و عشرت کرتے ہیں اور جب دشمن انہیں کمزور پا کر اُن کے سر پر آ جاتا ہے تو کھوکھلے نعرے لگا کر قوم کو بے وقوف بناتے اور دشمن کے ساتھ در پردہ سودا بازی کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کا کچھ حصہ اور اس حصے کی آبادی نہایت رازدارانہ طریقے سے دشمن کے حوالے کر کے باقی ملک میں اپنی حکمرانی قائم رکھتے ہیں۔ پھر وہ اور زیادہ عیش اور لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دشمن انہیں بخشے گا نہیں ۔۔۔ یہ عیش چند روزہ ہے، لہٰذا قوم کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بھی جلدی جلدی نچوڑ لو۔"

سلطان ایوبی نے ایسی متعدد قوموں کے نام لیے اور کہا ۔۔۔ "وہ توسیع پسند تھے۔ اُن کے سامنے اس کے سوا کوئی مقصد نہ تھا کہ ساری دنیا پہ بادشاہی کریں اور دُنیا بھر کی دولت سمیٹ کر اپنے قدموں میں ڈھیر لگا لیں۔ انہوں نے دوسری قوموں کی عصمت دری کی اور اُن کی اپنی بیٹیاں اور بہنیں دوسروں کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں۔ ان قوموں کے حکمران پرائی زمین پر ہلاک ہوئے اور اُن کا نام و نشان کس نے مٹایا؟ اُن قوموں نے جو غیرت مند تھیں اور جنہیں احساس تھا کہ اُن کی زمین کو اور اُن کی عصمت کو دشمن نے ناپاک کیا ہے اور اس کا انتقام لینا ہے۔ ہم بھی حملہ آور ہیں، صلیبی بھی حملہ آور ہیں، لیکن ہم میں فرق ہے۔ وہ دُور دراز ملکوں سے ہمارے

مذہب کا نام و نشان مٹانے آئے ہیں۔ وہ اس لیے آئے ہیں کہ مسلمان عورتوں کو اپنی گرفت میں لے کر اُن کے بطن سے صلیبی پیدا کریں۔ ہم اُن کی آبرو کے دفاع کے لیے حملہ آور ہوئے ہیں۔ اگر ہم کفر کے طوفان کو نہ روکیں تو ہم بے غیرت ہیں اور ہم مسلمان نہیں اور اگر اسلام کا دفاع اس انداز سے کریں کہ دشمن کے انتظار میں گھر بیٹھے رہیں اور جب وہ حملہ آور ہو تو اپنے گھر میں اُس کے خلاف لڑیں اور پھر فخر سے کہیں کہ ہم نے دشمن کا حملہ پسپا کر دیا ہے تو یہ ثبوت ہے ہماری بزدلی کا۔ دفاع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن تمہیں مارنے کے لیے نیام سے تلوار نکالنے لگے تو تمہاری تلوار اُس کی گردن کاٹ چکی ہو۔ وہ کل حملے کے لیے آنے والا ہو تو آج اُس پر حملہ کر دو۔"

"میرے پاس اس کا ایک ہی علاج ہے کہ محترم نورالدین زنگی سے کمک مانگی جائے" ۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا ۔۔۔ "اور کرک پر حملہ کر دیا جائے۔"

"یہ بھی نقصان دہ ہو گا" ۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا ۔۔۔ "زنگی کے پاس اتنی فوج موجود رہنی چاہیے کہ صلیبی ہمارے عقب پر حملہ کریں تو زنگی اُن کے عقب پر حملہ کر سکے۔ میں مدد مانگنے کا قائل نہیں۔ اس کی بجائے میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ کرک میں چھاپہ مار دستے بھیج کر صلیبیوں کا جینا حرام کیے رکھوں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہمارے جاسوس چھاپہ مار صلیبیوں کی جڑیں چوہوں کی طرح کاٹتے رہیں گے مگر اس کی سزا وہاں کے بے گناہ مسلمان باشندوں کو ملے گی۔ چھاپہ مار تو اپنا کام کر کے اِدھر اُدھر ہو جائیں گے۔ وہ ہر قسم کی سختی اور مصیبت جھیل سکتے ہیں۔ ہمارے قیدی بہن بھائی کچلے جائیں گے۔ البتہ اس تجویز پر غور کرو کہ وہاں سے مسلمان کنبوں کو نکالنے کا کوئی خفیہ انتظام کیا جائے۔ حملے میں کچھ وقت لگے گا۔ ہمیں خاصی بھرتی مل گئی ہے۔ کرک کے جوان بھی آ گئے ہیں اور آ رہے ہیں۔"

☆

"میں محسوس کرنے لگا ہوں کہ ہمیں یہاں کے مسلمان باشندوں کے متعلق اپنی پالیسی میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔" صلیبیوں کے محکمۂ جاسوسی اور سراغرسانی کے سربراہ ہرمن نے کہا۔ قلعہ کرک میں چند ایک صلیبی بادشاہ، اُن کے فوجی کمانڈر اور انتظامیہ کے حکام جمع تھے۔ وہ جوں جوں اپنی ہاری ہوئی فوج کو دیکھ رہے تھے، ان کی عقل پر غصہ اور انتقام غالب آتا جا رہا تھا۔ وہ شکست کو بہت جلدی فتح میں بدلنا چاہتے تھے۔ اُن میں ان کی انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن، واحد آدمی تھا جو ٹھنڈے دل سے سوچتا اور عقل کی بات کرتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے صلیبی بھائی کرک کے مسلمان باشندوں کے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک کر رہے ہیں۔ اس نے کہا ۔۔۔ "آپ نے یہی سلوک شوبک کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے وہاں مسلمانوں کے کیمپ سے اُس مسلمان فوجی کو بھگا دیا جسے ہم نے خطرناک جاسوس سمجھ کر قید میں ڈال دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے وہاں کے مسلمانوں نے پناہ دی تھی۔ وہ قلعے کے اندرونی حالات اور دفاع کو دیکھ گیا تھا۔ اس کے علاوہ صلاح الدین ایوبی نے جانے قلعے کی دیوار جو توڑی تھی اس میں اندر کے مسلمانوں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ آپ کے سلوک سے اس قدر تنگ آئے ہوئے تھے کہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر مسلمان فوج کی مدد کی اور جب فوج کا ہراول دستہ اندر آیا تو مسلمانوں نے اس کی رہنمائی کی۔"

"اس لیے ہم کرک کے مسلمانوں کا دم خم توڑ رہے ہیں کہ اُن میں جذبہ اور ہمت ہی نہ رہے" ـــ ایک صلیبی سالار نے کہا۔

"اس کی بجائے اگر آپ انہیں اپنا دوست بنالیں تو وہ آپ کی مدد کریں گے" ہرمن نے کہا ـــ "اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں پیار اور محبت سے انہیں اُن کا مذہب تبدیل کئے بغیر صلیب کا گرویدہ بنالوں گا۔ میں انہی مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑا دوں گا۔"

"تم بھول رہے ہو ہرمن!" ایک مشہور صلیبی بادشاہ ریجنالڈ نے کہا ـــ "تم چند ایک مسلمانوں کو لالچ دے کر انہیں غدار بنا سکتے ہو مگر ہر ایک مسلمان کو اسلامی فوج کے خلاف نہیں کر سکتے۔ پوری قوم غدار نہیں ہو سکتی۔ ہرمن! تم ان لوگوں پر اتنا بھروسہ نہ کرو۔ ہم انہیں دوست نہیں بنانا چاہتے۔ ہم ان کی نسل ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی غیر مسلم کسی مسلمان کے ساتھ محبت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت کرتا ہے جبکہ ہمارا مقصد اسلام کا خاتمہ ہے۔ کرک میں، یروشلم میں، عکرہ اور عدلیسہ میں اور جہاں بھی صلیب کی حکمرانی ہے مسلمانوں کو اس قدر پریشان کرو کہ وہ مر جائیں یا وہ صلیب کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔"

"مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صلاح الدین ایوبی کو باقاعدہ معلوم ہوتا جا رہا ہے" ہرمن نے کہا ـــ "آپ اُسے اکسا رہے ہیں کہ وہ کرک پر جلدی حملہ کرے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ ہماری فوج فوری حملے کے آگے ٹھہرنے کے قابل نہیں۔"

"اس کا حل یہ نہیں کہ ہم یہاں کے مسلمان باشندوں کو سر پر بٹھالیں" فلپ آگسٹس نے کہا۔ "آپ لوگ مسلمان جنگی قیدیوں کو ابھی تک پال رہے ہیں۔ انہیں قتل کیوں نہیں کر دیتے؟"

"اس لیے کہ ایوبی ہمارے قیدیوں کو قتل کر دے گا" گے آف لوزینان نے جواب دیا ـــ "ہمارے پاس مسلمانوں کے کُل تین سو اکسٹھ جنگی قیدی ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ہمارے بارہ سو چھپتر قیدی ہیں۔"

"کیا ہم ایک مسلمان کو مارنے کے لیے چار صلیبی نہیں مروا سکتے؟" ـــ آگسٹس نے کہا۔ "ہمارے وہ قیدی جو صلاح الدین کے پاس ہیں بزدل تھے۔ وہ لڑنے کی بجائے قید ہوئے۔ وہ زندہ رہنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مر جائیں تو اچھا ہے۔ تم اطمینان سے مسلمان قیدیوں کو ختم کر دو۔"

"کیا مسلمان باشندوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کر کے اور مسلمان جنگی قیدیوں کو قتل کر کے تم صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دو گے؟" سالار کے عہدے کے ایک صلیبی نے کہا ـــ "اس وقت فوج کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ ایوبی اگر پیش قدمی کر آیا تو اُسے کس طرح روکیں گے اور اُس سے شوبک کا قلعہ واپس کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ کرک کے تمام مسلمانوں کو قتل کر دو۔ پھر کیا ہو گا؟ ایوبی کی طرح تم اپنی نظر میں وسعت کیوں نہیں پیدا کرتے۔ کیا ہرمن بتا سکتا ہے کہ مصر میں اس کی زمین دوز کارروائیاں کیا ہیں اور کامیابی کتنی ہے؟"

"توقع سے زیادہ" ہرمن نے جواب دیا۔ "علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ شوبک میں ہے۔ میں نے قاہرہ میں اس کی غیر حاضری سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ قاہرہ کے نائب ناظم مصلح الدین کو فاطمیوں نے اپنے

ساتھ ملا لیا ہے۔ مصلح صلاح الدین ایوبی کا معتمدِ خاص ہے لیکن اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔ فاطمیوں نے درپردہ ایک خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ قاہرہ کے اندر سے بغاوت اور سوڈانیوں کے حملے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارے فوجی افسر سوڈان میں سوڈانیوں کی فوج تیار کر رہے ہیں۔ قاہرہ میں صلاح الدین جو فوج چھوڑ آیا ہے اس کے دو نائب سالار ہمارے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ اُدھر سے سوڈانی حملہ کریں گے۔ قاہرہ میں بغاوت ہو گی اور فاطمی اپنی خلافت کا اعلان کر دیں گے۔"

"تم لوگ یہ بھول رہے ہو کہ صلاح الدین ایوبی اس قدر تیز آدمی ہے کہ کرک پر حملہ ملتوی کر کے قاہرہ پہنچ جائے گا" ریجنالڈ نے کہا ـــ "اُسے یہیں رہنے پر مجبور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے یہیں اُلجھا لیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا راستہ روک لیا جائے اور اس کا ایک بھی سپاہی قاہرہ تک نہ پہنچ سکے۔"

"مجھے سو فیصد امید ہے کہ قاہرہ میں جو اس کی فوج ہے وہ اس کے کام نہیں آ سکے گی" ہرمن نے کہا۔ "میرے آدمیوں نے فوج میں اس قسم کے شکوک پیدا کر دیئے ہیں کہ انہیں قاہرہ میں پیچھے چھوڑ کر مالِ غنیمت سے محروم کر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ شوبک کی سینکڑوں عیسائی لڑکیاں صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ آئی ہیں جو اُس نے وہاں فوج کے حوالے کر دی ہیں۔ میری کامیابی یہ ہے کہ میں نے مسلمان فوجی حکام کے ہی منہ میں یہ افواہیں ڈال کر اُن کی فوج میں پھیلائی ہیں۔ میں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ قاہرہ کی تمام فوج سوڈانیوں کا ساتھ دے گی اور صلاح الدین ایوبی کو بغاوت فرو کرنے کے لیے یہاں سے تمام فوج لے جانی پڑے گی مگر یہ فوج اُس وقت وہاں پہنچے گی جب قاہرہ ایک بار پھر فاطمی خلافت کی گدی بن چکا ہو گا اور وہاں سوڈان کی فوج قابض ہو گی۔ ضروری نہیں کہ ہم یہاں صلاح الدین ایوبی پر حملہ کریں اور اُسے روکیں۔ ہم اُسے بھٹکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں گے۔ ہم اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں مروائیں گے۔"

ہرمن نے زور دے کر کہا ـــ "آپ ابھی تک مسلمان کی نفسیات نہیں سمجھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میری بعض کارگر باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مسلمان اگر فوجی ہو اور اس کے دماغ میں ٹریننگ کے دوران یہ بٹھا دیا جائے کہ وہ ملک اور قوم کا محافظ ہے تو وہ ملک اور قوم کی خاطر جان قربان کر دیتا ہے۔ دنیا کی بادشاہی اس کے قدموں میں رکھ دو وہ سپاہی رہنا پسند کرے گا، قوم سے غداری نہیں کرے گا۔ اگر اسی فوجی میں جنسی لذت، شراب نوشی اور عہدوں کی خواہش پیدا کر دو تو وہ اپنا مذہب بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ہم نے جن مسلمان فوجی حکام کو اپنے ساتھ ملایا ہے اُن میں یہی خامیاں پیدا کی تھیں اور کر رہے ہیں ...."

"مگر فوجی کو غدار بنانا اتنا آسان نہیں جتنا انتظامیہ کے حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا آسان ہے" ہرمن نے کہا۔ "انتظامیہ کے ہر حاکم میں امراء اور وزراء کی صف میں آنے کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ ان لوگوں پر بادشاہ بننے کا خبط سوار ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ دیکھیں۔ ان کے رسول (صلعم) کے بعد یہ لوگ خلافت پر ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ اُن کے جرنیلوں نے نہایت دیانت داری سے اپنا کام جاری رکھا۔ وہ دوسرے ملکوں کو تہ تیغ کرتے رہے اور اسلامی سلطنت کو وسیع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن اُن کے خلیفوں نے جہاں دیکھا کہ فلاں جرنیل ایسا مقبول ہو گیا ہے کہ اس کی فتوحات کی بدولت قوم اُسے خلیفہ سے زیادہ مقام دینے لگی ہے تو خلیفہ اور اُس کے حواریوں نے اس جرنیل

کو غلط احکام دے کر اُسے ذلیل اور رُسوا کر دیا۔ خود خلیفہ کی گدی مخالفین سے محفوظ نہ رہی۔ مخالفین کی نگاہ اسلامی سلطنت کی وسعت سے ہٹ کر خلافت کے حصول پر مرکوز ہو گئی۔ جرنیل ہارتے چلے گئے اور اُن کے فتح کیے ہوئے علاقے اُن کے ہاتھ سے نکلتے چلے گئے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم عرب میں بیٹھے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی اچھے جرنیلوں میں سے ہے جو سلطنت کو اُنہی سرحدوں تک لے جانا چاہتا ہے جہاں تک یہ پہلے جرنیلوں نے پہنچائی تھیں۔ اس شخص میں خوبی یہ ہے کہ وہ انتظامیہ اور خلافت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اُس نے مصر کی خلافت کو اپنے ارادوں کے سامنے رکاوٹ بنتے دیکھا تو خلیفہ کو ہی معزول کر دیا۔ یہ دلیرانہ قدم اس نے فوجی طاقت اور اپنی فہم و فراست کے بل بوتے پر اٹھایا ہے۔"

ہرمن بولتا جا رہا تھا۔ تمام حکمران اور صلیبی کمانڈر انہماک سے سُن رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "صلاح الدین ایوبی اپنی قوم کی اس کمزوری کو سمجھ گیا ہے کہ غیر فوجی قیادت گدی کی خواہش مند ہے اور یہ خواہش ایسی ہے جو زن اور زر پرستی اور شراب نوشی جیسی عادتیں پیدا کرتی ہے۔ ہم نے صرف اُن فوجی افسروں کو ہاتھ میں لیا ہے جو اقتدار کے خواہش مند ہیں۔ اسی لیے ہم زیادہ تر انتظامیہ کے سربراہوں پر ڈال رہے ہیں۔ فوج کو کمزور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے لوگوں کی نظروں میں رسوا کر دیا جائے۔ یہ کام میرا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ آپ شاید میری تائید نہ کریں لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو میدان جنگ میں آسانی سے شکست نہیں دے سکتے۔ وہ صرف لڑنے کے لیے نہیں لڑتا۔ اس کے عزم کی بنیاد ایک ایسے منصوبے پر ہے جسے اس کی ساری فوج سمجھتی ہے۔ اس کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خلیفہ سے یا غیر فوجی قیادت سے حکم نہیں لیتا۔ وہ کٹر مسلمان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں خدا اور قرآن سے حکم لیتا ہوں۔ میرے جو جاسوس بغداد میں ہیں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ ایوبی نے نور الدین زنگی کو ساتھ ملا کر یہاں سے انقلابی تجاویز بھیجی ہیں جن پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ امیر العلماء سے یہ فتویٰ صادر کرایا گیا ہے کہ خلافت صرف ایک ہو گی اور یہ بغداد کی خلافت ہو گی۔ یہ خلافت دوسرے ممالک کے متعلق احکام نافذ کرنے اور سمجھوتوں کی بات چیت کرنے سے پہلے اعلیٰ فوجی قیادت سے منظوری لے گی۔ جنگی امور فوجی حکام کے ہاتھ میں ہوں گے۔ خلیفہ دُور دراز علاقوں میں لڑنے والے جرنیلوں کو کوئی حکم نہیں بھیج سکتا۔ تیسرے یہ کہ خلیفہ کا نام خطبے میں نہیں لیا جائے گا اور خلافت کا اثر و رسوخ ختم کرنے کے لیے ایوبی نے حکم جاری کرا دیا ہے کہ خلیفہ یا اس کے نائب یا کوئی قلعہ دار وغیرہ جب دورے وغیرہ کے لیے باہر نکلیں گے تو لوگوں کو راستے میں کھڑے ہونے، نعرے لگانے اور سلام کرنے کی اجازت نہیں ہو گی....

"صلاح الدین ایوبی نے سب سے اہم کام یہ کیا ہے کہ سُنّی شیعہ تفرقہ مٹا دیا ہے۔" ہرمن نے کہا۔ "اُس نے شیعوں کو فوج اور انتظامیہ میں پوری نمائندگی دے دی ہے اور نہایت پُراثر طریقوں سے شیعہ علماء کو قائل کر لیا ہے کہ وہ ایسی رسمیں ترک کر دیں جو اسلام کے منافی ہیں.... صلاح الدین کے یہ انقلابی اقدامات ہمارے لیے نقصان دہ ہیں۔ ہم مسلمانوں کی انہی خامیوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے جو دراصل جاری ہے کہ مسلمانوں کی انتظامی قیادت کو صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کیا جائے۔"

"صرف آج نہیں، ہمیشہ کے لیے۔" فلپ آگسٹس جو مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا، بولا۔ "ہماری عداوت صرف

صلاح الدین سے نہیں۔ ہماری جنگ اسلام کے خلاف ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایوبی مر جائے تو یہ قوم کوئی دوسرا ایوبی پیدا نہ کر سکے۔ اس قوم کو عقیدوں، غلط اور بے بنیاد عقیدوں کے ہتھیاروں سے مارو۔ ان میں بادشاہ بننے کا جنون طاری کر دو۔ انہیں عیاش بنا دو اور ایسی روایات پیدا کر دو کہ یہ لوگ خلافت کی گدی پر آپس میں لڑتے رہیں پھر اس خلافت کو ان کی فوج پر سوار کر دو۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ قوم ایک نہ ایک دن صلیب کی غلام ہو جائے گی۔ اس کا تمدن اور اس کا مذہب صلیب کے رنگ میں رنگا ہوا ہو گا۔ وہ بادشاہی اور خلافت کے حصول کے لیے آپس میں دست و گریبان ہوں گے اور اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے ہم سے مدد مانگیں گے۔ اُس وقت ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہو گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی کہ میں نے جو پیشین گوئی کی ہے وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی ہے۔ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے یہودی تمہیں اپنی لڑکیاں پیش کر رہے ہیں، انہیں استعمال کرو۔ یہودیوں کو صرف اس لیے اپنا دشمن سمجھو کہ وہ یروشلم کو اپنا مقدس شہر اور فلسطین کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ انہیں کہو کہ فلسطین تمہارا ہے۔ آخر میں یہ خطہ ہم خود ہی لیں گے۔ ابھی ہمارا ساتھ دو۔ لیکن یہ احتیاط ضرور کرنا کہ یہودی بہت چالاک قوم ہے۔ اُسے جب تمہاری طرف سے خطرہ نظر آیا تو تمہارے ہی خلاف ہو جائے گی۔ اس کی دولت اور اس کی لڑکیاں استعمال کرو اور اس کے عوض انہیں فلسطین پیش کرو۔"

☆

قلعہ شوبک اور قلعہ کرک سے بہت دُور ایک ایسا وسیع خطہ تھا جو مٹی، ریت اور ٹیلوں کی پہاڑیوں اور اونچی نیچی چٹانوں میں گھرا ہوا تھا۔ یہ خطہ کم و بیش ڈیڑھ ایک میل وسیع اور چوڑا تھا۔ اس میں بہت سا علاقہ ریتلا میدانی تھا اور اس میں کھڈ بھی تھے اور کم اونچی ٹیکریاں بھی۔ جب صلیبی حکمران اور کمانڈر اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہے تھے اور نہایت پُرکشش اور خطرناک طریقے وضع کر رہے تھے، صحرا کا یہ خطہ میدانِ جنگ بنا ہوا تھا: ہزاروں پیادہ عسکری گھوڑ سوار اور شُتر سوار بھاگ دوڑ رہے تھے۔ تلواریں اور برچھیوں کی انیاں چمک رہی تھیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ سے گرد گہرے بادلوں کی طرح آسمان کی طرف اُٹھ رہی تھی۔ اس گرد میں برچھیاں بھی اُڑ رہی تھیں، تیر بھی۔ پیادہ سپاہی گھوڑوں سے آگے نکل جانے کی رفتار سے دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ گھوڑ سوار کھڈ پھلانگ رہے تھے۔ اردگرد پہاڑیوں کی چوٹیوں پر دو دو سپاہی آرام آرام سے گھوم پھر رہے تھے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں آگ کے شعلے اٹھتے اور پہاڑی سے ٹکرا کر بھڑکتے اور بجھ جاتے تھے۔ شور و غل آسمان کو ہلا رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ایک بلند چٹان پر کھڑا یہ نظارہ انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت دیر سے اس میدان کے اردگرد کی چٹانوں پر گھوم رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو نائب تھے۔

"میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ جس رفتار سے سکھلائی ہو رہی ہے، نئے سپاہی چند دنوں میں تجربہ کار ہو جائیں گے۔" ایک نائب نے کہا۔ "آپ نے جن سواروں کو وہ اتنا چوڑا کھڈ پھلانگتے ہوئے دیکھا تھا وہ سب کے سب نئے بھرتی ہوئے سوار ہیں۔ میں انہیں اناڑی سمجھتا تھا۔ تیر اندازوں کا معیار بھی اچھا ہو رہا ہے۔"

میدانِ جنگ کا یہ منظر دراصل ٹریننگ تھی جس کے متعلق سلطان ایوبی نے بڑے سخت احکام جاری کیے

تھے۔ اردگرد سے بہت سے جوان فوج میں بھرتی کیے گئے تھے اور کرک سے بھی بہت سے مسلمان چوری چھپے نکل آئے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا کمال تھا کہ کرک سے بھی جوان حاصل کر لیے تھے۔ شوبک کے وہ مسلمان جنہوں نے صلیبیوں کا ظلم و تشدد برداشت کیا تھا، جوش و خروش سے سلطان ایوبی کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ ان کی ٹریننگ کا انتظام وہیں کر دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اس میں ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ اُسے اُس کے نائب یقین دلا رہے تھے کہ وہ نئی بھرتی کو تھوڑے سے عرصے میں پختہ کار بنا دیں گے۔

"سپاہی صرف ہتھیاروں کے استعمال اور جسمانی پھرتی سے تجربہ کار نہیں بن سکتا" سلطان ایوبی نے کہا۔ "عقل اور جذبے کا استعمال ضروری ہے۔ مجھے ایسی فوج کی ضرورت نہیں جو اندھا دھند دشمن پر چڑھ دوڑے اور صرف ہلاک کرے۔ مجھے ایسی فوج چاہیے جسے معلوم ہو کہ اس کا دشمن کون ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں۔ میری فوج کو علم ہونا چاہیے کہ یہ اللہ کی فوج ہے اور اللہ کی راہ میں لڑ رہی ہے۔ جوش و خروش جو میں دیکھ رہا ہوں بہت ضروری ہے مگر مقصد واضح نہ ہو، اپنی حیثیت واضح نہ ہو تو یہ جوش جلدی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ انہیں بتاؤ اور ذہن نشین کراؤ کہ ہم فلسطین کیوں لینا چاہتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ غداری کتنا بڑا جرم ہے۔ انہیں سمجھاؤ کہ تم صرف فلسطین کے لیے نہیں بلکہ اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے لڑ رہے ہو اور تم آنے والی نسلوں کے وقار کے لیے لڑ رہے ہو۔ عملی سکھلائی کے بعد انہیں وعظ دو اور ان پر ان کی قومی عظمت واضح کرو۔"

"ہر شام انہیں وعظ دیے جاتے ہیں سالارِ اعظم!" ایک نائب نے کہا — "ہم انہیں صرف درندے اور وحشی نہیں بنا رہے۔"

"اور یہ خیال رکھو کہ ان کے دلوں میں قوم کی وہ بیٹیاں نقش کر دو جو کفار کے ہاتھوں اغوا اور بے آبرو ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں" سلطان ایوبی نے کہا — "انہیں قرآن کے وہ ورق یاد دلاتے رہنا جنہیں صلیبیوں نے پاؤں تلے مسلا تھا اور انہیں وہ مسجدیں یاد دلاتے رہنا جن میں کفار نے گھوڑے اور مویشی باندھے تھے اور باندھ رہے ہیں۔ بیٹی کی عزت اور مسجد کا احترام مسلمان کی عظمت کے نشان ہوتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ جس روز تم عصمت اور مسجد کو ذہن سے اتار دو گے اُس روز تم اپنے لیے اس دُنیا کو جہنم بنا لو گے اور آخرت میں جو عذاب ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

پہاڑیوں پر جو دو دو چار چار سپاہی گھوم پھر رہے تھے وہ پہرہ دار تھے۔ صلیبیوں کے جوابی حملے کا خطرہ موجود تھا۔ دور آگے تک فوج موجود تھی، پھر بھی ٹریننگ کے اس علاقے کے گرد پہرے کی ضرورت تھی۔ ان پہرہ داروں میں سے دو ایک چوٹی پر جا رہے تھے۔ وہ رک گئے۔ انہیں نیچے ایک ٹیکری پر صلاح الدین ایوبی کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اُن کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ فاصلہ دو اڑھائی سو گز تھا۔ ایک پہرہ دار نے کہا — "کم بخت کی پوری پیٹھ ہمارے سامنے ہے۔ اگر یہاں سے تیر چلاؤں تو اس کے دل کے پار کر سکتا ہوں۔ کیا خیال ہے؟"

"پھر بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟" اس کے ساتھی نے پوچھا۔

"ہاں!" دوسرے نے کہا — "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ ہمیں پکڑ کر جان سے مار ڈالیں تو کوئی بات

نہیں۔ وہ زندہ پکڑ کر ایسے شکنجے میں جکڑیں گے کہ ہمیں اپنے تمام ساتھیوں کے نام بتلانے پڑیں گے۔"

"یہ کام اس کے محافظوں کو کرنے دو" اس کے ساتھی نے کہا — "اگر صلاح الدین کو قتل کرنا اتنا آسان ہوتا تو یہ اب تک زندہ نہ ہوتا۔"

"یہ کام اب ہو جانا چاہیے" دوسرے نے کہا — "سُنا ہے فاطمی کہتے ہیں کہ تم کچھ کیے بغیر ہم سے منہ مانگی رقم لیتے جا رہے ہو۔"

"مجھے امید ہے یہ کام جلدی ہو جائے گا" اس کے ساتھی نے کہا — "سُنا تھا کہ حشیشین بہت دلیری سے قتل کرنے کے لیے جان پر کھیل جاتے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے کچھ کر کے تو نہیں دکھایا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایوبی کے محافظ دستے میں تین حشیشین ہیں۔ یہ تو ان کا کمال ہے کہ محافظ دستے تک پہنچ گئے ہیں اور کسی کو اُن کی اصلیت کا علم نہیں ہوا، مگر وہ قتل کب کریں گے؟ کم بخت ڈرتے ہیں۔"

وہ باتیں کرتے آگے چلے گئے۔

☆

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مصر سے صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری سے وہاں مخالفین کی زمین دوز سرگرمیاں ابھر آئیں تو صورتِ حال ایسی پیدا کر دی گئی جسے صرف معجزہ سنبھال سکتا تھا۔ یہ ایک سازش تھی جو فاطمی خلافت کی معزولی اور تخریب کاروں کی گرفتاری کے بعد بظاہر دب گئی تھی لیکن راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح دہکتی رہی تھی۔ اس کی پشت پناہی کرنے والے صلیبی تھے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے وہ مسلمان زعما تھے جن پر سلطان ایوبی کو بھروسہ تھا۔ صلیبیوں نے یہودی لڑکیاں حاصل کر لی تھیں جو عرب اور مصر کی زبان روانی سے بولتی اور اپنے آپ کو ہر رنگ میں ڈھال سکتی تھیں۔ مصر کی انتظامیہ کے متعدد حکام اقتدار میں حصے کے دائمی طور پر خود مختاری کے خواہش مند تھے۔ ان میں قومی وقار اور جذبہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ حرموں کے بادشاہ تھے۔ ان لوگوں کو آلۂ کار بنانے والوں میں فاطمیوں نے دانش مندی کا ثبوت دیا اور انہوں نے حسن بن صباح کے حشیشین کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔

اُس وقت کے وقائع نگاروں نے جن میں اسد الاسدی، ابن الاثیر، ابی المعز اور ابن الجوزی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ صلیبیوں نے سوڈانیوں کو مدد دے کر انہیں مصر پر حملے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ مصر میں جو تھوڑی سی فوج تھی وہ بغاوت کے لیے تیار کر دی گئی تھی۔ صلاح الدین ایوبی کے حامی سخت پریشان تھے کہ وہ قبل از وقت نہ پہنچا تو مصر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ان وقائع نگاروں اور دو اور گمنام کاتبوں کی غیر مطبوعہ تحریروں سے ایک کہانی کی کڑیاں ملتی ہیں۔ ان میں قاہرہ کے محکمۂ مالیات کے ایک بڑے ناظم خضر الحیات کا ذکر ملتا ہے۔ وہ خزانے کا بھی ذمہ دار تھا۔ دوسرے علاقوں کی جزیے اور تاوان وغیرہ کی رقمیں، زکوٰۃ، سزا کے طور پر وصول ہونے والے جرمانے، عطیات اور لگانات، مصر کا تمام تر حساب کتاب اور پیسہ مالیات کے محکمے میں آتا اور خرچ ہوتا تھا۔ یہ بڑا ہی اہم اور نازک محکمہ تھا۔ اس کے ناظم کا قابلِ اعتماد ہونا بہت ضروری تھا۔ یہ سلطان ایوبی کی خوش نصیبی تھی کہ ناظم

خضرالحیات دین دار مسلمان تھا۔

ایک رات وہ باہر سے آیا۔ گھر میں داخل ہُوا تو اندھیرے کو چیرتا ہُوا ایک تیر آیا جو خضرالحیات کی پیٹھ میں اُتر گیا اور دل تک جا پہنچا۔ اُس کی کربناک آواز سُن کر ملازم باہر آیا۔ پھر گھر کے افراد باہر آئے۔ مشعل کی روشنی میں خضر کو اوندھے منہ پڑے دیکھا۔ اتفاق سے کسی نے دیکھ لیا کہ خضر کے دائیں ہاتھ کی انگلی زمین پر تھی اور مٹی پر اس انگلی سے اس نے کچھ لکھا تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ زمین پر اس نے انگلی سے لکھا تھا — "مصلح" — ح پُوری نہیں ہوئی تھی۔ اس حرف کی گولائی کے نصف میں جا کر اس کی جان نکل گئی ہو گی۔ لاش اٹھالی گئی اور اس لفظ کو محفوظ رکھا گیا۔ ایک آدمی کو کوتوال غیاث بلبیس کو بلانے دوڑا دیا گیا۔ یہی کہا جاسکتا تھا کہ خضر نے مرتے مرتے مٹی پر اپنے قاتل کا نام لکھا ہے۔ غیاث بلبیس کوتوال بھی تھا اور مصر کی تمام ترپولیس کا حاکم اعلیٰ۔ یہ بھی صلاح الدین ایوبی کا قابل اعتماد حاکم تھا۔ علی بن سفیان کی طرح شہری جرائم کا ماہر سراغرساں تھا۔

بلبیس نے آتے ہی زمین پر لکھے ہوئے لفظ "مصلح" کو غور سے دیکھا۔ اتنے میں شہر کا نائب ناظم مصلح الدین خضر کے قتل کی خبر سن کر آ گیا۔ بلبیس نے اُسے دیکھتے ہی زمین پر پاؤں رگڑ کر "مصلح" کا لفظ مٹا دیا۔ مصلح الدین چونکہ شہر کا نائب ناظم تھا، اس لیے کوتوالی کا محکمہ اس کے ماتحت تھا۔ اس نے بلبیس کو حکم کے لہجے میں کہا — "قاتل کا سراغ صبح سے پہلے مل جانا چاہیئے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا" — بلبیس نے اسے یقین دلایا کہ قاتل کو جلدی پکڑ لیا جائے گا۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ رات کو ہی بلبیس نے خضرالحیات کے نائب، معاون اور اس کے دفتر میں اُن افراد کو بلا لیا جو مقتول کے قریب رہتے تھے اور بتا سکتے تھے کہ قتل کے روز ان کی سرگرمیاں کیا رہیں۔ ان لوگوں سے اُسے پتہ چلا کہ آج شہری انتظامیہ کے حکام اعلیٰ کا ایک اجلاس تھا جس میں فوج کا کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ خضر کا نائب اس کی مدد کے لیے اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس میں مالیات کے سلسلے میں فوج کے اخراجات زیرِ بحث آئے تو خضر نے کہا کہ مصر میں بعض اخراجات روکنے پڑیں گے کیونکہ امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی نے شوبک میں بہت سی فوج بھرتی کی ہے جس کے لیے کثیر رقم کی ضرورت ہے۔

نائب ناظم مصلح الدین نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ فوج کے اخراجات غیر ضروری ہیں۔ مزید فوج بھرتی کرنے کے بجائے ہمیں توجہ اس فوج کے مسائل کی طرف دینی چاہیئے جو پہلے ہی ہمارے لیے ایک مہنگا مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ مصر میں جو فوج ہے اس میں بے اطمینانی اور بدامنی پائی جاتی ہے۔ شوبک سے جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا ہے اس میں سے اس فوج کے لیے کوئی حصّہ نہیں بھیجا گیا۔ خضرالحیات نے کہا — "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیرِ مصر نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے کی بدعت ختم کردی ہے؟ یہ نہایت اچھا فیصلہ ہے۔ مالِ غنیمت کے لالچ سے لڑنے والی فوج کا کوئی قومی جذبہ اور مذہبی نظریہ نہیں ہوتا۔"

اس مسئلے پر بحث تُرش کلامی میں بدل گئی۔ مصلح الدین نے یہاں تک کہہ دیا کہ امیرِ مصر مصری سپاہیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کر رہا جتنا شامی اور تُرک سپاہیوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اُس نے غصّے میں کچھ اور ناروا باتیں کہہ دیں جن کے جواب میں خضر نے کہا — "مصلح! تمہاری زبان سے صلیبی اور فاطمی بول رہے ہیں" —

اس پر اجلاس ہنگامے کی صورت اختیار کر گیا اور برخاست ہو گیا۔ خضرالحیات کے معاون اور نائب نے بتایا کہ اجلاس کے بعد مصلح الدین خضرالحیات کے دفتر میں آیا۔ وہاں پھر ان میں گرماگرمی ہوئی۔ مصلح الدین خضر کو اس پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مصری فوج مطمئن نہیں۔ اُس نے پھر وہی باتیں دہرائیں جو اس نے اجلاس میں کی تھیں۔ خضرالحیات نے کہا — "اگر ایسا ہی ہے تو میں یہ مسئلہ تمہاری طرف سے امیرِ مصر کے آگے رکھ دوں گا لیکن میں یہ ضرور لکھوں گا کہ تم نے اجلاس میں تمام شرکاء کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ امیرِ مصر فوج میں امتیازی سلوک کر رہا ہے اور میں یہ بھی لکھوں گا کہ تم نے ہمیں یہ یقین دلانے کی بھی کوشش کی کہ صلاح الدین ایوبی نے شوبک کا مالِ غنیمت شامیوں اور تُرکوں میں تقسیم کردیا ہے اور میں یہ رائے ضرور دوں گا کہ تم نے جو الزامات عائد کیے ہیں انہیں سچ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور فوج میں جو افواہیں دشمن پھیلا رہا ہے ان کے متعلق تم نے کہا ہے کہ یہ افواہیں نہیں بلکہ سچ ہے۔"

خضرالحیات کے نائب نے بیان دیا کہ مصلح الدین جب خضر کے کمرے سے نکلا تو اس کے منہ سے یہ الفاظ سُنے گئے تھے — "اگر تم زندہ رہے تو سب کچھ لکھ کر صلاح الدین ایوبی کے آگے رکھ دینا۔"

غیاث بلبیس نے فوری طور پر مصلح الدین سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک تو اس کی حیثیت بہت اونچی تھی اور دوسرے یہ کہ بلبیس اُس کے خلاف مزید شہادت جمع کرنا چاہتا تھا۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ اگر اُس نے مصلح الدین پر بغیر ٹھوس شہادت کے ہاتھ ڈالا تو یہ اقدام اس کے اپنے لیے مصیبت بن جائے گا۔ اگر صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں موجود ہوتا تو بلبیس اس کی پشت پناہی حاصل کر لیتا۔ وہ اتنا سمجھ گیا تھا کہ یہ قتل ذاتی رنجش کا نتیجہ نہیں۔ خضرالحیات ذاتی رنجش رکھنے والا حاکم نہیں تھا۔ رات کو اُس نے چند ایک لوگوں کے دروازے کھٹکھٹائے اور تفتیش میں لگا رہا۔ اپنے خفیہ آدمیوں کو بھی سرگرم کر دیا لیکن اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

☆

بعد کی شہادتوں اور واقعات سے جو واردات سامنے آئی وہ کچھ اس طرح بنتی ہے کہ قتل کی رات سے اگلی رات مصلح الدین اپنے گھر گیا تو پہلی بیوی نے اُسے کمرے میں بلایا۔ اُس نے بیس اشرفیاں مصلح الدین کے آگے کرتے ہُوئے کہا — "خضرالحیات کا قاتل یہ بیس اشرفیاں واپس کر گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ تم نے پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے کہے تھے۔ میں نے تمہارا کام کر دیا تو تم نے صرف بیس اشرفیاں بھیجی ہیں۔ یہ میں تمہاری بیوی کو واپس دے چلا ہوں۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اب ایک سو اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے لوں گا۔ اگر دو دن تک مال نہ پہنچایا تو ویسا ہی تیر جو خضر کے دل میں اُترا ہے تمہارے بھی دل میں اُتر جائے گا۔"

مصلح الدین کا رنگ اُڑ گیا۔ سنبھل کر بولا — "تم کیا کہہ رہی ہو؟ کون تھا وہ؟ میں نے کسی کو خضرالحیات کے قتل کے لیے یہ رقم نہیں دی تھی؟"

"تم خضر کے قاتل ہو" بیوی نے کہا — "مجھے معلوم نہیں کہ قتل کی وجہ کیا ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ تم نے اُسے قتل کرایا ہے۔"

یہ مصلح الدین کی پہلی بیوی تھی۔ اُس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل تیس سال کی ہوگی۔ خاصی خوبصورت عورت تھی۔ کوئی ایک ماہ قبل وہ گھر میں ایک غیر معمولی طور پر خوبصورت اور جوان لڑکی لے آیا تھا۔ ایک خاوند کے لیے بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اُس زمانے میں زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ کوئی بیوی دوسری بیویوں سے حسد نہیں کرتی تھی، مگر مصلح الدین نے پہلی بیوی کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ جب سے نئی بیوی آئی تھی اُس نے پہلی بیوی کے کمرے میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا... بیوی نے اُسے کئی بار بلایا تو بھی وہ نہ گیا۔ بیوی کے اندر انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ آدمی جو اُسے بیس اشرفیاں دے گیا تھا غالباً مصلح الدین سے بڑا ہی سنگین انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے اس کی پہلی بیوی کو بتا دیا تھا کہ خضر الحیات کو مصلح الدین نے قتل کرایا ہے۔

"تم اپنی زبان بند رکھنا"۔ مصلح الدین نے بیوی کو بارعب لہجے میں کہا ـــــ "یہ میرے کسی دشمن کی چال ہے۔ وہ میرے اور تمہارے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے"۔

"تمہارے دل میں میری دشمنی کے سوا اور رہا ہی کیا ہے؟" ـــــ بیوی نے پوچھا۔

"میرے دل میں تمہاری پہلے روز والی محبت ہے"۔ مصلح الدین نے کہا ـــــ "کیا تم اس آدمی کو پہچانتی ہو؟"

"اُس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا"۔ بیوی نے کہا ـــــ "مگر تمہارا نقاب اُتر گیا ہے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے" ـــــ مصلح الدین نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر بیوی نے اُسے بولنے نہ دیا۔ اُس نے کہا ـــــ "مجھے شک ہے تم نے بیت المال کی رقم ہضم کی ہے جس کا علم خضر الحیات کو ہو گیا تھا۔ تم نے کرائے کے قاتل سے اُسے راستے سے ہٹا دیا ہے"۔

"مجھ پر جھوٹے الزام عائد نہ کرو" ـــــ مصلح الدین نے کہا ـــــ "مجھے رقم ہضم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تمہیں نہیں، اُس فرنگن کو رقم کی ضرورت ہے جسے تم نے نکاح کے بغیر گھر رکھا ہوا ہے"۔ بیوی نے جل کر کہا ـــــ "تمہیں شراب کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ اگر یہ الزام جھوٹا ہے تو بتاؤ کہ یہ چار گھوڑوں کی بگھی کہاں سے آئی ہے؟ گھر میں آئے دن ناچنے والیاں جو آتی ہیں وہ کیا مفت آتی ہیں؟ شراب کی جو دعوتیں دی جاتی ہیں، اُن کے لیے رقم کہاں سے آتی ہے؟"

"خدا کے لیے چپ ہو جاؤ"۔ مصلح الدین نے غصے اور پیار کے ملے جلے لہجے میں کہا ـــــ "مجھے معلوم کر لینے دو وہ آدمی کون تھا جو یہ خطرناک چال چل گیا ہے۔ اصل حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی"۔

"میں اب چپ نہیں رہ سکوں گی"۔ بیوی نے کہا ـــــ "تم نے میرا سینہ انتقام سے بھر دیا ہے۔ میں سارے مصر کو بتاؤں گی کہ میرا خاوند قاتل ہے۔ ایک مومن کا قاتل ہے۔ تم میری محبت کے قاتل ہو۔ میں اس قتل کا انتقام لوں گی"۔

مصلح الدین منت سماجت کر کے اُسے چپ کرانے لگا اور اُسے قائل کر لیا کہ وہ صرف دو روز چپ رہے تاکہ وہ اس آدمی کو تلاش کر کے ثابت کر سکے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔ اُس نے بیوی کو یہ بھی بتایا کہ غیاث بلبیس نے چند ایک مشتبہ افراد پکڑ لیے ہیں اور قاتل بہت جلدی پکڑا جائے گا۔

رات گزر گئی۔ اگلا دن بھی گزر گیا۔ مصلح الدین گھر سے غائب رہا۔ اس کی دوسری بیوی یا داشتہ بھی کہیں نظر نہ آئی۔ شام کے بعد مصلح الدین گھر آیا اور پہلی بیوی کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ پیار اور محبت کی باتیں کرتا رہا۔ بیوی اُس کے فریب میں نہیں آنا چاہتی تھی مگر پیار کے دھوکے میں آگئی۔ مصلح الدین نے اُسے کہا کہ وہ اس آدمی کو ڈھونڈ رہا ہے جو بیس اشرفیاں دے گیا تھا... کچھ دیر بعد بیوی سو گئی۔ اُس رات مصلح الدین نے ملازموں کو چھٹی دے دی تھی۔ گھر میں ایسی خاموشی تھی جو پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مصلح الدین بہت دیر سوئی ہوئی بیوی کے کمرے میں رہا پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

آدھی رات کا عمل ہو گا۔ ایک آدمی اس گھر کی باہر والی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی اس کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ تیسرا آدمی ان دونوں کو سیڑھی بنا کر اوپر گیا اور دیوار سے لٹک کر اندر کی طرف کود گیا۔ اس نے اندر سے بڑا دروازہ کھول دیا۔ اس کے دونوں ساتھی اندر آگئے۔ اس گھر میں رکھوالی والا کتا ہر رات کھلا رہتا تھا۔ اُس رات وہ بھی ڈربے میں بند تھا۔ شاید ملازم جاتے ہوئے بھول گئے تھے کہ اُسے کھلا رکھنا ہے۔ تینوں آدمی برآمدے میں چلے گئے۔ اندھیرا گہرا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتے گئے۔ گھپ اندھیرے میں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ایک نے اُس کمرے کے دروازے پر جا ہاتھ رکھا جس میں مصلح الدین کی پہلی بیوی جسے وہ فاطمہ کے نام سے بلایا کرتا تھا سوئی ہوئی تھی۔ کواڑ کھل گیا۔ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں آدمی اندر گئے اور اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے فاطمہ کے پلنگ تک پہنچ گئے۔ ایک آدمی کا ہاتھ فاطمہ کے منہ پر لگا تو اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھی کہ مصلح الدین کا ہاتھ ہے۔ اس نے ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا ـــــ "کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

اس کے جواب میں ایک آدمی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ کر اس کا کچھ حصہ اُس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ فوراً بعد تینوں نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ایک نے منہ پر ایک اور کپڑا کس کر باندھ دیا۔ ایک نے ایک بوری کی طرح کا تھیلا کھولا۔ دوسرے دو آدمیوں نے فاطمہ کو دوہرا کر کے رسیوں سے اُس کے ہاتھ اور پاؤں باندھے اور اُسے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا۔ انہوں نے تھیلا اٹھایا اور باہر نکل گئے۔ بڑے دروازے سے بھی نکل گئے۔ گھر میں کوئی مرد ملازم نہ تھا۔ خادمائیں بھی اس رات چھٹی پر تھیں۔ تھوڑی دور ایک درخت کے ساتھ تین گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ تینوں آدمی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ایک نے تھیلا اپنے آگے رکھ لیا۔ تینوں گھوڑے قاہرہ سے نکل گئے اور سکندریہ کا رُخ کر لیا۔

صبح ملازم آگئے۔ مصلح الدین نے فاطمہ کے متعلق پوچھا۔ دو خادماؤں نے اُسے تلاش کر کے بتایا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔ بہت دیر تک جب اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو مصلح الدین ایک خادمہ کو الگ لے گیا۔ بہت دیر تک اُس کے ساتھ باتیں کرتا رہا پھر اُسے ساتھ لے غیاث بلبیس کے پاس چلا گیا۔ اُسے کہا کہ اُس کی بیوی لاپتہ ہو گئی ہے۔ اس نے اس شک کا اظہار کیا کہ خضر الحیات کو فاطمہ نے قتل کرایا ہے اور خضر نے مرتے مرتے انگلی سے "مصلح" جو لکھا تھا وہ دراصل مصلح کی بیوی لکھنا چاہتا تھا لیکن موت نے تحریر پوری نہ ہونے دی۔ اس کے ثبوت میں اُس نے اپنی خادمہ سے کہا کہ وہ بلبیس کو اس آدمی کے متعلق بتائے۔ خادمہ نے بیان دیا کہ پرسوں شام ایک اجنبی آیا جس کے چہرے

پر نقاب تھا۔ اُس وقت مصلح الدین گھر پر نہیں تھا۔ اُس آدمی نے دروازے پر دستک دی تو یہ خادمہ باہر گئی۔ اجنبی نے کہا کہ وہ فاطمہ سے ملنا چاہتا ہے۔ خادمہ نے کہا کہ گھر میں کوئی مرد نہیں اس لیے وہ فاطمہ سے نہیں مل سکتا۔ اُس نے کہا کہ فاطمہ سے یہ کہہ دو کہ وہ اشرفیاں واپس کرنے آیا ہے۔ رکھتا ہے کہ میں پوری رقم لوں گا۔ خادمہ نے فاطمہ کو جا کر بتایا تو اُس نے اس آدمی کو اندر بلا لیا۔

خادمہ نے بیان میں کہا کہ فاطمہ نے اُسے برآمدے میں کھڑا رہنے کو کہا اور یہ ہدایت دی کہ کوئی آ جائے تو میں اسے خبردار کر دوں۔ خادمہ کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑی رہی۔ اندر کی باتیں جو اُسے سنائی دیں، ان میں اس آدمی کا غصہ اور فاطمہ کی منت سماجت تھی۔ ان باتوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ فاطمہ نے اس آدمی سے کہا تھا کہ علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو قتل کرنا ہے جس کے عوض وہ اسے پچاس اشرفیاں اور دو ٹکڑے سونا دے گی۔ خادمہ کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ فاطمہ نے اس آدمی کو بیس اشرفیاں کس وقت اور کہاں بھیجی تھیں اور کون لے گیا تھا۔ وہ پوری پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ اُسے کہہ رہی تھی کہ اُس نے غلط آدمی کو قتل کیا ہے۔ یہ نقاب پوش اجنبی کہہ رہا تھا کہ تم نے یقین کے ساتھ بتایا تھا کہ حسن بن عبداللہ فلاں وقت خضر الیاس کے گھر جائے گا۔ وہ گھات میں بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک آدمی کو خضر کے گھر کے دروازے کے قریب جاتے دیکھا۔ اُس کا قد بُت حسن بن عبداللہ کی طرح تھا۔ قتل کرتے وقت اتنی مہلت نہیں ملتی کہ شکار کو اچھی طرح دیکھ کر یقین کر لیا جائے۔ تم نے جو وقت بتایا تھا، یہ وہی وقت تھا۔ میں نے تیر چلا دیا اور وہاں سے بھاگنے کی کی۔

وہ فاطمہ سے پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ نے پہلے تو منت سماجت کی، پھر وہ بھی غصے میں آ گئی اور کہا کہ اصل آدمی کو قتل کرو گے تو ان بیس اشرفیوں کے علاوہ پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے ملیں گے۔ اس آدمی نے کہا کہ میں نے کام کر دیا ہے، اس کی پوری اُجرت لوں گا۔ فاطمہ نے انکار کر دیا۔ وہ آدمی بڑے غصے میں یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں پوری اُجرت وصول کروں گا۔ فاطمہ نے خادمہ کو سختی سے کہا کہ وہ اس آدمی کے متعلق کسی سے ذکر نہ کرے۔ اُس نے خادمہ کو دو اشرفی انعام دیا۔ آج صبح وہ اس کے کمرے میں گئی تو فاطمہ وہاں نہیں تھی۔ اُسے شک ہے کہ اس آدمی نے انتقاماً اسے اغوا کر لیا ہے۔

غیاث بلبیس نے کچھ سوچ کر مصلح الدین کو باہر بھیج دیا اور خادمہ سے پوچھا — "یہ بیان تمہیں کس نے پڑھایا ہے؟ فاطمہ نے یا مصلح الدین نے؟"

"فاطمہ تو یہاں نہیں ہے۔" اُس نے کہا — "یہ میرا اپنا بیان ہے۔"

"مجھے سچ بتاؤ۔" بلبیس نے کہا — "فاطمہ کہاں ہے۔ وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟" خادمہ گھبرانے لگی۔ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ بلبیس نے کہا — "کوتوالی کے تہ خانے میں جانا چاہتی ہو؟ اب تم واپس نہیں جا سکو گی۔"

وہ غریب عورت تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ کوتوالی کے تہ خانے میں جا کر سچ اور جھوٹ الگ الگ ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے جسم کے جوڑ بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ رو پڑی اور بولی — "سچ کہتی ہوں تو آقا سزا دیتا ہے، جھوٹ بولتی ہوں تو آپ سزا دیتے ہیں۔" — بلبیس نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اُسے تحفظ کا یقین دلایا۔ خادمہ

نے کہا — "میں نے قتل کے دوسرے روز صبح آقا کو بتا دیا تھا کہ ایک نقاب پوش آیا تھا۔ آقا صبح ہی گھر سے نکل گئے تھے۔ نقاب پوش نے فاطمہ کو باہر بلایا تھا۔ وہ بڑے دروازے کے باہر اور فاطمہ اندر تھی۔ وہ اس کے ساتھ نہیں گئی۔ ملازموں نے اُسے دیکھا تھا لیکن کسی نے بھی قریب جا کر نہیں سُنا۔ ان کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔ نقاب پوش چلا گیا تو فاطمہ سامنے آئی۔ اُس نے چھوٹی سی ایک تھیلی اٹھا رکھی تھی۔ فاطمہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھی ... دوسری شام مصلح الدین نے چاروں ملازموں اور ملازماؤں کو رات بھر کی چھٹی دے دی تھی۔ یہ ملازم دو مرد اور دو عورتیں ہیں۔"

"اس سے پہلے ملازموں کو کبھی رات بھر کے لیے چھٹی دی گئی ہے؟" — بلبیس نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" اس نے جواب دیا — "کوئی ایک ملازم کبھی چھٹی لے لیتا ہے۔ سب کو کبھی چھٹی نہیں دی گئی۔" خادمہ نے سوچ کر کہا — "عجیب بات یہ ہے کہ آقا نے کہا تھا کہ آج رات کتے کو بند حالت میں رکھنا۔ اس سے پہلے رات کو کتا کھلا رکھا جاتا تھا۔ بڑا خونخوار کتا ہے۔ اجنبی کی بُو پر چیر پھاڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔"

"مصلح الدین کے تعلقات فاطمہ کے ساتھ کیسے تھے؟" غیاث بلبیس نے پوچھا۔

"بہت اچھے ہوتے۔" خادمہ نے بتایا — "آقا ایک بڑی خوبصورت اور جوان لڑکی لایا ہے جس نے آقا کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ فاطمہ کے ساتھ آقا کی بول چال بھی بند ہے۔"

غیاث بلبیس نے خادمہ کو الگ بٹھا کر مصلح الدین کو اندر بلایا اور باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ سپاہی تھے۔ انہوں نے مصلح الدین کو دائیں اور بائیں بازوؤں سے پکڑ لیا اور باہر لے جانے لگے۔ مصلح الدین نے بہت احتجاج کیا۔ بلبیس یہ حکم دے کر باہر نکل گیا کہ اسے قید میں ڈال دو۔ اُس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ مصلح الدین کے گھر پر پہرہ کھڑا کر دو۔ کسی کو باہر نہ جانے دو۔

☆

اُس وقت فاطمہ قاہرہ سے بہت دُور شمال کی طرف ایک ایسی جگہ پہنچ چکی تھی جہاں ارد گرد اونچے ٹیلے، سبزہ اور پانی بھی تھا۔ یہ جگہ عام راہ گزر سے ہٹی ہوئی تھی۔ وہاں وہ سورج نکلنے کے وقت پہنچی تھی۔ گھوڑے رک گئے۔ اُسے تھیلے میں سے نکالا گیا۔ اُس کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا اور ہاتھ پاؤں بھی کھول دیئے گئے۔ اُس کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے۔ وہ تین نقاب پوشوں کے نرغے میں تھی۔ تین گھوڑے کھڑے تھے۔ فاطمہ چیخنے چلانے لگی۔ نقاب پوشوں نے اُسے پانی پلایا اور کچھ کھانے کو دیا۔ وہ ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ اُس کے پیٹ میں پانی اور کھانا گیا اور تازہ ہوا لگی تو جسم میں طاقت آ گئی۔ وہ اچانک اٹھی اور دوڑ پڑی۔ تینوں بیٹھے دیکھتے رہے۔ کوئی بھی اس کے تعاقب میں نہ گیا۔ دُور جا کر وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں چلی گئی تو ایک نقاب پوش گھوڑے پر سوار ہوا، ایڑ لگائی اور فاطمہ کو جا لیا۔ وہ دوڑ دوڑ کر تھک گئی تھی۔ لیٹ گئی۔ نقاب پوش نے اُسے اٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا اور خود اس کے پیچھے سوار ہو کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس لے گیا۔

"جاؤ گی؟" ایک نے اُسے تحمل سے کہا — "کہاں تک جاؤ گی؟ یہاں سے تو کوئی تنومند مرد بھی بھاگ کر قاہرہ

نہیں پہنچ سکتا۔" فاطمہ روتی، چیختی اور گالیاں دیتی تھی۔ ایک نقاب پوش نے اُسے کہا۔ "اگر ہم تمہیں قاہرہ واپس لے چلیں تو بھی تمہارے لیے کوئی پناہ نہیں۔ تمہیں تمہارے خاوند نے ہمارے حوالے کیا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" فاطمہ نے چلا کر کہا۔

"یہ سچ ہے۔" اُس نے کہا۔ "ہم نے تمہیں اُجرت کے طور پر لیا ہے۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں تمہارے ہاتھ میں بیس اشرفیوں کی تھیلی دے آیا تھا۔ تم نے خاوند سے کہہ دیا کہ تم قاتل ہو اور تم نے بیوقوفی یہ کی کہ اُسے یہ بھی کہہ دیا کہ تم کوتوال کو بتا دو گی۔ وہ تم سے پہلے ہی تنگ آیا ہوا تھا۔ اُس کی داشتہ نے اُس کے دل پر اور اس کی عقل پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ لڑکی کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور وہ کیا کرنے آئی ہے۔ دوسرے دن تمہارا خاوند ہمارے ٹھکانے پر آیا۔ ایسا بے ایمان آدمی ہے کہ اُس نے ہمیں خضر الحیات کے قتل کے عوض پچاس اشرفی اور سونے کے دو ٹکڑے دینے کا وعدہ کیا تھا مگر کام ہو گیا تو صرف بیس اشرفی بھیجی۔ میں نے تمہیں استعمال کیا اور یہ رقم تمہارے ہاتھ میں دے دی تاکہ تمہیں بھی اس راز کا علم ہو جائے۔ ہمارا تیر نشانے پر بیٹھا۔ دوسرے دن وہ ہمارے ٹھکانے پر آیا اور پچاس اشرفیاں دینے لگا۔ سونے کے ٹکڑے بھی ہضم کر رہا تھا۔ میرے ان ساتھیوں نے کہا کہ اب ہم بہت زیادہ اُجرت لیں گے۔ اگر وہ نہیں دے گا تو ہم کسی نہ کسی طرح کوتوال تک خبر پہنچا دیں گے۔ اسے اب خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ تمہیں بھی پتہ چل گیا تھا کہ قاتل وہی ہے۔ اس کا علاج اس نے یہ سوچا کہ ہمیں کہا کہ تم میری بیوی کو اٹھا لے جاؤ۔ میں تمہارے لیے راستہ صاف کر دوں گا۔ ہم جان گئے کہ وہ اپنی داشتہ کے زیرِ اثر تم سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور اب وہ اس لیے تمہیں غائب کرنا چاہتا تھا کہ تم اس کے جرم کی گواہ بن گئی ہو اور اُسے کہہ بھی چکی ہو کہ تم کوتوال کو خبر کر دو گی۔"

فاطمہ کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ وہ حیرت زدہ ہو کر اُن تینوں کو باری باری دیکھتی تھی۔ اُن کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ یہ آنکھیں ڈراؤنی اور خوفناک تھیں۔ اُن کی زبان میں مٹھاس اور اپنائیت کی جھلک ضرور تھی۔ انہوں نے اُسے دھمکی نہیں دی بلکہ بہلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس کا تڑپنا، رونا اور بھاگنا بیکار ہے۔

"میں نے تمہیں دیکھا تھا۔" نقاب پوش نے اُسے کہا۔ "جب صلاح الدین نے کہا کہ میری بیوی کو اُجرت کے طور پر اٹھا لے جاؤ تو میں نے سکندریہ کی منڈی کے بھاؤ سے تمہاری قیمت کا اندازہ کیا۔ تم ابھی جوان ہو اور تم حسین بھی ہو۔ تم بڑے اچھے داموں بک سکتی ہو۔ ہم مان گئے۔ اگر تمہارا خاوند ہمیں اتنی زیادہ اُجرت نہ دیتا تو ہم نے اسے بتا دیا تھا کہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا اور اس کی داشتہ کو اغوا کر لیا جائے گا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ آج رات اُس کے گھر میں کوئی ملازم نہیں ہو گا۔ کتا بھی بندھا ہوا ہو گا۔ البتہ بڑا دروازہ اندر سے بند ہو گا تاکہ تم دیکھ لو تو شک نہ کرو۔ ۔ ۔ ۔ ہم تینوں نے ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو کر تمہارے گھر کی دیوار پھلانگی۔ ہم نے ہاتھوں میں خنجر لے رکھے تھے اور ہم سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے کیونکہ ہمیں تمہارے خاوند پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ ہمیں مروا سکتا تھا لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہمارے لیے راستہ واقعی صاف تھا۔ تمہیں اٹھایا اور لے آئے۔"

"اِس نے یہ کہانی تمہیں اس لیے سنائی ہے کہ تم اپنے خاوند کے گھر کو دل سے نکال دو۔" دوسرے

نقاب پوش نے کہا۔ "ہم تمہیں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ہم تین آدمی اکیلی عورت کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ ہم بیوپاری ہیں۔ کرائے کا قتل اور اغوا ہمارا پیشہ ہے۔ ہم تمہارے جسم کے ساتھ کھیل کر خوش ہونے والے نہیں۔ تین مرد ایک عورت کو اغوا اور مجبور کر کے تفریح کریں تو یہ کوئی فخر والی بات نہیں۔"

"تم مجھے سکندریہ کے بازار میں بیچو گے؟" فاطمہ نے بے بسی کے لہجے میں پوچھا۔ "میری قسمت میں اب عصمت فروشی لکھی ہے؟"

"نہیں۔" ایک نقاب پوش نے جواب دیا۔ "عصمت فروشی کے لیے جنگلی اور صحرائی لڑکیاں خریدی جاتی ہیں۔ تم حرم کی چیز ہو۔ کسی باعزت امیر کے پاس جاؤ گی۔ ہمیں بھی تو اچھی قیمت چاہیے۔ ہم تمہیں بستی میں نہیں پھینکیں گے۔ تم اب رونا اور غم کرنا چھوڑ دو تاکہ تمہارے چہرے کی دلکشی اور رونق قائم رہے ورنہ تم عصمت فروشی کے قابل رہ جاؤ گی۔ تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔"

☆

یہ دیکھ کر کہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی بیہودہ حرکت نہیں کی، دست درازی نہیں کی، فاطمہ کو کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ رات بھر وہ اذیت میں بھی رہی تھی۔ تھیلے میں دُہری کر کے اسے بند کیا گیا تھا۔ جسم درد کر رہا تھا۔ وہ لیٹی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کا دل خوف اور گھبراہٹ کی گرفت میں تھا۔ اس صورتِ حال کو وہ قبول نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ تینوں نقاب پوش سوئے ہوئے ہیں۔ وہ بھی رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ فاطمہ نے پہلے تو یہ سوچا کہ کسی ایک کا خنجر نکال کر تینوں کو قتل کر دے لیکن اتنی جرأت نہ کر سکی۔ تینوں کو قتل کرنا آسان نہ تھا۔ اُس نے گھوڑے دیکھے۔ ان لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اتاری تھیں۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور دبے پاؤں ایک گھوڑے تک پہنچی۔ سورج ٹیلوں کے پیچھے جا رہا تھا اور فاطمہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ قاہرہ سے کس طرف اور کتنی دُور ہے۔ اس نے یہ خطرہ مول لے لیا کہ صحرا کی وسعت میں بھٹک بھٹک کر مر جائے گی ان لوگوں کے ہاتھوں سے ضرور نکلے گی۔

اُس نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایڑ لگا دی۔ ٹاپوں نے نقاب پوشوں کو جگا دیا۔ انہوں نے فاطمہ کو ٹیلے کی اوٹ میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ دو نقاب پوش گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تعاقب میں گھوڑے سرپٹ بھگا دیئے۔ فاطمہ کے لیے مشکل یہ تھی کہ اُسے ٹیلوں کے قید خانے سے نکلنے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ صحرائی ٹیلے بھول بھلیوں جیسے ہوتے ہیں۔ صرف صحرا کے بھیدی ان سے واقف ہوتے ہیں۔ فاطمہ ایسے رُخ ہو لی جہاں آگے ایک اور ٹیلے نے راستہ روک رکھا تھا۔ اُس نے وہاں جا کر پیچھے دیکھا تو نقاب پوش تیزی سے اس کے قریب آ رہے تھے۔ اُس نے گھوڑے کو ٹیلے پر چڑھا دیا اور ایڑ مارتی گئی۔ گھوڑا اچھا تھا۔ اوپر جا کر پرے اُتر گیا۔ وہ ایک طرف کو گھوڑا موڑ لے گئی۔ آگے راستہ مل گیا۔ نقاب پوش بھی پہنچ گئے۔ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ فاطمہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا جب اُس نے اپنے سامنے سمندر کی طرح کھلا صحرا اور چار شتر سوار اپنی سمت آتے دیکھے۔ اُس نے چلانا شروع کر دیا۔ "بچاؤ۔ ڈاکوؤں سے بچاؤ۔" ۔۔۔ وہ اُن تک پہنچ گئی۔

اُس کے پیچھے دونوں نقاب پوشوں کے گھوڑے باہر آئے۔ شتر سواروں کو دیکھ کر انہوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچیں اور گھوڑے موڑے ہی تھے کہ شتر سواروں نے اونٹ دوڑا دیئے۔ ایک نے کمان میں تیر رکھ کر چھوڑا تو تیر ایک گھوڑے کی گردن میں اُتر گیا۔ گھوڑا درد سے تڑپا، اُچھلا اور بے قابو ہو گیا۔ سوار کود گیا۔ شتر سواروں نے انہیں للکارا تو دوسرے نے گھوڑا روک لیا۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ چار شتر سوار تیر اندازوں کی زد میں ہیں۔ فاطمہ نے بتایا کہ ان کا ایک ساتھی اندر ہے۔ ان دونوں کو پکڑ لیا گیا۔۔۔ یہ چاروں سلطان ایوبی کی فوج کے کسی گشتی دستے کے سپاہی تھے۔ سلطان ایوبی نے سارے صحرا میں گشتی پہرے کا انتظام کر رکھا تھا تاکہ اچانک حملے کا خطرہ نہ رہے اور صلیبی تخریب کار مصر میں داخل نہ ہو سکیں۔ ان گشتی دستوں کا بہت فائدہ تھا۔ انہوں نے کئی مشتبہ لوگ پکڑے تھے۔ اب یہ نقاب پوش اُن کے پھندے میں آ گئے۔ فاطمہ نے انہیں بتایا کہ اُسے کس طرح یہاں تک لایا گیا ہے، وہ کس کی بیوی ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ ناظم مالیات قتل ہو گیا ہے۔ قتل اس کے خاوند مصلح الدین نے کرایا ہے جو شہر کا ناظم ہے، اور قاتل ان تینوں میں سے ایک ہے۔

تیسرے نقاب پوش کو بھی پکڑ لیا گیا۔ اُن سے خنجر لے لیے گئے۔ ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ اُن کا ایک گھوڑا تیر لگنے سے بھاگ گیا تھا۔ ایک گھوڑے پر دو نقاب پوشوں کو اور تیسرے پر ایک کو بٹھا کر سپاہی اپنے کمانڈر کے پاس لے چلے۔ فاطمہ کو انہوں نے اونٹ پر بٹھا لیا۔ اس اونٹ کا سوار اپنے ایک ساتھی کے پیچھے سوار ہو گیا۔ اس قافلے کے سامنے چار میل کی مسافت تھی جو انہوں نے سورج غروب ہونے تک طے کر لی۔ وہ ایک نخلستان تھا، جہاں خیمے بھی نصب تھے۔ یہ اس دستے کا ہیڈکوارٹر تھا۔ فاطمہ کو اس کمانڈر کے سامنے پیش کیا گیا۔ تینوں نقاب پوشوں کو پہرے میں بٹھا دیا گیا۔ انہیں اگلے روز قاہرہ بھیجنا تھا۔

☆

صلیبیوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کرک میں بیٹھے بیٹھے صلاح الدین ایوبی کا انتظار نہیں کریں گے۔ انہوں نے فوج کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ فرانس کی فوج کو انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو راستے میں روکنے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ ریماؤنڈ کی فوج مسلمانوں کی فوج پر عقب سے حملے کے لیے مقرر ہوئی۔ کرک کے قلعے کے دفاع کے لیے جرمنی کی فوج تھی جس کے ساتھ فرانس اور انگلستان کے کچھ دستے تھے۔ انہیں جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ سلطان ایوبی نئی فوج تیار کر رہا ہے۔ صلیبی حکمرانوں نے اس اقدام کا جائزہ لیا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ٹریننگ کیمپ پر حملہ کر کے پیچھے ہٹ آئیں لیکن اُن کی انٹیلی جنس نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ دلیل یہ دی کہ سلطان ایوبی نے دفاع کی تین تہیں بنا رکھی ہیں جن میں ایک تہہ متحرک ہے۔ اس کے علاوہ اس کے دیکھ بھال کے دستے دُور دُور تک گھومتے پھرتے اور صحرا میں ہلتی ہوئی ہر چیز کو قریب جا کر دیکھتے ہیں۔ ان دفاعی انتظامات کو دیکھ کر صلیبیوں نے اس حملے کا خیال دل سے نکال دیا۔

ایک امریکی مصنف انٹنی ویسٹ نے متعدد مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ صلیبیوں کے پاس صلاح الدین ایوبی کی نسبت چار گنا فوج تھی جس میں زرہ پوش پیادہ اور سوار دستوں کی بہتات تھی۔ اگر یہ فوج صلاح الدین ایوبی

پر براہِ راست حملہ کر دیتی تو مسلمان زیادہ دیر جم نہ سکتے مگر صلیبی فوج کو شوبک کی شکست میں جو نقصان اُٹھانا پڑا تھا، اس کی ایک دہشت بھی تھی جو میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے فوجیوں پر طاری تھی۔ صلیبیوں کا مورال متزلزل تھا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شوبک کو وہ لوہے کا قلعہ سمجھتے تھے۔ وہ اپنی فوج کو صحرا میں بھیج کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قلعوں سے دُور ہی ختم کر دیں گے۔ وہ کرک کے دفاع میں بیٹھے رہے اور ایوبی نے شوبک لے لیا اور صحرا میں صلیبیوں کو آمنے سامنے کی جنگ کا موقع دیئے بغیر انہیں چھاپہ مار حملوں سے مروا دیا۔ اس کی "آگ کی ہانڈیوں" نے گھوڑوں اور اونٹوں کو اتنا دہشت زدہ کیا کہ خاصے عرصے تک جانور معمولی سی آگ دیکھ کر بھی بدک جاتے تھے۔ انٹنی ویسٹ نے یہ ثبوت بھی مہیا کیا ہے کہ صلیبی فوج مختلف بادشاہوں اور ملکوں کی مرکب تھی جو بظاہر متحد تھی لیکن یہ اتحاد برائے نام تھا کیونکہ ہر بادشاہ اور اس کی فوج کا اعلیٰ کمانڈر ملک گیری اور بادشاہی کی توسیع کا خواہشمند تھا۔ ان میں صرف یہ جذبہ مشترک تھا کہ مسلمانوں کو ختم کرنا ہے۔ مگر اُن کے دلوں میں جو اختلافات تھے وہ اُن کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ صلیبی سازشوں کے ماہر تھے اور مسلمانوں کے جس علاقے پر قابض ہو جاتے تھے وہاں قتلِ عام اور آبرو ریزی شروع کر دیتے تھے۔ اس کے برعکس صلاح الدین ایوبی محبت اور اخلاقی قدروں کو ایسی خوبی سے استعمال کرتا تھا کہ دشمن بھی اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُس نے اپنی فوج میں یہ خوبی پیدا کر دی تھی کہ دس سپاہیوں کا چھاپہ مار دستہ ایک ہزار نفری کے فوجی کیمپ کو تہس نہس کر کے غائب ہو جاتا تھا۔ وہ لوگ جان قربان کرنے کو معمولی سی قربانی سمجھتے تھے۔ سلطان ایوبی جس انداز سے میدانِ جنگ میں تھوڑی سی فوج کو ترتیب دیتا تھا، وہ بڑی سے بڑی فوج کو بھی بے بس کر دیتی تھی۔ شوبک اور کرک کے میدان میں بھی اس نے اسی جنگی دانشمندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ صلیبیوں نے اس کا جائزہ لیا، اپنی فوج کی جسمانی اور جذباتی کیفیت دیکھی تو انہوں نے براہِ راست حملے کا خیال چھوڑ دیا اور کوئی دوسرا ڈھنگ سوچ لیا لیکن اس ڈھنگ کے متعلق بھی انہیں شک تھا۔ اس کا علاج انہوں نے یہ کیا کہ مصر میں بغاوت بھڑکانے اور سوڈانیوں کو مصر پر حملہ کرنے پر اُکسانے کا اہتمام کر لیا۔

مصر کے نائب ناظم امورِ شہری مصلح الدین کی طرف سے انہیں امید افزا رپورٹیں مل رہی تھیں۔ وہاں ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ مصر کا ناظم مالیات خضر الحیات قتل ہو گیا ہے اور مصلح الدین پکڑا گیا ہے۔ کرک تک یہ اطلاع پہنچنے کے لیے کم از کم پندرہ دن درکار تھے کیونکہ راستے میں سلطان ایوبی کی فوج تھی۔ قاصد بہت لمبا چکر کاٹ کر اور قدم پھونک پھونک کر کرک جا سکتے تھے۔ بہت دنوں کا چلا ہوا ایک قاصد اُس رات وہاں پہنچا جس رات فاطمہ اغوا ہوئی تھی۔ اُس نے رپورٹ دی کہ بغاوت کے لیے فضا سازگار ہے، لیکن سوڈانی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے ہاں گھوڑوں کی کمی ہے۔ ان کے پاس اونٹ زیادہ ہیں۔ انہیں کم و بیش پانچ سو اچھے گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی زینیں درکار ہیں۔ فرانسیسی فوج کے کمانڈر نے کہا کہ پانچ سو گھوڑے فوراً روانہ کر دیئے جائیں اور ان کے ساتھ صلیبی فوج کے کم از کم سات افسروں کو بھی بھیج دیا جائے جو سوڈانیوں

کی جنگی اہلیت اور کیفیت کا جائزہ لے کر حملہ کرائیں۔

صلیبیوں کے پاس گھوڑوں کی کمی تھی۔ انہوں نے کرک میں اعلان کر دیا کہ مصر پر حملے کے لیے پانچ سو گھوڑوں کی فوری ضرورت ہے۔ عیسائی باشندوں نے تین چار دنوں میں گھوڑے مہیا کر دیئے جو ایسے راستے سے روانہ کر دیئے گئے جس کے متعلق یقین تھا کہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ ان کا راہنما ہی جاسوس تھا جو گھوڑے مانگنے آیا تھا۔ وہ سوڈانی تھا اور تین سال سے جاسوسی کر رہا تھا۔ ان گھوڑوں کے ساتھ آٹھ صلیبی فوج کے افسر تھے جنہیں سوڈانی حملے کی قیادت کرنی تھی۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو یہاں سے نکلنے نہیں دیا جائے گا..... سلطان ایوبی کو صرف یہ معلوم تھا کہ مصر کے حالات ٹھیک نہیں لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ حالات آتش فشاں پہاڑ بن چکے ہیں جو پھٹنے والا ہے۔ علی بن سفیان نے اسے یہ تسلی دے رکھی تھی کہ اُس نے جاسوسی کا جو جال بچھایا ہے، وہ خطروں سے قبل از وقت خبردار کر دے گا۔ انہیں خضرالیاس کے قتل اور مصلح الدین کی گرفتاری کا بھی علم نہیں تھا۔ غیاث بلبیس کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو اطلاع بھجوا دے لیکن اُس نے یہ کہہ کر اس مشورے پر عمل نہیں کیا تھا کہ تفتیش مکمل کر کے اصل صورت حال سے سلطان ایوبی کو آگاہ کرے گا۔

☆

فاطمہ کو گشتی دستے کے کمانڈر نے رات الگ خیمے میں رکھا۔ سحر کا دھندلکا ابھی صاف نہیں ہوا تھا جب اُسے اور تینوں نقاب پوشوں کو آٹھ محافظوں کے ساتھ قاہرہ کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ یہ قافلہ سورج غروب ہونے کے بعد قاہرہ پہنچا اور سیدھا کوتوالی گیا۔ غیاث بلبیس اس واردات کی تفتیش میں مصروف تھا۔ اُس وقت وہ تہہ خانے میں تھا۔ اُس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی لی اور وہاں سے اُس کی داشتہ کو برآمد کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ازبک مسلمان بتاتی تھی۔ اُس نے بلبیس کو گمراہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس کے جواب میں بلبیس نے اُسے اُس کوٹھری کی جھلک دکھائی جہاں بڑے بڑے سخت جان مرد بھی سینے کے راز اُگل دیا کرتے تھے۔ لڑکی نے اعتراف کر لیا کہ وہ یروشلم سے آئی ہے اور عیسائی ہے۔ اُس نے اس اعتراف کے ساتھ بلبیس کو اپنے جسم اور دولت کے لالچ دینے شروع کر دیئے۔ بلبیس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی میں جو دولت برآمد کی تھی اس نے اُس کا دماغ ہلا دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ مصلح الدین کیوں صلیبیوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ خود لڑکی اس قدر پُرکشش اور چرب زبان تھی کہ اُسے ٹھکرانے کے لیے پتھر دل کی ضرورت تھی۔

بلبیس نے اپنا ایمان ٹھکانے رکھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ تو کوئی بہت بڑی سازش ہے جس کی کڑیاں یروشلم سے جا ملتی ہیں۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ وہ ہر ایک بات بتا دے۔ لڑکی نے جواب دیا — ”میں جو کچھ بتا سکتی تھی بتا دیا ہے۔ اس سے آگے کچھ بتاؤں گی تو یہ صلیب کے ساتھ دھوکا ہوگا۔ میں صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھا چکی ہوں کہ اپنے فرض کی ادائیگی میں جان دے دوں گی۔ میرے ساتھ جو بھی سلوک کرنا چاہو کر لو، کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اگر مجھے آزاد کر کے یروشلم بارک پہنچا دو گے تو منہ مانگی دولت تمہارے قدموں میں رکھ دی جائے گی۔ مصلح الدین تمہاری قید میں ہے۔ اس سے پوچھ لو۔ وہ تمہارا بھائی ہے۔ شاید کچھ بتا دے۔“

بلبیس نے اُس سے مزید کچھ بھی نہ پوچھا۔ وہ مصلح الدین کے پاس چلا گیا۔ مصلح الدین بڑی بُری حالت میں تھا۔ اسے چھت کے ساتھ اس طرح لٹکایا گیا تھا کہ رسہ کلائیوں سے بندھا تھا اور اس کے پاؤں فرش سے اوپر تھے۔ بلبیس نے جاتے ہی اُس سے پوچھا — ”مصلح دوست! جو پوچھتا ہوں بتا دو۔ تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اور اسے کس سے اغوا کرایا ہے؟ اب تمہیں کچھ اور باتیں بھی بتانی پڑیں گی۔ تمہاری داشتہ اپنے آپ کو بے نقاب کر چکی ہے۔“

”کھول دے مجھے رذیل انسان!“ — مصلح الدین نے غصے اور درد سے دانت پیس کر کہا — ”امیر مصر کو آنے دے۔ میں تیرا بھی حشر کراؤں گا۔“

اتنے میں بلبیس کے ایک اہلکار نے آ کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ حیرت سے اُس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ وہ دوڑتا ہوا تہ خانے سے نکلا اور اوپر چلا گیا۔ وہاں مصلح الدین کی بیوی اور اسے اغوا کرنے والے تین آدمی بیٹھے تھے۔ فاطمہ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوئی اور تینوں کس طرح پکڑے گئے ہیں۔ بلبیس فاطمہ اور تینوں مجرموں کو تہ خانے میں لے گیا اور مصلح الدین کے سامنے جا کھڑا کیا۔ مصلح الدین نے انہیں دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بلبیس نے پوچھا — ”ان تینوں میں سے قاتل کون ہے؟“ — مصلح الدین خاموش رہا۔ بلبیس نے تین دفعہ پوچھا۔ وہ پھر بھی خاموش رہا۔ بلبیس نے تہ خانے کے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ آدمی آگے آیا اور مصلح الدین کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اس کے ساتھ لٹک گیا۔ اس آدمی کا وزن مصلح الدین کی کلائیاں کاٹنے لگا جو رسّے سے بندھی ہوئی تھیں۔ اُس نے درد سے چیختے ہوئے کہا — ”درمیان والا۔“

بلبیس تینوں کو الگ لے گیا اور انہیں کہا کہ وہ بتا دیں کہ وہ کون ہیں اور یہ سارا سلسلہ کیا ہے ورنہ وہ یہاں سے زندہ نہیں نکل سکیں گے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور بولنے پر رضامند ہو گئے۔ بلبیس نے انہیں الگ الگ کر دیا اور فاطمہ کو اوپر لے گیا۔ فاطمہ نے اُسے وہی بات سنائی جو سنائی جا چکی ہے۔ اُس نے اپنے متعلق یہ بتایا کہ اس کی ماں سوڈانی اور باپ مصری ہے۔ تین سال گزرے وہ اپنے باپ کے ساتھ مصر آئی۔ مصلح الدین نے اُسے دیکھ لیا اور اس کے باپ کے پاس آدمی بھیجے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ رقم کتنی طے ہوئی۔ باپ اسے مصلح الدین کے گھر چھوڑ گیا اور ایک تھیلی لے کر چلا گیا۔ مصلح الدین نے ایک عالم اور چند ایک آدمیوں کو بلا کر باقاعدہ نکاح پڑھوایا اور وہ اس کی بیوی بن گئی۔ وہ اس کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا۔ محبت فاطمہ کی کمزوری تھی۔ باپ سے اسے محبت اور شفقت نہیں ملی تھی۔ اُسے شک تھا کہ باپ اُسے یہاں بیچنے کے لیے ہی لایا تھا۔ مصلح الدین کے خلاف اُسے کبھی بھی شک نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنا بُرا آدمی ہے۔ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اس کی باہر کی سرگرمیوں کے متعلق فاطمہ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے شوبک کی طرف کوچ کیا تو اس کے فوراً بعد مصلح الدین میں ایک تبدیلی آ گئی۔ وہ رات بہت دیر تک باہر رہنے لگا۔ ایک رات فاطمہ نے دیکھا کہ وہ شراب پی کر آیا ہے۔ فاطمہ کا باپ شرابی تھا۔ وہ شراب کی بُو اور شرابی کو پہچان سکتی تھی۔ اُس نے مصلح الدین کی محبت کی خاطر یہ بھی برداشت کیا۔ پھر گھر میں رات کے وقت اجنبی سے آدمی آنے لگے۔ مصلح الدین نے ایک رات فاطمہ کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں اور سونے کے چند ایک

ٹکڑے دکھا کر گھر میں رکھ لیے اور ایک رات جب وہ شراب میں بدمست ہو کر آیا تو اُس نے فاطمہ سے کہا — "اگر مصر کا شمالی علاقہ جو بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ملتا ہے مجھے مل جائے تو تم پسند کرو گی یا سوڈان کی سرحد کے ساتھ کا علاقہ؟ تم جو پسند کرو اس کی تم ملکہ ہو گی اور میں بادشاہ" — فاطمہ اتنے اونچے دماغ کی لڑکی نہیں تھی کہ اس سلسلے میں اس سے کچھ پوچھتی۔ وہ سمجھی کہ اس کا خاوند زیادہ شراب پی کر بہک گیا ہے۔ ہوش میں وہ ایسی باتیں نہیں کرتا تھا پھر ایک روز ایک بڑی حسین لڑکی اس کے گھر لائی گئی۔ ساتھ دو آدمی تھے۔ یہ لڑکی اس کے گھر میں ہی رہی۔ اس لڑکی نے فاطمہ کو دوست بنانے کی بہت کوشش کی لیکن اُسے اس لڑکی سے نفرت ہو گئی۔ اس لڑکی نے اُس سے اُس کا خاوند چھین لیا۔ اس کے بعد ناظم مالیات کے قتل کا واقعہ ہوا۔

☆

تینوں نقاب پوشوں نے پہلے بلبیس کو غلط باتیں بتانے کی کوشش کی لیکن بلبیس انہیں راستے پر لے آیا۔ تینوں نے الگ الگ جو بیان دیئے ان سے یہ انکشاف ہوا کہ تینوں حشیشین کے گروہ کے آدمی ہیں۔ انہیں صلیبیوں کی طرف سے مصلح الدین کے ساتھ لگایا گیا تھا۔ مصلح الدین کو بے شمار دولت، ایک عیسائی لڑکی دی گئی تھی اور یہ وعدہ کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کامیاب کرا دے تو مصر کی سرحد کے ساتھ اسے ایک الگ ریاست بنا دی جائے گی جس کی حکمرانی اس کے ہاتھ میں اور اس عیسائی لڑکی کے ہاتھ میں ہو گی۔ مصلح الدین نے اعلیٰ حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا تھا مگر ناظم مالیات اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مالیات اور بیت المال پر قبضہ ضروری تھا جو ناظم مالیات کی موجودگی میں ممکن نہ تھا۔ خزانے کا محافظ دستہ جانبازوں کا منتخب گروہ تھا۔ مصلح الدین ناظم مالیات کو قتل کروا کے اس دستے کو تبدیل کرانا چاہتا تھا۔ اس میں باغی افراد رکھنے تھے اور دو حشیشین۔ ان تینوں کے ذمے ہر اُس حاکم کا قتل تھا جس کا فیصلہ مصلح الدین کو کرنا تھا۔ انہیں اس کام کی اُجرت صلیبیوں کی طرف سے باقاعدہ مل رہی تھی۔ وہ چونکہ یہ کام کاروبار اور پیشے کے طور پر کرتے ہیں، اس لیے فالتو اجرت لینے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے مصلح الدین سے پچاس اشرفیاں اور سونا الگ مانگا جو اُس نے ناظم مالیات کے قتل کے بعد انہیں نہیں دیا۔ اُس نے کہا تھا کہ تمہیں پوری اُجرت مل رہی ہے۔ انہوں نے اسے قتل کی دھمکی دی تو اس نے انہیں اپنی بیوی پیش کی اور کہا کہ تمہیں اس کی اچھی قیمت مل جائے گی۔ فاطمہ اس کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی تھی۔

مصلح الدین ابھی تک چھت کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اُسے بیان لینے کے لیے اُتارا گیا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جاسوس لڑکی کی کوٹھڑی میں گئے تو وہ مری پڑی تھی۔ اُس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ طبیبوں نے آکر دیکھا اور کہا کہ اس نے زہر کھا لیا ہے۔ اس کے پاس چھوٹا سا ایک کپڑا پڑا ہوا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس میں زہر بندھا ہوا تھا جو لڑکی نے اپنے کپڑوں میں کہیں چھپا رکھا تھا..... بہت دیر بعد مصلح الدین ہوش میں آیا لیکن وہ بہکی بہکی باتیں کرتا تھا۔ بولتے بولتے چپ ہو جاتا اور پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھنے لگتا پھر بے معنی سی باتیں شروع کر دیتا۔ طبیبوں نے اسے دوائیاں کھلائیں لیکن اس کا دماغ اذیت سے اور پکڑے جانے کے صدمے سے بگڑ گیا تھا۔

اُسی رات غیاث بلبیس کے پاس ایک معزز شخصیت آئی۔ اس کا نام زین الدین علی بن نجا الواعظ تھا۔ اس نے بلبیس سے کہا کہ اُسے پتہ چلا ہے کہ کچھ جاسوس اور تخریب کار پکڑے گئے ہیں اور وہ بھی کچھ انکشاف کرنا چاہتا ہے۔ زین الدین مذہب، سیاست اور معاشرت کے میدان کا بزرگ قائد تھا۔ وہ پیرو مرشد تو نہیں تھا لیکن بڑے بڑے حاکم بھی اس کے مُرید تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اسے پیروں کی طرح مانتا تھا۔ اُسے حاکموں اور معاشرت میں اونچی حیثیت کے دو چار افراد سے پتہ چلا تھا کہ سلطان ایوبی اور اس کی فوج کی غیر حاضری سے دشمن فائدہ اُٹھا رہا ہے اور ایسی چابکدستی سے سازش اور بغاوت کا زہر پھیلا رہا ہے کہ کسی کو پکڑنا آسان نہیں۔ زین الدین نے غیاث بلبیس اور علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو بتانے کی بجائے اپنے طور پر اس تخریب کاری کی جاسوسی شروع کر دی تھی۔ فوج کے چھوٹے بڑے افسر بھی اس کی محفل میں آتے تھے۔ اُس نے ان سے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں، اور متعدد ذمہ دار افراد کے نام اور ان کی سرگرمیاں بھی معلوم کر لی تھیں۔ اُس نے دراصل ذاتی طور پر تخریب کاروں کے خلاف اپنا ایک گروہ تیار کر لیا تھا جس نے نہایت نازک راز حاصل کر لیے تھے۔

ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے اپنی تصنیف "سلطان صلاح الدین ایوبی" میں سازش اور بغاوت کے انکشاف کا سہرا زین الدین علی کے سر باندھا ہے اور تین چار مورخین کے حوالے دیئے ہیں لیکن اُس دور کی جو تحریریں محفوظ ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ محکمہ مالیات کے ناظم کے قتل سے صلیبیوں کی یہ سازش بے نقاب ہوئی تھی جس کے آلۂ کار وہ مسلمان تھے جن پر سلطان ایوبی کو اعتماد تھا۔ بہر حال اس بزرگ شخصیت کی ذاتی کاوش اور اس کا جو حاصل تھا وہ قومی سطح کا ایسا کارنامہ تھا جسے مورخین نے بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اُس نے بلبیس سے کہا کہ وہ ابھی کچھ دن اور اپنی جاسوسی جاری رکھنا چاہتا تھا تاکہ ہر ایک سازشی کی نشاندہی ہو جائے لیکن ان تخریب کاروں کی گرفتاری کی خبر شہر میں مشہور ہو گئی ہے جس سے ان کے ساتھی روپوش ہو جائیں گے۔ اُس نے نام اور پتے وغیرہ بتا دیئے۔ اپنے آدمی بھی بلبیس کے حوالے کر دیئے۔ حسن بن عبداللہ کو بلا لیا گیا۔

حسن اور بلبیس نے فیصلہ کیا کہ سلطان ایوبی کو فوری طور پر اطلاع دے دی جائے۔ اس کے لیے زین الدین کو ہی منتخب کیا گیا اور اُسی روز اُسے بارہ سواروں کے محافظ دستے کے ساتھ شوبک روانہ کر دیا گیا۔

☆

تیسری شام یہ قافلہ شوبک پہنچ گیا۔ سلطان ایوبی نے جب زین الدین کو دیکھا تو حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اس شخصیت سے واقف تھا۔ بغلگیر ہو کر ملا۔ زین الدین نے کہا — "میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔ ناظم مالیات خضر الحیات قتل ہو چکا ہے اور اس کا قاتل آپ کا نائب ناظم مصلح الدین کوتوالی میں پاگل ہو گیا ہے" — سلطان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ زین الدین نے اُسے تسلی دی اور تفصیلات سنا دیں۔ اُس فوج کے متعلق جو مصر میں تھی اُس نے بتایا، کہ اس میں بے اطمینانی پھیلا دی گئی ہے۔ اس قسم کی افواہیں پھیلائی گئی ہیں کہ شوبک کو سر کرنے والی فوج کو سونے چاندی سے مالا مال کر دیا گیا ہے اور اسے عیسائی لڑکیاں بھی دی گئی ہیں۔ مصر والی فوج میں یہ دہشت بھی پیدا کر دی گئی ہے، کہ سوڈانیوں کا بہت بڑا لشکر مصر پر حملہ کرنے والا ہے جسے مصر کی یہ تھوڑی سی فوج روک نہیں سکے گی۔ اس طرح

کے ہر ایک سپاہی کو قتل کر دیا جائے گا اور صلاح الدین ایوبی چاہتا بھی یہی ہے کہ یہ فوج قتل ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ افواہ بھی پھیلائی گئی ہے کہ سلطان ایوبی محاذ پر شدید زخمی ہو گیا ہے۔ شاید زندہ نہیں رہے گا۔ اس کے کمانڈر وہاں من مانی کر رہے ہیں۔ زین الدین نے بتایا کہ سلطان ایوبی کے زخمی ہونے کی خبر پر یقین کر لیا گیا ہے۔ اسی لیے مصلح الدین جیسے حاکم مصر کو صلیبیوں کی مدد سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور اپنی اپنی خود مختار ریاستوں کے قیام کے انتظامات کر رہے ہیں۔

سلطان ایوبی نے وقت ضائع کیے بغیر برق رفتار قاصد بلایا اور نورالدین زنگی کے نام ایک پیغام میں مصر کے یہ سارے حالات لکھے اور اسی سے فوجی مدد مانگی۔ اُس نے لکھا کہ میں یہاں رہتا ہوں تو مصر ہاتھ سے جاتا ہے، چلا جاتا ہوں تو شوبک کی فتح شکست میں بدل جائے گی۔ لیا ہوا علاقہ کسی قیمت پر واپس نہیں دیا جائے گا۔ میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا کہ یہاں رہوں یا مصر چلا جاؤں...... اُس نے قاصد سے کہا کہ وہ دن اور رات گھوڑا بھگاتا رہے۔ گھوڑا تھک جائے تو جو کوئی سوار سامنے آئے اس سے گھوڑا بدل لے۔ کوئی انکار کرے تو اُسے قتل کر دے۔ رفتار کم نہ ہو ـــ اور اُسے یہ ہدایت بھی دی کہ اگر وہ دشمن کے گھیرے میں آ جائے تو نکلنے کی کوشش کرے اور اگر پکڑا جائے تو یہ پیغام منہ میں ڈال کر نگل لے۔ دشمن کے ہاتھ پیغام نہ لگے۔ قاصد روانہ ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے ایسا ہی ایک اور قاصد بلایا اور اُسے اپنے بھائی تقی الدین کے نام پیغام لکھ کر اُسے وہی ہدایات دیں جو پہلے قاصد کو دی تھیں۔ اس پیغام میں اُس نے اپنے بھائی کو لکھا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، جتنے لڑاکا آدمی اکٹھے کر سکتے ہو گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور قاہرہ پہنچو۔ راستے میں بلا ضرورت رکنا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں میں تمہیں کہاں ملوں گا۔ ملوں گا بھی یا نہیں۔ اگر قاہرہ میں ہماری ملاقات نہ ہو سکی اور اگر میں زندہ نہ ہوا تو امارتِ مصر سنبھال لینا۔ مصر بغداد کی خلافت کی مملکت ہے اور خدائے ذوالجلال نے اس مملکت کی ذمہ داری ایوبی خاندان کو سونپی ہے۔ روانگی سے پہلے قبلہ والد محترم نجم الدین ایوب کے آگے جھکنا اور انہیں کہنا کہ وہ تمہاری پیٹھ پر ہاتھ پھیریں۔ پھر محترمہ والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر اُن کی روح سے دعائیں لے کر آنا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ میں جہاں ہوں وہاں اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہوگا۔ تم مصر میں اس پرچم کو سربلند رکھو۔

یہ قاصد بھی روانہ ہو گیا۔

ان دونوں میں سے جو قاصد نورالدین زنگی کے پاس پہنچا اس کی جسمانی حالت یہ تھی کہ اس کا بایاں بازو تلواروں کے زخموں سے قیمہ بنا ہوا تھا اور اس کی پیٹھ میں ایک تیر اترا ہوا تھا۔ وہ زنگی کے قدموں میں گرا۔ اتنا ہی کہہ سکا کہ راستے میں دشمن مل گیا تھا۔ اس حال میں پیغام لے کے نکلا ہوں۔

اُس نے پیغام زنگی کے ہاتھ میں دیا اور شہید ہو گیا۔ نورالدین زنگی کی فوج جب شوبک کے قریب پہنچی تو قلعے اور شہر میں اعلان ہو گیا کہ صلیبیوں کا بہت بڑا حملہ آ رہا ہے۔ گرد آسمان تک جا رہی تھی۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ گرد میں کیا ہے۔ امکان یہی تھا کہ یہ صلیبی فوج ہے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شوبک کی فوج مقابلے کے لیے تیار ہو گئی لیکن گرد میں جو جھنڈے نظر آئے وہ اسلامی تھے۔ پھر گرد میں سے تکبیر کے نعرے سنائی دیے۔ قلعے سے سلطان ایوبی کے

نائبین استقبال کے لیے آگے چلے گئے۔

☆

تین چار روز بعد صبح سویرے قاہرہ میں جو فوج تھی اُسے میدان میں جمع ہونے کا حکم ملا۔ فوجی چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ انہیں تیاری کا یہ حکم کیوں ملا ہے۔ بعض نے کہا کہ بغاوت ہو گی۔ کسی نے کہا کہ سوڈانیوں کا حملہ آ رہا ہے۔ ان کے کمانڈروں تک کو علم نہیں تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ یہ حکم فوج کی مرکزی کمان سے جاری ہوا تھا...... جب تمام فوج اپنی ترتیب سے میدان میں آ گئی تو ایک طرف سے چھ سات گھوڑے دوڑتے آئے۔ سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سب سے آگے صلاح الدین ایوبی تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ شوبک میں ہے۔ سلطان ایوبی نے ایک عجیب حرکت کی۔ اُس نے تہبند کے سوا تمام کپڑے اتار کر پھینک دیے۔ سر بھی ننگا کر دیا اور فوج کی تمام صفوں کے سامنے سے گھوڑا دُلکی چال چلاتا گزر گیا۔ پھر سامنے آ کر بلند آواز سے کہا ـــ "میرے جسم پر کسی نے کوئی زخم دیکھا ہے؟ کیا میں زندہ ہوں یا مردہ؟"

"امیر مصر کا اقبال بلند ہو" ـــ ایک شتر سوار نے کہا ـــ "ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ زخمی ہیں اور حاضر نہیں ہو سکیں گے۔"

"اگر یہ خبر جھوٹی ہے تو وہ افواہیں بھی جھوٹی ہیں جو تمہارے کانوں میں ڈالی گئی ہیں" ـــ سلطان ایوبی نے اتنی بلند آواز سے کہا کہ آخری صف تک اس کی آواز پہنچتی تھی۔ اُس نے کہا ـــ "جن مجاہدین کے متعلق تمہیں بتایا گیا ہے کہ وہاں سونا اور چاندی لوٹ رہے ہیں اور عیسائی لڑکیوں کے ساتھ عیش کر رہے ہیں وہ ریگستان میں اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ سر کرنے کی تیاریوں میں پاگل ہو رہے ہیں۔ وہ کیوں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ تمہاری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کو صلیبی درندوں سے بچا سکیں۔ شوبک میں ہم نے مسلمان بچیوں اور ان کی ماؤں اور ان کے باپوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ بچیاں عیسائیوں کے پاس اور ان کی مائیں اور اُن کے باپ عیسائیوں کی بیگار کر کر کے مر رہے تھے۔ اب کرک، یروشلم اور فلسطین کی ہر بستی میں جو عیسائیوں کے قبضے میں ہے مسلمانوں کا یہی حال ہو رہا ہے۔ مسجدیں اصطبل بنا دی گئی ہیں اور قرآن کے مقدس ورق گلیوں میں عیسائیوں کے قدموں میں مسلے جا رہے ہیں۔"

یہ تقریر اتنی جوشیلی اور سنسنی خیز تھی کہ ایک کمانڈر نے چلا کر کہا ـــ "پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں بھی محاذ پر کیوں نہیں لے جایا جاتا؟"

"تمہیں یہاں اس لیے بٹھایا گیا ہے کہ دشمن کی پھیلائی ہوئی افواہیں سنو اور ان پر یقین کرو" سلطان ایوبی نے کہا ـــ "تم یہاں اپنے پرچم کے خلاف بغاوت کرو تا کہ سوڈانیوں کے ساتھ صلیبی اس سرزمین پر بھی قبضہ کر لیں اور تمہاری بیٹیوں کی بھی عصمت دری کریں۔ تم قرآن کے ورق اپنے ہاتھوں باہر کیوں نہیں بکھیر دیتے؟ کیا تم قرآن کی توہین صلیبیوں سے کرانا چاہتے ہو؟ تم جو اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتے قوم کی آبرو کی حفاظت کیا کرو گے؟" ـــ

تمام فوج میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے کہا ـــ "تمہیں یہاں چند ایک کمانڈر نظر نہیں آ رہے۔ وہ ابھی تمہیں

دکھاتا ہوں۔"

اُس نے اشارہ کیا تو ایک طرف سے دس گیارہ آدمی گردنوں میں رسیاں پڑی ہوئیں اور ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے آگے لائے گئے۔ انہیں صفوں کے آگے سے گزارا گیا۔ سلطان ایوبی نے اعلان کیا ——— "یہ تمہارے کماندار تھے لیکن یہ اُس قوم کے دوست ہیں، جو تمہارے رسولؐ اور تمہارے قرآن کی دشمن ہے۔ یہ پکڑے گئے ہیں" ——— سلطان ایوبی نے فوج کو خضرالحیات کے قتل اور صلح الدین کی گرفتاری کا پورا واقعہ سنایا اور صلح الدین کو سامنے لایا گیا۔ وہ ابھی تک پاگل پن کی حالت میں تھا۔ سلطان ایوبی گزشتہ رات کوتوالی کے تہہ خانے میں اُسے دیکھ آیا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو پہچانا نہیں تھا۔ وہ اپنی ریاست اور خود مختار حکمرانی کی باتیں کر رہا تھا۔ اب سلطان ایوبی نے اُسے گھوڑے پر بٹھا کر فوج کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس نے فوج کو دیکھا اور بلند آواز سے بولا ——— "یہ میری فوج ہے مصر کی حکومت کے خلاف بغاوت کرو۔ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ صلاح الدین ایوبی مصر کا دشمن ہے۔ تم اُسے قتل کر دو۔"

وہ بولے جا رہا تھا۔ اُس کے منہ سے پاگل پن کی جھاگ نکل رہی تھی۔ فوج کی صفوں سے "پنگ" کی آواز آئی اور ایک تیر صلح الدین کی شہ رگ میں اُتر گیا۔ وہ گر رہا تھا جب کئی اور تیر اس کے جسم میں اُتر گئے۔ سلطان ایوبی نے چلا کر تیر اندازوں کو روکا۔ کمانداروں نے تیر چلانے والوں کو آگے آنے کو کہا۔ اُن میں سے ایک نے کہا ——— "ہم نے غدّار کو مارا ہے۔ اگر یہ قتل ہے تو ہم سزا کے لیے حاضر ہیں" ——— سلطان ایوبی نے انہیں معاف کر دیا۔ اُس کے جسم پر ابھی تک صرف تہبند تھا۔ باقی جسم ننگا تھا۔ اُس نے جلّاد کو وہیں بلایا اور ان غدّاروں کو جنہیں فوج کے سامنے لایا گیا تھا، جلّاد کے حوالے کر کے اُن کے سر جسموں سے الگ کرا دیئے۔

اُس نے ایک اور حکم دے کر سب کو حیران کر دیا۔ اُس نے حکم دیا کہ یہ فوج یہیں سے محاذ کو کوچ کرے گی۔ تمہارا ذاتی اور دیگر ساز و سامان اور رسد تمہارے پیچھے آئے گی ——— فوج کوچ کر گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ مصر فوج کے بغیر رہے گا۔ سلطان ایوبی نے غدّاروں کے کٹے ہوئے سر دیکھے۔ وہ کسی سے کوئی بات کرنے لگا تو اسے ہچکی سی آئی اور اُس کے آنسو بہ نکلے۔ اُس نے کپڑے پہنے اور ایک سمت چل پڑا۔ اس نے اپنے ساتھ کے حکام سے کہا۔ "مجھے خطرہ نظر آ رہا ہے کہ دشمن ملّتِ اسلامیہ میں اسی طرح غدّار پیدا کرتا رہے گا اور وہ دن آ جائے گا، جب غدّاروں کی گردنیں مارنے والے بھی دشمن کو دوست کہنے لگیں گے۔ میرے دوستو! اسلام کو سربلند دیکھنا چاہتے ہو تو دوست اور دشمن کو پہچانو۔"

مصر کے جن حاکموں کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی نے فوج کو کیوں کوچ کرا دیا ہے، انہیں اُس نے بتایا کہ یہ فوج یہاں فارغ بیٹھی تھی۔ میں یہ حکم دے گیا تھا کہ اسے فارغ نہ رہنے دیا جائے۔ جنگی مشقیں جاری رہیں اور شہر سے دُور لے جا کر اس فوج کو وقتاً فوقتاً جنگی حالت میں رکھا جائے اور ذہنی تربیت بھی جاری رہے مگر میرے حکم پر عمل نہیں کیا گیا۔ میں نے دو ذمہ دار حاکموں کو سزائے موت دے دی ہے۔ انہوں نے ایک سازش کے تحت فوج کو فارغ رکھا۔ سپاہی موٹے اور لطفے سے دل بہلانے لگے اور ان کے ذہن افواہوں کو قبول کرنے لگے۔ تم شاید یہ سوچ رہے ہو کہ مصر میں فوج نہیں رہی، گھبراؤ نہیں۔ فوج آ رہی ہے جس فوج نے شوبک فتح کیا ہے وہ قاہرہ میں داخل ہو چکی

ہے۔ اُس نے میرے پیچھے کوچ کیا تھا۔ وہ فوج دشمن کو اور دشمن کے گناہوں کو بہت قریب سے دیکھ آئی ہے اسے کوئی باغی نہیں کر سکتا۔ اس کے سپاہی شہیدوں کو دھوکہ نہیں دیں گے اور یہ فوج جو یہاں سے جا رہی ہے یہ کرک پر حملہ کرے گی یا دشمن اس پر حملہ کرے گا۔ پھر یہ بھی دشمن کو جان جائے گی۔ جو سپاہی ایک بار دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑے اُسے کوئی بھی غدّاری پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

یہ انقلاب اس طرح آیا تھا کہ نورالدین زنگی اور اپنے بھائی تقی الدین کی طرف قاصد بھیج کر سلطان ایوبی خفیہ طور پر قاہرہ کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اپنے نائبین کو کمان دے کر اُس نے سخت ہدایت دی تھی کہ اُس کی غیر حاضری کی کسی کو خبر نہ ہو۔ اُس نے کہا کہ زنگی ضرور مدد بھیجے گا۔ جونہی اس کی مدد آئے اتنی ہی اپنی فوج یہاں سے قاہرہ بھیج دی جائے لیکن راستے میں پڑاؤ زیادہ نہ کرے۔ اس سے سلطان ایوبی کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ اگر مصر کی فوج باغی ہو گئی تو محاذ سے آنے والی فوج بغاوت فرو کرے گی اور اگر حالات ٹھیک ہوئے تو مصر کی فوج محاذ پر آ جائے گی اور محاذ کی فوج مصر میں رہے گی۔ سلطان ایوبی قاہرہ پہنچا تو اس کی موجودگی خفیہ رکھی گئی۔ رات ہی رات اُس نے زین الدین کی نشاندہی کے مطابق تمام غدّاروں کو سوتے میں پکڑوا لیا۔ کئی اور جگہوں پر چھاپے مروائے۔ تین حشیشین نے بھی بعض افراد کے نام بتائے تھے۔ انہیں بھی پکڑا گیا۔ کسی کے عہدے اور رتبے کا لحاظ نہ کیا گیا۔

فاطمہ کو سلطان ایوبی کے حکم کے مطابق زین الدین کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے کہا گیا کہ کسی موزوں جگہ اس کی شادی کر دی جائے۔ اب سلطان ایوبی تقی الدین کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے تین دن انتظار کرنا پڑا۔ تقی الدین کم و بیش دو سو سواروں کے ساتھ آ گیا۔ سلطان ایوبی نے اُسے مصر کے حالات اور واقعات اور آئندہ لائحہ عمل بتا کر قائم مقام امیرِ مصر مقرر کر دیا اور یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ سوڈان پر نظر رکھے اور جب ضرورت سمجھے حملہ کر دے۔

یہ ہدایات اور احکام دے کر سلطان ایوبی شوبک کو روانہ ہونے لگا تو علی بن سفیان جو اُس کے ساتھ آیا تھا بولا ——— "کرک کے صلیبیوں نے آپ کے لیے ایک تحفہ بھیجا ہے۔ اگر کچھ دیر اور انتظار کریں تو تحفہ دیکھتے جائیں" ——— علی بن سفیان سلطان ایوبی کو حیرت میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اس نے سلطان ایوبی کو باہر چلنے کو کہا۔

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ہو کر علی بن سفیان کے ساتھ چلا گیا۔ تھوڑی ہی دُور میدان میں پانچ سو گھوڑے کھڑے تھے۔ ہر گھوڑے پر زین تھی۔ ان گھوڑوں سے ذرا پرے سات آٹھ صلیبی رسیّوں سے بندھے ہوئے کھڑے تھے اور اپنی فوج کا ایک سرحدی دستہ بھی مستعد کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے پوچھا کہ یہ گھوڑے کہاں سے آئے ہیں؟ علی بن سفیان نے ایک آدمی کو بلا کر سلطان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا ——— "یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ تین سال سے صلیبیوں کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ یہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ وہ اسے اپنا جاسوس سمجھتے ہیں لیکن یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ کرک گیا تھا اور صلیبی بادشاہوں کو سوڈانیوں کا پیغام دیا تھا کہ انہیں پانچ سو گھوڑوں اور زینوں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے گھوڑے دے کر اپنے یہ فوجی افسر بھی بھیج دیئے۔ یہ اُس سوڈانی فوج کی قیادت کرنے جا رہے تھے جسے مصر پر حملے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ میرا شیر انہیں شمال کی طرف سے گھما پھرا کر ایک پھندے میں لے آیا اور راستے اس سرحدی دستے کو بلا لایا۔ اپنی شناخت

بتائی اور یہ دستہ پانچ سو گھوڑوں اور ان صلیبی فوجی افسروں کو قاہرہ ہانک لایا۔"

صلیبی افسروں کو معلومات حاصل کرنے کے لیئے علی بن سفیان نے اپنے نائب حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا اور خود سلطان کے ساتھ شوبک کو روانہ ہو گیا۔

☆

کھنڈروں کی آواز

سازش اور غداری کے مجرموں کا خون قاہرہ کی ریت نے ابھی اپنے اندر جذب نہیں کیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی تقی الدین اُس کے بلاوے پر دو سو منتخب سواروں کے ساتھ قاہرہ پہنچ گیا۔ سازش کے مجرموں کی گردنیں کاٹی جا چکی تھیں اور یوں نظر آتا تھا جیسے قاہرہ کی ریت ان مرے ہوئے مسلمانوں کا خون اپنے اندر جذب کرنے سے گریز کر رہی ہے جو صلیبیوں کے ساتھ مل کر سلطنتِ اسلامیہ کے پرچم کو سرنگوں کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ سلطان ایوبی نے ان سب کی لاشیں دیکھیں۔ ان کے کٹے ہوئے سر ان کے بے جان جسموں کے سینوں پر رکھ دیئے گئے تھے۔ صرف ایک لاش تھی جو سب سے بڑے غدار کی تھی اور جس پر سلطان ایوبی کو کلی طور پر اعتماد تھا۔ اس لاش کا سر اس کے ساتھ ہی تھا۔ ایک تیر اُس کی شہ رگ میں داخل ہو کر دوسری طرف نکلا ہوا تھا۔ یہ قاہرہ کا نائب ناظم مصلح الدین تھا۔ فوج کے سامنے جب اس کا جرم سنایا جا رہا تھا تو ایک جوشیلے اور محبِ اسلام سپاہی نے کمان میں تیر ڈال کر مصلح الدین کی شہ رگ سے پار کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے سپاہی کی اس غیر قانونی حرکت کو جو فوجی ڈسپلن کے خلاف تھی صرف اس لیے نظر انداز کر کے معاف کر دیا تھا کہ کوئی بھی صاحبِ ایمان اسلام کے خلاف غداری برداشت نہیں کر سکتا۔ سلطان ایوبی نے ہی اپنی فوج میں ایمان کی یہ قوت پیدا کی تھی۔

ان لاشوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی کے چہرے پر ایسی خوشی کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی کہ اُس کی صفوں اور نظامِ حکومت میں سے اتنے زیادہ غدار اور سازشی پکڑے گئے اور انہیں سزائے موت دے دی گئی ہے۔ اُس کے چہرے پر اداسی اور آنکھیں گہری سُرخ تھیں جیسے وہ آنسو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ تو تھا ہی جس کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا ——"ان میں سے کسی کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا۔ ان کی لاشیں ان کے رشتہ داروں کو نہیں دی جائیں گی تاکہ انہیں کفن نہ پہنائے جائیں۔ رات کے اندھیرے میں انہیں ایک ہی گہرے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دو اور زمین ہموار کر دو۔ اس دُنیا میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہے۔"

"امیرِ محترم!" —— سلطان ایوبی کے ایک رفیق اور معتمدِ خاص قاضی بہاؤ الدین شدّاد نے سلطان ایوبی سے کہا —— "کوتوال اور شاہدوں کے بیان اور قاضی کا فیصلہ تحریر میں لا کر دستاویز میں محفوظ کر لینا ضروری ہیں تاکہ یہ اعتراض نہ رہے کہ یہ فیصلہ صرف ایک فرد کا تھا۔ آپ کا فیصلہ برحق ہے۔ انصاف کر دیا گیا ہے مگر قانون کا تقاضا

کچھ اور ہے؟"

"کیا قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ دینِ الٰہی کی جڑیں کفار کے ساتھ مل کر کاٹنے والے کو یہ حق دیا جائے کہ وہ قانون کے سامنے کھڑا ہو کر دینداروں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے پاسبانوں کو جھوٹا ثابت کرے؟" — سلطان ایوبی نے ایسے تحمل سے کہا جس میں ایک دیندار مسلمان کا عتاب صاف جھلک رہا تھا۔ اُس نے ان تمام حاکموں کو جو وہاں موجود تھے مخاطب ہو کر کہا — "اگر میں نے بے انصافی کی ہے تو مجھے اتنے زیادہ انسانوں کے قتل کے جرم میں سزائے موت دے دو اور میری لاش شہر سے دُور پھینک دو جہاں صحرائی لومڑیاں اور گِدھ میری کوئی ہڈی بھی اس زمین پر نہ رہنے دیں لیکن میرے رفیقو! مجھے سزا دینے سے پہلے قرآنِ پاک الف لام میم سے والنّاس تک پڑھ لینا۔ اگر قرآن مجھے سزا دیتا ہے تو میری گردن حاضر ہے۔"

"بے انصافی نہیں ہوئی سالارِ اعظم!" — کسی اور نے کہا — "قاضی شدّاد کا مقصد یہ ہے کہ قانون کی بے حرمتی نہ ہو۔"

"میں سمجھ گیا ہوں" — سلطان ایوبی نے کہا — "ان کا مقصد آئینے کی طرح صاف ہے۔ میں آپ سب کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حاکمِ وقت ذاتی طور پر جانتا ہے کہ جسے غدّاری کے جرم میں اس کے سامنے لایا گیا ہے وہ غدّاری کا مجرم ہے تو حاکمِ وقت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ شہادتوں اور قانون کے دیگر جھمیلوں میں پڑے بغیر غدار کو وہی سزا دے جس کا وہ حقدار ہے۔ اگر وہ سزا دینے سے گریز کرتا، ڈرتا یا ہچکچاتا ہے تو وہ حاکمِ وقت خود بھی غدّار ہے یا کم از کم نااہل اور بے ایمان ضرور ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ قاضی کے سامنے جا کر مجرم اُسے بھی مجرم کہہ دیں گے۔ میرا سینہ صاف ہے۔ مجھے غدّاروں کی صف میں کھڑا کر دو۔ خدا کا ہاتھ مجھے اُن سے الگ کر دے گا۔ اگر تمہارے سینے ربِّ کعبہ کے نور سے منوّر ہیں تو مجرموں کا سامنا کرنے سے مت ڈرو۔ تاہم میرے دوست بہاؤالدین نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کرو۔ کاغذات تیار کر کے محترم قاضی سے فیصلہ تحریر کرا لو۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ان کا نہیں ہوگا۔ تحریر کر دیا جائے کہ امیرِ مصر جو افواجِ مصر کا سالارِ اعلیٰ بھی ہے، نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ان مجرموں کو سزائے موت دی ہے جن کا جرم بلا شک و شبہ ثابت ہو گیا تھا۔" سلطان ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے لمبے سفر سے آیا تھا۔ تھکا ہُوا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے کہا — "میں تمہارے چہرے پر تفکّر اور تھکن دیکھ رہا ہوں لیکن تم آرام نہیں کر سکو گے۔ تمہارا سفر ختم نہیں ہُوا بلکہ اب شروع ہُوا ہے۔ مجھے شوبک جلدی جانا ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ ضروری باتیں کر کے جاؤں گا۔"

"جانے سے پہلے ایک حکم اور صادر فرما جائیے" — ناظمِ شہر نے کہا — "جنہیں سزائے موت دی گئی ہے ان کی بیواؤں اور بچّوں کا کیا بنے گا؟"

"ان کے لیے بھی میرے اسی حکم پر عمل کرو جو میں ان سے پہلے غدّاروں کے اہل و عیال کے متعلق دے چکا ہوں" — سلطان ایوبی نے جواب دیا — "بیواؤں کے متعلق یہ چھان بین کر لو کہ اپنے خاوندوں کی طرح اُن میں

سے کسی کا تعلق دشمن کے ساتھ نہ ہو۔ ہمارے ہاں زن پرستی نے بھی غدّار پیدا کیے ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ صلیبیوں نے ہمارے بھائیوں کو خوبصورت لڑکیاں دے کر ان کے عوض ان کا ایمان خرید لیا ہے۔ ان میں سے جو بیوائیں نیک اور مومن ہیں ان کی شادیاں ان کی منشا کے مطابق کر دو۔ کسی پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش نہ کرنا۔ خیال رکھنا کہ کوئی عورت بے سہارا نہ رہے اور باعزت زندگی سے محروم نہ رہے اور اس میں محتاجی کا احساس نہ پیدا ہو۔ یہ بھی خیال رکھنا کہ ان کے کانوں میں کوئی یہ نہ پھونک دے کہ ان کے خاوندوں کو بے گناہ سزائے موت دی گئی ہے۔ انہیں ذہن نشین کرا دو کہ تم خوش قسمت ہو کہ ایسے گناہگار خاوندوں سے نجات مل گئی ہے.... اور اُن کے بچّوں کو تعلیم و تربیت خصوصی انتظامات کے تحت کرو۔ تمام اخراجات بیت المال سے لو۔ غدّاروں کے بچّے غدّار نہیں ہوا کرتے بشرطیکہ ان کی تعلیم و تربیت صحیح ہو۔ یہ سب مسلمانوں کے بچّے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت ایسی ہو کہ ان میں محرومی کا احساس پیدا نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کے گناہ کا کفّارہ بچّے کو ادا کرنا پڑے۔"

☆

سلطان ایوبی کو واپسی کی جلدی تھی۔ اُسے فکر یہ تھا کہ اس کی غیر حاضری میں صلیبی کوئی جنگی کارروائی نہ کر دیں۔ نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک تو وہاں (کرک اور شوبک کے علاقہ میں) پہنچ چکی تھی۔ قاہرہ کی فوج ابھی اُدھر جا رہی تھی لیکن ان دونوں فوجوں کو اس علاقے سے روشناس کرانا تھا۔ اُس نے اپنے دفتر میں جا کر اپنے بھائی تقی الدین، علی بن سفیان، اس کے نائب حسن بن عبداللہ، کوتوال غیاث بلبیس اور چند ایک نائبین اور حکام کو بلا لیا۔ وہ زیادہ تر ہدایات تقی الدین کو دینا چاہتا تھا۔ اُس نے اجلاس میں اعلان کیا کہ اُس کی غیر حاضری میں اُس کا بھائی تقی الدین قائم مقام امیرِ مصر اور یہاں کی افواج کا سالارِ اعلیٰ ہوگا اور اسے اتنے ہی اختیارات حاصل ہوں گے جو سلطان ایوبی کے اپنے تھے۔

"تقی الدین!" — سلطان ایوبی نے اپنے بھائی سے کہا — "آج سے دل سے نکال دو کہ تم میرے بھائی ہو۔ نااہلی، بددیانتی، کوتاہی، غدّاری یا سازش اور بے انصافی کا ارتکاب کرو گے تو اُسی سزا کے مستحق سمجھے جاؤ گے جو شریعت کے قانون میں درج ہے۔"

"میں اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں امیرِ مصر!" — تقی الدین نے کہا — "اور ان خطروں سے بھی آگاہ ہوں جو مصر کو درپیش ہیں۔"

"صرف مصر کو نہیں" — سلطان ایوبی نے کہا — "یہ خطرے سلطنتِ اسلامیہ کو درپیش ہیں اور اسلام کے فروغ اور سلطنت کی توسیع کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی بھی خطّہ جو سلطنتِ اسلامیہ کہلاتا ہے، وہ کسی ایک فرد یا گروہ کی جاگیر نہیں، وہ خدائے عزّوجل کی سرزمین ہے اور تم سب اس کے پاسبان اور امین ہو۔ اس کی مٹی کا ذرّہ ذرّہ تمہارے پاس امانت ہے۔ اس کی مٹی بھی جب اپنے کام میں لانا چاہو تو سوچ لو کہ تم کسی دوسرے انسان کا حق تو نہیں مار رہے، خدا کی امانت میں خیانت تو نہیں کر رہے؟... میری باتیں غور سے سن لو تقی الدین! اسلام کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کے پیروکاروں میں غدّاروں اور سازش

پسندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے کسی قوم نے اتنے غدّار پیدا نہیں کیے جتنے مسلمانوں نے کیے ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری تاریخ جو جہاد اور اللہ کے نام پر جنگ و جدل کی قابلِ فخر تاریخ ہے، غدّاری کی بھی تاریخ بن گئی ہے اور اپنی قوم کے خلاف سازش گری ہماری روایت بن گئی ہے..... علی بن سفیان سے پوچھو تقی! ہمارے وہ جاسوس جو صلیبیوں کے علاقوں میں سرگرم رہتے ہیں، بتاتے ہیں کہ صلیبی حکمران، مذہبی پیشوا اور دانشور اسلام کی اس کمزوری سے واقف ہیں کہ مسلمان زن، زر اور اقتدار کے لالچ میں اپنے مذہب، اپنے ملک اور اپنی قوم کا تختہ الٹ دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔"

سلطان ایوبی نے اجلاس کے شرکا پر نگاہ دوڑائی اور کہا ـــــ "ہمارے جاسوسوں نے ہمیں بتایا ہے کہ صلیبیوں نے اپنے جاسوسوں کو ذہن نشین کرایا ہے کہ مسلمان کی تاریخ جتنی فتوحات کی ہے اتنی ہی غدّاری کی تاریخ ہے۔ مسلمانوں نے اتنی فتوحات حاصل نہیں کیں جتنے غدّار پیدا کیے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد مسلمان خلافت پر ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کیا۔ ایک خلیفہ یا امیر مقرر ہُوا تو خلافت اور امارت کے دوسرے امیدواروں نے اُس کے خلاف یہاں تک سازشیں کیں کہ اسلام کے دشمنوں تک سے درپردہ مدد لی اور جس کے ہاتھ میں خلافت اور امارت آگئی اُس نے ہر اُس قائد کو قتل کرایا جس سے اقتدار کو خطرہ محسوس ہُوا۔ قومی وقار ختم ہوتا گیا اور ذاتی اقتدار رہ گیا۔ پھر تحفظ اسی کا ہوتا رہا۔ سلطنت کی توسیع ختم ہوئی، پھر سلطنت کا دفاع ختم ہُوا اور پھر سلطنت سکڑنے لگی۔ صلیبی ہماری اس تاریخی کمزوری سے آگاہ ہیں کہ ہم لوگ ذاتی اقتدار کے تحفظ اور استحکام کے لیے سلطنت کا بہت بڑا حصہ بھی قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی ہماری تاریخ بنتی جا رہی ہے.....

"تقی الدین اور میرے رفیقو! میں جب ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں اور جب اپنے موجودہ دور میں غدّاروں کی بھرمار اور سازشوں کے جال کو دیکھتا ہوں تو یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمان تاریخ کی تحریروں کے ساتھ بھی غدّاری کریں گے۔ وہ قوم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لکھیں گے کہ وہ بہادر ہیں اور انہوں نے دشمن کو ناک چنے چبوا دیئے ہیں مگر درپردہ دشمن کو دوست بنائے رکھیں گے۔ اپنی شکستوں پر پردے ڈالے رکھیں گے۔ سلطنتِ اسلامیہ سکڑتی چلی جائے گی اور ہمارے خود ساختہ خلیفے اس کا الزام کسی اور پر تھوپیں گے۔ مسلمانوں کی ایک نسل ایسی آئے گی جن کے پاس صرف نعرہ رہ جائے گا "اسلام زندہ باد"۔ وہ نسل اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں ہوگی۔ اس نسل کو یہ بتانے والا کوئی نہ ہوگا کہ اسلام کے پاسبان اور علمبردار وہ تھے جو وطن سے دور ریگزاروں میں، پہاڑوں اور وادیوں میں، اجنبی ملکوں میں جا کر لڑے۔ وہ دریا اور سمندر پھلانگ گئے۔ انہیں کڑکتی بجلیاں، آندھیاں اور اولوں کے طوفان بھی نہ روک سکے۔ وہ اُن ملکوں میں لڑے جہاں کے پتھر بھی اُن کے دشمن تھے۔ وہ بھوکے لڑے، پیاسے لڑے، ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بغیر بھی لڑے۔ وہ زخمی ہوئے تو کسی نے ان کے زخموں پر مرہم نہ رکھا۔ وہ شہید ہوئے تو ان کے رفیقوں کو ان کے لیے قبریں کھودنے کی مہلت نہ ملی۔ وہ خون بہاتے گئے، اپنا بھی، دشمن کا بھی۔ اور پیچھے ایوانِ خلافت میں شراب بہتی رہی، برہنہ لڑکیوں کے ناچ ہوتے رہے، یہودی

اور صلیبی سونے سے اور اپنی بیٹیوں کے حُسن سے ہمارے خلیفوں اور ہمارے امیروں کو اندھا کرتے گئے۔ جب خلیفوں نے دیکھا کہ قوم ان تیغ زنوں کی پجاری ہوتی جا رہی ہے جنہوں نے یورپ اور ہندوستان میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں تو خلیفوں نے ان مجاہدینِ اسلام پر لوٹ مار اور زناکاری جیسے الزام تھوپنے شروع کر دیئے انہیں کمک اور رسد سے محروم کر دیا۔ مجھے قاسم کا وہ کمسن اور خوبرو بیٹا یاد آتا ہے جس نے اس عمر میں ہندوستان کے ایک طاقتور حکمران کو شکست دی اور ہندوستان کے اتنے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا کہ اُس نے کمک نہیں مانگی، رسد نہیں مانگی۔ مفتوحہ علاقوں کا ایسا انتظام کیا کہ ہندو اُس کے غلام ہو گئے اور اُس کی شفقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ مجھے جب یہ لڑکا یاد آتا ہے تو دل میں درد اٹھتا ہے۔ اُس وقت کے خلیفہ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اُس پر زنا کا الزام عائد کیا اور مجرم کی حیثیت سے واپس بلایا" ـــــ سلطان ایوبی کو ہچکی سی آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے ـــــ "میرا عزیز دوست صلاح الدین ایوبی اپنی فوج کے سپاہیوں، شہیدوں کی لاشیں دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر رونق آجایا کرتی تھی مگر صرف ایک غدّار کو سزائے موت دے کر جب اُس کی لاش کو دیکھتا تو اس کا چہرہ بُجھ جاتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے..... محمد بن قاسم کا ذکر کرتے کرتے اُسے ہچکی آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ آنسو روک رہا ہے۔ کہنے لگا ـــــ 'دشمن اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اپنوں نے اسے شہید کر دیا۔ دشمن نے اُسے فاتح تسلیم کیا۔ اپنوں نے اُسے زانی کہا' ـــــ صلاح الدین ایوبی نے زیاد کے بیٹے طارق کا بھی ذکر کیا اور اُس روز وہ اتنا جذباتی ہو گیا تھا کہ اس کی زبان رکتی ہی نہیں تھی حالانکہ وہ کم گو تھا۔ حقیقت پسند تھا۔ ہم سب پر خاموشی طاری تھی اور ہم سب جسم کے اندر عجیب سا اثر محسوس کر رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی بلاشک و شبہ عظیم قائد تھا۔ وہ ماضی کو نہیں بھولتا تھا۔ حال کے خطروں اور تقاضوں سے نبرد آزما رہتا اور اُس کی نظریں صدیوں بعد آنے والے مستقبل پر لگی رہتی تھیں۔"

"صلیبیوں کی نظریں ہمارے مستقبل پر لگی ہوئی ہیں" ـــــ سلطان ایوبی نے کہا ـــــ "صلیبی حکمران اور فوجی حکام کہتے ہیں کہ وہ اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ وہ ہماری سلطنت پر قابض نہیں ہونا چاہتے، وہ ہمارے دلوں کو نظریات کی تلوار سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ میرے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ صلیبیوں کا سب سے زیادہ اسلام دشمن بادشاہ فلپ آگسٹس کہتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو ایک مقصد دے دیا ہے اور ایک روایت پیدا کر دی ہے۔ اب صلیبیوں کی آنے والی نسلیں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سرگرم رہیں گی۔ ضروری نہیں کہ وہ تلوار کے زور سے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔ ان کے پاس کچھ حربے اور بھی ہیں..... تقی الدین! جس طرح اُن کی نظر مستقبل پر ہے اسی طرح ہمیں بھی مستقبل پر نظر رکھنی چاہیئے۔ جس طرح اُنہوں نے ہم میں غدّار پیدا کرنے کی روایت قائم کر دی ہے اسی طرح ہمیں ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ غدّاری کے جراثیم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔ غدّاروں کو قتل کرتے چلے جانا کوئی علاج نہیں، غدّاری کا رجحان ختم کرنا ہے۔ اقتدار کی ہوس ختم کر کے حُبِّ رسولؐ پیدا کرنی

ہے۔ یہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ قوم کی آنکھوں میں رسولؐ کے دشمن کا تصور موجود ہو۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ صلیبیوں کی تہذیب میں ایسی بے حیائی ہے جو پُرکشش ہے۔ قومیں ان کی تہذیب میں جذب ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اُن کے ہاں شراب بھی جائز ہے، عورتوں کا غیر مردوں کے ساتھ ناچنا کودنا اور تنہا رہنا بھی جائز ہے۔ ہمارے اور اُن کے درمیان یہی سب سے بڑا فرق ہے کہ ہم عصمتوں کے پاسبان ہیں اور وہ عصمتوں کے بیوپاری۔ یہی وہ فرق ہے جو ہمارے مسلمان بھائی مٹا دیتے ہیں۔ تقی الدین! تمہارا ایک محاذ زمین کے اوپر ہے دوسرا زمین کے نیچے۔ ایک محاذ دشمن کے خلاف اور دوسرا اپنوں کے خلاف۔ اگر اپنوں میں غدار نہ ہوتے تو ہم اِس وقت یہاں نہیں یورپ کے قلب میں بیٹھے ہوتے اور صلیبی ہمارے خلاف اپنی حسین بیٹیوں کی بجائے کوئی بہتر ہتھیار استعمال کرتے اور اچھی قسم کی جنگی چالیں چلتے۔ ایمان کی حرارت تیز ہوتی تو اِس وقت تک صلیب ایندھن کی طرح جل چکی ہوتی۔"

"مجھے آپ کی بہت سی دشواریوں کا علم یہاں آکر ہوا ہے" — تقی الدین نے کہا — "محترم نورالدین زنگی بھی پوری طرح آگاہ نہیں کہ مصر میں آپ غداروں کی ایک فوج کے گھیرے میں آئے ہوئے ہیں۔ آپ اُن سے کمک مانگ بھیجئے۔ انہیں مدد کے لیے کہیے۔"

"تقی بھائی!" — سلطان ایوبی نے جواب دیا — "مدد صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے۔ مدد اپنوں سے مانگی جائے یا غیروں سے، اپنا ایمان کمزور کر دیتی ہے۔ صلیبیوں کی فوج زرہ بکتر میں ہے۔ میرے سپاہی معمولی سے کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ پھر بھی انہوں صلیبیوں کو شکست دی ہے۔ ایمان لوہے کی طرح مضبوط ہو تو زرہ بکتر کی ضرورت نہیں رہتی۔ زرہ بکتر اور خندقیں تحفظ کا احساس پیدا کرتی ہیں اور سپاہی کو اپنے اندر قید کر لیتی ہیں۔ یاد رکھو، میدان میں خندق سے باہر رہو۔ گھوم پھر کر لڑو۔ دشمن کے پیچھے نہ جاؤ۔ اسے اپنے پیچھے لاؤ۔ مرکز کو قائم رکھو۔ پہلوؤں کو پھیلا دو اور دشمن کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لو۔ محفوظہ وہاں رکھو جہاں سے وہ دشمن کے عقب میں جا سکے۔ چھاپہ ماروں کے بغیر کبھی جنگ نہ لڑو۔ چھاپہ ماروں سے دشمن کی رسد تباہ کراؤ۔ وہ رسد جو پیچھے سے آئے اور وہ بھی جو دشمن اپنے ساتھ رکھے۔ چھاپہ ماروں کو دشمن کے جانوروں کو مارنے یا ہراساں کرنے کے لیے استعمال کرو۔ آمنے سامنے کی ٹکر سے بچو۔ جنگ کو طول دو۔ دشمن کو پریشان کیے رکھو..... میں جو فوج چھوڑ چلا ہوں یہ محاذ سے آئی ہے۔ اس نے شوبک کا قلعہ سر کیا ہے۔ اس نے دشمن کی آنکھ سے آنکھ ملائی ہے۔ اپنے سپاہیوں کو شہید کرا کے آئی ہے۔ اس فوج میں جان پر کھیل جانے والے چھاپہ مار دستے بھی ہیں۔ اسے صرف اشارے کی ضرورت ہے۔ میں نے اس فوج میں ایمان کی حرارت پیدا کر رکھی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر اس فوج کا ایمان سرد کر دو۔ ہم پر جو حملہ ہو رہا ہے وہ ہمارے ایمان پر ہو رہا ہے۔ صلیبی تمدن کے اثرات بڑی تیزی سے مصر میں آ رہے ہیں۔"

سلطان ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کو پوری تفصیل سے بتایا کہ سوڈان میں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سوڈانیوں میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی ہے جو مسلمان ہیں نہ عیسائی۔ ان میں مسلمان بھی ہیں جن میں مصر کی اُس فوج کے بھگوڑے بھی ہیں جسے بغاوت کے جرم میں توڑ دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے کہا — "لیکن گھر

بیٹھے دشمن کا انتظار نہ کرتے رہنا۔ جاسوس تمہیں خبریں دیتے رہیں گے۔ حسن بن عبداللہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں محسوس کرو کہ دشمن کی تیاری مکمل ہو چکی ہے اور وہ اب حملے کے لیے اجتماع کر رہا ہے، تم وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دو اور دشمن کو تیاری کی حالت میں ہی ختم کر دو، لیکن پیچھے کے انتظامات مضبوط رکھنا۔ قوم کو محاذ کے حالات سے بے خبر نہ رکھنا۔ اگر خدانخواستہ شکست ہو جائے تو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو تسلیم کر لینا اور قوم کو بتا دینا کہ شکست کے اسباب کیا تھے۔ جنگ قوم کے خون اور پیسے سے لڑی جاتی ہے۔ بیٹے قوم کے شہید اور اپاہج ہوتے ہیں۔ لہٰذا قوم کو اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ جنگ کو بادشاہوں کا کھیل نہ سمجھنا۔ یہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ اس میں قوم کو اپنے ساتھ رکھنا ..... میں نے جس فاطمی خلافت کو معزول کیا تھا اس کے حواری ہمارے خلاف سرگرم ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے در پردہ اپنا خلیفہ مقرر کر رکھا ہے۔ ان کا خلیفہ العاضد تو مر گیا ہے لیکن وہ خلافت کو اس امید پر زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ سوڈانی مصر پر حملہ کریں گے۔ ہماری فوج بغاوت کرے گی اور صلیبی پیچھے سے امداد کر کے فاطمی خلافت بحال کر دیں گے۔ فاطمیوں کو حسن بن صباح کے قاتل گروہ کی حمایت حاصل ہے۔ میں علی بن سفیان کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس کا نائب حسن بن عبداللہ اور کوتوال غیاث بلبیس تمہارے ساتھ رہیں گے۔ یہ اس زمین دوز گروہ پر نظر رکھیں گے..... فوج کی بھرتی تیز کر دو اور انہیں جنگی مشقیں کراتے رہو۔"

"تھوڑے ہی عرصے سے ہمیں اطلاعیں مل رہی ہیں کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے سے فوج کے لیے بھرتی نہیں مل رہی" — حسن بن عبداللہ نے کہا — "یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں۔"

"معلوم کرایا ہے کہ باعث کیا ہے؟" — علی بن سفیان نے پوچھا۔

"میرے دو مخبر اس علاقے میں قتل ہو چکے ہیں" — حسن بن عبداللہ نے کہا — "وہاں سے خبر لینا آسان نہیں، تاہم میں نے نئے مخبر بھیج دیئے ہیں۔"

"میں اپنے ذرائع سے معلوم کر رہا ہوں" — غیاث بلبیس نے کہا — "مجھے شک ہے کہ اس وسیع علاقے کے لوگ کسی نئے وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ علاقہ دشوار گزار ہے۔ لوگ سخت جان ہیں لیکن عقیدوں کے ڈھیلے اور توہمات پرست ہیں۔"

"توہم پرستی بہت بڑی لعنت ہے" — سلطان ایوبی نے کہا — "اُس علاقے پر نظر رکھو اور وہاں کے لوگوں کو توہمات سے بچاؤ۔"

☆

تین چار روز بعد کرک کے قلعے میں بھی ایک اجلاس منعقد ہوا۔ وہ صلیبی حکمرانوں اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کا اجلاس تھا۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کا ایک قلعہ (شوبک) لے چکا ہے اور اب کرک پر حملہ کرے گا۔ انہیں اِس احساس نے پریشان کر رکھا تھا کہ اگر مسلمانوں نے کرک کو بھی شوبک کی طرح فتح کر لیا تو یروشلم کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔ صلیبی جان گئے تھے کہ سلطان ایوبی سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک جگہ لے لیتا ہے فوج کی کمی نئی بھرتی سے پوری کرتا ہے، اُسے پرانی فوج کے ساتھ ٹریننگ دیتا ہے اور جب اُسے یقین ہو جاتا ہے

کردہ اگلی ٹکر لینے کے قابل ہوگیا ہے تو آگے بڑھتا ہے۔ چنانچہ وہ کرک کے دفاع کو مضبوط کر رہے تھے اور باہر آکر لڑنے کی بھی سکیم بنا چکے تھے، مگر اس اجلاس میں انہیں اپنی سکیم میں ردوبدل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کیونکہ اُن کی انٹیلی جنس کے سربراہ ہرمن نے انہیں سلطان ایوبی، اس کی فوج اور مصر کے تازہ حالات کے متعلق انقلابی خبریں دی تھیں۔

صلیبی جاسوسوں نے بہت ہی تھوڑے سے وقت میں کرک میں یہ اطلاعیں پہنچا دی تھیں کہ سلطان ایوبی اُس فوج کو قاہرہ لے گیا ہے جو اِس محاذ پر لڑی اور شوبک کا قلعہ لیا تھا اور قاہرہ میں جو فوج ہے اسے عجلت میں محاذ پر بھیج دیا گیا ہے اور نورالدین زنگی نے اپنی بہترین فوج کی کمک اس محاذ پہ بھیج دی ہے اور سلطان ایوبی کا بھائی تقی الدین دمشق سے قاہرہ پہنچ گیا ہے جہاں وہ سلطان ایوبی کا قائم مقام ہوگا اور سلطان ایوبی قاہرہ چلا گیا ہے جہاں وہ سازشیوں کو سزائے موت دے کر محاذ کی طرف روانہ ہوگیا ہے۔ صلیبیوں کے لیے یہ خبر اچھی نہیں تھی کہ قاہرہ کا نائب ناظم مصلح الدین بھی پکڑا گیا اور غداری کے جرم میں مارا گیا ہے۔ مصلح الدین صلیبیوں کا کارآمد اور اہم ایجنٹ تھا۔ صلیبی نظام جاسوسی کا سربراہ ہرمن اجلاس کو ان تبدیلیوں سے آگاہ کر رہا تھا۔ اُس نے کہا ـــ "مصلح الدین کے مارے جانے سے ہمیں نقصان تو ہوا ہے لیکن تقی الدین کا تقرر ہمارے لیے اُمید افزا ہے۔ وہ بے شک صلاح الدین کا بھائی ہے لیکن وہ سلطان ایوبی نہیں ہے۔ میرے تخریب کار جاسوس اُسے چکر دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ بھی امید افزا ہے کہ صلاح الدین اور علی بن سفیان قاہرہ سے غیر حاضر ہیں۔"

"میں حیران ہوں کہ تمہارے حشیشین کیا کر رہے ہیں؟" ـــ ریمانڈ نے پوچھا ـــ "کیا وہ دوہرا کھیل تو نہیں کھیل رہے؟ کمبخت ابھی تک صلاح الدین کو قتل نہیں کر سکے۔ ہم بہت رقم ضائع کر چکے ہیں۔"

"رقم ضائع نہیں ہو رہی" ـــ ہرمن نے کہا ـــ "مجھے امید ہے کہ صلاح الدین محاذ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اُس کے ساتھ چوبیس باڈی گارڈ قاہرہ گئے ہیں۔ ان میں چار حشیشین ہیں۔ ان کے لیے موقع آگیا ہے۔ میں نے انتظام کر دیا ہے۔ وہ صلاح الدین کو راستے میں قتل کر دیں گے۔"

"ہمیں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے" ـــ فلپ آگسٹس نے کہا ـــ "یہ فرض کر کے سوچو کہ صلاح الدین ایوبی قتل نہیں ہو سکا اور وہ زندہ و سلامت محاذ پر موجود ہے۔ اُس کے پاس اب تازہ دم فوج ہے۔ اُس نے نئی بھرتی کو ٹریننگ دے لی ہے اور اُسے نورالدین زنگی کی کمک مل گئی ہے۔ اُس نے شوبک جیسا مضبوط اڈہ بھی حاصل کر لیا ہے، لہٰذا اب اس کی رسد قاہرہ سے نہیں آئے گی۔ شوبک میں اُس نے بے شمار رسد جمع کر لی ہے۔ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ میں اُسے موقع نہیں دینا چاہتا کہ وہ کرک کا محاصرہ کرلے اور ہم محاصرے میں لڑیں۔"

"اب ہم محاصرے تک نوبت نہیں آنے دیں گے" ـــ ایک اور صلیبی حکمران نے کہا ـــ "ہم باہر لڑیں گے اور اس انداز سے لڑیں گے کہ شوبک کا محاصرہ کر لیں۔"

"صلاح الدین صحرائی لومڑی ہے" ـــ فلپ آگسٹس نے کہا ـــ "اسے صحرا میں شکست دینا آسان نہیں۔ وہ ہمیں شوبک کے محاصرے کی اجازت دے دے گا مگر ہمارا محاصرہ کرلے گا۔ میں اس کی چالیں سمجھ چکا ہوں۔ اگر تم اُسے آمنے سامنے لا کر لڑا سکتے ہو تو میں تمہیں فتح کی ضمانت دے سکتا ہوں، مگر تم اسے سامنے نہیں لا سکو گے۔"

بہت دیر کے بحث مباحثے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ نصف فوج کو قلعے سے باہر بھیج دیا جائے اور سلطان ایوبی کی فوج کے قریب خیمہ زن کر دیا جائے اور اس کی فوج کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھی جائے۔ اس سکیم میں باہر لڑنے والی فوج کی تعداد کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ سلطان ایوبی کی فوج سے تین گنا ہو اور دگنی نفری ہو جو عقب سے حملے کے لیے الگ مقرر کی گئی اور پلان میں یہ بھی شامل کیا گیا کہ مسلمان فوج کی کمک اور رسد شوبک سے آئے گی، لہٰذا شوبک اور مسلمانوں کے درمیانی فاصلے کو چھاپہ ماروں کی زد میں رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ فوجی کمانڈروں نے کہا کہ سامنے سے اتنی زیادہ قوت سے حملہ کیا جائے کہ صلاح الدین ایوبی جم کر لڑنے پر مجبور ہو جائے۔ صلیبیوں کو دراصل اپنی بکتر فوج پر بھروسہ تھا۔ اُن کی بیشتر فوج زرہ پوش تھی۔ سروں پر آہنی خود تھے۔ پیشانیوں سے ناک اور منہ تک چہرے آہنی خودوں کے مضبوط نقابوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے اونٹوں کو بھی زرہ پوش کر لیا تھا۔ اونٹوں کے سروں پر آہنی غلاف چڑھا دیئے گئے تھے اور پہلوؤں کے ساتھ لوہے کی پتریاں لٹکتی تھیں جو تیروں کو روک لیتی تھیں۔ انہوں نے کوشش کی تھی کہ بہتر قسم کے گھوڑے حاصل کر سکیں۔ یورپی ممالک سے لائے ہوئے گھوڑے صحرا میں جلدی تھک جاتے اور پیاس سے بے حال ہو جاتے تھے۔ صلیبیوں نے عربی علاقوں سے گھوڑے خریدے تھے مگر ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے قافلوں سے گھوڑے چھیننے شروع کر دیئے تھے۔ گھوڑے چرائے بھی تھے۔ سلطان ایوبی کے گھوڑے بہتر تھے۔ عربی نسل کے یہ صحرائی گھوڑے پیاس سے بے نیاز میلوں بھاگ سکتے تھے۔

ان جنگی تیاریوں اور اہتمام کے علاوہ صلیبیوں نے نظریاتی جنگ کا محاذ جو کھولا تھا اس کے متعلق اُن کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر ہرمن نے رپورٹ پیش کی کہ صلاح الدین ایوبی کو مصر کے جنوب مغرب کے سرحدی علاقے سے بھرتی نہیں ملے گی۔ یہ وہی علاقہ تھا جس کے متعلق سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ نے رپورٹ دی تھی کہ وہاں کے لوگ اب فوج میں بھرتی نہیں ہوتے بلکہ بعض لوگ فوج کے خلاف بھی ہو گئے ہیں۔ یہ جفاکش اور جنگجو قبائل کا علاقہ تھا جس نے سلطان ایوبی کو نہایت اچھے سپاہی دیئے تھے مگر اب ہرمن کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ صلیبی تخریب کار اُس علاقے میں پہنچ گئے ہیں۔ وہاں نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ حسن بن عبداللہ نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس علاقے کے لوگ فوج کے خلاف کیوں ہو گئے ہیں، دو مخبر بھیجے تھے۔ دونوں قتل ہو گئے تھے۔ ان کی لاشیں نہیں ملی تھیں، پُراسرار سی ایک اطلاع ملی تھی کہ ہمیشہ کے لیے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ وہ علاقہ جو بہت وسیع و عریض تھا، جاسوسوں اور مخبروں کے لیے بہت ہی مضبوط قلعہ بن گیا تھا۔ وہاں سے کوئی معلومات حاصل ہوتی ہی نہیں تھیں۔ اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ وہاں کے لوگ ہیں تو مسلمان لیکن توہم پرست اور عقیدے کے بہت ڈھیلے ہیں۔

ہرمن نے تفصیلات بتائے بغیر کہا کہ اُس کا تجربہ کامیاب رہا ہے۔ وہ اب مصر کے تمام تر سرحدی علاقے میں اس طریقۂ کار کو پھیلائے گا۔ پھر ان اثرات کو مصر کے اندر لے جانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے اُمید ظاہر کی کہ وہ مصر کے قصبوں اور شہروں کو بھی اپنے اثر میں لے لے گا۔ اُس نے کہا ـــ "میں مسلمانوں کی ایک ایسی خامی کو اُن کے خلاف استعمال کر رہا ہوں جسے وہ اپنی خوبی سمجھتے ہیں۔ مسلمان درویشوں، فقیروں اور وظیفے اور چلّے

کرنے والوں عاملوں اور مولویوں اور کٹیا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہنے والے مذہب قسم کے لوگوں کے فوراً مرید بن جاتے ہیں۔ درویشوں وغیرہ کا یہ گروہ اسلامی فوج کے ان سالاروں کے خلاف ہے جنہوں نے ہمارے خلاف جنگیں لڑکر شہرت حاصل کی ہے۔ یہ درویش اپنے متعلق لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ خدا اُن کے ہاتھ میں ہے اور وہ خدا کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ وہ صرف نام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں میدانِ جنگ میں جانے کی ہمت اور جرأت نہیں، لہٰذا وہ گھر بیٹھے وہی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو سالاروں نے جہاد میں حاصل کی ہے۔ اگر دیانت داری اور غیر جانب داری سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے یہ فوجی لیڈر جن میں صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی بھی شامل ہیں قابلِ تحسین انسان ہیں۔ ان میں سے جنہوں نے یورپ تک اسلام پھیلا دیا اور سپین کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا، بجا طور پر حق رکھتے ہیں کہ قوم اپنی عبادت میں بھی ان کا نام لے مگر اُن کے خلیفوں نے اپنا نام عبادت میں شامل کر کے فوجی لیڈروں کی اہمیت گھٹا دی۔۔۔ اس کے ساتھ مسلمانوں میں نام نہاد عالموں اور اماموں کا ایک گروہ پیدا ہُوا جو عمل سے گھبراتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہیں وہ عالم اور امام ہیں۔ یہ گروہ خلیفوں کی آڑ میں جہاد کے معنی مسخ کر رہا ہے تاکہ لوگ جہاد میں جانے کی بجائے ان کے گرد جمع ہوں اور انہیں خدا کے برگزیدہ انسان مانیں۔ اُن کے پاس پُراسرار سی باتیں اور باتیں کرنے کا ایسا طلسماتی انداز ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان برگزیدہ انسانوں کے سینے میں وہ راز چھپا ہُوا ہے، جو خدا نے ہر بندے کو نہیں بتایا۔ چنانچہ سیدھے سادھے مسلمان اُن کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ میں انہی عالموں اور درویشوں کو استعمال کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کی یہ کمزوری ہمیں بہت فائدہ دے رہی ہے۔ ہم مسلمانوں کو اسلام کی ہی باتیں سنا سنا کر اسلام کی بنیادی رُوح سے دُور لے جا رہا ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہودیوں نے نظریاتی تخریب کاری کر کے اسلام کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ میں انہی کے اصولوں پر کام کر رہا ہوں۔"

یہی وہ محاذ تھا جس کے متعلق سلطان ایوبی پریشان رہتا تھا۔ پریشانی کا اصل باعث یہ تھا کہ اس محاذ پر اپنی ہی قوم کے افراد اُس کے خلاف لڑ رہے تھے اور یہ محاذ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔

☆

تقی الدین اور اپنے اُن حکام کو جنہیں قاہرہ میں رہنا تھا، ہدایات دے کر سلطان ایوبی محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ چوبیس ذاتی محافظوں کا دستہ تھا۔ صلیبیوں کو باڈی گارڈز کی نفری کا علم تھا اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ اس دستے میں چار حشیشین ہیں جو نہایت کامیاب اداکاری سے اور بہادری کے کارناموں سے محافظ دستے کے لیے منتخب ہو گئے تھے۔ ان کا مقصد صلاح الدین ایوبی کا قتل تھا لیکن انہیں موقع نہیں مل رہا تھا، کیونکہ محافظ دستے کی نفری چوبیس سے کہیں زیادہ رہتی اور ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔ کبھی بھی ایسا نہ ہُوا کہ ان چاروں کی ڈیوٹی اکٹھی لگی ہو۔ محافظوں کے کمانڈر بہت ہوشیار اور چوکس رہتے تھے۔ انہیں یہ تو علم نہیں تھا کہ ان کے درمیان قاتل بھی موجود ہیں وہ بیدار رہتے تھے کہ کوئی محافظ کوتاہی نہ کرے۔ اب سلطان ایوبی سفر میں تھا۔ اُس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ محافظوں کی پوری فوج کو ساتھ نہیں رکھے گا، چوبیس کافی ہیں، حالانکہ راستے میں صلیبی چھاپہ ماروں کا خطرہ تھا۔

سلطان ایوبی قاہرہ سے دن کے پچھلے پہر روانہ ہُوا تھا۔ آدھی رات سفر میں اور باقی آرام میں گزری۔ سحر کی تاریکی میں اُس نے کوچ کا حکم دیا۔ دوپہر کا سورج گھوڑوں کو پریشان کرنے لگا تو ایک ایسی جگہ یہ قافلہ رُک گیا، جہاں پانی بھی تھا، درخت بھی اور ٹیلوں کا سایہ بھی تھا۔ ذرا سی دیر میں سلطان ایوبی کے لیے خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اس کے اندر سفری چارپائی اور بستر بچھا دیا گیا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر سلطان ایوبی اونگھنے کے لیے لیٹ گیا۔ دو محافظ خیمے کے آگے اور پیچھے کھڑے ہو گئے۔ دستے کے باقی محافظ قریب ہی سایہ دیکھ کر بیٹھ گئے۔ کچھ گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے لے گئے۔ علی بن سفیان اور دیگر حکام جو سلطان ایوبی کے ساتھ تھے، ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گئے۔ انہوں نے خیمے نصب نہیں کرائے تھے۔ اس جگہ کے خدوخال ایسے تھے کہ سلطان ایوبی کا خیمہ اُن کی نظروں سے اوجھل تھا۔ صحرا کا سورج زمین و آسمان کو جلا رہا تھا۔ جس کسی کو جہاں چھاؤں ملی وہاں بیٹھ یا لیٹ گیا۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ سلطان ایوبی کے خیمے پر جن دو محافظوں کی ڈیوٹی لگی وہ دونوں حشیشین تھے جو ایک عرصے سے ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ اس موقع کو پوری طرح موزوں بنانے کے لیے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ محافظوں کی زیادہ تر نفری گھوڑوں کو پانی پلانے چلی گئی تھی۔ پانی ایک ٹیلے کے دوسری طرف تھا۔ قافلے کا سامان اٹھانے والے اونٹوں کے شتربان بھی اونٹوں کو پانی کے لیے لے گئے تھے۔ جو محافظ ڈیوٹی والوں کے علاوہ پیچھے رہ گئے تھے اُن میں دو اور حشیشین تھے۔ انہوں نے اشاروں اشاروں میں طے کر لیا۔ سلطان ایوبی کے خیمے کے سامنے کھڑے محافظ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر دیکھا اور باہر والوں کو اشارہ کیا۔ سلطان ایوبی اس حالت میں گہری نیند سویا ہُوا تھا کہ اُس کی پیٹھ خیمے کے دروازے کی طرف تھی۔ محافظ دبے پاؤں اندر چلا گیا۔ اُس نے خنجر نہیں نکالا، تلوار نہیں نکالی، بلکہ اُس کے ہاتھ میں جو برچھی تھی وہ بھی اُس نے خیمے کے باہر رکھ دی تھی۔ ہر محافظ کی طرح وہ قوی ہیکل جوان تھا۔ دیکھنے میں وہ سلطان ایوبی کی نسبت دُگنا نہیں تو ڈیڑھ گنا طاقت ور ضرور تھا۔

وہ دبے پاؤں سلطان ایوبی تک گیا اور بجلی کی تیزی سے سلطان کی گردن دونوں ہاتھوں میں جکڑ لی۔ سلطان ایوبی جاگ اٹھا۔ اُس نے کروٹ بھی بدل لی لیکن جس شکنجے میں اُس کی گردن آگئی تھی اُس سے گردن چھڑانا ممکن نہیں تھا۔ اسلام کے اس جری جرنیل کی زندگی صرف دو منٹ رہ گئی تھی۔ وہ اب پیٹھ کے بل پڑا تھا۔ حملہ آور نے اُس کے پیٹ پر گھٹنہ رکھ کر ایک ہاتھ اُس کی گردن سے ہٹا دیا، دوسرے ہاتھ سے سلطان کی شہ رگ کو دبائے رکھا۔ اُس نے اپنے کمربند سے ایک پڑیا سی نکالی۔ اسے ایک ہی ہاتھ سے کھولا اور سلطان ایوبی کے منہ میں ڈالنے لگا۔ وہ سلطان کو زہر دے کر مارنا چاہتا تھا کیونکہ گلا دبا کر مارنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ گلا دبایا گیا ہے۔ سلطان ایوبی بے بس تھا۔ پیٹ پر اتنے قوی ہیکل جوان کا گھٹنہ اور بوجھ تھا۔ شہ رگ دشمن کے شکنجے میں تھی اور سانس رُک گیا تھا۔ اُس کا منہ کھلا ہُوا تھا جو اُس نے پڑیا دیکھ کر بند کر لیا۔ اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔ موت سر پہ آگئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے کمربند سے تلوار نما خنجر نکال لیا جو وہ زیور کی طرح اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ حملہ آور اُس کے منہ میں زہر ڈالنے کی کوشش میں مگن تھا، دیکھ نہ سکا کہ سلطان نے خنجر نکال لیا ہے۔ سلطان ایوبی نے خنجر اُس کے پہلو میں اتار دیا، کھینچا اور ایک بار پھر خنجر حملہ آور کے پہلو میں اتر گیا۔ حملہ آور سانڈ جیسا آدمی تھا۔ اتنی جلدی مر نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی

سپاہی تھا۔ وہ خنجر کے وار اور ہنر سے آگاہ تھا۔ اُس نے خنجر حملہ آور کے پہلو سے نکالا نہیں۔ وہیں خنجر کو گھمایا اور نیچے کو جھٹکا دیا۔ حملہ آور کی انتڑیاں اور پیٹ کا اندرونی حصہ باہر آگیا۔

حملہ آور کے ہاتھ سے سلطان ایوبی کی گردن چھوٹ گئی۔ دوسرے ہاتھ سے زہر کی پُڑیا گر پڑی۔ سلطان ایوبی نے جسم کو جھٹکا دیا، حملہ آور کو دھکا دیا تو حملہ آور چارپائی سے نیچے جا پڑا۔ وہ اب اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ یہ معرکہ بمشکل آدھے منٹ میں ختم ہو گیا، مگر خیمے سے باہر دوسرا محافظ کھڑا تھا۔ اُس نے اندر دھمک سی سنی تو پردہ اُٹھا کر جھانکا۔ وہاں کچھ اور ہی نقشہ دیکھا۔ وہ تلوار سونت کر آیا اور سلطان ایوبی پر وار کیا مگر سلطان خیمے کے درمیانی بانس کے پیچھے ہو گیا۔ تلوار بانس پر لگی۔ سلطان تو جیسے پیدائشی تیغ زن تھا۔ اُدھر تلوار بانس میں لگی اِدھر سلطان ایوبی نے جھپٹا مارنے کے انداز سے حملہ آور پر خنجر کا وار کیا۔ حملہ آور بھی لڑاکا تھا۔ اسی لیے تو وہ محافظ دستے کے لیے چُنا گیا تھا۔ وہ وار بچا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے محافظ دستے کے کمانڈر کو آواز دی۔ حملہ آور نے دوسرا وار کیا، تو سلطان ایوبی آگے سے ہٹ گیا مگر ایسا ہٹا کہ حملہ آور کے پہلو میں چلا گیا۔ اب کے حملہ آور سلطان کے خنجر کا وار نہ بچا سکا۔ سلطان ایوبی کی پکار پر دو محافظ خیمے میں آ گئے۔ دونوں نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں سلطان ایوبی دوسرے محافظ کو بھی زخمی کر چکا تھا مگر وہ ابھی تک لڑ رہا تھا۔ اس کے دو اور ساتھی آ گئے تھے۔

سلطان ایوبی نے حوصلہ قائم اور دماغ حاضر رکھا۔ اللہ نے مدد کی کہ دستے کا کمانڈر اندر آ گیا۔ اس نے دوسرے محافظوں کو آوازیں دیں اور سلطان ایوبی کے کہنے پر وہ حملہ آوروں سے اُلجھ گیا۔ اتنے میں چار پانچ محافظ آ گئے۔ اُدھر سے علی بن سفیان اور دوسرے حکام بھی شور سُن کر آ گئے۔ خیمے میں دیکھا تو اُن کے رنگ اُڑ گئے۔ چار محافظ لہولہان ہو کے پڑے تھے۔ دو مر چکے تھے۔ تیسرا مر رہا تھا۔ وہ ہوش میں نہیں تھا۔ اس کا پیٹ اوپر سے نیچے تک پھٹا ہُوا اور سینے پر دو گہرے زخم تھے۔ چوتھے کے پیٹ میں ایک زخم تھا اور دوسرا زخم ران پر۔ وہ زمین پر بیٹھا ہاتھ جوڑ کر چلا رہا تھا — "میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے میری بہن کے لئے زندہ رہنے دو" — سلطان ایوبی نے اپنے محافظوں کو روک دیا۔ محافظ اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ انہوں نے تیسرے محافظ کو بے ہوشی میں سانس لیتے دیکھا تو اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ چوتھے کو سلطان ایوبی نے بچا لیا۔ یہ رحم کا جذبہ بھی تھا اور یہ ضرورت بھی کہ اس سے بیان لینے تھے اور اس سازش کی کڑیاں بھی ملانی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی کا طبیب اس کے قافلے کے ساتھ تھا۔ وہ جراح بھی تھا۔ ہر جگہ اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ اس زخمی کو ہر قیمت پر زندہ رکھنے کی کوشش کرے۔ سلطان ایوبی کو خراش تک نہیں آئی تھی۔ وہ ہانپ رہا تھا لیکن جذباتی طور پر بالکل مطمئن تھا۔ غصے کا شائبہ تک نہ تھا۔ اُس نے مسکرا کر کہا — "میں حیران نہیں ہوں۔ ایسا ہونا ہی تھا" — علی بن سفیان کی جذباتی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ یہ اُس کی ذمہ داری تھی کہ محافظ دستے کے لیے جسے منتخب کیا جائے اُس کے متعلق چھان بین کرے کہ وہ قابلِ اعتماد ہے۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ دستے کے باقی سپاہیوں میں کوئی ان کا ساتھی رہ گیا ہے یا باقی دیانتدار ہیں.... سلطان ایوبی کے بستر پر وہ پڑیا پڑی ہوئی تھی جو حملہ آور اُس کے منہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ ایک سفید سا سفوف تھا جس میں سے کچھ بستر پر بکھر گیا تھا۔ طبیب

نے یہ سفوف دیکھا اور جب سنا کہ یہ سلطان ایوبی کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا تو طبیب کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے بتایا کہ یہ ایسا زہر ہے جس کا صرف ایک ذرّہ حلق سے نیچے اُتر جائے تو تھوڑی سی دیر میں انسان نہایت اطمینان سے مر جاتا ہے۔ وہ تلخی محسوس نہیں کرتا اور نہ وہ اپنے اندر کوئی اذیت یا بے چینی محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے سلطان ایوبی کا بستر اُٹھوا کر باہر پھینکوایا اور صاف کرا دیا۔

سلطان ایوبی نے زخمی کو اُٹھوا کر اپنے بستر پر لٹا دیا۔ اس کے پیٹ میں تلوار لگی تھی اور دوسرا زخم ران پر تھا۔ پیٹ کا زخم مہلک نظر نہیں آتا تھا۔ ترچھا تھا۔ ران کا زخم لمبا تھا اور گہرا بھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ سلطان کے خلاف اس کے دل میں کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ کوئی نظریاتی عداوت بھی نہیں تھی۔ وہ کرائے کا قاتل تھا۔ اپنی شکست کے ساتھ اُسے اپنی ایک غیر شادی بہن کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا نام لیتا اور کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں، میرا گناہ بخش دو۔ ایک مسلمان بہن کی خاطر مجھے بخش دو۔

"زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے" — سلطان ایوبی نے ایسے لہجے میں کہا جس میں تحمل تھا مگر رعب اور جلال بھی تھا۔ سلطان نے کہا — "تم نے دیکھ لیا ہے کہ کون مارتا اور کون زندہ رکھتا ہے، لیکن میرے دوست! اِس وقت تمہاری جان جس کے ہاتھ میں ہے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اپنا گناہ دیکھو۔ اپنی بے بسی دیکھو۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ زندہ باہر صحرا میں پھینک دوں گا۔ صحرا کی لومڑیاں اور بھیڑیے تمہیں اس حال میں نوچ نوچ کر کھائیں گے کہ تم زندہ ہو گے، ہوش میں ہو گے مگر بھاگ نہیں سکو گے۔ بوٹی بوٹی ہو کر مرو گے، اور اپنے گناہ کی سزا پاؤ گے۔"

زخمی تڑپ اٹھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا — سلطان ایوبی نے پوچھا — "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ میرے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"میں فاطمیوں کا آدمی ہوں" — اُس نے جواب دیا — "ہم چاروں حشیشین تھے۔ کوئی دو سال اور کوئی تین سال پہلے آپ کی فوج میں بھرتی ہُوا تھا۔ ہمیں سکھایا گیا تھا کہ آپ کے محافظ دستے میں کس طرح پہنچا جا سکتا ہے۔"

اُس نے بولنا شروع کر دیا اور راز کی باتیں بتانے لگا۔ اُس نے بتایا محافظ دستے میں یہی چار قاتل تھے۔ اُس کے بیان کے دوران سلطان ایوبی نے طبیب سے کہا کہ وہ اس کی مرہم پٹی کرتا رہے۔ طبیب نے اُسے ایک دوا پلا دی اور خون روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے زخمی کو تسلی دی کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ زخمی انکشافات کرتا گیا۔ اُس نے سوڈان، فاطمی خلافت اور حشیشین کے معاہدے کو بے نقاب کیا۔ فاطمیوں نے صلیبیوں سے جو مدد لی تھی اور لے رہے تھے اُس کی تفصیل بتائی.... خاصا وقت صرف کر کے طبیب نے اُس کی مرہم پٹی مکمل کر دی۔ اصل مرہم تو سلطان ایوبی کی شفقت تھی جس میں انتقام کا ذرا سا بھی شک نہیں ہوتا تھا۔

سلطان ایوبی نے کہا کہ لاشیں باہر پھینک دو اور اس زخمی کے متعلق اُس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ یہاں سے اسے قاہرہ لے جائے اور اُس نے جو نشاندہیاں کی ہیں اُن کے خلاف کارروائی کرے۔ زخمی نے نہایت کارآمد سراغ دیئے تھے جن میں کچھ ایسے خطرناک تھے جن کی تفتیش علی بن سفیان ہی اچھی طرح کر سکتا تھا۔ اُسے اُسی وقت اونٹ پر خاص

طریقے سے شاکر بن سفیان واپسی کے سفر پر چل پڑا۔

صلاح الدین ایوبی پر متعدد بار قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ تاریخ میں ان تمام کا ذکر نہیں آیا۔ مندرجہ بالا طرز کے دو حملوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک بار ایک فدائی قاتل نے سلطان ایوبی پر اسی طرح سوتے میں خنجر کا وار کیا تھا۔ خنجر پگڑی میں لگا اور سلطان ایوبی جاگ اٹھا تھا۔ یہ قاتل سلطان ایوبی کے ہاتھوں مارا گیا اور اُس کے محافظ دستے کے چند ایسے محافظ پکڑے گئے تھے جو کرائے کے قاتل تھے۔

☆

مصر کے جنوب مغربی علاقے میں جو سوڈان کی سرحد کے ساتھ ملتا تھا، صدیوں پرانی کسی پیچ در پیچ عمارت کے کھنڈر تھے۔ اُس زمانے میں مصر کی سرحد کچھ اور تھی۔ صلاح الدین ایوبی کہا کرتا تھا کہ مصر کی کوئی سرحد ہے ہی نہیں۔ تاہم سوڈانیوں نے ایک خیالی سی سرحد بنا رکھی تھی۔ کھنڈروں کے اردگرد کا علاقہ بنجر گزار تھا۔ غالباً فرعونوں کے وقتوں میں یہ علاقہ سرسبز تھا اور وہاں پانی کی بہتات تھی۔ خشک جھیلیں اور دو ندیوں کے گہرے اور خشک پاٹ بھی تھے۔ ریتلی چٹانیں بھی تھیں اور ریتلی مٹی کے ٹیلے بھی۔ ان کی شکلیں کسی بہت بڑی عمارت کے کھنڈروں کی مانند تھیں۔ کہیں ٹیلہ ستون کی طرح دور اوپر تک چلا گیا تھا اور کہیں ٹیلے دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ جہاں جہاں جگہ ہموار تھی وہاں ریت تھی۔ چٹانیں اونچی بھی تھیں نیچی بھی۔ اس علاقے کے اردگرد کہیں کہیں پانی تھا، لہٰذا درخت تھے اور وہاں کے رہنے والے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کم و بیش چالیس میل لمبا اور دس بارہ میل چوڑا یہ علاقہ آباد تھا۔ یہ آبادی مسلمان تھی۔ ان میں کچھ لوگ مسلمان نہیں تھے۔ ان کے عجیب و غریب سے عقیدے تھے۔

فرعونوں کی عمارت کے کھنڈروں سے لوگ ڈرا کرتے تھے۔ ان کے اردگرد کا علاقہ بھی ایسا تھا کہ دیکھنے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ وہاں سے کوئی گزرتا ہی نہیں تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہاں فرعونوں کی بدروحیں رہتی ہیں جو دن کے دوران بھی جانوروں کی صورت میں گھومتی پھرتی رہتی ہیں اور کبھی اونٹوں پر سوار سپاہیوں کے بھیس میں اور کبھی خوبصورت عورتوں کے روپ میں نظر آتی ہیں اور رات کو وہاں سے ڈراؤنی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ کوئی ایک سال سے یہ کھنڈر لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس سے پہلے سلطان ایوبی کی فوج کے لیے بھرتی کی مہم شروع ہوئی تھی تو بھرتی کرنے والے اس علاقے کے اردگرد بھی گھومتے پھرتے رہے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ ٹیلوں کے اندر نہ جائیں۔ انہیں پُراسرار آوازوں، ڈراؤنی چیزوں اور بدروحوں کی کہانیاں سنائی گئی تھیں۔ اس علاقے سے فوج کو بہت بھرتی ملی تھی مگر اس کے بعد بھرتی کرنے والے گئے تو لوگوں کا رجحان بدلا ہوا تھا۔ سرحد پر گشت کرنے والے دستوں نے رپورٹ دی تھی کہ گشتی سنتری بھی اس علاقے کے اندر نہیں جایا کرتے تھے اور انہوں نے کبھی کسی انسان کو اُدھر جاتے نہیں دیکھا تھا مگر اب وہ لوگوں کو اندر جاتا دیکھتے ہیں اور وہاں سے آنے والے ڈرے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ مطمئن سے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ ہر جمعرات کے روز رات تک اندر میلہ سا لگتا ہے اور اس کے بعد اس قسم کا واقعہ ہوا کہ سرحدی دستوں کے چار پانچ سپاہی لاپتہ ہو گئے۔ اُن کے متعلق یہ رپورٹ دی گئی تھی کہ بھگوڑے ہو گئے ہیں۔

سلطان ایوبی نے جہاں دشمن کے ملکوں میں جاسوس بھیج رکھے تھے، وہاں اس نے اپنے ملک میں بھی جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ غیر مسلم مؤرخوں نے سلطان ایوبی کو خاص طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے کہ اس نے [illegible] انٹیلی جنس نظام اور کمانڈو طریقہ جنگ کو خصوصی اہمیت دے کر ٹریننگ کے نئے طریقے ایجاد کیے اور یہ ثابت کر دکھایا کہ صرف دس افراد سے ایک ہزار لشکری کی فوج کا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ہونے کی [illegible] مؤرخوں نے سلطان ایوبی کے اس فن کو تاریخ میں اتنی جگہ نہیں دی جتنی دینی چاہیے تھی لیکن اس دور کے وقائع نگاروں نے جو تحریریں قلمبند کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا یہ عظیم پاسبان انٹیلی جنس، گوریلا اور کمانڈو آپریشن کا بھی ماہر تھا۔ اندرون ملک اس کی انٹیلی جنس گوشے گوشے پر نظر رکھتی اور فوج کی مرکزی کمان کو رپورٹیں دیتی رہتی تھی۔ یہ اسی نظام کی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت تھا کہ مصر کے دور دراز کے ایسے علاقے کی سرگرمیوں کی بھی اطلاع مرکز میں پہنچ گئی تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس چھوٹے سے خطے کو تو خدا نے بھی فراموش کر رکھا ہے۔ مخبروں نے وہاں کے لوگوں کی صرف ذہنی تبدیلی دیکھی اور اسی کی اطلاع دی تھی، انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہوتا ہے۔ اس اطلاع کے بعد دو مخبر قتل یا لاپتہ ہو گئے تھے۔

وہاں کے لوگوں نے نہ صرف ٹیلوں کے ڈراؤنے علاقے کے اندر جانا شروع کر دیا بلکہ وہ فرعونوں کی اس پیچ در پیچ عمارت کے کھنڈروں میں بھی جانے لگے تھے جہاں جانے کے تصور سے ہی اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک گاؤں میں ایک شتر سوار آیا۔ یہ اجنبی مسلمان اور مصری تھا۔ اُس کا اونٹ اچھی نسل کا اور تندرست تھا۔ اس مسافر نے گاؤں والوں کو اکٹھا کر کے یہ قصہ سنایا کہ وہ غربت سے تنگ آ گیا تھا۔ اب وہ رہزنی اور چوری کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ پیدل تھا۔ وہ اس اُمید پر اس علاقے میں آ گیا کہ یہاں کوئی آبادی نہیں اس لیے رہزنی کرتے پکڑا نہیں جائے گا۔ وہ بہت دن پیدل چلتا رہا مگر اسے کوئی شکار نہ ملا۔ آخر ٹیلوں کے اس علاقے میں جہاں کوئی نہیں جاتا وہ جا کر گر پڑا۔ اس کے جسم میں طاقت نہیں رہی تھی۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے خدا سے مدد مانگی۔ اسے ایک گرجدار آواز سنائی دی ـــــ "تم خوش قسمت ہو کہ تم نے ابھی گناہ نہیں کیا، گناہ کی صرف نیت کی ہے۔ اگر تم کسی کو لوٹ کر یہاں آتے تو تمہارا جسم ہڈیوں کا پنجر بن جاتا اور شیطان کے چھوڑے ہوئے درندے تمہارا گوشت جو تمہارے سامنے پڑا ہوا ہوتا، تمہیں دکھا دکھا کر کھا جاتے۔"

اس آواز نے اجنبی پر غشی طاری کر دی۔ اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُسے اٹھا رہا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک سفید ریش بزرگ کھڑا تھا جو دودھ کی مانند سفید اور آنکھوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ وہ جان گیا کہ یہ آواز جو اُس نے سنی تھی اسی بزرگ کی تھی۔ اجنبی کی زبان بند ہو گئی اور وہ کانپنے لگا۔ بزرگ نے اسے اٹھا کر کہا ـــــ "مت ڈر مسافر! یہ سب لوگ جو یہاں آنے سے ڈرتے ہیں بدنصیب ہیں۔ انہیں شیطان اِدھر آنے نہیں دیتا۔ تم جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ یہاں اب فرعونوں کی خدائی نہیں رہی۔ یہ حضرت موسیٰ کی مملکت ہے۔ حضرت عیسیٰ بھی یہیں آسمان سے اترنے والے ہیں۔ اب اسلام کی قندیلیں اسی کھنڈر سے روشن ہوں گی جن کی روشنی ساری دنیا کو منور کر دے گی۔ جاؤ، لوگوں کو ہمارا پیغام دو اور انہیں یہاں لاؤ" ـــــ اجنبی نے کہا کہ وہ اٹھ نہیں

سکتا، چل نہیں سکتا، جسم سوکھ گیا ہے۔ سفید ریش بزرگ نے کہا — "تم اٹھو اور پچاس قدم شمال کی طرف جاؤ۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ ڈرنا نہیں۔ لوگوں تک پیغام پہنچا دینا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ تمہیں ایک اونٹ بیٹھا ہوا نظر آئے گا۔ اس کے ساتھ کھانا اور پانی ہو گا اور اس کے ساتھ جو کچھ ہو گا وہ تمہارا ہو گا۔"

اجنبی نے گاؤں والوں کو سنایا کہ وہ اٹھ کر چلنے لگا تو اس کے جسم میں طاقت آگئی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ یہ کسی فرعون کی بدروح ہے۔ اُس نے پیچھے نہیں دیکھا۔ بدروح کے ڈر سے قدم گنتا رہا اور راستہ گھوم گیا۔ پچاس قدم پر یہ اونٹ بندھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کھانا بندھا ہوا تھا جو اس نے کھا لیا اور پانی پی لیا۔ اُس کے جسم میں ایسی طاقت آگئی جو پہلے اُس کے جسم میں نہیں تھی۔ اس نے لوگوں کو ایک تھیلی کھول کر دکھائی جس میں سونے کی اشرفیاں تھیں۔ یہ تھیلی اونٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اجنبی اونٹ پر سوار ہوا اور اس گاؤں میں آگیا جس میں بیٹھا وہ قصہ سنا رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے گاؤں والوں کو سفید ریش بزرگ کا پیغام دیا اور چلا گیا۔ اس کا سنانے کا انداز ایسا پُراثر تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ٹیلوں کے علاقے میں جانے کا اشتیاق پیدا ہو گیا لیکن گاؤں کے بوڑھوں نے کہا کہ یہ اجنبی انسان نہیں بلکہ کھنڈر کے شرشرار کا حصہ ہے.... انسانی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ چھُپے ہوئے کو بے نقاب کرنے کی اور بھید کو پا لینے کی کوشش کرتی ہے۔ جن جسموں میں جوانی کا خون ہوتا ہے وہ خطرے مول لے لیتے ہیں۔ گاؤں کے جوانوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ وہاں جائیں گے۔ اشرفیوں کا جادو بڑا سخت تھا جس سے وہ لوگ بچ نہیں سکتے تھے۔

☆

اس چالیس میل لمبے اور دس میل چوڑے خطے میں جتنے گاؤں تھے، ان سب سے اطلاعیں ملیں کہ ایک اجنبی مسافر یہی قصہ سنا گیا ہے۔ کچھ لوگ تذبذب میں تھے اور کچھ تذبذب اور فیصلے کے درمیان بھٹک رہے تھے مگر اُدھر جانے سے سب ڈرتے تھے۔ بعض آدمی گئے بھی لیکن ٹیلوں کے پُراسرار علاقے کو دُور سے دیکھ کر واپس آگئے۔ کچھ روز بعد دو جواں سال شتر سوار تمام علاقے میں گھوم گئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی قصہ سنایا جو ذرا مختلف تھا۔ وہ بہت دُور کے سفر پر گھوڑوں پر جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو ٹٹو تھے جن پر قیمتی مال تھا۔ یہ تجارت کا مال تھا جو وہ سوڈان لے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ مال کے ساتھ گھوڑے اور ٹٹو بھی چھین لیے اور انہیں زندہ چھوڑ دیا۔ یہ دونوں ٹیلوں کے علاقے میں آکر تھکن، بھوک، پیاس اور غم سے گر پڑے۔ انہیں بھی سفید ریش بزرگ نظر آیا۔ اُس نے انہیں وہی پیغام دیا اور کہا — "تمہیں شیطان کے دندوں نے لوٹا ہے۔ تم اللہ کے نیک بندے ہو۔ جاؤ، تمہیں پچاس قدم پر دو اونٹ کھڑے ملیں گے اور ان کے ساتھ جو کچھ بندھا ہو گا وہ تمہارا ہو گا لیکن مال و زر دیکھ کر آپس میں لڑنا نہ ورنہ ہمیشہ کے لیے اندھے ہو جاؤ گے" — انہیں بھی اس بزرگ نے کہا کہ گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو پیغام دیں کہ ان کھنڈروں سے ڈریں نہیں۔

اس کے بعد ایسی ہی بہت سی روایتیں سنی اور سنائی جانے لگیں۔ ان میں ڈر اور خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا، بلکہ ایسی کشش تھی کہ لوگوں نے ٹیلوں کے ارد گرد پھرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے بعض لوگوں کو اندرونی علاقے سے

باہر جاتے اور آتے بھی دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ اندر ایک درویش بزرگ ہے جو غیب کا حال بتاتا اور آسمانوں کی خبر دیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ امام مہدی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت موسیٰ ہیں اور کوئی حضرت عیسیٰ کہتا تھا۔ ایک بات وثوق سے کہی جاتی تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہے خدا کا بھیجا ہوا ہے اور وہ گناہ گاروں سے نفرت کرتا ہے۔ انھیں نظر آتا ہے اس کے پاس جانے کے لیے نیت صاف ہونی چاہیے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ مُردوں کو بھی زندہ کرتا ہے.... یہ طلسماتی اور پُراسرار روایتیں اور حکایتیں لوگوں کو اندرونی علاقے میں لے جانے لگیں۔ آگے جا کر انہوں نے پہلی بار وہ کھنڈر دیکھے جن سے وہ ڈرتے تھے۔ وہ ان کے اندر بھی گئے۔ یہ کمرے، غلام گردشوں اور غاروں جیسے راستوں کی بھول بھلیاں تھیں۔ ایک کمرہ بہت ہی وسیع اور اس کی چھت اونچی تھی۔ جالے لٹک رہے تھے اور ماحول پر ہیبت طاری تھی لیکن وہاں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں سیڑھیاں فرش سے نیچے جاتیں اور تہ خانوں میں جا ختم ہوتی تھیں۔

یہ عمارت اُن فرعونوں کی تھی جو اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ وہ کسی کسی کو نظر آتے تھے۔ لوگوں کو اس عمارت میں اکٹھا کر لیا کرتے اور لوگوں کو ان کی صرف آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ آواز ایسی سُرنگوں میں سے گزر کر آتی تھی جن کے دہانے بڑے کمرے میں تھے مگر نظر نہیں آتے تھے۔ بولنے والا سرنگ کے دوسرے سرے پر ہوتا تھا جس کے متعلق کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ کہاں ہے۔ وہ اسے خدا کی آواز سمجھتے تھے جو عام آدمی کو نظر نہیں آتا۔ ان بڑے کمروں میں روشنیوں کا ایسا انتظام ہوا کرتا تھا کہ مشعلیں نظر نہیں آتی تھیں، کمرے روشن رہتے تھے۔ آئینے کی طرح چمکیلی دھات کی چادریں استعمال کی جاتی تھیں جن سے چھپی ہوئی مشعلوں کی روشنی منعکس ہوتی تھی.... وہ تو صدیوں پرانی بات تھی۔ اب صلاح الدین ایوبی کے دور میں اس عمارت میں پھر وہی آوازیں گونجنے لگیں جنھیں لوگ خدا کی آوازیں سمجھا کرتے تھے۔ ذرا سے وقت میں لوگوں کے دلوں سے کھنڈروں کی ہیبت نکل گئی۔ وہ جب بڑے کمرے میں جاتے تو اس سے پہلے انہیں اندھیری اور فراخ سُرنگوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ آگے بہت ہی فراخ اور اونچی چھت والا کمرہ آجاتا جس میں روشنی ہوتی مگر کوئی مشعل نظر نہیں آتی تھی۔ وہاں گونج کی طرح آواز آتی — "ہم نے تمہیں اندھیروں میں سے نکال کر روشنی دکھائی ہے۔ یہ کوہِ طور کی روشنی ہے۔ اس نُور کو دلوں میں داخل کر لو۔ فرعونوں کی بدروحیں بھی مر گئی ہیں۔ اب یہاں موسیٰ کا نور ہے اور اس نُور کو عیسیٰ اور زیادہ منور کرے گا۔ خدا کو یاد کرو، کلمہ پڑھو۔" اور لوگ حیرت سے منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھتے اور کلمہ طیبہ گنگنانا شروع کر دیتے تھے۔

اگر اس آواز میں خدا، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور کلمہ طیبہ کا ذکر نہ ہوتا تو لوگ شاید اس کا یہ اثر قبول نہ کرتے جو وہ کر رہے تھے۔ وہ سب مسلمان تھے۔ اپنے مذہب کے نام پر وہ اس اثر کو قبول کر رہے تھے — اور جب انہیں یہ آواز سنائی دی — "رسولِ خدا کو خدا نے غارِ حرا کے اندھیرے میں رسالت عطا کی تھی۔ تمہیں بھی ان غاروں کے اندھیرے میں خدا کا نور نظر آئے گا" — تو لوگوں نے سر جھکا لیے اور اس آواز کو جس کی گونج میں طلسماتی اثر تھا اپنے دلوں پر نقش کر لیا، لیکن لوگ اس ہستی تک پہنچنا چاہتے تھے جس کی یہ آواز تھی اور جو مسافروں کو اونٹ، کھانا، پانی اور اشرفیاں دیتی اور مُردوں کو زندہ کرتی تھی۔ لوگوں کی بیتابیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے گھروں کو جاتے تو انہیں عورتیں بتاتیں کہ ایک اجنبی آیا تھا جو کھنڈروں والے درویش کی کرامات سنا گیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اُس نے درویش کی زیارت کی ہے۔

ایک روز ان دیہات میں جو سب سے بڑا گاؤں تھا وہاں کی مسجد کے پیش امام سے لوگوں نے استفسار کیا۔ اُس نے کہا۔ "یہ مقدس انسان ہے۔ صرف نیک لوگوں سے ملتا ہے۔ نیک وہ ہوتا ہے جو خون خرابہ نہ کرے۔ صلح اور امن کی زندگی بسر کرے۔ یہ مقدس درویش حضرت عیسیٰؑ کا پیغام لایا ہے۔ اس پیغام میں محبت ہے جنگ و جدل نہیں۔ اس پیغام میں یہ نصیحت ہے کہ کسی کو زخمی نہ کرو بلکہ زخمی کے زخموں پر مرہم رکھو...... اگر تم لوگ ان اصولوں پر زندگی بسر کرو گے تو یہ درویش تمہاری کایا پلٹ دے گا۔"

جب ایک امام مسجد نے بھی اس مقدس درویش کو اور اس کی آواز کو برحق کہہ دیا تو کسی شک و شبے کی گنجائش نہ رہی۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھنڈروں میں جانے لگے تو اعلان ہُوا کہ ہر جمعرات کے روز اندر جانے کی اجازت ہو گی اور شام کو میلا لگا کرے گا۔ چنانچہ اُس روز سے جمعرات کا دن مخصوص ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کو بھی وہاں جانے کی اجازت مل گئی۔ اب کھنڈروں کے اندر اپنی مرضی سے کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ جمعرات کے روز ان کے ارد گرد میلے کا سماں ہوتا تھا۔ دور دور سے لوگ اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر، پیدل بھی آتے اور شام کو کھنڈروں میں جانے کے وقت کا انتظار کرتے تھے..... اندر کی سنسنی خیز دنیا میں انقلاب آگیا۔ وہاں اب لوگوں کو گناہ اور نیکی کے، تاریکی اور روشنی کے تصورات ایسی صورت میں نظر آتے تھے کہ لوگ انہیں مجسم اور متحرک صورت میں دیکھتے اور حیرت زدہ ہوتے تھے کسی کو کوئی اُلٹا سیدھا سوال اور شک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی وہ کسی سوال اور شک کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

سورج غروب ہوتے ہی اس اندھیری سرنگ کا منہ کھل جاتا جو اندر لے جاتی تھی۔ یہ دراصل اس عمارت کے درمیان سے گزرنے والا راستہ تھا۔ اس کی دیواریں بہت بڑے بڑے بلاکوں کی تھیں۔ اوپر ایسی ہی چھت تھی۔ یہ سرنگ ہر دس بارہ قدموں بعد دائیں یا بائیں کو مڑتی تھی۔ اس کے دروازے یا دہانے سے باہر چند ایک آدمی کھڑے ہوتے تھے۔ ان کے پاس کھجوروں کے انبار لگے ہوتے تھے۔ یہ کھجوریں لوگوں کی لائی ہوئی ہوتی تھیں جسے نذرانہ کہا جاتا تھا۔ زائرین کھجوریں ایک جگہ ڈھیر کر دیتے تھے۔ کھجوروں کے پاس پانی کے مشکیزے رکھے ہوتے تھے۔ شام کو جب زائرین کو اندر جانے کی اجازت ملتی تھی تو دروازے پر ہر ایک کو تین کھجوریں کھلا کر چند گھونٹ پانی پلایا جاتا اور اندر بھیج دیا جاتا۔ تاریک سرنگ سے گزر کر جب یہ لوگ روشن ہال کمرے میں پہنچتے تو وہاں انہیں آوازیں سنائی دیتیں ـــــ "کلمہ طیبہ پڑھو۔ اپنے اللہ کو یاد کرو۔ حضرتِ موسیٰؑ تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہونے والا ہے۔ دل سے بدی اور دشمنی نکال دو۔ لڑائی جھگڑا ختم کر دو اور دیکھو ان کا حشر جنہیں جنت کا دھوکہ دے کر لڑایا گیا تھا۔"

اس آواز کے ساتھ ہی لوگوں کی آنکھوں میں نہایت تیز روشنی پڑتی۔ انہیں ایک طرف منہ کر کے کھڑا کیا جاتا تھا۔ ان کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتیں تو روشنی ذرا مدھم ہو جاتی۔ اس کے بعد روشنی کبھی تیز ہوتی کبھی مدھم اور لوگوں کو سامنے والی دیوار پر سائے چلتے نظر آتے۔ ان سایوں میں جنبش ہوتی اور انتہائی مکروہ اور بھدّی شکلوں والے انسان جاتے نظر آتے۔ گونجدار آواز سنائی دیتی ـــــ "یہ سب تمہاری طرح جوان اور خوبصورت تھے۔ انہوں نے خدا کا پیغام نہ سنا۔ یہ کمر کے ساتھ تلواریں سجا کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے جیسے خوبصورت جوانوں کو قتل کیا۔ انہیں دھوکہ دیا گیا کہ تم لڑو۔ مر جاؤ گے تو

جنت میں جاؤ گے۔ دیکھ لو ان کا انجام۔ خدا نے انہیں شیطان کے درندے بنا کر کھلا چھوڑ دیا ہے" ـــ ان آوازوں کے ساتھ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سنائی دیتی۔ کچھ اور آوازیں بھی سنائی دیتیں جو مختلف درندوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ روشنی اتنی تیز ہو جاتی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتیں پھر لمبے لمبے دانتوں والے درندے دائیں سے بائیں جاتے نظر آتے۔ یہ بھی انسان تھے لیکن ان کی شکلیں بڑے ہی ڈراؤنے بھیڑیوں جیسی تھیں۔ انہوں نے اندر لڑکیاں اٹھا رکھی تھیں۔ یہ لڑکیاں جوان اور خوبصورت تھیں۔ لڑکیاں تڑپتی تھیں۔ بادل کی گرج اور زیادہ بلند سنائی دیتی اور آواز آتی ـــ "انہیں اپنے حسن پر ناز تھا۔ انہوں نے خدا کے حسن کو ناپاک کیا تھا" ـــ ان ڈراؤنی اور بھیانک شکلوں کے بعد بڑے ہی خوبرو مرد اور خوبصورت عورتیں گزرتیں۔ یہ سب ہنستے کھیلتے جاتے تھے۔ یہ نیک اور پاک لوگ تھے جن کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ انہوں نے کبھی لڑائی جھگڑے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ سراپا محبت، پیار اور خلوص تھے۔

اس کے بعد زائرین کو ایک تہ خانے میں لے جایا جاتا جہاں انسانی ہڈیوں کے پنجر بھی تھے اور خوب صورت لڑکیاں بھی گھومتی پھرتی اور مسکراتی نظر آتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آواز سنائی دیتی ـــ "حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہونے والا ہے...... جنگ و جدل اور خون خرابہ دل سے نکال دو" ـــ تہ خانے کا ایک راستہ اور تھا جس سے لوگوں کو باہر نکال دیا جاتا۔ لوگوں پر ایسا تاثر طاری ہوتا تھا جیسے وہ سو گئے تھے اور انہوں نے بڑا ہی عجیب خواب دیکھا ہو جو ڈراؤنا تھا اور خوبصورت بھی۔ وہ ایک بار پھر اندر جانے کو بے تاب ہوتے تھے لیکن کسی کو اس طرف جانے نہیں دیا جاتا تھا جدھر سے لوگ اندر جاتے تھے۔ وہ اپنے گھروں کو واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ رات وہیں کھنڈروں کے قریب ہی گزار دیتے تھے۔ وہاں کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھ کر انہیں اندر کے راز بتاتے تھے۔ ایک راز یہ تھا کہ اندر جس کی آواز سنائی دیتی ہے وہ خدا کی طرف سے یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دنیا میں آ رہے ہیں اور خلیفہ العاضد بھی دنیا میں واپس آ گیا ہے۔

العاضد فاطمی خلافت کا خلیفہ تھا جس کی گدّی مصر میں تھی۔ سلطان ایوبی نے اسے معزول کر کے مصر کو بغداد کی خلافتِ عباسیہ کے تحت کر دیا تھا۔ العاضد اس کے فوراً بعد مر گیا تھا۔ یہ دو اڑھائی سال پہلے کا واقعہ تھا۔ فاطمیوں نے صلیبیوں اور حشیشین کے ساتھ ساز باز کر کے ایک سازش تیار کی تھی جس کے تحت سلطان ایوبی کا تختہ الٹنا اور مصر میں فاطمی خلافت بحال کرنا تھا۔ اس سازش کی کامیابی کے لیے سوڈانیوں کو تیار کیا جا رہا تھا کہ وہ مصر پر حملہ کریں۔

کھنڈر کے مریدوں کی تعداد میں اور ان کی عقیدت مندی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور جنوب مغربی علاقے کے لوگ قائل ہوتے جا رہے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ خلیفہ العاضد کو واپس بھیج چکے ہیں اور خود بھی واپس آ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے فوج میں بھرتی ہونے سے توبہ کر لی تھی کیونکہ وہ جنگ و جدل کو گناہ سمجھنے لگے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو ایک گنہگار بادشاہ قرار دے دیا گیا تھا جو اپنی بادشاہی کو وسعت دینے کے لیے جوانوں کو یہ دھوکہ دے کر فوج میں بھرتی کرتا تھا کہ وہ شہید ہوں گے اور سیدھے جنت میں جائیں گے۔ کھنڈروں کے اندر کی دنیا لوگوں کے لیے عبادت گاہ بن گئی تھی۔ بعض نے تو ٹیلوں کے علاقے میں ہی ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ وہ اس مقدس درویش کی زیارت کے لیے بے قرار رہتے تھے جس کی آواز کھنڈروں میں سنائی دیتی تھی مگر وہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ایک نیا فرقہ جنم لے رہا تھا۔

اس زخمی حشیش کو جو سلطان ایوبی پر قاتلانہ حملے میں زخمی ہوا تھا، علی بن سفیان قاہرہ لے گیا جہاں اسے ایک الگ تھلگ مکان میں رکھا گیا۔ سلطان ایوبی کے حکم کے مطابق اس کے علاج کے لیے ایک جراح مقرر کر دیا گیا۔ وہ آخر مجرم تھا۔ اُسے جس مکان میں رکھا گیا اس کے دروازے پر ایک سنتری کھڑا رہتا تھا۔ وہ ابھی بھاگنے کے قابل نہیں تھا۔ کھنڈروں کی نشاندہی اسی نے کی تھی۔ فیصلہ ہوا تھا کہ یہ ٹھیک ہو جائے تو اس کی رہنمائی میں جاسوس بھیج کر کھنڈروں کے اندر کے حالات دیکھے جائیں گے۔ ہو سکتا تھا کہ یہ زخمی جھوٹ بول رہا ہو۔ علی بن سفیان نے قاہرہ آتے ہی اپنے نائب حسن بن عبداللہ اور کوتوال غیاث بلبیس سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس علاقے میں اپنا کوئی مخبر اور جاسوس نہ بھیجیں جس کے متعلق انھیں رپورٹ ملی ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے خلاف ہو گئے ہیں۔ علی کو کسی بہت بڑے اور کار آمد انکشافات کی توقع تھی۔

زخمی کو معلوم نہیں کیوں یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔ وہ روتا تھا اور بار بار اپنے گاؤں کا نام بتا کر کہتا تھا کہ میری بہن کو بلا دو، میں اسے دیکھ نہیں سکوں گا۔ علی بن سفیان اس کی اسی کمزوری کو اُس سے مزید راز اگلوانے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ زخمی اپنی بہن کے متعلق غیر معمولی طور پر جذباتی تھا۔ علی کو جب یقین ہو گیا کہ زخمی کے سینے میں اب اور کوئی بات نہیں رہ گئی تو اُس نے دو پیامبر بلا کر انھیں زخمی کا گاؤں اور علاقہ بتایا اور کہا کہ اس کی بہن کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ یہ علاقہ مصر کے جنوب مغرب میں ہی تھا..... پیامبر اُسی وقت روانہ ہو گئے۔

سلطان ایوبی محاذ پر پہنچ گیا اور شوبک کے قلعے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے پر قاتلانہ حملے کا کوئی تاثر نہیں تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کے محافظ دستے کا کمانڈر اور دیگر حکام جو اُس کے ساتھ تھے بہت پریشان اور شرمسار تھے۔ وہ ڈرتے بھی تھے کہ سلطان ایوبی کسی نہ کسی مقام پر اُن پر برس پڑے گا اور جواب طلبی بھی کرے گا مگر اُس نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ البتہ اپنی مرکزی کمان کے فوجی حکام سے کہا ——— "آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ آپ میری جنگی چالیں غور سے دیکھتے رہا کریں۔ دشمن نے جو دوسرا محاذ کھول رکھا ہے، اس پر گہری نظر رکھیں اور تخریب کاروں کی پکڑ دھکڑ اور سرکوبی کرتے رہیں۔" ——— اُس نے کسی سے اتنا بھی نہ کہا کہ محافظ دستے کی چھان بین کی جائے۔ اس نے اتنے بڑے حادثے کا کوئی اثر ہی نہ لیا۔ شوبک قلعے میں پہنچا اور سب سے پہلے پوچھا کہ کوئی جاسوس واپس آیا ہے یا نہیں۔ اسے بتایا گیا کہ دو جاسوس کار آمد معلومات لائے ہیں۔ اُس نے دونوں کو بلا لیا اور صلیبیوں کے ارادوں کے متعلق رپورٹیں لیں۔ اُسے تفصیل بتائی گئی تو وہ تمام پلان بتا دیا گیا جو صلیبیوں نے تیار کیا تھا۔ اُس نے نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کے سالار اور مصر سے آئی ہوئی فوج کے سالار اور دونوں کے نائبین کو بلا بھیجا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔

چوتھے روز زخمی حشیش کی بہن آگئی۔ اُس کے ساتھ چار آدمی تھے جن کے متعلق بتایا گیا کہ زخمی کے چچا اور تایازاد بھائی ہیں۔ بہن جوان اور پُرکشش تھی۔ اپنے بھائی کے لیے بہت ہی پریشان تھی۔ زخمی اس کا اکیلا بھائی تھا۔ اُن کے ماں باپ مر چکے تھے۔ اُسے اور اس کے ساتھ آئے ہوئے چار آدمیوں کو زخمی کے پاس لے جانے کے لیے علی بن سفیان کی اجازت کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے بہن کو اجازت دے دی، اُس کے ساتھ آئے ہوئے

آدمیوں کو نہ ملنے دیا۔ انہوں نے منت سماجت کی اور کہا کہ وہ اتنی دور سے آئے ہیں۔ انھیں صرف اتنی اجازت دی جائے کہ زخمی کو دیکھ لیں، وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔ علی بن سفیان نے اس طرح اجازت دی کہ خود اُن کے ساتھ ہوگا اور انھیں فوراً باہر نکال دے گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اُسی وقت ان سب کو زخمی کے پاس لے گیا۔ بہن نے بھائی کو دیکھا تو اُس کے اوپر گر پڑی۔ بھائی کا منہ چومنے لگی اور زار و قطار رونے لگی۔ دوسرے آدمیوں کے متعلق علی بن سفیان نے زخمی سے کہا کہ ان سے ہاتھ ملا لو، یہ واپس جا رہے ہیں۔ اُس نے چاروں سے ہاتھ ملایا تو علی بن سفیان نے انھیں باہر چلے جانے کو کہا اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ آئندہ اسے نہیں مل سکیں گے۔ وہ چلے گئے۔ بہن نے علی بن سفیان کے قدموں میں بیٹھ کر اُس کے پاؤں پکڑ لیے اور رو رو کر منت کی کہ اُسے بھائی کی خدمت کے لیے وہیں رہنے دیا جائے۔ علی بن سفیان ایک بہن کی ایسی جذباتی التجا کو ٹھکرا نہ سکا۔ اُس نے لڑکی کی جامہ تلاشی لی اور اُسے وہیں رہنے کی اجازت دے دی اور وہاں سے چلا گیا۔

بہن بھائی اکیلے رہ گئے تو بہن نے بھائی سے پوچھا کہ اُس نے کیا کیا ہے۔ بھائی نے بتا دیا۔ بہن نے پوچھا کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ بھائی نے جواب دیا ——— "امیرِ مصر پر قاتلانہ حملے کا جرم بخشا تو نہیں جائے گا۔ اگر ان لوگوں نے مجھ پر رحم کیا تو سزائے موت نہیں دیں گے، ساری عمر کے لیے تہہ خانے کی قید میں ڈال دیں گے۔"

"پھر میں ساری عمر تمہیں نہیں دیکھ سکوں گی؟" بہن نے پوچھا۔

"نہیں شارجا!" ——— بھائی نے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا ——— "پھر میں مر بھی نہیں سکوں گا۔ جی بھی نہیں سکوں گا۔ وہ جگہ بڑی خوفناک ہے جہاں مجھے ہمیشہ کے لیے قید کر دیں گے۔"

بہن جس کا نام شارجا تھا بچوں کی طرح بلبلا اٹھی۔ اس نے کہا ——— "میں نے تمہیں اُس وقت بھی روکا تھا کہ ان لوگوں کے چکر میں نہ پڑو مگر تم نے کہا کہ صلاح الدین ایوبی کا قتل جائز ہے۔ تم لالچ میں آگئے تھے۔ تم نے میری بھی پروا نہ کی میرا کیا بنے گا۔ تم نہ ہوئے تو میرا آسرا کون ہوگا؟"

زخمی بھائی کا ذہن تقسیم ہو گیا تھا۔ کبھی وہ پچھتاوے کی باتیں کرتا اور کبھی کہتا کہ وہ ان لوگوں کے جھانسے میں آگیا تھا۔ اُس نے یہ بھی کہا ——— "صلاح الدین ایوبی انسان نہیں، خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے۔ ہم چار ہٹے کٹے جوان مل کر اتنا بھی نہ کر سکے کہ اس کے جسم پر خنجر کی نوک سے خراش ہی ڈال دیتے۔ اُس پر زہر نے بھی اثر نہیں کیا۔ اس اکیلے نے تین کو جان سے مار دیا اور مجھے موت کے منہ میں ڈال دیا۔"

"یہ کہنے والے جھوٹ تو نہیں کہتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی کا ایمان اتنا مضبوط ہے کہ اُسے کوئی گناہگار قتل نہیں کر سکتا۔" بہن نے کہا ——— "تم چاروں مسلمان تھے۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ بھی مسلمان ہے۔"

"اس نے خدا کے خلیفہ کی گدی کی توہین کی ہے۔" زخمی بھائی کا دماغ اُلٹی طرف چل پڑا۔ اُس نے جوشیلے لہجے میں کہا ——— "تم نہیں جانتی کہ خلیفہ العاضد خدا کے بھیجے ہوئے خلیفہ تھے۔"

"جو کوئی جو کچھ بھی تھا....." بہن نے کہا ——— "میں یہ جانتی ہوں کہ تم میرے بھائی ہو اور مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہو۔ کیا تمہارے بچنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟"

"شاید پیدا ہو جائے۔" بھائی نے جواب دیا — "میں نے اس شرط پر انہیں سارے راز بتا دیئے ہیں کہ میرا گناہ بخش دیں، مگر میرا گناہ اتنا سنگین ہے جو شاید نہ بخشا جائے۔"

اس وقت زخمی کو سو جانا چاہیے تھا اور اسے اتنا زیادہ بولنا نہیں چاہیے تھا کیونکہ پیٹ کے زخم کھل جانے کا ڈر تھا، مگر وہ بولتا جا رہا تھا اور بہن رو رہی تھی۔ بولتے بولتے اُسے پیٹ کے زخم میں ٹیسیں محسوس ہونے لگیں اور وہ بے حال ہو گیا۔ اس نے بہن سے کہا — "شارجا! باہر جاؤ۔ کوئی آدمی ملے تو اُسے کہو کہ طبیب یا جراح کو بلا لائے۔ میں مر رہا ہوں۔"

شارجا دوڑتی باہر گئی۔ باہر سنتری کھڑا تھا۔ اُس نے اُسے بھائی کی حالت بتائی تو اُس نے شارجا کو اس جراح کے گھر کا راستہ بتا دیا جسے زخمی کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اُسے سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ دن ہو یا رات زخمی کو زندہ رکھنے کی پوری کوشش کرے۔ وہ شاہی جراح تھا۔

شارجا دوڑتی گئی۔ جراح کا گھر بالکل قریب تھا۔ شارجا نے جراح کو بھائی کی حالت بتائی تو وہ بھاگم بھاگ آیا اور زخمی کو دیکھا۔ اس کے پیٹ کی پٹی خون سے لال ہو گئی تھی۔ جراح نے فوراً پٹی کھولی۔ خون بند کرنے کے لیے اس میں سفوف ڈالے اور بہت سا وقت صرف کر کے پٹی باندھی۔ خون بند ہو گیا۔ اُس نے زخمی کو دوائی پلا دی جس کے اثر سے اُسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ شارجا اس جواں سال جراح کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ اتنی رات گئے کوئی اس کے مجرم بھائی کو دیکھنے آ جائے گا، لیکن جراح دوڑتا آیا اور اس نے اتنے انہماک سے زخمی کی مرہم پٹی کی کہ شارجا کو حیران کر دیا۔ زخمی کی آنکھ لگ گئی تو جراح نے آنکھیں بند کر کے اور ہاتھ اوپر اٹھا کر سرگوشی کی — "زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے میرے خدا! اس بدنصیب کے حال پر کرم کر۔ اسے زندگی عطا کر خدائے عزوجل!"

شارجا کے آنسو نکل آئے۔ اُس پر جراح کا تقدس طاری ہو گیا۔ اُس نے جراح کے قریب دو زانو ہو کر اس کا ایک ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ جراح کے پوچھنے پر شارجا نے بتایا کہ وہ زخمی کی بہن ہے۔ اُس نے جراح سے پوچھا — "کیا آپ کے دل میں اتنا زیادہ رحم ہے کہ میرے بھائی کو آپ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے؟ یا اسے اس لیے زندہ رکھنا چاہتے ہیں کہ یہ آپ کو راز کی ساری باتیں بتا دے؟"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس کے پاس کوئی راز ہے یا نہیں۔" جراح نے کہا — "میرا فرض یہ ہے کہ اسے زندہ رکھوں اور اس کے زخم بالکل ٹھیک کر دوں۔ میری نگاہ میں مومن اور مجرم میں کوئی فرق نہیں۔"

"آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔" شارجا نے کہا — "اگر معلوم ہوتا تو آپ اس کے زخم پر مرہم رکھنے کی بجائے اس میں نمک بھر دیتے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" جراح نے جواب دیا — "لیکن میں اسے زندہ رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

شارجا اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے جراح کے ساتھ اپنی باتیں شروع کر دیں۔ اسے بتایا کہ اُس کے ماں باپ اُس کے بچپن میں مر گئے تھے۔ اُس وقت اس کا بھائی دس گیارہ سال کا تھا۔ اس نے شارجا کو پالا پوسا اور جوان کیا۔ اگر اس کا بھائی نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی اسے اغوا کر کے لے جاتا۔ بھائی نے زندگی بہن کے لیے وقف کر دی تھی۔ جراح انہماک سے اس کی باتیں سنتا رہا اور اُسے اس خیال سے باہر صحن میں لے گیا کہ زخمی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ جراح ایسے انداز سے شارجا کی

باتیں سن رہا تھا جیسے وہ رات یہیں گزارے گا، مگر وہ جانے لگا تو شارجا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا — "آپ چلے جائیں گے تو مجھے ڈر آئے گا۔" — جراح نے اُسے بتایا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا اور اس کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتا۔ جراح گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ شارجا کی خاطر کچھ دیر اور رک گیا اور رات کے پچھلے پہر گیا.... دوسرے دن کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ وہ زخمی کو دیکھنے آ گیا۔ اُس نے رات والے انہماک سے اس کی مرہم پٹی کی۔ زخمی کو دودھ پلایا اور ایسا کھانا دیا جو شارجا نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

اس دوران علی بن سفیان آیا۔ زخمی کی حالت دیکھ کر چلا گیا لیکن جراح رک گیا۔ وہ شارجا کے ساتھ باتیں کرتا اور اس کی باتیں سنتا رہا۔ اُس روز شام تک وہ تین بار زخمی کو دیکھنے آیا، حالانکہ دو مرتبہ دوپہر کو آیا کرتا تھا۔ شام کو وہ چلا گیا تو زخمی نے اپنی بہن سے کہا — "شارجا! میری ایک بات غور سے سن لو۔ میری زندگی اس جراح کے ہاتھ میں ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں دیکھ کر یہ میرا علاج پہلے سے زیادہ اچھے طریقے سے کرنے لگا ہے۔ میں موت قبول کر لوں گا مگر اسے اتنی زیادہ قیمت نہیں دوں گا جو اس نے دل میں رکھ لی ہے.... مجھے شک نہیں یقین ہے کہ یہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے تمہاری عزت کا نذرانہ لینا چاہتا ہے۔"

"میں تو اسے فرشتہ سمجھتی ہوں۔" شارجا نے کہا — "اس نے ابھی تک کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں کیا اور اس کی بھی آنکھیں، لیکن میں اسے ایسا سمجھتی نہیں۔"

شارجا کا انداز ایسا تھا جس نے بھائی کو شک میں ڈال دیا کہ وہ جراح میں دلچسپی لیتی ہے۔

☆

اُس رات جراح آیا۔ زخمی سو گیا تھا۔ شارجا جاگ رہی تھی۔ وہ جراح کے ساتھ صحن میں چلی گئی۔ کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ جراح نے اسے کہا کہ اُس کا بھائی دوائی کے اثر سے اتنی گہری نیند سو گیا ہے کہ صبح تک اس کی آنکھ شاید نہیں کھلے گی۔ آؤ، میرے گھر چلو.... شارجا کچھ جھجکی لیکن جراح کی پیش کش ٹھکرا نہ سکی۔ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ خوبرو جواں سال اور حلیم طبع جراح اکیلا رہتا تھا۔ شارجا بالغ دماغ لڑکی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ آج رات یہ آدمی اُس کے سامنے بے نقاب ہو جائے گا، مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ اس کے ساتھ ہمدرد دوستوں کی طرح باتیں کرتا رہا۔ لڑکی کو اُس کے اتنے مشفقانہ سلوک نے پریشان کر دیا۔ اُس نے بے اختیار اس سے پوچھا — "میں صحرا کے دور دراز علاقے کی غریب سی لڑکی ہوں اور ایک ایسے مجرم کی بہن ہوں جس نے مصر کے بادشاہ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اس کے باوجود آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں جس کی میں حقدار نہیں ہوں۔" — جراح نے مسکراہٹ کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے وضاحت کر دی — "مجھ میں اس خوبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ میں جوان لڑکی ہوں اور شاید میری شکل و صورت بھی اچھی ہے۔"

"تم میں ایک خوبی اور بھی ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔" جراح نے کہا — "تمہاری عمر اور تمہاری ہی شکل و صورت کی میری ایک بہن تھی۔ جس طرح تم بہن بھائی اکیلے ہو اسی طرح میں اور میری بہن اکیلے رہ گئے تھے۔ میں نے تمہارے بھائی کی طرح اپنی بہن کو پالا پوسا اور اپنی زندگی اور ساری خوشیاں اس کے لیے وقف کر دی تھیں۔ وہ بیمار ہوئی اور میرے ہاتھوں میں مر گئی۔ میں اکیلا رہ گیا۔ تمہیں دیکھا تو شک ہوا جیسے میری بہن مجھے مل گئی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو جوان اور

خوبصورت لڑکی سمجھتی ہو اور میری نیت پر شک ہے تو اس کا یہی علاج ہے کہ میں تم میں ایسی دلچسپی کا اظہار نہیں کروں گا جو اب تک کیا ہے۔ تمہارے بھائی میں پوری دلچسپی لیتا رہوں گا۔ اُسے ٹھیک کرنا میرا فرض ہے۔"

شارجا رات دیر سے وہاں سے واپس آئی۔ جراح اُس کے ساتھ تھا۔ لڑکی کے شکوک رفع ہو چکے تھے۔ دوسرے دن جراح زخمی کو دیکھنے گیا۔ اُس نے شارجا کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ وہ جانے لگا تو شارجا نے باہر جا کر اسے روک لیا۔ وہ رو رہی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ جراح اُس سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ جراح نے اُسے بتایا کہ وہ ناراض نہیں لیکن وہ اسے کسی اور شک میں نہیں ڈالنا چاہتا..... رات کو جب زخمی سو گیا تو شارجا وہاں سے نکل گئی اور جراح کے گھر چلی گئی۔ یہ اس کی بے تابی تھی جس پر وہ قابو نہ پا سکی۔ بہت دیر تک جراح کے پاس رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ گانٹھیں پڑی ہوئی تھیں جنہیں وہ کھولنا چاہتی تھی۔ اُس نے جراح سے پوچھا — "کیا خلیفہ خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں؟"

"خلیفہ انسان ہوتا ہے۔" جراح نے جواب دیا — "خدا کے بھیجے ہوئے نبی اور پیغمبر تھے۔ یہ سلسلہ رسولِ اکرم صلعم پر ختم ہو گیا ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں۔" جراح نے جواب دیا — "وہ بھی انسان ہے لیکن عام انسانوں سے اس کا رتبہ بلند ہے کیونکہ وہ خدا اور خدا کے بھیجے ہوئے آخری رسول صلعم کے عظیم پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانا چاہتا ہے۔"

ایسے اور بہت سے سوال تھے جو شارجا نے پوچھے اور جراح نے اس کے شکوک رفع کیے۔ اُس نے کہا — "پھر میرا بھائی بہت بڑا گناہگار ہے۔ اگر اسے کوئی یہ باتیں بتا دیتا جو آپ نے مجھے بتائی ہیں تو وہ اس گناہ سے بچا رہتا۔ اب تو اس کی جان بخشی نہیں ہو گی۔"

"ہو جائے گی۔" جراح نے اسے بتایا — "اگر صلاح الدین ایوبی نے کہہ دیا ہے کہ اسے زندہ رکھنے کی کوشش کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے سزا نہیں دی جائے گی۔ اُسے چاہیے کہ گناہوں سے توبہ کرے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اُسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔"

"میں ساری عمر صلاح الدین ایوبی کی اور آپ کی خدمت میں گزار دوں گی۔" شارجا نے روتے ہوئے کہا — "اور میرا بھائی آپ سب کا غلام رہے گا"..... وہ جذباتی ہو گئی۔ اُس نے جراح کے ہاتھ پکڑ کر کہا — "آپ مجھ سے جو قیمت وصول کرنا چاہیں ادا کروں گی۔ آپ مجھے اپنی لونڈی بنا لیں، اس کے عوض میرے بھائی کو ٹھیک کر دیں اور اسے سزا سے بچا لیں۔"

"قیمت اللہ سے وصول کی جاتی ہے۔" جراح نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا — "بھائی کے گناہ کی سزا بہن کو نہیں دی جائے گی اور بھائی کی صحت کی قیمت بہن سے وصول نہیں کی جائے گی۔ سب کا پاسبان اللہ ہے۔ اس کی ذاتِ باری نے مجھے تمہاری عصمت کی پاسبانی اور تمہارے بھائی کی صحت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ دعا کرو کہ میں اس امانت میں خیانت نہ کروں۔ بہن کی دعا عرش کو بھی ہلا دیا کرتی ہے۔ دعا کرو..... دعا کرو..... اس خدا کی عظمت کو یاد رکھو جس کے خلاف تمہیں گمراہ کیا جا رہا ہے۔"

جراح نے اس لڑکی پر طلسم طاری کر دیا۔ ایک تو باتیں ہی ایسی تھیں جو جراح نے اسے بتائی تھیں۔ تاثر تو جراح

کے سلوک نے پیدا کیا تھا۔ جراح کے متعلق تو اُسے کچھ اور ہی شک ہو گیا تھا لیکن وہ کچھ اور نکلا۔ اُسے جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ ایسی تنہائی میں اور رات کے وقت اتنی حسین اور جوان لڑکی اس کے رحم و کرم پر ہے..... رات آدھی گزر گئی تھی۔ جراح نے اسے کہا — "اٹھو، تمہیں وہاں تک چھوڑ آؤں اور تمہارے بھائی کو بھی دیکھ آؤں۔"

دونوں گھر سے نکلے اور آہستہ آہستہ چل پڑے۔ رات تاریک تھی۔ وہ دو مکانوں کے پچھواڑوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہ چھوٹی سی ایک گلی تھی جس میں سے گزرتے ہی وہ مکان آ جاتا تھا جہاں زخمی حشیش نیند میں پڑا تھا اور اس کے دروازے پر سنتری کھڑا رہتا تھا۔ وہ دونوں اس گلی میں داخل ہوئے ہی تھے کہ پیچھے سے دونوں کو مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا گیا۔ دونوں کے منہ کپڑوں میں بند ہو گئے۔ ان کی آوازیں نہ نکل سکیں۔ جراح جسمانی لحاظ سے کمزور نہیں تھا مگر وہ بے خبری میں جکڑا گیا تھا۔ حملہ آور چار پانچ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے دونوں کو اٹھا لیا اور تاریکی میں غائب ہو گئے۔ کچھ دور گھوڑے کھڑے تھے۔ جراح کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیے گئے اور اسے گھوڑے پر ڈال کر ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اُسے کسی کی آواز سنائی دی جو شارجا سے مخاطب تھی — "شور نہ کرو شارجا! تمہارا کام ہو گیا ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے لائے ہیں۔"

شارجا کے منہ سے کپڑا اتار دیا گیا تھا۔ جراح کو اس کی آواز سنائی دی — "اسے چھوڑ دو۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے۔"

"اس کی تو ہمیں ضرورت ہے۔" کسی نے کہا۔

"شارجا!" کسی نے حکم کے لہجے میں کہا — "خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔"

"اوہ" شارجا کی آواز سنائی دی۔ "یہ تم ہو؟"

"سوار ہو جاؤ" کسی نے پھر حکم دیا۔ "وقت ضائع نہ کرو۔"

اور گھوڑے سرپٹ دوڑ پڑے۔ ذرا سی دیر میں قاہرہ سے نکل گئے۔ شارجا نہایت اچھی سوار تھی۔

☆

صبح سنتری بدلنے کا وقت ہوا۔ نیا سنتری آیا تو رات والا سنتری وہاں نہیں تھا۔ اُس نے اندر جا کے دیکھا تو وہاں زخمی سویا ہوا تھا۔ اُس کے اوپر کمبل پڑا ہوا تھا۔ اس کا منہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ نیا سنتری باہر والے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ ابھی جراح زخمی کو دیکھنے آئے گا اور علی بن سفیان بھی آئے گا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ زخمی کی بہن زخمی کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے سوا اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں، مگر بہن بھی اُسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ سورج طلوع ہوا تو علی بن سفیان آیا۔ اُس نے سنتری سے پوچھا کہ جراح آ چکا ہے یا زخمی کو دیکھ کر چلا گیا ہے؟ سنتری نے اُسے بتایا کہ جراح نہیں آیا۔ پہلا سنتری یہاں نہیں تھا اور اندر زخمی کی بہن بھی نہیں ہے۔ علی بن سفیان یہ سوچ کر اندر گیا کہ زخمی کی تکلیف بڑھ گئی ہو گی اور اس کی بہن جراح کو بلانے چلی گئی ہو گی۔ علی بن سفیان کے لیے ہی نہیں، یہ زخمی سلطنتِ اسلامیہ کے لیے بھی بے حد قیمتی تھا۔ اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار تھا اور ایک بڑی خطرناک سازش کے بے نقاب ہونے کی توقع تھی۔

وہ تیزی سے اندر گیا۔ زخمی کے سر سے پاؤں تک کمبل پڑا تھا۔ علی بن سفیان کو تازہ خون کی بُو محسوس ہوئی۔ اس نے زخمی کے منہ سے کمبل ہٹایا تو یوں بدک کر پیچھے ہٹ گیا جیسے وہ زخمی نہیں اژدہا تھا۔ اُس نے وہیں سے باہر کھڑے سنتری کو آواز دی۔ سنتری دوڑتا اندر گیا۔ علی بن سفیان نے اُسے زخمی کا چہرہ دکھاتے ہوئے پوچھا — "یہ رات والا سنتری تو نہیں؟" — سنتری نے چہرہ دیکھ کر حیرت اور گھبراہٹ سے بوجھل آواز میں کہا — "یہی تھا۔ یہ اس بستر میں کیوں سویا ہوا ہے حضور؟ .... زخمی کہاں ہے؟"

"یہ سویا ہوا نہیں" علی بن سفیان نے اُسے کہا — "مرا ہوا ہے"۔

اس نے کمبل اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ بستر خون سے لال تھا۔ وہ زخمی حشیش نہیں بلکہ رات والے سنتری کی لاش تھی۔ علی بن سفیان نے دیکھا، لاش کے دل کے قریب خنجر کے دو زخم تھے۔ زخمی حشیش غائب تھا۔ علی بن سفیان نے کمرے میں، صحن میں اور باہر زمین کو غور سے دیکھا، کہیں خون کا ایک قطرہ بھی نظر نہ آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سنتری کو زندہ اٹھا کر اندر لایا گیا اور بستر پر لٹا کر اس کے دل میں خنجر مارے گئے۔ اسے تڑپنے نہیں دیا گیا ورنہ خون کے چھینٹے بکھرے ہوئے ہوتے۔ وہ مر گیا تو اس پر کمبل ڈال دیا گیا اور قاتل زخمی قیدی کو اٹھا کر لے گئے اور اس کی بہن کو بھی لے گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ زخمی کی بہن نے زخمی کے فرار میں مدد دی ہے۔ وہ جوان اور حسین لڑکی تھی۔ اُس نے سنتری کو پھانس لیا ہوگا۔ اُسے اندر لے گئی ہوگی۔ لڑکی کے ساتھیوں نے سنتری کو بے خبری میں پکڑ لیا ہوگا۔ علی بن سفیان کو اپنی اس غلطی پر تاسف ہوا کہ اُس نے زخمی کے چار ساتھیوں کو زخمی سے ملنے کی اجازت دی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ زخمی کے چچا زاد اور تایا زاد بھائی ہیں۔ وہ اندر آ کر دیکھ گئے تھے کہ یہاں کے حفاظتی انتظامات کیا ہیں۔ اُسے بہن کو بھی یہاں رہنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔ اُس نے یہ بھی یقین نہیں کیا تھا کہ یہ لڑکی زخمی کی بہن تھی یا اُس گروہ کی فرد تھی۔

علی بن سفیان کو غصہ آیا اور وہ اپنی بھول پر پچھتایا بھی لیکن اُس نے دل ہی دل میں زخمی اور اُس کے ساتھیوں کے اتنے کامیاب فرار کو سراہا۔ علی بن سفیان جیسے سراغ رساں کو دھوکہ دینا آسان نہیں تھا۔ وہ لوگ اُسے بھی جُل دے گئے تھے۔ اُس نے نئے سنتری سے کچھ باتیں پوچھیں تو اُس نے بتایا کہ اس سے پہلے وہ رات کو بھی پہرے پر کھڑا رہ چکا ہے۔ اُس نے لڑکی کو جرّاح کے ساتھ اُس کے گھر جاتے اور رات بہت دیر بعد دونوں کو واپس آتے دیکھا تھا۔ اس سے علی بن سفیان کو شک ہوا کہ لڑکی نے جراح کو بھی اپنے حسن و جوانی کے زیر اثر کر لیا تھا۔ علی نے سنتری سے کہا کہ دوڑ کر جائے اور جراح کو بلا لائے۔ سنتری کے جانے کے بعد وہ سراغ ڈھونڈنے لگا۔ باہر گیا۔ زمین دیکھی۔ اُسے پاؤں کے نشان نظر آئے لیکن نشان اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ زخمی شہر میں تو روپوش نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا۔ زخمی کے گاؤں پر جہاں سے اُس کی بہن کو لایا گیا تھا چھاپہ مارا جائے۔ وہ گاؤں بہت دُور تھا۔

سنتری نے واپس آ کر بتایا کہ جراح گھر نہیں ہے۔ علی بن سفیان اس کے گھر گیا۔ اس کے ملازم نے بتایا کہ جراح رات بہت دیر بعد ایک لڑکی کے ساتھ باہر نکلا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ اس لڑکی کے متعلق اس نے بتایا کہ پہلے بھی جراح کے ساتھ آئی تھی اور دونوں بہت دیر تک اندر بیٹھے رہے تھے۔ علی بن سفیان کو یقین ہو گیا کہ جراح بھی زخمی کے فرار میں شریک

ہے اور یہ لڑکی کے حسن کے جادو کا کمال ہے۔ اس نے اپنے محکمے کے سراغ رسانوں کو بلایا اور انہیں فرار کے متعلق بتایا۔ وہ سب اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ایک جگہ انہیں بہت سے گھوڑوں کے کھُروں کے نشان نظر آئے۔ اردگرد کے رہنے والوں میں سے تین چار آدمیوں نے بتایا کہ رات انہوں نے بہت سے گھوڑے دوڑنے کی آوازیں سُنی تھیں۔ سراغ رساں کھُروں کو دیکھتے شہر سے نکل گئے مگر آگے جانا بیکار تھا۔ رات کے بھاگے ہوئے گھوڑوں کو اب کون دیکھ دیکھ کر پکڑتا۔ کسی پہلو سے یقین نہیں تھا۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ مفرور اس سمت کو گئے ہیں۔ علی بن سفیان کے کرنے کا کام اب یہی رہ گیا تھا کہ قائم مقام امیر مصر تقی الدین کو اطلاع دے دے کہ زخمی حشیش کو اس کے ساتھی اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ اُسے یہ خیال بھی آیا کہ زخمی نے لڑکی جو باتیں بتائی تھیں وہ بے بنیاد تھیں اور اُس نے اپنی جان بچانے اور فرار کا موقعہ پیدا کرنے کے لیے یہ چال چلی تھی۔ وہ سلطان ایوبی کو بھی اور علی بن سفیان کو بھی اُلّو بنا گیا تھا۔

آدھا دن گزر گیا تھا جب علی بن سفیان تقی الدین کو اطلاع دینے کے لیے چلا گیا۔ اُس وقت اُس کا زخمی قیدی جو کھڑا ہونے کے بھی قابل نہیں تھا، قاہرہ سے بہت دُور ایک ویرانے میں پہنچ چکا تھا مگر وہ زندہ نہیں تھا۔ جراح کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ ایک گھوڑے پر بے جان چیز کی طرح پڑا تھا۔ اُس کی ٹانگیں گھوڑے کے ایک طرف اور اوپر کا دھڑ اور بازو دوسری طرف تھے۔ رات بھر وہ اسی حالت میں رہا تھا۔ صبح کا اجالا صاف نہیں ہوا تھا جب گھوڑے رُکے۔ جراح کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ اُسے پٹی باندھنے والا آدمی نظر نہیں آ سکا کیونکہ اس کا سر نیچے تھا۔ پٹی بندھ جانے کے بعد اُس کے پاؤں کھول دیئے گئے اور اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے ہاتھ بندھے رہے۔ اس کے پیچھے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور گھوڑے ذرا سے آرام کے بعد پھر چل پڑے۔ اُسے اتنا ہی پتہ چل سکتا تھا کہ اس کے پیچھے چند اور گھوڑے آ رہے ہیں اور سوار آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں.... گھوڑے چلتے گئے اور سورج اوپر اٹھتا گیا۔ پھر جراح نے محسوس کیا کہ گھوڑا چڑھائی چڑھ رہا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دائیں یا بائیں مڑ رہا ہے۔ نیچے اُتر رہا ہے۔ اس سے وہ اندازہ کر رہا تھا کہ یہ علاقہ ٹیلوں اور گھاٹیوں کا ہے۔

بہت دیر بعد جب سورج سر پر آ گیا تھا اُسے پیچھے سے بلند آوازیں سنائی دیں جن سے اُسے پتہ چلا کہ کوئی سوار گر پڑا ہے۔ اس کا گھوڑا رک گیا اور پیچھے کو مڑا۔ اُسے اس طرح کی آوازیں سنائی دیں — "اٹھاؤ — سائے میں لے چلو — بے ہوش ہو گیا ہے — او خدایا — اس کا خون بہہ رہا ہے"۔ اُسے شارجا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی — "جراح کی آنکھیں اور ہاتھ کھول دو۔ وہ خون روک لے گا، ورنہ میرا بھائی مر جائے گا"۔ یہ زخمی حشیش تھا جو گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ رات بھر کی گھوڑ سواری سے اور گھوڑا اتنی تیز بھگانے سے اس کے پیٹ کا زخم کھل گیا تھا اور ران کے زخم سے بھی خون جاری ہو گیا تھا۔ وہ درد کو برداشت کرتا رہا تھا۔ خون نکلتا رہا۔ آخر یہاں آ کر خون اتنا نکل گیا کہ اُس پر غشی طاری ہو گئی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اُسے اٹھا کر ایک ٹیلے کے سائے میں لے گئے۔ اُس کے منہ میں پانی ڈالا لیکن پانی حلق سے نیچے نہ گیا۔ اُس کے کپڑے خون سے تر ہو گئے تھے۔

جراح کی آنکھیں کھول دی گئیں اور اُسے کہا گیا کہ وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ اُس نے اپنی پیٹھ میں خنجر کی نوک محسوس کی۔ وہ آگے آگے چل پڑا۔ ٹیلے کے دامن میں زخمی پڑا تھا اور شارجا اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اُس نے جراح سے

کہا — "خدا کے لیے میرے بھائی کو بچاؤ" — جرّاح نے سب سے پہلے زخمی کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس کے لیے حکم تھا کہ وہ ادھر اُدھر نہ دیکھے۔ وہ بیٹھ گیا تھا اور زخمی کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اُس کی پیٹھ میں خنجر کی نوک چبھ رہی تھی۔ زخمی کی نبض محسوس کر کے وہ تیزی سے اٹھا اور پیچھے کو مڑا۔ اُس کے سامنے چار آدمی کھڑے تھے جن کے چہرے سیاہ نقابوں میں تھے۔ اُن کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ جرّاح نے غصے سے کہا — "تم سب پر اللہ کی لعنت برسے۔ تم نے اسے بچانے کی بجائے اس کی جان لے لی ہے۔ تم سب اس کے قاتل ہو۔ یہ مر چکا ہے۔ ہم نے اسے چارپائی سے ہلنے بھی نہیں دیا تھا اور تم اسے گھوڑے پر بٹھا کر لائے۔ اس کے زخم کھل گئے اور جسم کا تمام خون ضائع ہو گیا۔"

شارجا بھائی کی لاش پر گر پڑی اور چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ نقاب پوشوں نے جرّاح کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اُسے وہاں سے کچھ دور لے گئے۔ لاش گھوڑے پر ڈال دی گئی اور قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔ جرّاح کو شارجا کے رونے اور چلانے کی جگر سوز آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ جرّاح کے گھوڑے پر جو سوار تھا اس سے جرّاح نے کہا کہ یہ زخمی بالکل ٹھیک ہو سکتا تھا مگر تم لوگوں نے اسے مار دیا۔ اُسے کوئی سزا نہ ملی۔ سوار نے کہا — "ہم اسے زندہ رکھنے کے لیے نہیں لائے تھے۔ ہم نے دراصل وہ راز اغوا کیا ہے جو اس کے پاس تھا۔ اس کے مر جانے کا ہمیں کوئی غم نہیں۔ ہم خوش ہیں کہ تم اور تمہاری حکومت اس راز سے بے خبر ہے جو اس کے سینے میں تھا۔"

"مجھے تم لوگ کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟" جرّاح نے پوچھا۔

"ہم تمہیں پیغمبروں کی طرح رکھیں گے۔" سوار نے جواب دیا — "تمہیں گرم ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔ ہم تمہیں اس لیے لائے تھے کہ راستے میں زخمی کو تکلیف ہو گئی تو اس کی مرہم پٹی کرو گے مگر ہم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارے پاس نہ کوئی دوائی ہے نہ مرہم۔ تمہیں اغوا کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ہم اس لڑکی کو بھی ساتھ لانا چاہتے تھے۔ ہم اسے ہی لاتے تو تم جو اس کے ساتھ تھے ہمارے تعاقب میں پوری فوج بھگا دیتے۔ اس لیے تمہیں بھی اٹھا لانا ضروری تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں ایک جرّاح کی ضرورت ہے۔ تمہیں ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔"

"میں ایسے کسی آدمی کا علاج نہیں کروں گا جو میری حکومت کے خلاف ہو گا۔" جرّاح نے کہا — "تم سب صلیبیوں اور سوڈانیوں اور فاطمیوں کے دوست ہو اور اُن کے اشاروں پر سلطنتِ اسلامیہ کے خلاف تخریب کاری کر رہے ہو۔ میں تمہارے کسی کام نہ آ سکوں گا۔"

"پھر تم قتل ہو جاؤ گے۔" سوار نے کہا۔

"یہ میرے لیے بہتر ہو گا۔" جرّاح نے جواب دیا۔

"پھر ہم تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں گے جو تمہارے لیے بہتر نہیں ہو گا" — سوار نے جواب دیا — "پھر تم ہمارا ہر حکم مانو گے لیکن میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ بُرے سلوک کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ تم نے صلاح الدّین ایّوبی کی بادشاہی دیکھی ہے۔ ہماری بادشاہی دیکھو گے تو اپنی زبان سے کہو گے کہ میں یہیں رہنا چاہتا ہوں، یہ تو جنّت ہے۔ اگر تم نے ہماری جنّت کو ٹھکرا دیا تو ہم تمہیں اپنا جہنم دکھائیں گے۔"

گھوڑے چلتے رہے۔ جرّاح آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کے اندھیرے میں اپنے مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ فرار کی ترکیبیں بھی سوچتا رہا۔ اُسے بار بار شارجا کا خیال آتا مگر وہ یہ سوچ کر مایوس ہو جاتا تھا کہ یہ لڑکی بھی اِنہی کی ہے، وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔

☆

اُن کا سفر اتنا لمبا نہیں تھا لیکن سرحدی دستوں اور اُن کے گشتی سنتریوں کے ڈر سے مجرموں کا یہ قافلہ بچ بچ کر چھپ چھپ کر اور بڑی دُور کا چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ شام کے بعد بھی یہ قافلہ چلتا رہا اور رات گزرتی رہی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے قافلہ رک گیا۔ جرّاح کو گھوڑے سے اتار کر اُس کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور چونکہ اندھیرا تھا اس لیے اس کی آنکھوں سے پٹی بھی کھول دی گئی۔ اُسے کھانے کو کچھ دیا گیا، پانی بھی پلایا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ بھی باندھ دیئے گئے اور پاؤں بھی اور اُسے سو جانے کو کہا گیا۔ سوار تھکے ہوئے تھے۔ اس سے ایک رات پہلے کے جاگے ہوئے تھے، لیٹے اور سو گئے۔ گھوڑوں کو زینیں اتار کر ذرا پرے باندھ دیا گیا تھا۔ جرّاح کے بھاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بندھا ہوا تھا۔ وہ بھی سو گیا۔

کچھ دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھا کہ اُسے روانگی کے لیے جگایا جا رہا ہے لیکن کوئی اس کے پاؤں کی رسّی کھول رہا تھا۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ مرنے کے لیے بھی تیار ہو گیا۔ اُسے یہی توقع تھی کہ اُسے قتل کر کے پھینک جائیں گے، لیکن پاؤں کی رسّی کھلنے کے بعد جب یہ سایہ اُس کے ہاتھوں کی رسّی کھولنے لگا تو اُس نے جھک کر جرّاح کے کان میں کہا — "میں نے دو گھوڑوں پر زینیں کس دی ہیں۔ خاموشی سے میرے پیچھے آؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ وہ بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔" — یہ شارجا کی آواز تھی۔

جرّاح آہستہ سے اٹھا اور شارجا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ریت پر پاؤں کی آہٹ پیدا ہی نہیں ہوتی تھی۔ آگے دو گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک پر شارجا سوار ہو گئی۔ دوسرے پر جرّاح سوار ہو گیا۔ شارجا نے کہا — "اگر تم اچھے سوار نہیں ہو تو ڈرنا نہیں، گرو گے نہیں۔ ایڑ لگاؤ اور لگام ڈھیلی چھوڑ دو۔ گھوڑے کو دائیں بائیں موڑنا تو جانتے ہو گے۔" جرّاح نے جواب دیئے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ شارجا کا گھوڑا بھی اس کے ساتھ ہی دوڑا۔ دوڑتے گھوڑے سے شارجا نے کہا — "میرے پیچھے رہو۔ میں راستہ جانتی ہوں۔ اندھیرے میں مجھ سے الگ نہ ہو جانا۔"

سرپٹ بھاگتے گھوڑوں نے مجرموں کو جگا دیا لیکن تعاقب آسان نہیں تھا۔ انہیں پہلے تو دیکھنا تھا کہ یہ کس کے گھوڑے ہیں۔ انہیں شارجا کے بھاگنے کا خطرہ ہی نہیں تھا۔ کچھ وقت دیکھنے میں لگ گیا ہو گا کہ وہ کون تھے اور ذرا دیر بعد ہی انہیں پتہ چلا ہو گا کہ شارجا اور جرّاح بھاگ گئے ہیں۔ پھر انہیں اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالنی تھیں۔ اس میں اتنا وقت صرف ہو گیا ہو گا کہ بھاگنے والے دو اڑھائی میل دُور چلے گئے ہوں گے ..... شارجا اور جرّاح نے بار بار پیچھے دیکھا۔ آوازیں سننے کی بھی کوشش کی۔ انہیں یقین سا ہو رہا تھا کہ اُن کے تعاقب میں کوئی نہیں آ رہا۔ وہ ابھی گھوڑوں کی رفتار کم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے، اس لیے ایڑ لگاتے چلے گئے۔ آخر وہ حد آ گئی جہاں گھوڑے خود ہی آہستہ ہونے لگے لیکن وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ جرّاح نے شارجا سے کہا کہ یہاں کہیں نہ کہیں کوئی سرحدی دستہ ہونا چاہیے مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہو گا۔ شارجا کر

بھی معلوم نہیں تھا۔ اُس نے جراح کو بتایا کہ وہ ان دستوں سے بچنے کے لیے لمبے راستے سے گئے تھے ورنہ اُس کا گاؤں دور نہیں تھا۔ اُس نے اُسے یہ یقین دلایا کہ وہ قاہرہ کی صحیح سمت کو جا رہے ہیں اور قاہرہ دور نہیں۔

اگلا دن آدھا گزر گیا تھا جب علی بن سفیان قائم مقام امیرِ مصر تقی الدین کے سامنے بیٹھا تھا۔ تقی الدین کہہ رہا تھا — "میں اس پر حیران نہیں کہ آپ جیسے تجربہ کار حاکم نے یہ غلطی کی تھی کہ مشکوک لڑکی کو زخمی قیدی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی اور چار مشکوک افراد کو بھی زخمی کے پاس لے گئے۔ میں اس پر حیران ہوں کہ یہ گروہ اتنا زیادہ دلیر اور منظم ہے۔ زخمی کو اٹھا لے جانا، سنتری کو قتل کر کے زخمی کے بستر پر ڈال جانا دلیرانہ اقدام بھی ہے اور یہ ایک منظم جرم ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس جرم کو جراح اور لڑکی نے آسان بنایا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا — "اس جرم میں بھی ہماری قوم کی اسی کمزوری نے کام کیا ہے جس کے متعلق صلاح الدین ایوبی پریشان رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ عورت اور اقتدار کا نشہ ملتِ اسلامیہ کو لے ڈوبے گا۔ جراح کو میں نیک اور صاحبِ کردار سمجھتا تھا مگر ایک لڑکی نے اُسے بھی اندھا کر دیا۔ بہر حال زخمی قیدی کے گاؤں کا پتہ چل گیا ہے۔ میں نے ایک دستہ روانہ کر دیا ہے۔"

"اور جنوب مغربی علاقے کے جس گمشدہ کا زخمی قیدی نے ذکر کیا تھا اُس کے متعلق آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" تقی الدین نے پوچھا۔

"مجھے شک ہے کہ اُس نے جھوٹ بولا تھا" — علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "اُس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ بے بنیاد قصہ گھڑا تھا۔ تاہم اُس علاقے کی سراغرسانی کی جائے گی۔"

وہ اسی مسئلے پر باتیں کر رہے تھے کہ دربان نے اندر آکر ایسی اطلاع دی جس نے دونوں کو سُن کر دیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی زبانیں بولنے سے معذور ہو گئی ہوں۔ علی بن سفیان اٹھا اور یہ کہہ کر باہر نکل گیا: "کوئی اور ہوگا" — اُس کے پیچھے تقی الدین بھی باہر نکل گیا مگر وہ کوئی اور نہیں اُن کا اپنا جراح اُن کے سامنے کھڑا تھا اور اُس کے ساتھ زخمی قیدی کی بہن شارجا تھی۔ اُن کے گھوڑے بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ جراح اور شارجا کے چہرے اور سر گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک اور منہ کھلے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان نے ذرا غصے سے پوچھا۔ "قیدی کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟" — جراح نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ہمیں ذرا دم لینے دو۔ دونوں کو اندر لے گئے۔ اُن کے لیے پانی اور کھانا وغیرہ منگوایا گیا۔

جراح نے تفصیل سے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوا تھا اور سفر میں زخمی قیدی مر گیا ہے۔ اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ زخمی قیدی کو بھی اغوا کیا گیا ہے۔ یہ اسے اگلے روز سفر میں پتہ چلا جب زخمی گھوڑے سے گرا اور زخم کھل جانے کی وجہ سے مر گیا۔ جراح کو جس طرح شارجا نے آزاد کرایا اور اس کے ساتھ بھاگی وہ بھی تفصیل سے سنایا.... شارجا نے اپنا بیان دیا تو علی بن سفیان جان گیا کہ یہ صحرائی لڑکی ہے، اجڈ اور دلیر ہے اور یہ اتنی چالاک نہیں جتنا سمجھا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی کے سہارے اور اُسی کی خاطر زندہ تھی۔ اس بھائی کی خاطر وہ جان دینے کے لیے بھی تیار رہتی تھی۔ جراح نے جس خلوص سے اُس کے بھائی کا علاج کیا اس سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ اس کی مرید بن گئی۔ جراح کو وہ فرشتہ سمجھنے لگی۔ پہلے روز اُس کے ساتھ جو چار آدمی آئے تھے وہ اُس کے کچھ نہیں لگتے تھے۔ وہ اس کے چچا زاد اور تایا زاد بھائی

نہیں تھے۔ وہ اسی گروہ کے آدمی ہیں جو صلاح الدین ایوبی کو اور اس کے اعلیٰ حاکموں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ جب علی بن سفیان کے آدمی شارجا کے گاؤں اُسے ساتھ لانے گئے تھے، اُس وقت یہ چاروں آدمی گاؤں میں تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ شارجا کا بھائی زخمی ہو کر قید ہو گیا ہے تو وہ اس ارادے سے ساتھ چل پڑے کہ زخمی کو اغوا کریں گے۔ انہیں ڈر یہ تھا کہ زخمی کے پاس جو راز ہے وہ فاش نہ ہو۔ وہ جانتے تھے کہ زخمی کہاں اور کس کارروائی میں زخمی ہوا ہے۔

شارجا کے بیان کے مطابق اس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ بھائی کو اغوا کرائے گی۔ اُس نے بھائی کے پاس رہنے کی جو التجا کی تھی اس سے اُس کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ بھائی کی خدمت اور دیکھ بھال کرے گی اور دوسرا یہ کہ موقع ملا تو اسے اغوا کرائے گی۔ وہ چاروں آدمی زخمی سے مل کر واپس نہیں گئے۔ بلکہ قاہرہ میں ہی رہے تھے۔ وہ شارجا کے اشارے کے منتظر تھے لیکن جراح نے لڑکی کو اتنا متاثر کیا کہ اس کی سوچ ہی بدل گئی۔ جراح نے اُسے یقین دلایا کہ اس کے بھائی کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اس کے علاوہ جراح نے اُسے ایسی باتیں بتائیں جو اُس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ جراح نے اُس کے اندر اسلام کی عظمت بیدار کر دی تھی اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کر کے اُسے اپنا مرید بنا لیا تھا۔ وہ ہر وقت جراح کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سننے کے لیے بے تاب رہنے لگی۔ ایک روز وہ جراح کے گھر جا رہی تھی تو اُسے اُن چاروں میں سے ایک آدمی راستے میں مل گیا۔ اُس نے شارجا سے کہا کہ زخمی کے اغوا میں اب دیر نہیں ہونی چاہیے۔ شارجا نے اُسے کہا کہ وہ ارادہ بدل چکی ہے۔ اس کا بھائی یہیں رہے گا۔ اس آدمی نے شارجا سے کہا کہ اگر اُس نے شہر میں آکر اپنا دماغ خراب کر لیا ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ زخمی یہاں نہیں رہے گا۔

شارجا کو توقع نہیں تھی کہ یہ چاروں اتنی دلیری سے اُس کے بھائی کو اغوا کر لیں گے۔ اُس نے انہیں فیصلہ سنا دیا کہ وہ اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اس آدمی نے اُسے کہا — "ہم تمہاری ہر ایک حرکت دیکھ رہے ہیں۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ تم نے جراح کو پھانس لیا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم خود اس کے جال میں پھنس گئی ہو۔"

شارجا نے اُسے دھتکار دیا۔ اسے چونکہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی دلیری کا مظاہرہ کر سکیں گے اس لیے اس نے جراح کے ساتھ بھی ذکر نہ کیا کہ اُس کے زخمی بھائی کے اغوا کا خطرہ ہے۔ اُسی رات شارجا اور جراح ان چاروں کے چنگل میں آ گئے۔ انہیں جب گھوڑوں پر سوار کرانے کے لیے اٹھائے گئے تو اس نے دیکھا کہ ایک گھوڑے پر اُس کا زخمی بھائی بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ کچھ خوش ہوئی کہ اُس کا بھائی آزاد ہو گیا ہے۔ وہ فرار پر آمادہ ہو گئی لیکن جراح کو وہ لوگوں کی قید میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے انہیں کہا بھی کہ اُسے چھوڑ دو لیکن وہ نہ مانے۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ راستے میں شارجا کو بتایا گیا کہ اس کے بھائی کو کس طرح اغوا کیا گیا ہے۔ وہاں صرف دو آدمی گئے تھے۔ ایک نے سنتری سے کہیں کا راستہ پوچھنے کے بہانے اسے باتوں میں لگا لیا، دوسرے نے پیچھے سے اُس کی گردن جکڑ لی، اور دونوں اُسے اٹھا کر اندر لے گئے۔ زخمی انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے بستر پر سنتری کو لٹا دیا گیا اور اس کے دل پر خنجر کے دو گہرے وار کر کے اُسے ختم کر دیا گیا۔ پھر اُس پر کمبل ڈال دیا گیا۔ دونوں نے زخمی قیدی کو اٹھایا اور نکل گئے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شارجا جراح کے گھر میں ہے۔ انہیں ڈر تھا کہ وہ نہیں مانے گی اور اغوا ناکام بنا دے گی لیکن اُسے بھی وہاں سے غائب کرنا ضروری تھا کیونکہ اُس کے پاس بھی ایک راز تھا۔ دو آدمی گھات میں بیٹھے تھے۔ جونہی جراح اور شارجا نکلے۔

اور تاریک گلی میں آ گئے انہیں پکڑ دیا گیا اور اغوا کامیاب ہو گیا۔

☆

علی بن سفیان جیسا گھاگ سراغرساں کوئی اندھا تجربہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے جراح اور شارجا کے بیانوں پر فوری اعتبار نہ کیا۔ یہ بھی سازش کی ایک کڑی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دونوں کو الگ کر دیا اور اُن سے اپنے انداز سے پوچھ گچھ کی۔ جراح دانشمند آدمی تھا۔ اُس نے علی بن سفیان کو قائل کر لیا کہ اُس نے جو بیان دیا ہے وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک تو جذباتی پہلو تھا۔ اس لڑکی کی شکل و صورت اس کی مری ہوئی بہن سے ملتی جلتی تھی اس لیے وہ اسے اچھی لگی اور وہ اُسے اپنے گھر بھی لے جاتا رہا اور زخمی کے مکان میں بھی اس کے ساتھ زیادہ وقت بیٹھا رہتا تھا۔ جراح نے بتایا کہ اُس کے اس سلوک سے لڑکی اتنی متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنے کچھ شکوک اُس کے سامنے رکھ دیئے۔ یہ اُس لڑکی کا دوسرا پہلو تھا جس پر جراح نے زیادہ توجہ دی۔ لڑکی مسلمان تھی لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس پر بڑے ہی خطرناک اثرات جو باہر سے آئے تھے کام کر رہے تھے۔ جراح نے اس کے ذہن سے یہ اثرات صاف کر دیئے۔ لڑکی چونکہ پسماندہ ذہن کی تھی ہجوم کے دور دراز گوشے کی رہنے والی تھی اس لیے اُس کے ذہن میں جو کچھ ڈالا گیا وہ اسی کو صحیح سمجھتی تھی۔ اس کی باتوں سے یہ انکشاف ہوا کہ اس علاقے میں اسلام کے منافی اثرات اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف تخریب کاری بڑے زور شور سے اور بلا روک ٹوک جاری ہے۔

شارجا سے علی بن سفیان نے کوئی بیان نہیں لیا۔ اُس پر سوال کرتا رہا اور اس کے جوابوں سے ایک بیان مرتب ہو گیا۔ اُس نے فرعونوں کے اُس کھنڈر کے متعلق وہی انکشاف کیا جو بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ بھی اس کھنڈر کے اُس پُراسرار آدمی کی معتقد تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ گنہگاروں کو نظر نہیں آتا اور اُس کی صرف آواز سنائی دیتی ہے۔ شارجا نے بتایا کہ اس کا بھائی فوج میں تھا اور وہ گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ اُسے گاؤں کے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ وہ اُس کھنڈر میں چلی جائے کیونکہ وہ مقدس انسان خوبصورت کنواریوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ شارجا پر علی بن سفیان کی ماہرانہ جرح سے لڑکی کے سینے سے یہ راز بھی نکل آیا کہ اُس کے گاؤں کی تین کنواری لڑکیاں اس کھنڈر میں چلی گئی تھیں پھر واپس نہیں آئیں۔ ایک بار اُس کا بھائی گاؤں آیا تھا۔ شارجا نے اُس سے پوچھا کہ وہ کھنڈر میں چلی جائے؟ بھائی نے اُسے منع کر دیا تھا۔ شارجا اچھی طرح بیان تو نہ کر سکی لیکن یہ پتہ چل گیا کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔

جراح کے متعلق لڑکی نے بتایا کہ اُسے اگر گاؤں میں لے جاتے اور تہہ خانے میں ڈال دیتے تو وہاں سے بھی وہ اُسے اپنی جان کی بازی لگا کر آزاد کرا دیتی۔ اُس کا جب بھائی مر گیا تو اُس نے گاؤں تک جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور تہیہ کر لیا کہ وہ جراح کے ہیں سے آزاد کرائے گی۔ ان چاروں مجرموں کو وہ اپنا ہمدرد سمجھا کرتی تھی لیکن جراح نے اُسے بتایا تھا کہ یہ اللہ کے بہت بڑے مجرم ہیں۔ ان کے متعلق اُسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ انہیں اس کے بھائی کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں بلکہ اس راز سے دلچسپی تھی جو اس کے پاس تھا۔ اسی لیے انہوں نے اُسے مار دیا۔

علی بن سفیان نے اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتی ہے اور اپنے متعلق اس نے کیا سوچا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ ساری عمر جراح کے قدموں میں گزار دے گی اور اگر جراح اُسے آگ میں کود جانے کو کہے گا تو وہ کود جائے گی

اس نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ کھنڈر تک جانے والوں کی راہنمائی کرے گی اور اپنے علاقے کے ان لوگوں کو پکڑوائے گی جو مصر کی حکومت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔

علی بن سفیان کے مشورے پر فوج اور انتظامیہ کے خاص حکام کا اجلاس بلایا گیا اور صورتحال ان کے سامنے رکھی گئی۔ سب کا یہ خیال تھا کہ تقی الدین مصر میں نیا نیا آیا ہے اور اسے یہاں کے حالات کا ابھی علم نہیں ہے، اس لیے وہ محتاط فیصلے کرے گا اور شاید کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے۔ اجلاس میں بیشتر حکام نے اس پر زور دیا کہ اتنے وسیع علاقے کی آبادی کو گمراہ کر دیا گیا ہے اس لیے اس آبادی کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے۔ مسئلہ یہ تھا کہ کھنڈرات کے اسرار کی بابت معلوم ہو چکا تھا۔ ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں سے [illegible] نکالا جا چکا ہے۔ لوگوں نے مذہب بدل کر لیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ اپنے عقیدے پر کوئی حملہ برداشت نہیں کریں گے۔ [illegible] یہ پیش کیا گیا کہ اس علاقے میں اپنے مسلم عالم اور دانشمند بھیجے جائیں جو لوگوں کو راہِ راست پر لائیں۔ ان کے [illegible] نہ لیا جائے۔ اجلاس میں ایک تجویز یہ بھی پیش کی گیا کہ سلطان ایوبی کو صورتحال سے آگاہ کیا جائے اور ان سے حکم لے کر کارروائی کی جائے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انسانوں سے ڈرتے ہیں" — تقی الدین نے کہا — "اور آپ کے دل میں خدا اور رسول صلعم کا ڈر نہیں جن کے سچے مذہب کی وہاں توہین ہو رہی ہے۔ امیر مصر صلاح الدین ایوبی کو خبر تک نہیں ہونے دی جائے گی کہ مصر میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا آپ اس سے بے خبر ہیں کہ وہ میدان جنگ میں کتنے خطرناک دشمن کے مقابل برسرِ پیکار ہیں؟ کیا آپ صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم سب ناکارہ اور بزدل ہیں اور دشمنان دین سے ڈرتے ہیں؟ میں براہِ راست کارروائی کا اور بڑی سختی کے ساتھ کارروائی کا حامی ہوں۔"

"گستاخی معاف امیر محترم!" — ایک نائب سالار نے کہا — "صلیبی ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ ہم اس الزام کی تردید عملی طور پر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم پیار اور خلوص کا پیغام لے کر جائیں۔"

"تو پھر اپنی کمر کے ساتھ تلواریں لٹکائے کیوں پھرتے ہو؟" — تقی الدین نے طنزیہ لہجے میں کہا — "فوج پر اتنا خرچ کیوں کر رہے ہو؟ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ ہم فوج کو چھٹی دے دیں اور ہتھیار دریائے نیل میں پھینک کر مبلغوں کا ایک گروہ بنا لیں اور درویشوں کی طرح گاؤں گاؤں، قریہ قریہ دھکے کھاتے پھریں؟" — تقی الدین نے جذباتی لہجے میں کہا — "اگر رسول خدا کے پیغام کے خلاف صلیب کی تلوار نکلے گی تو اسلام کی شمشیر نیام میں نہیں پڑی رہے گی اور جب شمشیر اسلام نیام سے نکلے گی تو ہر اُس سرکش کو ختم کرے گی جو کلمہ رسول صلعم کے سامنے جھکنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ [illegible] جائے گی جو کلمہ حق کو جھٹلاتی ہے۔ صلیبی اگر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے تو ہم ان سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ سلطنتِ اسلامیہ کیوں سکڑتی چلی آ رہی ہے؟ خود مسلمان کیوں اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ صلیبیوں نے عورت اور شراب سے، زر و جواہرات اور حرص و اقتدار سے اسلام کی تلوار کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ وہ ہم پر جنگ پسندی اور تشدد کا الزام عائد کر کے ہماری عسکری روایات [illegible] ہیں کیونکہ وہ ہمارے خلاف لڑ نہیں سکتے۔ اُن کے ترکی لشکر اور بحری بیڑے ناکام ہو چکے ہیں۔ وہ [illegible]

تخریب کاری کر رہے ہیں۔ اللہ کے سچے دین کی جڑیں کٹ رہی ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ....

"غور سے سنو میرے دوستو! صلیبی اور آپ کے دوسرے دشمن آپ کو بت کا جھانسہ دے کر آپ کے ہاتھ سے تلوار لینا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کی پیٹھ پر وار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ اصول محض ایک فریب ہے کہ کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے یہ معلوم نہیں کہ کرک میں وہ مسلمان آبادی کا کیا حشر کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے شوبک فتح کر کے وہاں مسلمانوں کا بیگار کیمپ نہیں دیکھا تھا؟ وہاں مسلمان عورتوں کی جو انہوں نے عصمت دری کی وہ نہیں سنی تھی؟ مقبوضہ فلسطین میں مسلمان خوف اور ہراس کی، بے آبروئی اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلے لوٹتے اور عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر تلوار اٹھانا جرم ہے۔ اگر یہ جرم ہے تو میں اس جرم سے شرمسار نہیں۔ صلیبیوں کی تلوار نہتوں کو کاٹ رہی ہے، صرف اس لیے کہ وہ اللہ اور رسول صلعم کے نام لیوا ہیں، صلیب اور بتوں کے پجاری نہیں.... تمہاری تلوار صرف وہاں ہاتھ سے گر پڑنی چاہیے جہاں سامنے نہتے ہوں اور اُن تک خدا کا پیغام نہ پہنچا ہو۔ ہمیں اس اصول کا قائل نہیں ہونا چاہیے کہ لوگوں کے جذبات پر حملہ نہ کرو۔ میں نے دیکھا ہے کہ عرب میں چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران اور نااہل اُمرا لوگوں کو خوش کرنے کے لیے بڑے دلکش اور دلوں کو موہ لینے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے غلط جذبات اور احساسات کو اور زیادہ بھڑکا کر انہیں خوش رکھتے ہیں تاکہ لوگ انہیں عیش و عشرت سے اور غیر اسلامی طرزِ زندگی سے روک نہ سکیں۔ ان امرا کا طریقۂ کار یہ ہے کہ انہوں نے خوشامدیوں کا ایک گروہ پیدا کر لیا ہے جو اُن کی ہر آواز پر لبیک کہتا اور رعایا میں گھوم پھر کر ثابت کرتا رہتا ہے کہ اُن کے امیر نے جو بات کہی ہے وہ خدا کی آواز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے بدکار اور عیاش انسانوں کے غلام ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قوم حاکم اور محکوم میں تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے....

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور ہماری قوم کے ایک حصے کو کفر کی تاریکیوں میں لے جا رہا ہے۔ اگر ہم نے سخت رویہ اختیار نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کفر کی تائید کر رہے ہیں۔ میرے بھائی صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ غداری ہماری روایت بنتی جا رہی ہے لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ یہ بھی روایت بنتی جا رہی ہے کہ ایک ٹولہ حکومت کیا کرے گا اور قوم محکوم ہوگی۔ حکمران ٹولہ قوم کا خزانہ شراب میں بہائے گا اور قوم پانی کے گھونٹ کو بھی ترسے گی۔ میرے بھائی نے ٹھیک کہا تھا کہ ہمیں قوم اور مذہب کے مستقبل پر نظر رکھنی ہے۔ ہمیں قوم میں وقار اور کردار کی بلندی پیدا کرنی ہے۔ آنے والی نسلیں ہماری قبروں سے جواب مانگیں گی۔ اس مقصد کے لیے ہمیں ایسی کارروائی سے گریز نہیں کرنا چاہیے جو ملک اور مذہب کے لیے سودمند ہو۔ اگر یہ برحق اقدام قوم کے چند ایک افراد کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ہم قوم کا مفاد اور وقار چند ایک افراد کی خوشنودی پر قربان نہیں کر سکتے۔ ہم ملک کے ایک اتنے بڑے حصے کو صرف اس لیے دشمن کی تخریب کاری کے سپرد نہیں کر سکتے کہ وہاں کے لوگوں کے جذبات مجروح ہوں گے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ وہاں کے لوگ سیدھے سادے اور بے علم ہیں۔ انہیں اپنے وہ مسلمان بھائی جو قبیلوں کے سردار ہیں اور مذہب کے اجارہ دار ہیں دشمن کا آلۂ کار بن کر گمراہ کر رہے ہیں۔"

اجلاس میں کسی کو توقع نہیں تھی کہ تقی الدین کا ردِعمل اتنا شدید اور فیصلہ اتنا سخت ہوگا۔ اُس نے جو دلائل پیش کیے، اُن کے خلاف کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ کوئی مشورہ ہی پیش کرتا۔ اُس نے کہا: "مصر میں جو فوج ہے یہاں سے آئی ہے اور اس سے پہلے بھی لڑ چکی ہے۔ اس فوج کے صرف پانچ سو گھوڑسوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ آج شام اُس علاقے کی طرف روانہ کر دو جہاں وہ مشکوک کھنڈرات ہیں۔ یہ فوج اس علاقے سے اتنی دُور رہے گی کہ ضرورت پڑے تو فوری طور پر محاصرہ کر سکے۔ میرے ساتھ دمشق سے جو دو سو سوار آئے ہیں وہ علاقے کے اندر جا کر کھنڈروں پر حملہ کریں گے۔ ایک چھاپہ مار دستہ کھنڈروں کے اندر جائے گا۔ دو سو سوار کھنڈروں کو محاصرے میں رکھیں گے۔ اگر باہر سے حملہ ہوا یا مزاحمت ہوئی تو فوج کا بڑا حصہ مقابلہ کرے گا اور محاصرہ تنگ کرتا جائے گا۔ اس کارروائی میں فوج کو سختی سے حکم دیا جائے کہ کسی نہتے کو نہیں چھیڑا جائے گا۔"

اس فیصلے کے فوراً بعد فوجی حکام کوچ، حملے اور محاصرے وغیرہ کا منصوبہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

✡

سلطان ایوبی مصر کی تازہ صورتِ حال سے بے خبر کرک اور شوبک قلعوں کے درمیان میل ہا میل وسیع صحرا میں جہاں ریتلی چٹانوں، ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے بھی تھے اور جہاں کسی کسی جگہ پانی اور سائے کی بھی افراط تھی، صلیبیوں کے نئے جنگی منصوبے کے مطابق اپنی افواج کی صف بندی کر رہا تھا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا تھا کہ صلیبی دُگنی طاقت سے جو زیادہ تر زرہ پوش اور بکتر بند ہوگی، قلعے سے باہر آ کر حملہ کریں گے۔ یہ فوج سلطان ایوبی کی فوج کو آمنے سامنے کی جنگ میں اُلجھائے گی اور دوسری فوج عقب سے حملہ کرے گی۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دُور دُور تک پھیلا دیا۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جہاں جہاں پانی اور سبزہ تھا وہاں فوراً قبضہ کر لیا۔ ان جگہوں کے دفاع کے لیے اُس نے بڑے سائز کی کمانوں والے تیرانداز بھیج دیے۔ ان کے تیر بہت دُور تک جاتے تھے۔ وہاں منجنیقیں بھی رکھیں جو آگ کی ہانڈیاں پھینکتی تھیں۔ یہ اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ دشمن قریب نہ آ سکے۔ بلندیوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ سلطان ایوبی نے تمام دستوں کو حکم دیا کہ دشمن سامنے سے حملہ کرے تو وہ اور زیادہ پھیل جائیں تاکہ دشمن بھی پھیلنے پر مجبور ہو جائے۔ اُس نے اپنی فوج کو ایسی ترتیب میں کر دیا کہ دشمن یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان فوج کے پہلو کدھر اور عقب کس طرف ہے۔

سلطان ایوبی نے فوج کا ایک بڑا حصہ ریزرو میں رکھ لیا تھا۔ ایک حصے کو اس طرح متحرک رکھا کہ جہاں کمک کی ضرورت پڑے، فوراً کمک دے سکے۔ اُس کا سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار اُس کے چھاپہ مار دستے تھے اور اس سے زیادہ خطرناک اُس کا جاسوسی کا نظام تھا جو اُسے صلیبیوں کی نقل و حرکت کی خبریں دے رہا تھا۔ شوبک کا قلعہ سلطان ایوبی سر کر چکا تھا۔ صلیبیوں کے منصوبے میں یہ بھی تھا کہ ان کے لیے حالات سازگار ہوئے تو وہ شوبک کو محاصرے میں لے کر فتح کر لیں گے۔ انہیں توقع تھی کہ اُن کا اتنا زیادہ لشکر سلطان ایوبی کی قلیل تعداد فوج کو صحرا میں ختم کر دے گا یا اتنا کمزور کر دے گا کہ وہ شوبک کو باہر سے مدد نہیں دے سکے گی۔ اُن کے اس منصوبے کے پیشِ نظر سلطان ایوبی نے شوبک کی وہ طرف جس طرف سے صلیبی اس قلعے پر حملہ کر سکتے تھے، خالی چھوڑ دی۔ اُس نے صلیبیوں کے لیے [illegible]

پیدا کر دیا کہ وہ راستہ صاف دیکھ کر شوبک پہ حملہ کریں۔ اس طرف سے اس نے دیکھ بھال والی چوکیاں بھی ہٹا دیں اور دُور دُور تک علاقہ خالی کر دیا۔

صلیبیوں کے جاسوسوں نے کرک میں فوراً اطلاع پہنچائی کہ سلطان ایوبی نے صلیبیوں کے ساتھ صحرا میں لڑنے کے لیے فوج شوبک سے دُور اکٹھی کر لی ہے اور شوبک کا راستہ صاف ہو گیا ہے۔ صلیبیوں نے فوراً اپنی اس فوج کو جو سلطان ایوبی پر سامنے سے حملہ کرنے کے لیے باہر لائی تھی حکم دے دیا کہ رخ بدل کر شوبک کی طرف چلی جائے۔ چنانچہ یہ فوج اُدھر کو ہو لی۔ اس کے پیچھے رسد کے ذخیرے جا رہے تھے۔ فوج جب شوبک کے چار میل دُور رہ گئی تو اُسے روک لیا گیا۔ یہ اس فوج کا عارضی پڑاؤ تھا۔ رسد کی گھوڑا گاڑیاں، اونٹ اور خچر ہزاروں کی تعداد میں چلے آ رہے تھے۔ انہیں کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ مسلمانوں کی فوج کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ صلیبی حکمران بہت خوش تھے۔ انہیں شوبک کا قلعہ اپنے قدموں میں پڑا نظر آ رہا تھا مگر رات کو انہیں اپنے پیچھے پانچ چھ میل دُور آسمان لال سرخ نظر آیا۔ شعلے اتنے بلند تھے کہ اتنی دُور سے بھی نظر آتے تھے۔ صلیبیوں نے سوار دوڑا دیئے جہاں سے شعلے اُٹھ رہے تھے وہاں اُن کی رسد تھی۔ سوار وہاں پہنچے تو انہیں صحرا میں بے لگام گھوڑے اور بے مہار اونٹ ہر طرف دوڑتے بھاگتے نظر آئے۔

یہ تباہی سلطان ایوبی کے ایک چھاپہ مار دستے کی بپا کی ہوئی تھی۔ رسد میں گھوڑوں کے لیے خشک گھاس سے لدی ہوئی سینکڑوں گھوڑا گاڑیاں تھیں۔ انہیں رسد کے کیمپ کے اردگرد کھڑا کیا گیا تھا۔ صلیبی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کی ہر ایک حرکت پر سلطان ایوبی کی نظر ہے۔ رات کو جب رسد کا کیمپ سو گیا تو مسلمان چھاپہ ماروں نے اونٹوں پہ جا کر خشک گھاس میں آتشیں فلیتوں والے تیر چلائے۔ گھاس فوراً جل اٹھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیمپ شعلوں کے گھیرے میں آ گیا۔ ان کے نرغے میں آئے ہوئے انسان جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑے تو ان میں سے بہت سے تیروں کا شکار ہو گئے۔ جو جانور رسیاں توڑ سکے وہ تو بھاگ گئے اور جو کھل نہ سکے وہ زندہ جل گئے۔ دُور دُور تک پھیلا ہوا کیمپ جہنم بن گیا۔ چھاپہ ماروں نے کئی ایک اونٹ اور گھوڑے پکڑ لیے اور واپس چلے گئے۔

صبح طلوع ہوئی۔ صلیبی کمانڈروں نے جا کر رسد کا کیمپ دیکھا۔ وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔ اُن کی ایک ماہ کی رسد تباہ ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ شوبک کا راستہ جو صاف تھا یہ سلطان ایوبی کی ایک چال تھی۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ کرک سے شوبک تک اُن کی رسد اور کمک کا راستہ محفوظ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے شوبک کا محاصرہ ملتوی کر دیا۔ رسد کے بغیر محاصرہ ناممکن تھا اور جب انہیں اطلاع ملی کہ گزشتہ رات اس فوج کی بھی رسد تباہ ہو گئی ہے جو سلطان ایوبی کی فوج پر سامنے سے حملہ کرنے کے لیے جا رہی تھی تو انہوں نے اپنے تمام تر جنگی منصوبے پر نظرثانی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں کہیں بھی سلطان ایوبی کی فوج نظر نہیں آ رہی تھی۔ انہیں جاسوس یہ بھی نہیں بتا سکے تھے کہ مسلمانوں کی فوج کا اجتماع کہاں ہے۔ دراصل یہ اجتماع کہیں بھی نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ صلیبیوں نے دونوں محاذوں پر پیش قدمی روک دی ہے تو اُس نے اپنے کمانڈروں کو بلا کر کہا — "صلیبیوں نے جنگ ملتوی کر دی ہے لیکن ہماری جنگ جاری ہے۔ وہ دونوں فوجوں کے آمنے سامنے کے تصادم کو جنگ کہتے ہیں۔ میں چھاپوں اور شب خونوں کو جنگ کہتا ہوں۔ اب چھاپہ ماروں کو سرگرم رکھو۔ صلیبی دونوں طرف

سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ انہیں اطمینان سے پیچھے نہ ہٹنے دو۔ انتہائی عقب یا پہلو پر شب خون مارو اور غائب ہو جاؤ۔ صلیبی آپ کو اپنے سامنے لا کر لڑنا چاہتے ہیں لیکن میں آپ کو اُس میدان میں اُن کے سامنے لے جاؤں گا جو آپ کی مرضی کا ہو گا اور جہاں کی ریت بھی آپ کی مدد کرے گی۔"

سلطان ایوبی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنے عملے اور محافظ دستے کے ساتھ خانہ بدوش تھا۔ کسی ایک جگہ نہ ٹھہرنے کے باوجود معلوم ہوتا تھا جیسے ہر جگہ موجود ہے۔

☆

مصر میں سلطان ایوبی کا بھائی تقی الدین صلیبیوں کے دوسرے محاذ پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہ مصر کا جنوب مغربی علاقہ تھا جہاں کے ڈراؤنے ٹیلوں کے اندر فرعونوں کے ہولناک کھنڈرات میں حضرت عیسیٰ آسمان سے واپس آنے والے تھے۔ تمام تر علاقہ ایک نئے عقیدے کا پیروکار ہو گیا تھا... جمعرات کی شام تھی۔ زائرین کا ہجوم کھنڈر کے غار نما دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر بڑے کمرے میں پُراسرار آواز گونج رہی تھی۔ لوگوں کو دیوار پر گناہ گار اور نیکو کار جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہاں وہی سماں تھا جو ہر جمعرات کے روز ہوا کرتا تھا۔ اچانک اُس پُراسرار مقدس انسان کی آواز خاموش ہو گئی جس کے متعلق مشہور تھا کہ گناہ گاروں کو نظر نہیں آتا۔ اس کی بجائے ایک اور آواز سنائی دی: "گمراہ انسانو! آج کی رات گھروں کو نہ جانا۔ کل صبح تم پر وہ راز فاش ہو جائے گا جس کے لیے تم بے تاب ہو۔ یہاں سے فوراً باہر نکل جاؤ۔ حضرت عیسیٰ تشریف لا رہے ہیں۔ اس کھنڈر سے دُور جا کر سو جاؤ" — بڑے کمرے میں حیرت زدہ لوگوں کو دیوار پر جو چمکتے ہوئے ستارے نظر آتے تھے وہ ماند پڑ گئے۔ اُس وقت ان ستاروں میں سے حسین لڑکیاں اور خوبرو مرد چلتے کھیلتے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ فوجی قسم کے کچھ آدمی انہیں پکڑ پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ کہیں سے چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بادل جو گرجتے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔ لوگوں کے لیے یہ جگہ بڑی ہی مقدس تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کے باہر کو بھاگے اور کھنڈر خالی ہو گیا۔

یہ انقلاب تقی الدین اور علی بن سفیان لائے تھے۔ اُن کے ساتھ فوج کی وہی نفری تھی جو تقی الدین نے اپنے حکم میں بتائی تھی۔ یہ دستے شام کے بعد ٹیلوں والے علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ان کی راہنمائی شارجا کر رہی تھی جو گھوڑے پر سوار تھی۔ وہ انہیں جمعرات کی شام وہاں لے گئی تھی کیونکہ اُس روز وہاں میلہ لگتا تھا اور دُور دُور سے لوگ آتے تھے۔ فوج کے بڑے حصے کو جس میں پانچ سو گھوڑ سوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ تھے اس علاقے سے ذرا دُور رکھا گیا تھا۔ انہیں نہتے لوگوں کے خلاف استعمال نہیں کرنا تھا۔ اُن کے ذمے یہ فرض تھا کہ سوڈان کی سرحد پر نظر رکھیں۔ چونکہ کھنڈروں کے اندر کی تخریب کاری صلیبیوں اور سوڈانیوں کی پشت پناہی پر ہو رہی تھی اس لیے یہ خطرہ تھا کہ وہاں فوجی کارروائی کی گئی تو سوڈانی حملہ کر دیں گے۔ تقی الدین نے اس علاقے کے قریب کے سرحدی دستوں کو جو سرحدوں کی حفاظت کے لیے وہیں رہتے تھے قریب بلا کر اپنے تحت کر لیا تھا۔

دو سو گھوڑ سوار جو تقی الدین کے ساتھ دمشق سے آئے تھے وہ وہاں کے چُنے ہوئے اور دیوانگی کی حد تک دلیر سوار تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے تیر اندازی اُن کا خصوصی کمال تھا۔ پیادہ سپاہیوں میں سلطان ایوبی کے اپنے منتخب

تیار کیے ہوئے چھاپہ مار بھی تھے۔ انہیں ایسی ٹریننگ دی گئی تھی کہ انتہائی دشوار ٹیلوں اور درختوں پر حیران کن رفتار سے چڑھتے اور اترتے تھے۔ چند گز پھیلی ہوئی آگ سے گزر جانا اُن کا معمول تھا۔ ان چھاپہ مار جانبازوں کو اُس وقت کھنڈر کی طرف روانہ کیا گیا جب لوگ اندر جا رہے تھے۔ وہاں تک انہیں شتر جالے گئی تھی۔ علی بن سفیان اُن کے ساتھ تھا۔ تیز رفتار قاصد بھی ساتھ تھے تاکہ پیغام رسانی میں تاخیر نہ ہو۔ کھنڈر کے دروازے کے باہر دو آدمی کھڑے اندر جانے والوں کو تین تین کھجوریں کھلا رہے تھے۔ دروازے کے اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے سے لوگ گزر کر اندر روشن کمرے میں جاتے تھے۔ باہر صرف ایک مشعل جل رہی تھی جس کی روشنی معمولی سی تھی۔

چھ آدمی جن کے سر چادروں میں ڈھکے ہوئے تھے، زائرین کے ساتھ دروازے تک گئے اور ہجوم سے ہٹ کر کھجوریں کھلانے والوں کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ انہیں کہا گیا کہ وہ سامنے سے گزریں لیکن وہ سُن ہو کے رہ گئے کیونکہ ان کی پیٹھوں میں خنجروں کی نوکیں رکھ دی گئی تھیں۔ یہ چھ آدمی چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے ایک ایک آدمی کے پیچھے ہو کر خنجر ان کی پیٹھوں سے لگا کر آہستہ سے کان میں کہا تھا —— "زندہ رہنا چاہتے ہو تو یہاں سے باہر چلے جاؤ۔ تم سب فوج کے گھیرے میں ہو" —— کھجوریں کھلانے اور پانی پلانے والے آدمی ذرا سی بھی مزاحمت کے بغیر باہر نکل گئے۔ چھاپہ ماروں نے خنجر اس طرح چُغوں میں چھپا لیے کہ لوگوں میں سے کوئی دیکھ نہ سکا۔ یہ چار آدمی جونہی باہر کو آئے وہاں دس بارہ چھاپہ مار دیہاتیوں کے لباس میں کھڑے تھے۔ انہوں نے ان چاروں کو گھیر لیا اور دھکیلتے ہوئے دور لے گئے۔ وہاں انہیں رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ چھ چھاپہ مار جو کھجوروں اور پانی کے مشکیزوں کے پاس رہ گئے تھے، انہوں نے اندر جانے والے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ کھجوروں اور پانی کے بغیر اندر جاؤ، کیونکہ اندر سے نیا حکم آیا ہے۔ سیدھے سادے دیہاتی اندر جاتے رہے۔

اُن کے ساتھ اب چھاپہ مار بھی اندر جا رہے تھے اور مشعلیں بھی اندر جا رہی تھیں۔ لوگ حیران تھے کہ مشعلیں کیوں لے جائی جا رہی ہیں۔ کم و بیش پچاس مشعلیں اور دو سو چھاپہ مار اندر چلے گئے۔ وہ روشن کمرے میں نہ گئے بلکہ اُن تاریک راستوں اور غلام گردشوں میں چلے گئے جن میں باہر کے لوگ نہیں جا سکتے تھے۔ ان میں سے بعض کے پاس خنجر اور تیغ نما تلواریں تھیں اور بعض کے پاس چھوٹی تیر کمانیں۔ اُس دروازے سے بھی جس سے لوگ باہر نکلتے تھے چھاپہ مار داخل ہو گئے۔ وہ ہدایت کے مطابق تاریک بھول بھلیوں میں جا رہے تھے۔ تقی الدین کے دو سو گھوڑ سوار آ گئے اور انہوں نے پورے کھنڈر کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کے ساتھ پیادہ دستہ بھی تھا جس کے سپاہیوں نے اندر سے نکلنے والوں کو روک کر ایک طرف اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ چھاپہ مار مشعل برداروں کے ساتھ اندر گئے تو انہیں ایسے محسوس ہونے لگا جیسے کسی کے پیٹ میں چلے گئے ہوں۔ اندر کے راستے اور کمرے انتڑیوں کی مانند تھے...... یہ راستے انہیں ایک ایسے طلسم میں لے گئے جسے دیکھ کر چھاپہ مار بدک کر رک گئے۔ یہ ایک بہت کشادہ کمرہ تھا جس کی چھت اونچی تھی۔ اندر بہت سے مرد اور عورتیں تھیں۔ ان میں کچھ ایسے تھے جن کے چہرے بھیڑیوں کی طرح تھے۔ بعض تھے تو انسان لیکن وہ اس قدر بدصورت اور بھیانک چہروں والے تھے کہ دیکھ کر ڈر آتا تھا۔ وہ جن اور بھوت لگتے تھے اور ان کے درمیان خوبصورت اور جوان لڑکیاں بھڑکیلے اور چمکیلے کپڑے پہنے ہنس کھیل رہی تھیں۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ چند ایک خوبصورت

لڑکیاں خوبرو مردوں کے ساتھ مٹک مٹک کر چل رہی تھیں۔ اُدھر چھت سے فرش تک پردے لٹکے ہوئے تھے جو دائیں بائیں ہٹتے، کھلتے اور بند ہوتے تھے۔ دوسری طرف آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی چمکتی اور دمکتی تھی۔

اگر چھاپہ ماروں کو یہ یقین نہ دلایا گیا ہوتا کہ کھنڈر کے اندر جو کچھ بھی ہے اور جس شکل میں بھی ہے وہ انسان ہیں اور انسان کوئی بدروح، روح یا بھوت پریت نہیں، تو چھاپہ مار وہاں سے بھاگ جاتے۔ وہاں جو خوبصورت لڑکیاں اور خوبرو مرد تھے وہ بھی ڈراؤنے لگتے تھے..... اس عجیب و غریب مخلوق نے جب مشعل بردار چھاپہ ماروں کو دیکھا تو انہیں ڈرانے کے لیے ڈراؤنی آوازیں نکالنے لگے۔ جو آدمی بدصورت چڑیلوں اور بھیڑیوں کے چہروں والے تھے، اُن کی آوازیں زیادہ خوفناک تھیں۔ اس دوران ایک دو آدمیوں نے غالباً ڈر کر اپنے چہرے بے نقاب کر دیئے۔ یہ بھیڑیوں کے چہرے تھے جب انہوں نے اتارے تو اندر سے انسانوں کے چہرے نکلے۔ چھاپہ ماروں نے سب کو گھیر کر پکڑ لیا اور سب کے نقاب اتار دیئے۔ وہاں شراب بھی پڑی تھی۔ ان سب کو باہر لے گئے۔ کھنڈر کے دوسرے حصوں کی تلاشی میں ایک آدمی پکڑا گیا جو ایک تنگ سی سُرنگ کے منہ میں منہ ڈالے بھاری آواز میں کہہ رہا تھا —— "گناہوں سے توبہ کرو۔ حضرت عیسیٰ آنے والے ہیں......" اور ایسے کئی الفاظ تھے جو وہ بول رہا تھا۔ یہ سُرنگ گھوم پھر کر اُس روشن کمرے میں جاتی تھی، جہاں زائرین کو یہ پُراسرار، ڈراؤنی اور خوبصورت مخلوق دکھا کر حیرت زدہ کیا جاتا تھا۔ اس آدمی کو وہاں سے ہٹا کر چھاپہ ماروں کے ایک کمانڈر نے سرنگ میں منہ ڈال کر کہا کہ اے گمراہ لوگو، آج رات گھروں کو نہ جانا۔ کل صبح تم پر وہ راز فاش ہو جائے گا جس کے لیے تم بے تاب ہو۔

کھنڈرات کے اندر کسی نے بھی مزاحمت نہ کی۔ خنجروں اور تلواروں کے آگے سب اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے چلے گئے۔ چھاپہ مار اُن آدمیوں کی نشاندہی پر جنہیں گرفتار کر لیا گیا تھا اُن جگہوں تک پہنچے جہاں بجلی کی طرح چمکنے والی روشنیوں کا انتظام تھا۔ ڈھکی چھپی جگہوں میں مشعلیں جل رہی تھیں۔ اُن کے پیچھے لکڑی کے تختے تھے جن پر ابرق چپکایا ہوا تھا۔ ان تختوں کے زاویے بدلتے تھے تو ابرق کی چمک لوگوں کی آنکھوں میں پڑتی اور چندھیا دیتی تھی۔ کمرہ تاریک کرنے کے لیے مشعلوں کو پیچھے کر لیا جاتا تھا۔ بادل گرجنے کی آوازیں دھات کی چادروں کو جھٹکے دے کر پیدا کی جاتی تھیں۔ پردوں پر جگہ جگہ ابرق کے ٹکڑے چپکا دیئے گئے تھے جن پر روشنی پڑتی تو ستاروں کی طرح چمکتے تھے۔ اس طرح پردوں کا رنگ ایسا تھا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ کپڑا ہے۔ وہ اُسے چُنی ہوئی دیوار سمجھتے تھے۔ عقل اور ہوش والے انسان کے لیے یہ کوئی معمہ نہیں تھا۔ بے شک یہ روشنیوں کے خاص انتظام کا جادو تھا جو لوگوں کو مسحور کر لیتا تھا لیکن اندر جو جاتا تھا، اُس کی عقل اور ہوش پر اُس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔ انہیں اندر جاتے وقت دروازے پر جو تین کھجوریں کھلائی جاتیں اور پانی پلایا جاتا تھا، ان میں نشہ آور آمیزش ہوتی تھی۔ اس کا اثر فوراً ہو جاتا تھا۔ اس اثر کے تحت زائرین کے ذہنوں پر جو بھی تصور بٹھایا جاتا اور کانوں میں جو بھی آوازیں ڈالی جاتیں وہ اسے سو فیصد صحیح اور برحق سمجھ لیتے تھے۔ اسی نشے کا اثر تھا کہ لوگ باہر جا کر دوبارہ اندر آنے کی خواہش کرتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ اُس عقیدے کا تاثر نہیں بلکہ اس نشے کا اثر ہے جو انہیں کھجوروں اور پانی میں دیا جاتا ہے۔

کھجوروں کے انبار اور پانی کے مشکیزوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا تھا۔ اندر پکڑ دھکڑ اور تلاشی کا سلسلہ جاری تھا۔

باہر دو سو سپاہیوں نے کھنڈروں کا محاصرہ کر رکھا تھا ہر طرف مشعلوں کی روشنی تھی۔ فوج کا بڑا حصہ اور دو سرحدی دستے سوڈان کی سرحد کے ساتھ ساتھ گھوم پھر رہے تھے ——— رات گزر گئی سوڈان کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہوا۔ کھنڈرات میں بھی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ صبح کے اجالے نے اس علاقے کو روشن کیا تو وہاں ہراساں دیہاتیوں کا ہجوم تھا۔ کچھ لوگ ادھر اُدھر ہو گئے تھے۔ گھوڑ سواروں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔

☆

کچھ دیر بعد تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے بٹھا دیا گیا۔ ان کی تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان تھی۔ ایک طرف سے ایک جلوس آیا جسے فوجی ہانک کر لا رہے تھے۔ اس جلوس میں بھیڑیوں اور چڑیلوں کے چہروں والے انسان تھے۔ اس میں مکروہ اور بڑی بھیانک شکلوں والے انسان بھی تھے اور اس جلوس میں وہ تمام مخلوق تھی جو لوگوں کو کھنڈر کے اندر دکھائی جاتی تھی اور بتایا جاتا تھا کہ یہ آسمان ہے جہاں یہ لوگ مرنے کے بعد گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اُن کا سب سے بڑا گناہ یہ بتایا جاتا تھا کہ یہ جنگ و جدل کے عادی تھے۔ یعنی یہ فوجی تھے۔ اس جلوس سے الگ دس بارہ لڑکیوں کو بھی لوگوں کے سامنے لایا گیا۔ یہ بہت ہی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ ان کے ساتھ خوبرو مرد تھے۔ ان دونوں جلوسوں کو لوگوں کے ہجوم کے سامنے ایک اونچی جگہ پر کھڑا کر دیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ لوگوں کو اپنے چہرے دکھاؤ۔ سب نے بھیڑیوں اور چڑیلوں کے مصنوعی چہرے اتار دیئے۔ اُن کے اندر سے اچھے بھلے انسانی چہرے نکل آئے۔ جو آدمی مکروہ اور بھیانک چہروں والے تھے وہ بھی مصنوعی چہرے تھے۔ یہ چہرے بھی اتار دیئے گئے۔

لوگوں سے کہا گیا کہ وہ ان آدمیوں اور ان لڑکیوں کے قریب سے گزرتے جائیں اور انہیں پہچانیں۔ لوگ تو اسی پر حیران ہو گئے کہ یہ آسمان کی مخلوق نہیں اسی زمین کے انسان ہیں۔ لوگوں نے قریب سے دیکھا تو ان آدمیوں میں سے بہت سے پہچانے گئے۔ وہ اسی علاقے کے باشندے تھے۔ لڑکیاں بھی پہچان لی گئیں۔ ان میں زیادہ تر اسی علاقے کی رہنے والی تھیں، اور تین چار یہودی تھیں جنہیں صلیبی اسی مقصد کے لیے لائے تھے۔ لوگ انہیں دیکھ چکے تو ان مجرموں کو سامنے لایا گیا جنہوں نے یہ طلسماتی اہتمام کر رکھا تھا۔ ان میں چھ صلیبی تھے جو مصر کے اس علاقے کی زبان بولتے اور سمجھتے تھے۔ انہوں نے بہت سے آدمی اس علاقے سے اپنے ساتھ ملا لیے تھے۔ رات گرفتاری کے بعد اُن سے اعتراف کرا لیا گیا تھا کہ انہوں نے تین چار مسجدوں میں اپنے امام رکھ دیئے تھے جو لوگوں کو مذہب کے بارے میں غیر اسلامی نظریات کے معتقد بنا رہے تھے۔ اس گروہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو قائل کیا جائے کہ فوج میں بھرتی نہ ہوں کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ گروہ اس مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ان تخریب کاروں نے یہ کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کہ اس علاقے کے لوگوں میں سوڈانیوں کی محبت پیدا کر دی تھی اور اُن کا مذہب تبدیل کیے بغیر انہیں بے مذہب کر دیا تھا۔

لوگوں سے کہا گیا کہ اب وہ کھنڈروں کے اندر جا کر گھومیں پھریں اور اس فریب کاری کا ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ لوگ اندر چلے گئے جہاں جگہ جگہ فوجی کھڑے تھے اور لوگوں کو دکھا رہے تھے کہ انہیں کیسے کیسے طریقوں سے دھوکہ دیا جاتا رہا ہے۔ بہت دیر بعد جب تمام لوگ اندر سے گھوم پھر آئے تو تقی الدین نے اُن سے خطاب کیا اور انہیں بتایا کہ کھنڈروں اور پانی میں انہیں نشہ دیا جاتا رہا ہے۔ اندر جو جنت اور جہنم تھا وہ اس نشے کے زیر اثر نظر آتا تھا۔ میں ان مجرموں سے کہتا ہوں کہ اندر چل کر مجھے آسمان کی مخلوق چلتی پھرتی دکھائیں کہ حضرت موسیٰ کہاں اور فرعون کہاں ہے۔ یہ سب فریب تھا۔ یہ وہ نشہ ہے جو حشیشین کا پیر استاد حسن بن صباح لوگوں کو پلا کر انہیں جنت دکھایا کرتا تھا۔ وہ تو ایک وقت میں چند ایک آدمیوں کو نشہ پلاتا تھا مگر یہاں اسلام کے ان دشمنوں نے اتنے وسیع علاقے کی پوری آبادی پر نشہ طاری کر دیا ہے۔

تقی الدین نے لوگوں کو اصلیت دکھا کر انہیں بتایا کہ ابتدا میں ایک درویش کی کہانی سنائی گئی تھی جو مسافروں کو اونٹ اور اشرفیاں دیا کرتا ہے۔ یہ محض بے بنیاد کہانیاں تھیں اور یہ سراپا جھوٹ کہانیاں سنانے والوں کو تمہارے دین و ایمان کے دشمن بے دریغ مال و دولت دیتے تھے ...... تقی الدین نے اس فریب کاری کے تمام پہلو بے نقاب کیے اور جب اُس نے مجرموں کی اصلیت کو بے نقاب کیا تو لوگ جوش میں آ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجرموں پر ہلہ بول دیا۔ اُس وقت لوگوں کا وہ نشہ اتر چکا تھا جو رات کو انہیں کھنڈروں اور پانی میں دیا گیا تھا۔ فوج نے ہجوم پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے تمام مجرموں اور لڑکیوں کو جان سے مار کر چھوڑا۔

تقی الدین نے فوج کو اسی علاقے میں پھیلا دیا اور فوج کی نگرانی میں وہاں ایک تو تخریب کاروں کے ایجنٹوں کو گرفتار کیا اور دوسرے یہ کہ مسجدوں میں قاہرہ کے عالم متعین کر دیئے جنہوں نے لوگوں کی مذہبی اور عسکری تعلیم و تربیت شروع کر دی۔ فرعونوں کے کھنڈروں کو لوگوں کے ہاتھوں مسمار کرا دیا گیا۔

تقی الدین نے قاہرہ جا کر پہلا کام یہ کیا کہ جراح اور شارجا کی خواہش کے مطابق انہیں شادی کی اجازت دے دی اور دوسرا کام یہ کیا کہ اُس نے فوج کی مرکزی کمان کو حکم دیا کہ سوڈان پر حملے کی تیاری کی جائے۔ اُس نے کھنڈروں کی مہم میں دیکھ لیا تھا کہ پڑوسی سوڈانیوں نے مصر کے اتنے وسیع علاقے کو اپنے اثر میں لے لیا تھا اور یہ اثر شدید جوابی کارروائی کے بغیر ختم نہیں ہوگا۔ اُس پر یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ سوڈانی صلیبیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور وہ باقاعدہ حملے کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ سوڈان پر حملہ کیا جائے۔ اس سے اگر سوڈان کا کچھ علاقہ قبضے میں آئے یا نہ آئے اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ دشمن کی تیاریاں درہم برہم ہو جائیں گی اور ان کا منصوبہ لمبے عرصے کے لیے تباہ ہو جائے گا۔ تقی الدین کو سلطان ایوبی کی پشت پناہی حاصل تھی۔

☆

رینی الیگزینیڈر کا آخری معرکہ

مصر کے قائم مقام امیر تقی الدین نے صلیبیوں کی نظریاتی یلغار کو بروقت فوجی کارروائی سے روک دیا اور اُس خفیہ اور پُراسرار اڈے کو بھی مسمار کر دیا جہاں سے یہ فتنہ اٹھا تھا مگر وہ مطمئن نہیں تھا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ اسلام کُش زہر قوم کی رگوں میں اُتر گیا ہے۔ اس صلیبی تخریب کاری کو سوڈان سے پشت پناہی مل رہی تھی اور سوڈانیوں کو صلیبیوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ تقی الدین نے اس اڈے کو بھی تباہ کرنے کے لیے سوڈان پر حملے کی تیاریاں تیز کر دیں۔ سلطان ایوبی نے وہاں بھی جاسوس بھیج رکھے تھے جن کی جانبازانہ کوششوں سے وہاں کے بڑے نازک راز مل رہے تھے، مگر ان رازوں سے جو فائدہ سلطان ایوبی اٹھا سکتا تھا وہ اس کے بھائی تقی الدین کے بس کی بات نہیں تھی۔ دونوں بھائیوں کا جذبہ تو ایک جیسا تھا لیکن دونوں کی ذہانت میں بہت فرق تھا۔ دونوں بھائی جس کارروائی کا فیصلہ کرتے تھے وہ شدید ہوتی تھی، فرق یہ تھا کہ سلطان ایوبی محتاط رہتا تھا اور تقی الدین بے صبر ہو کر احتیاط کا دامن چھوڑ دیتا تھا۔ اُسے جب فوجی مشیروں نے کہا کہ سوڈان پر حملے کا فیصلہ دانشمندانہ ہے لیکن محترم ایوبی سے مشورہ لے لینا ضروری ہے تو تقی الدین نے اپنے مشیروں کے اس مشورے کو مسترد کرتے ہوئے کہا — "کیا آپ لوگ امیرِ محترم کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ آپ اُن کے بغیر کچھ سوچ نہیں سکتے اور کچھ کر نہیں سکتے؟ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ مصر سے اتنی دُور محترم ایوبی کس طوفان میں گھرے ہوئے ہیں؟ اگر ہم نے ان کے مشورے اور فیصلے کا انتظار کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سوڈانی حملے میں پہل کر کے ہم پر سوار ہو جائیں گے۔"

"آپ ابھی حملے کا حکم دیں۔" ایک نائب سالار نے کہا — "فوج اسی حالت میں، رسد کے بغیر کوچ کر جائے گی لیکن اتنی بڑی اور اتنی اہم مہم کے لیے گہری سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ ہم کوچ کی تیاری کے تمام تر انتظامات بہت تھوڑے وقت میں کر لیں گے، آپ محترم ایوبی کو اطلاع ضرور دے دیں تاکہ وہ اور محترم نورالدین زنگی اِدھر بھی دھیان رکھیں۔"

تقی الدین نہیں مانا۔ اُس نے کہا — "آپ مصر میں ایک ایک غدار اور ایک ایک تخریب کار کو پکڑتے اور اُسے ختم کرتے ہیں۔ میں اُس منبعے کو بند کرنا چاہتا ہوں جہاں سے تخریب کاری اور غداری پیدا ہو رہی ہے۔ اس کام کے لیے مجھے کسی کے حکم اور مشورے کی ضرورت نہیں۔"

تقی الدین چند ایسے عناصر اور کوائف کو نظرانداز کر رہا تھا جو اُس کے حملے کو ناکام کر سکتے تھے۔ ایک یہ کہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے جاسوس مصر میں موجود تھے جو یہاں کی فوجوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ تقی الدین کی کمزوری یہ بھی تھی کہ اُس کے دشمن کے جاسوس مسلمان بھی تھے جو انتظامیہ اور فوج میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے مقابلے میں تقی الدین کے جاسوس سوڈانیوں کے پالیسی سازوں اور حکام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ سلطان ایوبی نے ۱۱۶۹ میں مصر کی جس سوڈانی فوج کو بغاوت کے جرم میں توڑ دیا تھا اس کے کئی ایک کمانڈر اور عہدیدار سوڈان میں تھے۔ وہ سلطان ایوبی کی جنگی چالوں سے واقف تھے۔ انہوں نے انہی چالوں کے مطابق اپنی فوج کی تربیت کی تھی۔ صلیبیوں نے انہیں نہایت اچھا اسلحہ اور ضرورت سے زیادہ جنگی سامان دے رکھا تھا۔ یہ گھر کے بھیدی تھے۔ تقی الدین نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ سوڈان کے جس علاقے میں پیش قدمی کرنے جا رہا ہے وہ ایک وسیع صحرا ہے جہاں پانی خطرناک حد تک کم ہے اور وہ مقام جہاں حملہ کرنا ہے اتنا دُور ہے جہاں تک رسد کو خطرے میں ڈالے بغیر رواں رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔ مصر کے اندرونی حالات کو قابو میں رکھنے اور تخریب کاری کے انسداد کے لیے بھی فوج درکار تھی، مگر تقی الدین اس قدر بھڑکا ہوا تھا کہ اُس نے مکمل طور پر نیک نیتی اور اسلامی جذبے کی شدت کے زیرِ اثر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور سلطان ایوبی کو اطلاع نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس کی اس خود مختاری میں وہی جذبہ تھا جو سلطان ایوبی میں تھا۔ اسے احساس تھا کہ سلطان ایوبی کا مقابلہ تُند اور تیز طوفان سے ہے اور صلیبی فیصلہ کن جنگ لڑنے کا اہتمام کیے ہوئے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا درست تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کرک سے آٹھ نو میل دور ایک چٹانی علاقے میں اپنا ہیڈکوارٹر قائم کیے ہوئے تھا۔ یہ اس کا عارضی قیام تھا۔ وہ اپنے ہیڈکوارٹر کو خانہ بدوش رکھا کرتا تھا۔ جس مقام پر اسے حملہ کرانا یا شبخون مروانا ہوتا، وہ اس کے قریب رہتا اور حملہ کرنے والے دستے کے کمانڈر کو بتا دیا کرتا تھا کہ وہ اُن کی واپسی کے وقت کہاں ہوگا۔ اُس کے چھاپہ مار (کمانڈو جانباز) صلیبی فوج کی تمام تر کمک تباہ کر چکے تھے۔ چھاپہ ماروں کے چھوٹے چھوٹے گروہ اُس صلیبی فوج کے لیے ناگہانی مصیبت بنے ہوئے تھے جو صحرا میں پھیلی ہوئی تھی۔ صلیبیوں کا نقصان تو بہت ہو رہا تھا لیکن چھاپہ ماروں کی شہادت غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ دس جانباز جاتے تو تین چار واپس آتے تھے۔ یہ رپورٹیں بھی ملنے لگی تھیں کہ صلیبیوں نے ایسے انتظامات کر لیے ہیں جو شبخون اور چھاپے کو کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ لہٰذا اب چھاپہ ماروں کو جان کی بازی لگانی پڑتی تھی۔ سلطان ایوبی اب اپنی چالیں اور فوجوں کا پھیلاؤ بدلنے کی سوچ رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے صلیبی مجھے آمنے سامنے آنے پر مجبور کر رہے ہیں۔" سلطان ایوبی نے اپنے فوجی نائبین سے کہا ۔۔۔ "میں انہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا اور میں اب اپنے اتنے زیادہ جوان مروانے سے بھی گریز کروں گا۔"

"میں چھاپہ مار دستوں کی نفری میں اضافہ کرنے کا مشورہ دوں گا۔" ایک نائب نے کہا ۔۔۔ "اور میں یہ بھی مشورہ دوں گا کہ ہمیں دشمن کی قوت کو صرف اس لیے نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ ہماری فوج میں جذبہ زیادہ ہے۔

جذبہ سپاہی کو بے جگری سے لڑا کر مروا سکتا ہے، فتح کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری نفری بہت کم ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ صلیبی فوج کا بیشتر حصہ زرہ پوش ہے۔"

سلطان ایوبی مسکرایا اور بولا ۔۔۔ "زرہ جو انہوں نے پہن رکھا ہے وہ انہیں نہیں ہمیں فائدہ دے گا۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ صلیبی کوچ کرتے ہیں تو رات کو کرتے ہیں یا صبح کے وقت؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دھوپ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سورج اوپر اٹھتا ہے تو اس کی تمازت زرہ بکتر کو انگاروں کی طرح گرم کر دیتی ہے۔ زرہ پوش سپاہی اور سوار لوہے کے خود اور آہنی سینہ پوش اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوہے کا وزن اُن کی حرکت کی تیزی ختم کر دیتا ہے۔ میں انہیں دوپہر کے وقت لڑاؤں گا جب اُن کے سروں پر کھولتا ہوا فولاد اُن کا پسینہ نکال کر اُن کی آنکھوں میں ڈالے گا اور وہ اندھے ہو جائیں گے۔ آپ نفری کی کمی کو متحرک طریقۂ جنگ سے اور جذبے سے پورا کریں۔"

اتنے میں سلطان ایوبی کے انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان کا ایک نائب زاہدان آ گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ان دونوں آدمیوں کو اُس نے بٹھایا اور پوچھا ۔۔۔ "کیا خبر ہے؟" دونوں نے اپنے اپنے گریبان کے اندر ہاتھ ڈالے اور لکڑی کی بنی ہوئی صلیبیں باہر نکالیں جو اُن کی گردنوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ وہ صلیبی نہیں مسلمان تھے۔ اپنے آپ کو صلیبی ظاہر کرنے کے لیے وہ صلیبیں گلے میں لٹکا لیتے تھے۔ دونوں نے صلیبیں اتار کر نیچے پھینک دیں۔ ان میں سے ایک نے اپنی رپورٹ پیش کی۔

یہ دونوں جاسوس تھے جو کرک سے واپس آئے تھے۔ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ کرک فلسطین کا ایک قلعہ بند شہر تھا جس پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلیبی شوبک نام کا ایک قلعہ سلطان ایوبی کے ہاتھ ہار چکے تھے۔ وہ کرک کسی قیمت پر دینا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے دفاعی انتظامات بڑے ہی سخت کر دیے تھے جن میں ایک بندوبست یہ تھا کہ وہ قلعہ بند ہو کر نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ شوبک سے جب عیسائی اور یہودی باشندے مسلمانوں کے ڈر سے کرک بھاگ رہے تھے اُس وقت سلطان ایوبی نے اپنی فوج اور انتظامیہ کو یہ حکم دیا تھا کہ بھاگنے والے غیر مسلموں کو روکیں اور انہیں واپس لا کر ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں لیکن سلطان ایوبی نے ایک خفیہ حکم یہ بھی دیا تھا کہ زیادہ تر باشندوں کو جانے دیں۔ اس حکم میں راز یہ تھا کہ غیر مسلم باشندوں میں سلطان کے جاسوس بھی جا رہے تھے۔ اپنے جاسوس دشمن کے ان شہروں اور مضافات میں جس پر تھوڑے عرصے بعد حملہ کرنا تھا بھیجنے کا یہ موقع نہایت اچھا تھا۔ مسلمان جاسوس عیسائی اور یہودی پناہ گزینوں کے بھیس میں کرک چلے گئے تھے۔ وہاں کے مسلمان باشندوں کے ساتھ مل کر انہوں نے خفیہ اڈے بنا لیے تھے۔ وہ وہاں سے اطلاعات بھیجتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی ذاتی طور پر ان کی رپورٹیں سنا کرتا تھا۔

اُس روز دو جاسوس آئے تو سلطان ایوبی نے انہیں فوراً اپنے خیمے میں بلا لیا اور باقی سب کو باہر نکال دیا۔ جاسوسوں کی رپورٹ میں صلیبیوں کی فوج کی نقل و حرکت اور ترتیب کے متعلق اطلاعات تھیں۔ سلطان ایوبی اُن کے مطابق نقشہ بناتا رہا۔ اس دوران اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جاسوسوں نے جب کرک کے

مسلمان باشندوں کی بے بسی اور مظلومیت کی تفصیل سنائی تو سلطان کے چہرے پر نمایاں تبدیلی آگئی۔ ایک بار تو وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑا ہوا اور خیمے میں ٹہلنے لگا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ شوبک سے صلیبی شکست کھا کر کرک پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ سلطان ایوبی کو بہت سے حالات کا تو پہلے سے علم تھا۔ ان دو جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ اب وہاں بازاروں میں جو مسلمانوں کی دکانیں ہیں وہ بہت پریشان ہیں۔ غیر مسلم تو اُن کی دکانوں پہ جاتے ہی نہیں، مسلمانوں کو بھی ڈرا دھمکا کر اُن کی دکانوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی باقاعدہ مہم شروع کی گئی ہے۔ عیسائی اور یہودی مسجدوں کے سامنے اونٹ، گھوڑے اور دیگر مویشی باندھ دیتے ہیں۔ اذان اور نماز پر کوئی پابندی نہیں لیکن جب اذان ہوتی ہے تو غیر مسلم شور مچاتے، ناچتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔

جاسوسوں نے بتایا کہ مسلمانوں کا قومی جذبہ ختم کرنے کے لیے وہاں اس قسم کی افواہیں زور و شور سے پھیلائی جا رہی ہیں کہ صلاح الدین ایوبی اتنا شدید زخمی ہو کر دمشق چلا گیا ہے کہ اب تک مر چکا ہوگا اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کمان کی کمزوری کی وجہ سے صحرا میں بکھر گئی ہے اور سپاہی مصر کی طرف بھاگ رہے ہیں اور یہ بھی کہ مسلمان اب کرک پر حملہ کرنے کے قابل نہیں رہے اور بہت جلد شوبک بھی صلیبیوں کو واپس ملنے والا ہے اور یہ بھی کہ سوڈانی فوج نے مصر پر حملہ کر دیا ہے اور مصری فوج سوڈانیوں کے ساتھ مل گئی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا کہ اب علی الصبح پادری، مسلمان محلوں میں گھومتے پھرتے اور ہر مسلمان گھر کے دروازے پر گھنٹیاں بجاتے، اپنے مذہبی گیت گاتے اور مسلمانوں کو دعائیں دیتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کا اور کوئی پرچار نہیں کرتے۔ یہ پرچار وہاں کی عیسائی اور یہودی لڑکیاں کرتی ہیں، جو مسلمان نوجوانوں کو جھوٹی محبت کا جھانسہ دے کر اُن کے ذہن تباہ کر رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں مسلمان لڑکیوں کی سہیلیاں بن کر انہیں اپنی آزادی کی بڑی ہی دلکش تصویر دکھاتی ہیں اور انہیں بتاتی ہیں کہ مسلمان فوج جو علاقہ فتح کرتی ہے وہاں مسلمان لڑکیوں کو بھی خراب کرتی ہے۔

ان رپورٹوں میں سلطان ایوبی کے لیے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ ابتدا میں اُس کے جاسوس اُسے کرک کے مسلمانوں کی حالتِ زار بتا چکے تھے۔ وہاں کے مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ سلطان ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کوئی حوصلہ شکن افواہ نہیں سننا چاہتے تھے لیکن وہاں جو بھی بات اُن کے کانوں میں پڑتی تھی حوصلہ شکن ہوتی تھی۔ وہ ڈر سے بات نہیں کرتے تھے۔ ان کے گھروں کی دیواروں کے بھی کان تھے۔ وہ اکٹھے بیٹھنے سے بھی ڈرتے تھے۔ جنازے اور بارات کے ساتھ بھی جاسوس ہوتے تھے اور مسجدوں میں بھی جاسوس ہوتے تھے۔ ان کی بدنصیبی تو یہ تھی کہ جاسوسی ان کے اپنے مسلمان بھائی کرتے تھے۔ وہ اپنے گھروں میں بھی سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے۔ کسی مسلمان کے خلاف صرف یہ کہہ دینا کہ وہ صلیبی حکومت کے خلاف ہے، اُسے بیگار کیمپ میں بھیجنے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

"لیکن سالارِ اعظم!" ایک جاسوس نے کہا — "اب وہاں ایک اور چال چلی جا رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک ہونے لگا ہے۔ صلیبی حکومت نے اس کی ایک مثال یہ پیش کی ہے کہ ایک عیسائی حاکم نے ایک مسجد کو بوسیدہ حالت میں دیکھا تو اس کی مرمت کا حکم دیا اور اپنی نگرانی میں مرمت کرا دی۔ انہوں نے بیگار کیمپ کے مسلمانوں کو رہا تو نہیں کیا انہیں کچھ سہولتیں دے دی ہیں۔ روزمرہ مشقت کا وقت بھی کم کر دیا ہے لیکن ان

کے کانوں میں یہی ڈالا جاتا ہے کہ تم نے صلیب کے خلاف بہت بڑا جرم کیا ہے پھر بھی تم پر رحم کیا جا رہا ہے۔ یہ پیار و محبت کا ہتھیار بڑا ہی خطرناک ہے۔ اس جھوٹے پیار سے غیر مسلم مسلمان نوجوانوں کو نشے اور جوئے کا عادی بناتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے حملے میں وقت ضائع کیا تو کرک کے مسلمان اگر مسلمان ہی رہے تو برائے نام مسلمان ہوں گے ورنہ وہ قرآن سے منہ موڑ کر گلے میں صلیب لٹکا لیں گے۔ اس صورت میں وہ اُس وقت ہماری کوئی مدد نہیں کریں گے جب ہم کرک کا محاصرہ کریں گے۔ اس پیار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے اور گرفتاریاں ہوتی رہتی ہیں۔ ابھی تک مسلمانوں کا جذبہ قائم ہے اور وہ ثابت قدم رہنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک غیر مسلموں کے پیار کو قبول نہیں کیا، مگر وہ زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہ سکیں گے۔"

یہی وہ صورتِ حال تھی جس کی تفصیل سُن کر سلطان ایوبی پریشان ہو گیا تھا۔ اُسے یہ اطلاع بہت تکلیف دے رہی تھی کہ مسلمان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں۔ اُس کے لیے پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مقبوضہ علاقے میں صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف پیار کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نوجوانوں کی کردار کشی کا بھی عمل شروع ہو گیا تھا۔ ان دونوں سے زیادہ خطرناک وہ افواہیں تھیں جو وہاں کے مسلمانوں میں اسلامی فوج کے خلاف پھیلائی جا رہی تھیں۔ اُس نے اپنے نظامِ جاسوسی کے نائب زاہدان کو بلایا اور پوچھا — "کیا تم نے ان کی باتیں سن لی ہیں؟"

"ایک ایک لفظ سُنا اور انہیں آپ کے پاس لایا ہوں۔" زاہدان نے جواب دیا۔

"علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلا لوں؟" سلطان ایوبی نے پوچھا — "یا تم اُس کی جگہ پُر کر سکو گے؟ یہ معاملہ نازک ہے۔ دشمن کے شہر میں مسلمانوں کو افواہوں اور دشمن کے زہریلے پیار سے بچانا ہے۔"

"علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلانے کی ضرورت نہیں" — زاہدان نے جواب دیا — "حسن بن عبداللہ کو بھی اُن کے ساتھ رہنے دیں۔ مصر کے حالات اچھے نہیں۔ ملک تخریب کاروں اور غداروں سے بھرا پڑا ہے۔ کرک کے مسئلے کو میں سنبھال لوں گا۔"

"تم نے کیا سوچا ہے؟" سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔ وہ دراصل زاہدان کا امتحان لے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زاہدان مخلص اور محنتی سراغرساں ہے، اور اپنے شعبے کے سربراہ علی بن سفیان کا شاگرد ہے۔ اس پر سلطان کو پورا پورا اعتماد تھا، پھر بھی وہ یقین کرنا ضروری سمجھتا تھا کہ یہ شاگرد اپنے استاد کی کمی پوری کرے گا۔ اُس نے زاہدان کا جواب سُنے بغیر کہا — "زاہدان! میں نے میدانِ جنگ میں شکست نہیں کھائی۔ یہ خیال رکھنا کہ میں اس محاذ پر بھی شکست کھانا نہیں چاہتا جس پر صلیبیوں نے حملہ کیا ہے۔ میں کرک کے مسلمانوں کو اخلاقی اور نظریاتی تباہی سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"آپ جانتے ہیں کہ کرک میں ہمارے جاسوس موجود ہیں" — زاہدان نے کہا — "میں انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کروں گا۔ وہ وہاں کے مسلمانوں کو آپ کے متعلق اور ہماری فوج اور مصر کے متعلق صحیح خبریں سناتے رہیں گے اور انہیں آپ کا پیغام دیں گے۔"

"وہاں کی مسلمان عورتوں میں قومی جذبے کی کمی نہیں۔" ایک جاسوس بول پڑا۔ اُس نے کہا — "ہم جوان

لڑکیوں سے کہیں گے کہ وہ گھر گھر جا کر عورتوں کے ذہن صاف کرتی رہیں گی۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ وہاں کی لڑکیاں لڑنے کے لیے بھی تیار ہیں۔"

"عورتیں اگر گھر اور بچوں کی تربیت کا محاذ سنبھالے رکھیں تو اسی سے اسلام کے فروغ اور سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع میں بہت مدد ملے گی۔" — سلطان ایوبی نے کہا۔ "تمہیں اس مقصد کے لیے استعمال کرو کہ مسلمان گھرانوں میں اور بچوں میں غیر اسلامی اثرات داخل نہ ہونے دیں۔ میں اس کوشش میں مصروف ہوں کہ کرک پر جلدی حملہ کر دوں اور شوبک کی طرح وہاں کے بھی مسلمانوں کو آزاد کرا دوں۔" — اُس نے زاہدان سے پوچھا — "اس مقصد کے لیے کسے کرک بھیجو گے؟"

"انہی دونوں کو۔" زاہدان نے جواب دیا — "یہ آنے جانے کے راستوں اور طریقوں سے واقف ہو چکے ہیں اور وہاں کے حالات اور ماحول سے مانوس ہیں۔"

یہ دونوں آدمی غیر معمولی طور پر ذہین جاسوس تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں ہدایات دینی شروع کر دیں۔

☆

کرک میں مسلمان باشندوں پر پیار کا جو ہتھیار چلایا جا رہا تھا، وہ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر، جرمن نژاد ہرمن کی اختراع تھی۔ وہ شوبک کی شکست کے بعد صلیبی حکمرانوں پر زور دے رہا تھا کہ کرک کے مسلمانوں کو پیار کا دھوکہ دے کر صلیب کا وفادار بنایا جائے یا کم از کم صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دیا جائے۔ صلیبی حکمران مسلمانوں سے اتنی زیادہ نفرت کرتے تھے کہ اُن کے ساتھ جھوٹا پیار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ تشدد اور درندگی سے مسلمانوں کا قومی جذبہ اور وقار ختم کرنے کے قائل تھے۔ ہرمن اپنے فن کا ماہر تھا۔ انسانوں کی نفسیات سمجھتا تھا۔ اُس نے صلیبی حکمرانوں کو بڑی مشکل سے اپنا ہم خیال بنایا اور یہ پالیسی مرتب کرالی کہ شوبک اور مضافات کے اس علاقے کے مسلمانوں کو جو صلیبی استبداد میں ہے، مشتبہ اور جاسوس سمجھا جائے۔ جس مسلمان کے خلاف ذرا سی بھی شہادت ملے اُسے گرفتار کر کے غائب کر دیا جائے، لیکن ہر مسلمان شہری کو دہشت زدہ نہ کیا جائے۔ اس پالیسی کی بنیادی شق یہ تھی کہ لڑکیوں کے ذریعے مسلمان لڑکیوں کو بے پردہ کیا جائے اور مسلمان لڑکوں کو ذہنی عیاشی اور نشے کا عادی بنا دیا جائے۔ مختصر یہ ہے کہ ان کی کردار کشی کا انتظام کیا جائے۔ لہٰذا اس پالیسی پر عمل شروع کر دیا گیا تھا۔ ابتدا افواہوں سے کی گئی تھی۔ ہرمن نے یہ منظوری بھی لے لی تھی کہ مسلمانوں میں غداری کے جراثیم پیدا کرنے کے لیے خاصی رقم خرچ کی جائے۔ چند ایک مسلمانوں کو خوبصورت اور تندرست گھوڑوں کی بگھیاں دے کر انہیں شہزادہ بنا دیا جائے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف مخبری اور ان میں افواہیں پھیلانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ انہیں شاہی دربار میں وقتاً فوقتاً مدعو کر کے اُن کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا جائے۔ اُن کی مستورات کو بھی مدعو کر کے اُن کی عزت کی جائے کہ وہ اپنی اصلیت اور اپنا مذہب ذہن سے اتار دیں۔ ہرمن نے کہا تھا — "اگر آپ مسلمان کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو اس کے دماغ میں بادشاہی کا کیڑا ڈال دیں۔ اُسے گھوڑے اور بگھیاں دے کر اس کے دامن میں چند ایک اشرفیاں ڈال دیں، پھر وہ بادشاہی کے نشے میں آپ کے اشاروں پر ناچے گا، شراب بھی پیئے گا اور اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں ننگا

کر کے آپ کے حوالے کر دے گا۔ اگر آپ مسلمان کا مستقل تدارک کرنا چاہتے ہیں تو یہ نسخہ آزمائیں جو میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں اور اب پھر بتاتا ہوں کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی اخلاقی تباہی کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کا سب سے پرانا اور سب سے بڑا دشمن یہودی ہے۔ اسلام کی جڑیں تباہ کرنے کے لیے یہودی اپنی بیٹیوں کی عزت اور اپنی پونجی کا آخری سکہ بھی قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

یہودیوں میں خطرہ یہ تھا کہ وہ اسی خطے کے رہنے والے تھے، اس لیے مسلمانوں کی زبان بولتے تھے اور اُن کے رسم و رواج اور گھریلو طرزِ زندگی سے بھی واقف تھے۔ اُن کی شکلیں اور کئی دیگر کوائف ملتے جلتے تھے۔ کوئی یہودی لڑکی مسلمانوں کا لباس پہن کر کسی مسلمان گھر میں جا بیٹھتی تو اُسے بلاشک و شبہ مسلمان سمجھ لیا جاتا تھا۔ اس مشابہت سے یہودی پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے اور اسلامی معاشرت میں غیر اسلامی زہر داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

جس روز سلطان ایوبی نے دو جاسوسوں کو ہدایات دیں اور زاہدان سے کہا تھا کہ وہ کرک میں جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کو صحیح خبریں پہنچائے، اس سے بیس روز بعد کرک میں ایک پاگل اور مجذوب اچانک کہیں سے نمودار ہوا۔ اُس نے ہاتھ میں لکڑی کی بنی ہوئی گز بھر لمبی صلیب اٹھا رکھی تھی جسے وہ اوپر کر کے چلاتا تھا — "مسلمانوں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ شوبک میں مسلمان اپنی بیٹیوں کی عصمت دری کر رہے ہیں۔ مصر میں مسلمانوں نے شراب پینا شروع کر دی ہے۔ خدائے یسوع مسیح نے کہا ہے کہ اب یہ قوم روئے زمین پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ مسلمانو! نوح کے دوسرے طوفان سے بچنا چاہتے ہو تو صلیب کے سائے میں آ جاؤ۔ اگر صلیب پسند نہیں تو خدائے یہودہ کے آگے سجدہ کرو۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بیکار ہیں۔"

لباس اور شکل و صورت سے وہ اچھا بھلا لگتا تھا لیکن باتوں اور انداز سے پگلا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی داڑھی بھی تھی۔ لمبا چغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر پگڑی اور اس پر رومال ڈالا ہوا تھا جو کندھوں پر بھی پھیلا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے اور کپڑوں پر گرد تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے۔ اُس کے پاؤں گرد آلود تھے۔ اُسے کوئی روکتا اور بات کرتا تو وہ رک تو جاتا تھا لیکن کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ کوئی بات جیسے سنتا سمجھتا ہی نہ تھا۔ سوال کوئی بھی پوچھو وہ اپنا اعلان دہرانے لگتا تھا — "مسلمانوں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے وغیرہ..." کسی نے بھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ عیسائی اس لیے خوش تھے کہ اس نے ہاتھ میں صلیب اٹھا رکھی تھی، اور خدائے یسوع مسیح کا نام لیتا تھا۔ یہودی اس لیے خوش تھے کہ وہ خدائے یہودہ کا نام لیتا تھا اور دونوں کی یہ خوشی مشترک تھی کہ وہ مسلمانوں کی تباہی کی خوشخبری سنا رہا تھا۔ صلیبی فوج کے چند ایک سپاہیوں نے اس کی للکار سنی تو انہوں نے قہقہہ لگایا۔ شہری انتظامیہ کی فوج (جو بعد میں پولیس کہلائی) نے اُسے دیکھا تو اُسے پاگل کہہ کر نظر انداز کر دیا۔ مسلمانوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کا منہ بند کرتے۔ مسلمان اُس کے منہ سے اپنی تباہی کا اعلان سُن کر ڈر بھی گئے تھے اور انہیں غصہ بھی آیا تھا مگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

یہ مجذوب شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھوم رہا تھا اور اس اعلان کو دہراتا جا رہا تھا — "مسلمانو! صلیب کے سائے میں آ جاؤ۔ تمہاری تباہی کا وقت آ گیا ہے۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بیکار ہیں۔" کہیں کہیں وہ یہ بھی

کہتا تھا ـــ "کرک میں مسلمانوں کی فوج نہیں آئے گی۔ ان کا صلاح الدین ایوبی مر چکا ہے۔" بعض اوقات وہ ارٹ پٹانگ اور بے معنی فقرے بولتا تھا جو ثابت کرتے تھے کہ وہ پاگل ہے۔ بچے اُس کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ بڑے عمر کے آدمی بھی کچھ دور تک اس کے پیچھے چلتے اور رک جاتے تھے۔ وہاں سے چند اور آدمی اُس کے پیچھے چل پڑتے تھے۔ مسلمان اُسے غصے کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے اور اپنے بچوں کو اس کے پیچھے جانے سے روکتے تھے، صرف ایک مسلمان تھا جو اِس پاگل کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم دور تھا۔ یہ ایک جواں سال مسلمان تھا۔ راستے میں دو عیسائی نوجوانوں نے اُسے طعنے دیئے۔ ایک نے اُسے کہا ـــ "عثمان بھائی! تم بھی صلیب کے سائے میں آجاؤ۔" اُس نے انہیں قہر بھری نظروں سے دیکھا اور چپ رہا۔ ان عیسائیوں کو معلوم نہیں تھا کہ عثمان کے پاس ایک خنجر ہے اور وہ اس پاگل کو قتل کرنے کیلیے اس کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔

اُس کا پورا نام عثمان صارم تھا۔ اُس کے ماں باپ زندہ تھے اور اس کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی جس کا نام النور صارم تھا۔ اس لڑکی کی عمر بائیس تیئیس سال تھی۔ عثمان اس سے تین چار سال بڑا تھا۔ جوشیلا جوان تھا۔ اسلام کے نام پر جان نثار کرتا تھا۔ صلیبی حکومت کی نظر میں وہ مشتبہ بھی تھا کیونکہ وہ مسلمان نوجوانوں کو صلیبی حکومت کے خلاف زمین دوز کارروائیوں کے لیے تیار کرتا رہتا تھا۔ وہ ابھی کوئی جرم کرتا پکڑا نہیں گیا تھا۔ اُس نے جب اس پاگل کی آواز سُنی تو باہر نکل آیا۔ پاگل اتنی بڑی صلیب بلند کیے مسلمانوں کے خلاف بلند آواز میں واہی تباہی بکتا جا رہا تھا۔ عثمان صارم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ تو کوئی پاگل ہے۔ اُس نے صلیب دیکھی اور پاگل کے الفاظ سُنے تو اُس پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ اپنے گھر جا کر اُس نے خنجر لیا اور کرتے کے اندر نیفے میں اُڑس کر پاگل کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ اُسے ایسی جگہ قتل کرنا چاہتا تھا جہاں اُسے کوئی پکڑ نہ سکے۔ وہ صلیبیوں کے خلاف مزید کارروائیوں کے لیے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم پیچھے چلتا گیا اور اس کا اعلان سنتا گیا۔ جب دو عیسائیوں نے اُسے طعنے دیئے اور ایک نے کہا کہ عثمان تم بھی صلیب کے سائے میں آجاؤ تو اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کے دل میں قتل کا ارادہ اور زیادہ پختہ ہوگیا۔

پاگل کے پیچھے اور اُس کے ساتھ ساتھ لوگوں اور بچوں کا جلوس جمع ہوگیا تھا۔ قتل کا یہ موقعہ اچھا نہیں تھا۔ دن گزرتا گیا اور پاگل کی آواز دھیمی پڑتی گئی۔ اُس کے پیچھے چلنے والے کم ہوتے گئے۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ ایک مسجد آگئی۔ پاگل مسجد کے دروازے میں بیٹھ گیا اور اس نے صلیب اُوپر کر کے کہا ـــ "اب یہ گرجا ہے، مسجد نہیں ہے۔" ـــ اُس وقت عثمان صارم اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اُسے اچھی طرح احساس تھا کہ یہ بے شک پاگل ہے لیکن اس کے قتل کی سزا بھی موت ہوگی کیونکہ اس نے صلیب اٹھا رکھی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف نعرے لگا رہا ہے۔ عثمان صارم نے پاگل کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا ـــ "یہاں سے فوراً اٹھو اور اپنی صلیب کے ساتھ غائب ہو جاؤ، ورنہ صلیبی یہاں سے تمہاری لاش اٹھائیں گے۔"

پاگل نے اُسے نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کے سامنے بہت سے بچے کھڑے تھے۔ اُس نے عثمان صارم کی دھمکی کا جواب دیئے بغیر بچوں کو ڈانٹ کر بھاگ جانے کو کہا۔ بچے ڈر کر بھاگ گئے تو پاگل مسجد کے اندر چلا گیا۔ عثمان صارم کے لیے یہ

موقع بہت اچھا تھا۔ اُس نے کچھ سوچے بغیر چوکڑی بھری، وہ دروازے کے اندر گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اُس نے بہت تیزی سے خنجر نکالا مگر وار کرنے لگا تو پاگل نے گھوم کر دیکھا۔ عثمان کے خنجر کا وار اپنی طرف آتا دیکھ کر اُس نے صلیب آگے کر کے وار صلیب پر لیا اور کہا ـــ "رک جاؤ جوان۔ اندر چلو۔ میں مسلمان ہوں۔"

عثمان صارم نے دوسرا وار نہ کیا۔ پاگل جوتے اتار کر مسجد کے اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے صلیب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اندر جا کر اُس نے عثمان صارم سے نام پوچھا اور کہا ـــ "میں مسلمان ہوں۔ میری باتیں غور سے سن لو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کب سے میرے پیچھے آ رہے ہو؟"

"میں سارا دن تمہارے پیچھے پھرتا رہا ہوں۔" عثمان صارم نے جواب دیا ـــ "مگر مجھے قتل کا موقعہ نہیں مل رہا تھا۔"

"تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟" پاگل نے پوچھا۔

"کیونکہ میں اسلام اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا۔" عثمان صارم نے جواب دیا ـــ "تم پاگل ہو یا نہیں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

پاگل نے اُس سے کئی اور باتیں پوچھیں۔ آخر اُس نے کہا ـــ "مجھے تم جیسے ایک جوان کی ضرورت تھی۔ اچھا ہوا کہ تم خود ہی میرے پیچھے آگئے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے اپنے مطلب کا کوئی مسلمان بڑی مشکل سے ملے گا۔ میں صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ میں نے یہ ڈھونگ صلیبیوں کو دھوکہ دینے کے لیے رچایا ہے۔ میں نے اسی بھیس میں سفر کیا ہے۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یاد رکھو کہ مسجد میں کوئی صلیبی آگیا تو میں پھر وہی بکواس شروع کر دوں گا جو دن بھر کرتا رہا ہوں۔ تم غور سے سنتے رہنا جیسے تم مجھ سے متاثر ہو رہے ہو۔ میں بہت تیزی سے بولوں گا۔ شام کی نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ مسلمانوں میں صلیبیوں کے بھی جاسوس ہیں۔ میں نمازیوں کے آنے تک اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

عثمان صارم نے کبھی جاسوس نہیں دیکھا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ غیر معمولی طور پر ذہین جاسوس ہے جس نے اُسے چند سوال پوچھ کر پہچان لیا ہے کہ یہ جوان قابلِ اعتماد ہے۔ جاسوس نے اُسے کہا ـــ "اپنے جیسے چند ایک جوان اکٹھے کرو اور کچھ مسلمان لڑکیوں کو بھی تیار کرو۔ تمہیں ہر ایک مسلمان گھرانے میں یہ پیغام پہنچانا ہے کہ صلاح الدین ایوبی زندہ ہے اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ یہاں سے صرف آدھے دن کی مسافت جتنا دور ہے۔ اس کی تمام فوج کرک پر حملہ کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہے بلکہ اس فوج نے صلیبی فوج کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ مصر میں حالات پُرسکون ہیں۔ وہاں صلیبیوں نے جو تخریب کاری کی تھی وہ جڑ سے اکھاڑ دی گئی ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی کب حملہ کرے گا؟" عثمان صارم نے پوچھا ـــ "ہم اُس کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ تم باہر سے حملہ کرو گے تو ہم صلیبیوں پر اندر سے حملہ کریں گے۔ خدا کے لیے جلدی آؤ۔"

"تحمل سے کام لو جوان!" جاسوس نے کہا ـــ "پہلے صلاح الدین ایوبی کا پیغام سن لو اور یہ ہر ایک نوجوان کے ذہن پر نقش کر دو۔ ایوبی نے کہا ہے کہ کرک کے مسلمان نوجوانوں سے کہنا کہ تم ملک اور مذہب کے پاسبان ہو۔ میں نے پہلی جنگ لڑکپن میں لڑی تھی اور محاصرے میں لڑی تھی۔ فوج کی کمان میرے چچا کے پاس تھی۔ اُس نے مجھے کہا

تھا کہ محاصرے میں گھبرا نہ جانا۔ اگر تم اس عمر میں گھبرا گئے تو تمہاری ساری عمر گھبراہٹ اور خوف میں گزرے گی۔ اگر اسلام کے علمبردار بننا چاہتے ہو تو یہ علم آج ہی اٹھا لو اور دشمن کی دیواریں توڑ کر نکل جاؤ۔ پھر گھوم کر آؤ اور دشمن پر جھپٹ پڑو۔ ہمیں گھبرایا نہیں۔ تین مہینوں کے محاصرے نے ہمیں فاقہ کشی بھی کرائی۔ لیکن ہم محاصرہ توڑ کر نکل آئے اور ہم نے جس خوراک سے پیٹ بھرے وہ دشمن کی رسد سے چھینی ہوئی خوراک تھی۔ ہمارے جو گھوڑے محاصرے میں بھوک سے مر گئے تھے ہم نے ان کی کمی دشمن کے گھوڑوں سے پوری کی....

"صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ میری قوم کے بیٹو! یہ کہنا کہ تم پر دشمن نے پیار کے ہتھیار سے حملہ کیا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ صلیبی میدانِ جنگ میں ٹھہر نہیں سکے۔ ان کے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں، اس لیے وہ اب مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی نسل کے ذہن سے قومیت اور مذہب نکالنے کے جتن کر رہے ہیں۔ انہوں نے جو ہتھیار استعمال کیا ہے وہ بڑا ہی خطرناک ہے۔ یہ ہے ذہنی عیاشی، کاہلی اور کوتاہی۔ تم میں یہ تینوں خرابیاں پیدا کرنے کے لیے عیسائی اور یہودی ایک ہو گئے ہیں۔ یہودی اپنی لڑکیوں کے ذریعے تم میں حیوانی جذبہ بھڑکا رہے ہیں اور تمہیں نشے کا عادی بنا رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ حیوانی جذبے اور نشے سے تمہاری عاقبت خراب ہو گی اور موت کے بعد تم جہنم میں جاؤ گے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کردار کی یہ خرابیاں تمہارے لیے اس دنیا کو ہی جہنم بنا دیں گی۔ تم جسے جنت کی لذت سمجھتے ہو وہ جہنم کا عذاب ہے۔ تم صلیبیوں کے غلام ہو جاؤ گے جو تمہاری بہنوں کو بے آبرو کرتے پھر رہے ہوں گے، تمہارے قرآن کے ورق گلیوں میں اڑیں گے اور تمہاری مسجدیں اصطبل بن جائیں گی....

"صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ باوقار قوم کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی روایات کو نہ بھولو۔ صلیبی ایک طرف تم پر تشدد کر رہے ہیں اور دوسری طرف تمہیں دولت اور گھوڑا گاڑیوں کا لالچ دے رہے ہیں۔ مسلمان ان عیاشیوں کا قائل نہیں ہوتا ـــ تمہاری دولت تمہارا کردار اور ایمان ہے۔ یہ صلیبیوں کی شکست کا ثبوت ہے کہ وہ تمہاری تلوار سے خوفزدہ ہو کر اتنے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کو بے حیا بنا کر تمہیں اپنا غلام بنانے کے جتن کر رہے ہیں۔ میری قوم کے بیٹو! اپنے کردار کو محفوظ رکھو۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ ظالم حکمران دراصل کمزور حکمران ہوتا ہے وہ اپنے مخالفین میں سے کسی کو ظلم و تشدد سے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی کو دولت کا لالچ دے کر۔ تم ظلم و تشدد سے بھی نہ ڈرو اور کسی لالچ میں بھی نہ آؤ۔ تم قوم کا مستقبل ہو۔ ہم قوم کا ماضی ہیں۔ دشمن تمہارے ذہنوں سے تمہارا درخشندہ ماضی نکال کر اس میں اپنے نظریات اور مفادات کی سیاہی بھرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ اسلام کا مستقبل تاریک ہو جائے۔ اپنی اہمیت پہچانو۔ دشمن تمہیں صرف اس لیے اپنے تابع کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ تم سے خائف ہے۔ اپنی نظر آج پر نہیں کل پر رکھو کیونکہ تمہارے دشمن کی نظر تمہارے مذہب کے کل پر ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ کفار تمہارا کیا حال کر رہے ہیں۔ اگر تم ذہنی عیاشی میں پڑ گئے تو تمام تر ملتِ اسلامیہ کا یہی حشر ہو گا۔"

جاسوس نے سلطان ایوبی کا پیغام بہت تیزی سے عثمان صارم کو سنا دیا اور اسے عمل کے طریقے بتانے لگا۔ اس نے کہا ـــ "سالارِ اعظم نے خاص طور پر کہا ہے کہ اپنے اوپر جوش اور جذبات کا غلبہ طاری نہ کرنا۔ عقل پر

جذبات کو غالب نہ آنے دینا۔ اشتعال سے بچنا۔ اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ احتیاط لازمی ہے۔" جاسوس نے اسے بتایا کہ وہ اور اس کے دو ساتھی کسی نہ کسی روپ میں اسے خود ہی ملتے رہیں گے اور یہ رابطہ قائم رہے گا۔ "فوری طور پر ضرورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے گھروں میں چوری چھپے کمانیں، تیر اور برچھیاں بنائیں اور گھروں میں چھپا کر رکھیں۔ عورتوں کو گھروں کے اندر ہی خنجر اور برچھی مارنے اور وار سے بچنے کے طریقے سکھائیں۔ یہودی لڑکیوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ ان کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ کریں جس سے انہیں کوئی شک پیدا ہو۔ اپنے طور پر کوئی جنگی کارروائی نہ کریں۔ پہلے منظم ہو جائیں پھر قیادت بنائیں۔ ہر ایک فرد کا ذرا سا بھی عمل قائد کی نظر میں ہونا چاہیے اور کسی فرد کا کوئی اقدام قائد کی اجازت کے بغیر نہ ہو۔"

سورج غروب ہونے لگا تھا۔ مسجد کا پیش امام آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی جاسوس نے صلیب اٹھائی اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ باہر سے پھر وہی اعلان سنائی دینے لگا ـــ "مسلمانو! صلیب کے سائے میں آجاؤ۔ تمہارا اسلام مر گیا ہے۔"
امام نے عثمان صارم کو قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا ـــ "یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟ اور تم نے اسے اندر کیوں بٹھا رکھا تھا؟ اسے ہلاک کیوں نہ کر دیا؟ کیا تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون جم گیا ہے؟ میں آ نہ گیا ہوتا تو یہاں سے اسے زندہ باہر نہ جانے دیتا۔"

"میں اس کے پیچھے اسی لیے آیا تھا کہ یہ یہاں سے زندہ نہ نکل سکے۔" عثمان صارم نے کہا اور امام کو اپنا خنجر دکھا کر کہنے لگا ـــ "خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرا خنجر صلیب پر روک لیا تھا۔ یہ آدمی پاگل نہیں، عیسائی اور یہودی بھی نہیں۔ یہ مسلمان ہے۔ صلاح الدین ایوبی کا پیغام لایا ہے۔" اس نے بوڑھے امام کو سلطان ایوبی کا پیغام سنایا اور کہا ـــ "میں اس پیغام پر عمل کروں گا۔ آج شام سے ہی بسم اللہ کر رہا ہوں لیکن ہمیں ایک امیر کی ضرورت ہے۔ کیا آپ ہماری قیادت کریں گے؟ یہ سوچ لیں کہ صلیبی حکومت کو خبر مل گئی تو سب سے پہلے امیر کی گردن اڑائی جائے گی۔"

"کیا مسجد میں کھڑے ہو کر میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ میں قوم سے الگ رہوں گا؟" امام نے جواب دیا۔ "لیکن یہ فیصلہ قوم کرے گی کہ میں امیر اور قائد بننے کے قابل ہوں یا نہیں۔ میں خدا کے گھر میں کھڑا یہ عہد کرتا ہوں کہ میری دانش، میرا مال، میری اولاد اور میری جان اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے اور صلیب کو زیر و زوال کرنے کے لیے وقف ہو گئی ہے.... میرے عزیز بیٹے! صلاح الدین ایوبی کے پیغام کا ایک ایک لفظ ذہن میں بٹھا لو۔ اس نے ٹھیک کہا ہے کہ نوجوان قوم اور مذہب کا مستقبل ہوتے ہیں۔ وہ اسے روشن بھی کر سکتے ہیں اور وہ آوارہ ہو کر اسے تاریک بھی کر سکتے ہیں۔ جب کوئی نوجوان صلیبیوں اور یہودیوں کی بے حیائی کا دلدادہ ہو کر لڑکیوں کو بری نظر سے دیکھتا ہے تو وہ محسوس نہیں کرتا کہ اس کی اپنی بہن بھی اس جیسے نوجوانوں کی بری نظر کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں قومیں تباہ ہوتی ہیں.... میرے نوجوان بیٹے! خدا کے اس گھر میں عہد کرو کہ تم صلاح الدین ایوبی کے پیغام پر عمل کرو گے۔"

☆

عثمان صارم نے گھر جا کر اپنی بہن النور کو الگ بٹھا کر سلطان ایوبی کا پیغام سنایا اور کہا ـــ "النور! ہمارا مذہب

اور ہمارا قومی وقار تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہا ہے۔ آج سے اپنے آپ کو پردہ نشین لڑکی سمجھنا چھوڑ دو۔ مسلمان لڑکیوں تک یہ پیغام پہنچا کر انہیں اس جہاد کے لیے تیار کرو۔ میں تمہیں خنجر، تیر کمان اور برچھی کا استعمال سکھاؤں گا۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ کسی کو شک بھی نہ ہو کہ ہم لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

"میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہوں۔" النور نے کہا۔ "میں اور میری تمام سہیلیاں تو پہلے ہی سوچ رہی ہیں کہ ہم اپنی آزادی اور اپنی قوم کے لیے کیا کر سکتی ہیں۔ ہم تو مردوں کے منہ کی طرف دیکھ رہی ہیں۔"

عثمان صارم نے اُسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے متعلق جتنی خبریں یہاں مشہور کی جاتی ہیں وہ سب جھوٹی ہوتی ہیں۔ تمام مسلمان گھرانوں میں جا کر عورتوں کو صحیح خبریں سناؤ۔ عثمان صارم نے اُسے صحیح خبریں سنائیں اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں میں غدار اور صلیبیوں میں مخبر بھی ہیں۔ اُس نے بہن کو ایسے تین چار گھرانے بتائے اور کہا کہ ان کی عورتوں کو ہاتھ میں لو اور انہیں بتاؤ کہ ان کے آدمی غدار ہیں۔ انہیں یہ بھی کہو کہ عیسائی اور یہودی لڑکیوں کے پیار سے بچو۔ ان کا پیار محض دھوکہ ہے۔

"کیا میں ریٹی کو یہاں آنے سے روک دوں؟" النور نے پوچھا۔ "وہ تو تمہارے ساتھ بھی بے تکلف ہو گئی ہے۔"

"اُسے میں کہوں گا کہ ہمارے گھر نہ آیا کرے۔" عثمان صارم نے کہا۔ "وہ بہت تیز اور ہوشیار لڑکی ہے۔"

ریٹی ایک نوجوان عیسائی لڑکی تھی۔ عثمان صارم کے گھر سے تھوڑی ہی دور اس کا گھر تھا۔ اُس کا باپ شہری انتظامیہ کے کسی اونچے عہدے پر فائز تھا۔ لڑکی کا پورا نام ریٹی الیگزینڈر تھا۔ وہ النور کی سہیلی بنی ہوئی تھی۔ عثمان صارم کے ساتھ بھی اُس نے گہرے مراسم پیدا کر لیے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ عثمان صارم ابھی اس کے قریب نہیں ہوا تھا۔ یہ وجیہہ جوان سمجھتا تھا کہ یہ عیسائی لڑکی ہے اور یہاں جاسوسی کرنے آتی ہے۔ اُس نے ریٹی کو کبھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا بلکہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیتا تھا تاکہ اُسے شک نہ ہو۔ اب جب اُسے یہ ضرورت پیش آئی کہ ریٹی اُس کے گھر نہ آیا کرے تو ریٹی کو یہ کہنا اس کے لیے مشکل ہو گیا کہ اب ہمارے گھر نہ آیا کرو، مگر اُسے روکنا ضروری تھا کیونکہ وہ گھر میں اپنی بہن کو جنگی ٹریننگ دینا چاہتا تھا اور اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے گھر میں اب کیا کیا راز آئیں گے۔ اُس نے سوچ سوچ کر یہ طریقہ پسند کیا کہ النور سے کہا کہ ریٹی جب کبھی آئے تم یہ کہہ کر باہر چلی جایا کرو کہ کسی سہیلی کے گھر جا رہی ہوں۔ اس طرح اُسے ٹالتی رہو۔ وہ خود ہی آنا چھوڑ دے گی۔

کرک شہر کے لوگ اس پاگل کی باتیں کر رہے تھے جو مسلمانوں کی تباہی کی پیشین گوئی کرتا پھر رہا تھا۔ غیر مسلموں کو وہ بہت ہی اچھا لگتا تھا۔ سب اُسے ڈھونڈتے پھرتے تھے لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سرکاری طور پر بھی اُسے تلاش کیا جا رہا تھا کیونکہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے اور اُن کا جذبہ سرد کرنے کے لیے اس پاگل کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ اُسی رات کہیں لاپتہ ہو گیا تھا۔ دس بارہ روز اُس کی تلاش ہوتی رہی۔ صلیبی حکام نے شہر کے باہر بھی گھوڑ سوار دوڑا دیے۔ انہیں توقع تھی کہ وہ اس

شہر سے کہیں دوسرے شہر جا رہا ہو گا، مگر وہ کسی کو نہ ملا اور دس بارہ دن گزر گئے۔

ان دس بارہ دنوں میں عثمان صارم نے النور اور اس کی تین سہیلیوں کو ہتھیاروں کا استعمال سکھا دیا۔ اُس نے انہیں تیغ زنی بڑی محنت سے سکھائی۔ اُس کے علاوہ اُس نے مسلمان نوجوانوں کو در پردہ سلطان ایوبی کا پیغام سنا کر زمین دوز محاذ پر جمع کر لیا۔ ان نوجوانوں نے اُن مسلمان کاریگروں کو تیار کر لیا جو برچھیاں اور تیر و کمان وغیرہ بناتے تھے۔ یہ سب صلیبیوں کے ملازم تھے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہتھیار نہیں بنا سکتے تھے۔ مسلمانوں کو کوئی ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کاریگروں نے گھروں میں چوری چھپے ہتھیار بنانے شروع کر دیے۔ یہ بہت ہی خطرناک کام تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں صرف سزائے موت ہی نہیں تھی بلکہ مرنے سے پہلے صلیبی درندوں کی بھیانک اذیتیں تھیں۔ وہاں کوئی مسلمان کسی معمولی سے جرم میں یا محض شک میں پکڑا جاتا تو اس سے پوچھا جاتا تھا کہ مسلمان گھرانوں کے اندر کیا ہو رہا ہے اور جاسوس کہاں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے جسم کو روئی کی طرح دھننا شروع کر دیتے تھے۔ کاریگر جو ہتھیار بناتے تھے، وہ عثمان صارم جیسے نوجوان رات کو مختلف گھروں میں چھپا دیتے تھے۔ دن کے وقت لڑکیاں برقعہ نما لبادوں میں خنجر اور تیر و کمان چھپا کر مسلمانوں کے گھروں میں لے جاتی رہتی تھیں، مگر ہتھیار بنانے اور گھروں میں پہنچانے کی رفتار بہت سست تھی۔

اُدھر سلطان ایوبی کو ایک جاسوس نے اطلاع دے دی کہ کرک اور مضافات کے مسلمانوں تک اس کا پیغام پہنچ گیا ہے اور وہاں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے زمین دوز محاذ بنا لیا ہے۔ یہ اطلاع لانے والا بھی ایک ذہین اور نڈر جاسوس تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ جاسوس جس نے سلطان ایوبی کا پیغام عثمان صارم تک پہنچایا تھا، پاگل کے بہروپ میں کامیاب رہا ہے۔ سلطان ایوبی اس اطلاع پر بہت خوش تھا۔ اس نے کہا۔ "جس قوم کے نوجوان بیدار ہو جائیں اُسے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔"

"اس کامیابی نے میرا حوصلہ بڑھا دیا ہے۔" شعبہ جاسوسی کے نائب زاہدان نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں مقبوضہ علاقے کے نوجوانوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اتنا بھڑکا سکتا ہوں کہ وہ شعلے بن کر کرک اور یروشلم کو آگ لگا دیں گے۔"

"اور اس آگ میں وہ خود بھی جل مریں گے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نوجوانوں کو شعلے نہیں بنانا چاہتا۔ میں اُن کے سینوں میں ایمان کی چنگاری سلگانا چاہتا ہوں۔ نوجوانوں کو بھڑکانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ان میں سے کوئی اشرفی کی چمک اور لالچ سے تمہارے ہاتھ میں کھیلنے لگے گا اور زیادہ تعداد ان کی ہے جو جذباتی الفاظ اور جوشیلے نعروں سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ پھر تم ان سے جو کچھ کرانا چاہتے ہو کرا لو۔ انہیں آپس میں بھی لڑا سکتے ہو۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ جاہل اور گنوار ہیں اور ان کا اپنا دماغ ہی نہیں، اصل وجہ یہ ہے کہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے کہ خون کا جوش کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس عمر میں ذہن عیاشی کی طرف بھی مائل ہوتا ہے اور عمل صالح کی طرف بھی۔ تم نوجوان ذہن کو جو بھی تحریک اور اشتعال دو گے وہ اسی کا اثر قبول کرے گا۔ تمہارے دشمن ہماری قوم کے ابھرتے ہوئے ذہن میں عیاشی اور جنسی لذت کے جراثیم ڈال رہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اسے جہاد کی طرف مائل کر کے دشمن کے خلاف استعمال نہ کر سکیں۔

تم یہ کوشش کرو کہ نوجوان جذباتی نہیں بلکہ سرد رہیں اور سوچیں۔ رسولِ مقبول صلعم کی اس حدیث کو سمجھیں کہ اپنے آپ کو جانو، اپنے دشمن کو پہچانو۔ ان کی سوچیں بدل دو۔ ان میں قومیت کا احساس پیدا کرو۔ یہ نوجوان قوم کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انہیں بھڑکا کر جلنے سے بچاؤ۔ انہیں مرنا دانشمندی نہیں، دانائی یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں دشمن کو مرواؤ لیکن دشمن کا تصور واضح کرو۔ کوئی مسلمان مجھے برا بھلا کہے تو وہ نہ اسلام کا دشمن ہے نہ غدار ہے۔ وہ میرا دشمن ہے۔ میں اسے اس قانون کا سہارا لے کر سزا نہیں دوں گا جو اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لیے بنایا گیا ہے۔ ملت کا قانون ملت کے امیر کے ذاتی استعمال کے لیے نہیں ہوتا۔ غداری کی سزا اُسے دی جاتی ہے جو ملک اور قوم کی جڑیں کاٹے اور دین کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرے، خواہ حکمران خود ہی اس کا مجرم ہو، وہ غدار ہے اور سزا کا مستحق۔"

"اس صورت میں جبکہ وہاں نوجوان تیار ہو گئے ہیں، ہم انہیں کس طرح استعمال کریں؟" زاہدان نے پوچھا۔

"انہیں جوش میں نہ آنے دو۔" سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ "ان کی سوچیں بیدار کرو۔ وہاں کے حالات کے مطابق وہ خود فیصلہ کریں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ وہ جذبات کے غلبے کے تحت نہ سوچیں۔ وہاں اور زیادہ ذہین جاسوس بھیجو اور یہ یاد رکھو زاہدان کہ دشمن ہمیں نہیں، ہمارے نوجوان بچوں کا کردار بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہے یا ہمارے اُن حاکموں کا جن کے ذہن بچوں کی طرح خام ہیں۔ کسی بھی قوم کو جنگ کے بغیر شکست دینا چاہو تو اس کے نوجوانوں کو ذہنی عیاشی میں ڈال دو۔ یہ قوم اس حد تک تمہاری غلام ہو جائے گی کہ اپنی مستورات تمہارے حوالے کر کے اس پر فخر کرے گی۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم کو اسی سطح پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" سلطان ایوبی کو جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو۔ اُس نے زاہدان سے کہا۔ "میں نے کسی سے کہا تھا کہ کرک کے اُن مسلمانوں تک جو ہتھیار بنا رہے ہیں، آتش گیر مادہ پہنچا دو یا انہیں بتا دو کہ یہ کس طرح بنتا اور استعمال ہوتا ہے۔"

"وہ انہیں بتا دیا گیا ہے۔" زاہدان نے جواب دیا۔ "اطلاع ملی ہے کہ مسلمانوں نے یہ مادہ تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔"

☆

کرک میں ایسے حالات فوراً ہی پیدا ہو گئے جن میں وہاں کے نوجوانوں کو خود ہی سوچنا اور عمل کرنا پڑا۔ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے قافلے لوٹنے کا بھی سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ قافلے اتنے عام نہیں تھے۔ تاجر اور دیگر سفر کرنے والے اکٹھے ہوتے رہتے تھے۔ ان کی تعداد ڈیڑھ دو سو ہو جاتی تو قافلے کی صورت میں چلتے تھے۔ یہ ایک حفاظتی اقدام ہوتا تھا۔ قافلے کے ساتھ لڑنے والے مسلح افراد بھی ہوتے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی افراط ہوتی تھی۔ تاجروں کا بیشمار مال اور دولت ہوتی تھی۔ قافلے میں چند ایک کنبے بھی ہوتے تھے۔ یہ لوگ نقل مکانی کرتے تھے۔ صلیبی استبداد میں آئے ہوئے مسلمان اکثر وہاں سے ہجرت کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے علاقوں میں جاتے رہتے تھے۔ اتنے بڑے قافلے کو چند ایک ڈاکو نہیں لوٹ سکتے تھے۔ قافلے والے مقابلہ کرتے تھے۔ صلیبیوں نے یہ کام اپنی فوج کے سپرد کر دیا تھا۔ انہیں اگر کسی قافلے کی اطلاع مل جاتی تو اپنی فوج کے ایک دو دستوں کو صحرائی لوگوں کے بھیس میں بھیج کر اسے لوٹ

لیتے تھے۔ قافلوں میں صرف مسلمان ہوتے تھے۔ یہ جرم ان صلیبی بادشاہوں نے بھی کیا اور لوٹے ہوئے مال سے حصہ وصول کیا جنہیں آج تاریخ میں صلیبی جنگوں کا ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

اس جرم میں مسلمان امراء بھی شامل تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کے حکمران تھے۔ ان کے اپنی طرح بھی تھی۔ لٹے ہوئے قافلوں کے دو چار آدمی فریاد لے کر ان حکمرانوں کے دربار میں جاتے تھے تو ان کی شنوائی نہیں ہوتی تھی کیونکہ ان حکمرانوں کو بھی صلیبی لڑکیوں، شراب اور تحفوں سے سونے کی صورت میں حصہ دیا جاتا تھا۔

اگر یہ حکمران چاہتے تو صلیبی ڈاکوؤں کا قلع قمع کر سکتے تھے مگر انہوں نے صلیبی ڈاکوؤں کو ایسی کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ یہ ڈاکو ان کی ریاستوں کے اندر بھی آ کر لوٹ مار کر جاتے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں انعاموں کے علاوہ بھی اندھا بنا کر اُن کی ریاستوں کے سرحدی علاقے ہڑپ کرتے گئے۔ انہوں نے بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مسلسل حملوں سے پریشان کر کے جزیہ بھی وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح سلطنتِ اسلامیہ سکڑتی چلی جا رہی تھی۔ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی ان مسلمان ریاستوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ان حکمرانوں کو وہ صلیبیوں سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ ایک بار نورالدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو ایک پیغام بھیجا تھا جس میں کئی اور باتوں کے علاوہ ان چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کے متعلق لکھا تھا — "ان مسلمان حکمرانوں نے اپنی عیش و عشرت کے لیے اپنی روحیں صلیبیوں کے پاس گروی رکھ دی ہیں۔ وہ کفار سے تحفے اور زر و جواہرات اور اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں لیتے اور اسلام کا نام ڈبوتے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان کفار سے زیادہ ناپاک اور خطرناک ہیں۔ وہ بادشاہی کے نشے میں بدمست ہیں اور صلیبی اُن کی جڑوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ صلیبیوں کو شکست دینے سے پہلے ضروری ہو گیا ہے کہ ان مسلمان ریاستوں پر قبضہ کر کے انہیں سلطنتِ اسلامیہ میں مدغم کیا جائے اور خلافتِ بغداد کے تحت لایا جائے۔ اس کے بغیر اسلام کا تحفظ ممکن نہیں۔"

ان خطروں کے باوجود کبھی کبھی کوئی بہت بڑا قافلہ مصر میں جاتا نظر آ جاتا تھا۔ کرک سے چند میل دور سے ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ اس میں ایک سو سے زیادہ اونٹ تھے۔ بہت سے گھوڑے بھی تھے۔ قافلے میں تاجروں کا مال تھا اور چند ایک کنبے تھے۔ ایک کنبہ ایسا بھی تھا جس میں دو جوان لڑکیاں تھیں۔ یہ بہنیں تھیں۔ قافلہ سب کا سب مسلمانوں کا تھا۔ کرک کے علاقے سے قافلہ گزر رہا تھا تو صلیبیوں کو پتہ چل گیا۔ انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ بھیج دیا جس نے دن دہاڑے قافلے پر جا حملہ کیا۔ قافلے کے گھوڑ سواروں نے مقابلہ تو بہت کیا مگر صلیبیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں ریت خون سے لال ہو گئی۔ صلیبیوں نے بچوں تک کو کاٹ ڈالا۔ پندرہ سولہ جوان سال مسلمان رہ گئے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔ دونوں لڑکیوں کو پکڑ لیا۔ اونٹوں اور گھوڑوں کو مال و اسباب سمیت کرک لے گئے۔

یہ قافلہ جب کرک میں داخل ہوا تو آگے آگے قیدی تھے۔ ان کے پیچھے دو گھوڑوں پر دو لڑکیاں سوار تھیں جن کا لباس بتاتا تھا کہ مسلمان ہیں۔ ان کے پیچھے صلیبی تھے جن کے چہروں پر نقاب تھے اور ان کے پیچھے مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار تھی۔ لڑکیاں رو رہی تھیں۔ کرک کے شہری تماشہ دیکھنے کے لیے باہر نکل

آئے۔ وہ تالیاں پیٹتے اور قہقہے لگاتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لٹا ہوا یہ قافلہ مسلمانوں کا ہے اور قیدی بھی مسلمان ہیں۔ ان قیدیوں میں ایک جواں سال قیدی آفاق نام کا تھا۔ دونوں مغویہ لڑکیاں اس کی بہنیں تھیں۔ آفاق زخمی بھی تھا۔ اس کی پیشانی اور کندھے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ لٹے ہوئے قافلے کے آگے آگے شہر میں داخل ہوا تو تماشائیوں کو دیکھ کر اس نے بلند آواز سے کہا — "ترک کے مسلمانو! ہمارا تماشہ دیکھ رہے ہو؟ ڈوب مرو۔ ان لڑکیوں کو دیکھو۔ یہ میری نہیں تمہاری بہنیں ہیں، یہ مسلمان ہیں"

ایک صلیبی نے پیچھے سے اس کی گردن پر گھونسہ مارا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اس کے ہاتھ رسیوں سے پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ایک قیدی نے اسے اٹھایا تو آفاق پھر چلایا — "ترک کے مسلمانو! یہ تمہاری بیٹیاں ہیں" — اسے دو تین نقاب پوشوں نے پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کی بہنیں چیخ چیخ کر رو رہی تھیں اور فریادیں کرتی تھیں — "خدا کے لیے ہمارے بھائی کو نہ مارو۔ ہمارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کر لو، اسے نہ مارو" — ایک بہن چلا رہی تھی — "آفاق خاموش ہو جاؤ۔ تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے" — مگر آفاق چپ نہیں ہو رہا تھا۔ تماشائیوں میں مسلمان بھی تھے جو اپنا خون پی رہے تھے مگر بے بس تھے۔ ان کی غیرت اُن کی نظروں کے سامنے سے گزرتی جا رہی تھی اور وہ دیکھ رہے تھے۔ اُن میں نوجوان مسلمان بھی تھے اور ان میں عثمان صارم بھی تھا۔ اُس نے اپنے نوجوان دوستوں کی طرف دیکھا۔ سب کی آنکھیں لال تھیں اور دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

عثمان صارم تھوڑی دور تک اس قافلے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ آگے ایک غریب سا موچی بیٹھا تھا، جو لوگوں کے جوتے مرمت کیا کرتا تھا۔ اُسے کسی مسلمان نے اپنے گھر کی ڈیوڑھی میں سونے کی جگہ دے رکھی تھی۔ دن بھر وہ باہر بیٹھا جوتے مرمت کرتا رہتا تھا۔ بدقسمت قافلہ اُس کے سامنے سے بھی گزرا۔ اُس نے بھی آفاق کی للکار اور لڑکیوں کی آہ و زاری سنی۔ آفاق کے چہرے کو خون سے لال دیکھا۔ اُس پر صلیبیوں کا ظلم ہوتا بھی دیکھا لیکن اس طرح دیکھا جیسے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس موچی کو نہ کبھی کسی نے مسجد میں جاتے دیکھا تھا نہ گرجے میں۔ وہ یہودیوں کی عبادت گاہ میں بھی کبھی نہیں گیا تھا۔ اس کی طرف وہی توجہ دیتا تھا، جسے جوتا مرمت کرانا ہوتا تھا۔ اُسے کبھی کسی نے بولتے بھی نہیں سنا تھا۔ وہ خلق کا راندہ ہوا انسان تھا جسے صلیبیوں کے ساتھ بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اسلامیوں کے ساتھ بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔

عثمان صارم چلتے چلتے اس موچی کے قریب سے گزرنے لگا تو رک گیا۔ قیدی آگے نکل گئے تھے۔ اونٹ جا رہے تھے۔ جب آخری اونٹ گزر گیا تو عثمان صارم نے دونوں جوتے اتار کر موچی کے آگے رکھ دیئے اور اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ موچی کسی کا جوتا مرمت کر رہا تھا۔ اُس نے عثمان صارم کو سر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ عثمان نے ادھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا — "ان دونوں لڑکیوں کو آج رات آزاد کرانا ہے"

"جانتے ہو یہ لڑکیاں رات کو کہاں ہوں گی؟" — موچی نے سر اٹھائے بغیر اتنی دھیمی آواز میں پوچھا کہ عثمان صارم کے سوا کوئی اور نہیں سن سکتا تھا۔

"جانتا ہوں" عثمان صارم نے جواب دیا — "صلیبی بادشاہوں کے پاس ہوں گی، لیکن ہم سے کسی نے

بھی وہ جگہ اندر سے نہیں دیکھی"

"میں نے دیکھی ہے" موچی نے اپنے کام میں مگن رہ کر کہا — "وہاں سے لڑکیوں کو نکالنا ممکن نہیں"

"تم کس مرض کی دوا ہو؟" عثمان صارم نے ایسے لہجے میں کہا جس میں جذبات کا لرزہ اور غصہ تھا۔ کہنے لگا "ہماری رہنمائی کرو۔ اگر ہم لڑکیوں تک پہنچ گئے اور پکڑے گئے تو لڑکیوں کی گردنیں کاٹ دیں گے۔ انہیں صلیبیوں کے پاس زندہ نہیں رہنے دیں گے"

"کتنے جوانوں کی قربانی دے سکتے ہو؟" موچی نے پوچھا۔

"جتنے جوان مانگو گے"

"کل رات"

"آج رات" عثمان صارم نے دبدبے سے کہا — "آج ہی رات برجیس! آج ہی رات"

"امام کے پاس پہنچو" موچی نے کہا۔

"کتنے بجے رات؟"

"برجیس" موچی نے سوچ کر کہا — "آٹھ.... ہتھیار تیر، خنجر، آتش گیر مادہ"

عثمان صارم نے اپنے جوتے پہنے اور چلا گیا۔

☆

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ عثمان صارم نے راستے میں اپنے سات ہمجولیوں کو گھروں سے بلا کر انہیں امام کے گھر پہنچنے کو کہا اور خود امام کے گھر چلا گیا۔ یہ اُسی مسجد کا امام تھا جس میں عثمان صارم کی ملاقات "پاگل" سے ہوئی تھی۔ عثمان نے ہی امام کو اپنی نمازیں روز جماعت کی امامت پیش کی تھی جسے جماعت کے ہر فرد نے قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی کے گھر میں مل بیٹھتے اور لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔ اب ان دو مغویہ لڑکیوں کا مسئلہ سامنے آگیا تو عثمان صارم نے ان کی رہائی کا ارادہ کر لیا جو دراصل خودکشی کا ارادہ تھا۔ وہ موچی کے کہنے کے مطابق امام کے گھر چلا گیا۔ امام بے چینی سے اپنی ڈیوڑھی میں ٹہل رہا تھا۔ عثمان صارم کو دیکھ کر رک گیا اور پوچھا — "عثمان! تم نے اس قیدی کی للکار سنی تھی؟ معلوم ہوتا ہے وہ لڑکیاں اس کی بہنیں تھیں"

"میں اسی للکار پر لبیک کہنے آیا ہوں محترم امام!" عثمان صارم نے کہا — "برجیس آرہا ہے اور میرے سات دوست بھی آرہے ہیں"

"تم کیا کرو گے؟" امام نے پوچھا — "تم کر ہی کیا سکو گے؟.... میں جانتا ہوں کہ ہماری بےشمار لڑکیاں کافروں کے قبضے میں ہیں مگر ان دو لڑکیوں نے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے" اُس نے منہ اوپر کر کے گہری آہ بھری اور کہا — "یا خدا مجھے صرف ایک رات کے لیے جوان کر دے یا آج ہی رات میری جان لے لے۔ اگر میں زندہ رہا تو تمام عمر ان لڑکیوں کی آہ و زاری مجھے سنائی دیتی رہے گی اور میں پاگل ہو جاؤں گا"

"ہمیں اپنی دانش کی روشنی دکھائیں" عثمان صارم نے کہا — "مجھے امید ہے کہ ہم آپ کو ایک رات سے

زیادہ بے چین نہیں رہنے دیں گے۔"

عثمان صارم کے دو ساتھی اندر آئے۔ امام نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور تینوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آج پہلی معلوم ہوتا ہے جیسے میری دانش جواب دے گئی ہے۔ مجھے اس طرح بے قابو نہیں ہونا چاہیے لیکن کوئی غیرت کو للکارے تو جذبے بھڑک اٹھتے ہیں جنہیں مطمئن کرنے کے لیے جوان ہونا ضروری ہوتا ہے.... لیکن میرے بچو! میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، مجھ میں اب برداشت کی قوت نہیں رہی، تم جو کچھ کرنے کا ارادہ کرو سنبھل کر کرنا۔"

ایک ایک کر کے سات نوجوان جمع ہو گئے اور ان کے فوراً بعد موچی آ گیا۔ اس نے بوری اتار رکھی تھی جس میں پرانے جوتے اور اوزار تھے۔ اس نے بوری پھینکی اور کمر سیدھی کی۔ وہ ہنس پڑا۔ وہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ موچی ہے جو دنیا کی گہماگہمی سے رشتہ توڑے ہوئے، راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کرتا رہتا ہے۔ اس وقت جب وہ امام کے گھر میں تھا اور دروازہ بند ہو چکا تھا، وہ موچی نہیں برجیس تھا ـــــ علی بن سفیان کے محکمہ جاسوسی کے ایک خفیہ شعبے کا تجربہ کار اور نہایت عقل مند جاسوس ـــــ اس نے امام سے کہا ـــــ "یہ لڑکے آج ہی ان دونوں لڑکیوں کو صلیبیوں کی قید سے آزاد کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کام میں صرف پکڑے جانے کا یا ناکامی کا ہی خطرہ نہیں بلکہ یقینی موت کا خطرہ ہے۔"

"ہم یہ خطرہ قبول کرتے ہیں محترم برجیس!" ـــــ ایک نوجوان نے کہا ـــــ "آپ اس فن کے استاد ہیں، ہماری رہنمائی کریں۔"

"اگر عقل کی بات سنیں، تو میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں" ـــــ برجیس نے کہا ـــــ "صلیبیوں کے پاس بہت سی مسلمان لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے بعض کو انہوں نے بچپن میں قافلوں اور گھروں سے اغوا کیا تھا اور انہیں اپنی تعلیم و تربیت دے کر ہمارے خلاف جاسوسی اور تمہاری کردار کشی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ تم لوگ ایک ایک لڑکی کو تو آزاد نہیں کرا سکتے۔ اگر تم سب میرے فن سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو میں کہوں گا کہ دو لڑکیوں کی خاطر تم جیسے آٹھ جوان قربان کر دینا عقل مندی نہیں۔ بردباری اور تحمل ضروری ہے۔"

"میں تحمل کو کس طرح قبول کر سکتا ہوں؟" ـــــ عثمان صارم نے بھڑک کر کہا۔

"میری طرح" ـــــ برجیس نے کہا ـــــ "کیا میں پیشے کا موچی ہوں؟ میں جب سفر میں ہوتا ہوں تو میری سواری کے لیے عربی گھوڑا تیار رہتا ہے اور میرے گھر میں دو ملازم ہیں مگر یہاں تین مہینوں سے راستے میں بیٹھا لوگوں کے غلیظ جوتے مرمت کرتا رہتا ہوں.... میں تمہیں دو لڑکیوں کی آزادی کے لیے پورے کرک اور اس سے آگے کے بہت وسیع علاقے کو آزاد کرانے کے لیے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ دل۔ برداشت کرو۔ انتظار کرو۔"

عثمان صارم اور اس کے ساتوں دوست برداشت کی حدوں سے نکل چکے تھے۔ ان کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ ان میں انتظار کی بھی ہمت نہیں رہی۔ وہ کسی کی راہنمائی کے بغیر ہی اس جگہ پر حملہ کرنے کو تیار تھے جہاں توقع تھی کہ لڑکیاں ہوں گی۔ انہوں نے امام کی بھی باتیں سننے سے انکار کر دیا۔ آخر برجیس نے انہیں بتایا کہ اس کے دو جاسوس اس جگہ معمولی ملازم ہیں جہاں صلیبی حکمران رات کو اکٹھے ہوتے اور شراب پیتے ہیں۔ یہ دونوں جاسوس

عیسائیوں کے بھیس میں شوبک کی فتح کے بعد وہاں سے بھاگنے والے عیسائیوں کے ساتھ آئے تھے۔ انہیں یہاں نوکری مل گئی تھی اور وہ کامیاب جاسوسی کر رہے تھے۔

تم سب نے وہ عمارت دیکھی ہے جہاں وہ صلیبی حکمران جو ہماری فوج کے خلاف لڑنے کے لیے برطانیہ، اٹلی، فرانس اور جرمنی وغیرہ سے آئے ہوئے ہیں رہتے ہیں۔ اس عمارت میں ایک بڑا کمرہ ہے جہاں وہ شام کے بعد اکٹھے ہوتے، شراب پیتے اور ناچتے ہیں۔ ان کی تفریح کے لیے لڑکیاں موجود ہوتی ہیں۔ وہ آدھی رات تک وہاں اودھم مچاتے رہتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہے کہ وہ جگہ ذرا بلندی پر ہے جہاں سے پورا شہر نظر آتا ہے۔ وہاں فوج کا پہرہ بھی ہوتا ہے۔ اس عمارت تک پہنچنا ممکن نہیں۔ کوئی عام آدمی بلکہ کوئی خاص شہری بھی اس عمارت کے قریب نہیں جا سکتا۔ میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ دو لڑکیاں کہاں ہوں گی مگر ان تک رسائی کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہماری فوج باہر سے ابھی حملہ کر دے۔ اس صورت میں تمام حکمران اور فوجی حکام اس عمارت سے چلے جائیں گے اور حملہ روکنے میں لگ جائیں گے۔ مگر آج رات حملہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صلاح الدین ایوبی کب حملہ کریں گے۔"

"ضرورت حملے کی ہے۔" امام نے برجیس سے وضاحت چاہی ـــــ "دوسرے لفظوں میں ضرورت یہ ہے کہ اس عمارت میں جو لوگ ہیں وہ وہاں سے چلے جائیں اور لڑکیاں وہیں رہ جائیں۔ اس صورت میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے یہ بچے اس عمارت میں داخل ہو کر لڑکیوں کو اٹھا لائیں۔"

"جی ہاں!" برجیس نے اپنے تجربے کی بنا پر خود اعتمادی سے کہا۔ "اگر شہر کے اندر کوئی بڑا ہی شدید اور خطرناک قسم کا ہنگامہ ہو جائے، کہیں آگ لگ جائے اور آگ جنگی ساز و سامان کو لگے تو شاید حکمران اور دیگر لوگ وہاں سے نکل کر موقعہ واردات پر چلے جائیں۔" برجیس گہری سوچ میں کھو گیا۔ اس نے عثمان صارم اور اس کے ساتھیوں کو باری باری دیکھا اور کچھ دیر بعد کہا ـــــ "ہاں میرے مجاہدو! اگر ایک جگہ آگ لگا سکتے ہو تو لڑکیوں کی رہائی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔"

"جلدی بتاؤ محترم!" ـــــ عثمان صارم نے بے صبر ہو کر پوچھا ـــــ "کہاں آگ لگانی ہے۔ کہو تو سارے شہر کو آگ لگا دیں۔"

"تم سب نے وہ جگہ دیکھی ہے جہاں صلیبیوں کی فوج کے گھوڑے بندھے رہتے ہیں؟" برجیس نے کہا ـــــ "وہاں اس وقت کم و بیش چھ سو گھوڑے ایک جگہ بندھے ہوئے ہیں۔ باقی مختلف جگہوں پر ہیں۔ ان کے قریب اتنی ہی تعداد اونٹوں کی بندھی ہوئی ہے۔ ان سے ذرا ہی پرے گھوڑوں کے خشک گھاس کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ اس سے تھوڑا ہٹ کر فوج کے خیموں کے ڈھیر پڑے ہیں۔ وہاں گھوڑا گاڑیاں بھی کھڑی ہیں اور ایسا سامان بے شمار پڑا ہے جسے فوراً آگ لگ سکتی ہے مگر اس کے اردگرد سنتری گھوم پھر رہے ہوتے ہیں۔ وہاں سے رات کے وقت کسی کو گزرنے کی اجازت نہیں۔ اگر تم اس گھاس اور خیموں کے انباروں کو آگ لگا سکو تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ صلیبی حکمران ساری دنیا کو بھول کر وہاں پہنچ جائیں گے۔ گھاس، کپڑے اور لکڑی کے شعلے آسمان تک جائیں گے۔

سارے شہر پر خوف طاری ہو جائے گا۔ آگ لگانے کے ساتھ ہی اگر تم زیادہ سے زیادہ گھوڑوں کو کھول دو تو وہ ڈر کر ایسا بھاگیں گے کہ لوگوں کو کچلتے پھریں گے۔ مگر سوچنا یہ ہے کہ آگ کون لگائے گا، گھوڑے کون کھولے گا اور آگ لگانے کے لیے وہاں پہنچا کس طرح جائے گا؟

"فرض کرو آگ لگ گئی" ایک نوجوان نے کہا۔ "اور وہ عمارت بھی خالی ہو گئی تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

"میں ساتھ ہوں گا" برجیس نے جواب دیا۔ "اُس عمارت میں تم میرے بغیر نہیں جا سکو گے۔ وہاں میرے دو ساتھی موجود ہیں، وہ مجھے بتا دیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں۔ مگر یہ بھی سوچ لو کہ لڑکیوں کو اٹھا لائیں گے تو انہیں کہیں چھپانا بھی ہوگا اور اُس کے بعد کرک کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ صلیبی یقین ہی نہیں کریں گے کہ یہ مسلمانوں کے سوا کسی اور کا کام ہو سکتا ہے۔"

"مسلمان پہلے کتنے کچھ آرام میں ہیں؟" امام نے کہا۔ "میں مشورہ دیتا ہوں کہ ہم یہ کام کر گزریں۔ صلیبیوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ مسلمان کتنا ہی مجبور اور بے بس کیوں نہ ہو وہ غلام نہیں رہ سکتا اور اس کا وار جگر چاک کر دیا کرتا ہے۔"

برجیس تو تھا ہی کمانڈو قسم کا جاسوس۔ وہ کئی راز معلوم کر کے سلطان ایوبی تک پہنچا چکا تھا لیکن اُسے اس قسم کی تخریب کاری کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ایسی شدید کارروائی کو ضروری سمجھتا تھا تاکہ صلیبیوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان کیا کر سکتا ہے۔ اُس نے عثمان صارم اور اُس کے ساتھیوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ اس سلسلے کی دو کڑیاں بہت نازک تھیں۔ ایک یہ کہ آگ لگانے کے لیے تین چار لڑکیاں جائیں۔ وہ سنتری سے کسی اعلیٰ فوجی حاکم کا پتہ پوچھیں اور سنتری کو مار ڈالیں۔ برجیس نے لڑکیوں کو بھیجنے کی اس لیے سوچی تھی کہ عورت، خصوصاً نوجوان لڑکی، جو تاثر پیدا کر سکتی ہے وہ کوئی مرد نہیں کر سکتا۔ مرد شک پیدا کر سکتا ہے۔ دوسرا خطرناک مرحلہ یہ آیا کہ کتنے نوجوان صلیبی حکمرانوں کی عمارت پر حملہ آور ہوں۔ برجیس اور امام نے متفقہ طور پر کہا کہ زیادہ نہ ہوں، یہی آٹھ ہوں تو بہتر ہے کیونکہ زیادہ ہجوم نظر آ سکتا ہے اور کسی نہ کسی کے پکڑے جانے کا خطرہ زیادہ ہوگا۔

پھر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی دلیر لڑکیاں کہاں سے ملیں گی۔ عثمان صارم نے کہا کہ ایک اس کی بہن النور ہوگی۔ ایک اور نوجوان نے کہا کہ دوسری اُس کی بہن ہوگی۔ باقی چھ نوجوانوں میں کسی کی بہن نہیں تھی۔ امید ظاہر کی گئی کہ یہ دو لڑکیاں اپنی اپنی ایک سہیلی کو ساتھ لے لیں گی۔ برجیس نے ان لڑکیوں کو ان کا کام سمجھانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ سورج غروب ہو گیا تھا۔ امام مسجد ایک طرف چلا گیا۔ باقی سب ایک ایک کر کے باہر نکلے۔ سب سے آخر میں برجیس باہر نکلا۔ وہ گہری سوچ میں تھا جسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اُس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ جھکا جھکا اس طرح مری ہوئی چال چلا جا رہا تھا جیسے ساری دنیا کے رنج و غم کا بوجھ اُس کے کندھوں پر گر پڑا ہو۔

☆

عثمان صارم اپنے گھر سے ابھی کچھ دور تھا کہ اُسے ربی الیگزینڈر مل گئی۔ وہ عثمان کی بہن النور کی گہری سہیلی بنی ہوئی تھی۔ دونوں بہن بھائی چاہتے تھے کہ وہ اُن کے گھر نہ آیا کرے لیکن عثمان صارم اُسے اچانک گھر آنے سے روک کر کسی شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ ربی اُس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کیا کرتی تھی

جس سے عثمان کو یہ خیال بھی آتا تھا کہ وہ اُس کا کردار خراب کر کے اس کا قومی جذبہ مارنا چاہتی ہے۔ اُس شام ربی راستے میں مل گئی۔ اُس نے مسکرا کر دیکھا اور رکنا نہ چاہا مگر ربی رک گئی اور اُس کا راستہ روک لیا۔ عثمان صارم کو ایسا کوئی ڈر نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ایک عیسائی لڑکی کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتا پکڑا گیا تو سزا پائے گا۔ وہ جانتا تھا کہ صلیبی اور یہودی انہیں دیکھ کر خوش ہوں گے کہ اُن کی ایک لڑکی ایک مشتبہ مسلمان نوجوان کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہے۔ وہ بھی رک گیا اور بولا۔ "میں ذرا جلدی میں ہوں ربی!"

"تمہیں کوئی جلدی نہیں عثمان!" ربی نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "کیا تم اتنی آسانی سے مجھ سے پیچھا چھڑا سکو گے؟"

"میں تم سے پیچھا چھڑانے کی تو نہیں سوچ رہا!"

"جھوٹ نہ بولو عثمان!" ربی نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے گھر سے آ رہی ہوں۔ تمہاری بہن نے مجھے صاف کہہ دیا ہے کہ یہاں اب کم آیا کرو۔ عثمان ناراض ہوتا ہے۔ ... کیوں عثمان! یہ بات تم نے خود کیوں نہ کہہ دی؟" عثمان صارم خاموش رہا۔ اس کی بہن نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ اُس کے لیے جواب دینا مشکل ہو گیا۔ اُسے خاموش دیکھ کر ربی نے کہا۔ "مجھے یہ تو بتا دو کہ میں تمہارے گھر کیوں نہ آیا کروں؟"

عثمان صارم کی ذہنی حالت کچھ اور تھی۔ وہ جلدی میں تھا اور اُس کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ وہ ٹالنے کے لیے کوئی موزوں جواب نہ سوچ سکا۔ اُس کے منہ سے وہی بات نکل گئی جو اُس کے دل میں تھی۔ اس نے کہا۔ "ربی! معلوم نہیں میں خود کیوں نہ تمہیں کہہ سکا کہ ہمارے گھر نہ آیا کرو۔ اب سُن لو۔ ہماری آپس میں کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو، ہم قومی لحاظ سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم ذاتی محبت کی بات کرو گی مگر میں قومی محبت کا قائل ہوں جو صلیب اور قرآن میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ میرا وطن ہے۔ تمہاری قوم یہاں کیا کر رہی ہے؟ ... جب تک تمہاری قوم کے آخری آدمی کا بھی وجود یہاں رہے گا ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے ... میرے دل میں جو کچھ تھا وہ تمہیں بتا دیا ہے۔"

"اور میرے دل میں جو کچھ ہے وہ بھی سُن لو" ربی نے کہا۔ "میرے دل سے تمہاری محبت نہ صلیب نکال سکتی ہے نہ قرآن۔ میں جب تک تمہیں دیکھ نہ لوں مجھے چین نہیں آتا۔ تمہیں مسکراتا دیکھتی ہوں تو میری روح بھی مسکرا اٹھتی ہے۔ سُن لو عثمان! اگر تم نے مجھے اپنے گھر آنے سے روکا تو ہم دونوں کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔"

"تم مجھے دھمکی دے سکتی ہو۔ تم حکمران قوم کی لڑکی ہو نا!" عثمان صارم نے تحمل سے کہا۔

"اگر میرے دماغ میں حکمرانی کا نشہ ہوتا تو تم یہاں نہ کھڑے ہوتے، قید خانے میں گل سڑ رہے ہوتے۔" ربی نے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ مجھے تمہارے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں؟ کہو تو تمہاری زمین دوز کارروائیوں کی تفصیل سنا دوں۔ کہو تو تمہارے گھر سے وہ سارے خنجر، تیر و کمان اور آتش گیر مادہ برآمد کرا دوں جو تم نے اپنے گھر میں میری قوم اور میری حکومت کے خلاف استعمال کرنے کے لیے چھپا رکھا ہے اور جو تمہیں گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں۔ النور کو تم تیغ زنی سکھا رہے ہو اور تمہارے ساتھ جو دوست ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں میں اُن میں سے کئی ایک کو

جانتی ہوں، لیکن عثمان! تم نہیں جانتے کہ تمہارے اور قید خانے کے درمیان میرا وجود حائل ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرا باپ کون ہے اور وہ کیا نہیں جانتا اور کیا نہیں کر سکتا۔ وہ پانچ مرتبہ گھر میں بتا چکا ہے کہ عثمان کی گرفتاری ضروری ہو گئی ہے۔ میں نے پانچوں مرتبہ باپ سے منت کر کے کہا ہے کہ عثمان کی بہن میری بڑی پیاری سہیلی ہے اور اس کا باپ ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ دو تین بار میرے باپ نے مجھے ڈانٹ کر کہا ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ تعلق توڑ دوں۔ مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمان اس قابل نہیں کہ اُن کے ساتھ اتنی زیادہ محبت اور مروّت کی جائے، لیکن میں ماں باپ کی اکیلی اولاد ہوں، وہ مجھے ناراض بھی نہیں کرنا چاہتے۔"

سورج غروب ہو گیا تھا۔ شام تاریک ہونے لگی تھی۔ عثمان صارم خاموش رہا۔ اُس کا ذہن کسی اور طرف تھا۔ وہ کچھ جواب دیئے بغیر چل پڑا۔ ابھی دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ ریتی نے آگے ہو کر اُسے اس طرح روک لیا کہ اس کا سینہ عثمان کے سینے سے لگ گیا۔ ریتی نے دونوں ہاتھ اس کے کولہوں پر رکھ دیئے۔ اُس کے جسم سے عثمان کو ایسی عطر بیز بو آئی جو مسلمان گھرانوں میں نہیں ہوتی تھی۔ لڑکی اُس کے قریب ہو گئی۔ اتنی قریب کہ اُن کی سانسیں ٹکرانے لگیں۔ ریتی کے ملائم ریشم جیسے بال جب عثمان صارم کے گالوں سے لگے تو وہ یوں تڑپ اٹھا جیسے پھندے سے آزاد ہونے کی کوشش کی ہو۔ ریتی نے اُسے چھوڑ دیا۔

"مجھے آزاد کر دو ریتی!" عثمان صارم نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا ۔۔۔ "مجھے چھوڑ دو جانے دو۔ میرا راستہ کوئی اور ہے۔ ہم اکٹھے نہیں چل سکیں گے۔"

"محبت قربانی مانگتی ہے۔" ریتی نے نشیلی آواز میں کہا ۔۔۔ "کہو کیا قربانی مانگتے ہو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم جو جی میں آئے کرو۔ میں تمہیں قید نہیں ہونے دوں گی۔"

"اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔" عثمان صارم نے طنزیہ کہا۔ "کہ میں تمہیں بتاؤں گا ہی نہیں کہ میرے جی میں کیا آئی ہے اور میں کیا کرنے والا ہوں۔ میں تمہارے اس حسین جسم اور ریشمی بالوں کے جادو میں نہیں آؤں گا۔"

"تو پھر مجھے ثابت کرنا پڑے گا کہ میں تمہارے لیے قربانی کر سکتی ہوں۔" ریتی نے کہا ۔۔۔ "جاؤ عثمان! تم جلدی میں ہو لیکن میں تمہارے گھر آنے سے باز نہیں آؤں گی۔"

عثمان صارم دوڑ پڑا۔ ریتی اُسے دیکھتی رہی اور آہ بھر کر چلی گئی۔

☆

عثمان صارم گھر میں داخل ہوا تو برجیس وہاں پہنچ چکا تھا۔ عثمان صارم اندر چلا گیا اور اپنے باپ، ماں اور النور کو تفصیل سے بتایا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کا ایک قافلہ لوٹا ہے اور دو لڑکیوں کو بھی ساتھ لے آئے ہیں۔ اُس نے تمام تر واقعہ سنا کر کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن لڑکیوں کو آزاد کرانے جا رہا ہے اور اس مہم میں النور کی بھی ضرورت ہے۔ عثمان صارم کے باپ کی ٹانگ صلیبیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جوانی میں کٹ گئی تھی اور وہ باقی عمر اس افسوس میں کاٹ رہا تھا کہ وہ جہاد کے قابل نہیں رہا۔ اُس نے عثمان سے کہا ۔۔۔ "بیٹا! تم نے اگر اتنے خطرناک کام کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے یہ نہ سننا پڑے کہ تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ غداری کی ہے۔ اس کام میں پکڑے جانے کا

امکان زیادہ ہے۔ اگر تم پکڑے گئے اور تمہارے ساتھی نکل آئے تو جان دے دینا، اپنے ساتھیوں کے نام نہ بتانا۔ میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کی فوج کے لیے جوان کر رہا تھا لیکن تمہاری بہن کی شادی کر کے تمہیں رخصت کرنے کی سوچ رہی تھی۔ جاؤ اور میری روح کو مطمئن کر دو۔ ایک بار پھر سُن لو۔ میں کسی سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ تمہاری رگوں میں اسلام کا خون نہیں تھا۔"

باپ نے بیٹی کو بھی اجازت دے دی۔ عثمان صارم نے اُسے بتایا کہ برجیس ڈیوڑھی میں بیٹھا ہے اور وہ اس مہم کی کمان اور رہنمائی کرے گا۔ باپ ڈیوڑھی میں برجیس کے پاس چلا گیا۔ عثمان نے النور سے کہا کہ وہ فوراً اپنی ایک یا دو ایسی سہیلیوں کو بلا لائے جو اس کام میں شامل ہونے کی جرأت رکھتی ہیں۔ النور اُسی وقت باہر نکل گئی اور ذرا سی دیر میں دو سہیلیوں کو بلا لائی۔ اتنے میں عثمان صارم کا ایک ساتھی اپنی بہن کے ساتھ آ گیا۔ ایک ایک کر کے ساتوں جوان آ گئے۔ برجیس نے لڑکیوں کو بتایا کہ وہ کس راستے کہاں جائیں گی۔ راستے میں انہیں ایک سنتری روکے گا۔ لڑکیاں اس سے پوچھیں گی کہ اوپر کو کون سا راستہ جاتا ہے۔ وہ کہیں گی کہ شاہ رینالڈ نے انہیں بلایا ہے لیکن وہ غلط راستے پر آ گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک لڑکی نوکرانیوں کے بھیس میں ہو گی جس کے سر پر سامان ہو گا۔ سنتری کو ختم کرنا ہو گا۔ پھر آگ لگانی ہو گی۔ آگ لگانے والا سامان "نوکرانی" کے سر پر ہو گا۔ گھوڑے اس طرح بندھے ہوں گے کہ لمبے لمبے رسّوں کے سرے زمین میں دبائے ہوئے ہوں گے اور گھوڑوں کی پچھلی ایک ایک ٹانگ سے زنجیر یا رسّی بندھی ہو گی جو رسّوں سے گزاری ہوئی ہو گی۔ ان لمبے رسّوں کو خنجروں سے کاٹ دینا ہو گا اور چند ایک گھوڑوں کو خنجر بھی مارنے ہوں گے تاکہ وہ منہ زور ہو کر بھاگ اٹھیں۔

برجیس نے لڑکیوں کو فوراً لباس اور حلیہ درست کرنے کو کہا اور ایک کو نوکرانی بنا دیا۔ اُس کے منہ اور ہاتھوں پر مٹی اور سیاہی سی مل دی۔ پھر وہ عثمان صارم اور اس کے ساتھیوں کو ہدایات دینے لگا۔ وہ خود اُن کے ساتھ جا رہا تھا۔ عثمان صارم کے باپ نے بھی انہیں کچھ مشورے دیئے۔ پھر سب کو خنجر دیئے گئے۔ خاصا وقت گزر گیا تھا، لیکن برجیس کہہ رہا تھا کہ ابھی شہر جاگ رہا ہے۔ اُس جگہ کی رونق اُس وقت جاگتی تھی جب شہر سو جاتا تھا۔ تیاریوں میں وقت گزرتا رہا اور روانگی کا وقت ہو گیا۔ سب کو اکیلے اکیلے جانا اور ایک طے شدہ مقام پر ملنا تھا۔ لڑکیوں کا راستہ الگ تھا۔ انہیں اندازاً وقت بتا دیا گیا تھا جب انہیں آگ لگانی تھی۔ اُس وقت برجیس کی جماعت کو ملنے کے مقام پر ہونا چاہیے۔۔۔ یہ بے حد نازک اور خطرناک مہم تھی جس میں وقت کی غلطی اور کسی کی کوئی بے احتیاطی سب کو ایسے قید خانے میں ڈال سکتی تھی جو جہنم سے کم نہیں تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ لڑکیوں کا تھا کیونکہ وہ لڑکیاں تھیں۔ تصور کیا جا سکتا تھا کہ اُن کے پکڑے جانے کی صورت میں اُن کا کیا حشر ہو گا۔ النور نے کہا کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہُوا تو لڑکیاں اپنے خنجروں سے خودکشی کر لیں گی۔ وہ کفار کے ہاتھ زندہ نہیں آئیں گی۔

شہر پر خاموشی طاری ہوتے ہوتے سارا شہر خاموش ہو گیا۔ کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی، صرف ایک جگہ تھی جہاں رات کے سکوت کا ذرہ بھر اثر نہیں تھا۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں صلیبیوں کی متحدہ کمان کا ہیڈکوارٹر تھا۔ وہیں صلیبی حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں کی رہائش بھی تھی۔ یہ لوگ اُس ہال میں ایک ایک کر کے آ چکے تھے جہاں وہ ہر رات شراب نوشی اور رقص کی محفل جمایا کرتے تھے۔ اُس رات اُن کا موضوع دو نئی مسلمان لڑکیاں اور مال و اسباب

تھا جو قافلے سے لوٹ گیا تھا...... کسی نے پوچھا کہ یہ لڑکیاں کسی اور کام بھی آسکتی ہیں؟ اس کا جواب ایک فوجی کمانڈر نے یہ دیا کہ لڑکیاں بالغ ذہن کی ہیں اس لیے انہیں جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کی عمر سولہ سترہ سال ہے اور دوسری کی بائیس تیئیس سال۔ کچھ عرصہ تفریح کے لیے استعمال ہو سکتی ہیں۔

"اس کے بعد انہیں اپنے دو فوجی افسروں کے حوالے کر دینا"۔۔ ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا۔ "وہ ان کے ساتھ شادی کر لیں گے۔"

یہ لڑکیاں اُن کے ہنسی مذاق اور غلیظ باتوں کا موضوع بنی رہیں اور وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے رہے۔ اُس وقت لڑکیاں دو الگ الگ کمروں میں تھیں۔ وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھیں۔ دونوں کے ساتھ ایک ایک خادمہ تھی۔ یہ ادھیڑ عمر عورتیں بڑی خرانٹ اور اس فن کی ماہر تھیں۔ وہ لڑکیوں کو نہلا چکی تھیں اور انہیں رات کا لباس پہنا رہی تھیں۔ لڑکیوں نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اُن کے آگے ایسے ایسے کھانے رکھے گئے تھے جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے لیکن انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے متعلق معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے اور اُس کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ دونوں عورتیں انہیں بڑے ہی حسین سبز باغ دکھا رہی تھیں۔ ایک کو بتایا جا رہا تھا کہ اُسے فرانس کے بادشاہ نے پسند کیا ہے جو اُسے زر و جواہرات سے لاد دیگا۔ دوسری کو جرمن کے بادشاہ کی ملکہ بننے کے خواب دکھائے جا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں بڑے پیار سے دھمکیاں بھی دی جا رہی تھیں کہ انہوں نے اگر ان بادشاہوں کو ناراض کیا تو انہیں فوجی سپاہیوں کے حوالے کر دیں گے۔

یہ لڑکیاں صحرائی دیہات کی رہنے والی تھیں۔ کوئی ایسی بزدل بھی نہیں لیکن بے بس ہو گئی تھیں۔ اپنے تحفظ میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ اُن کے ماں باپ اور بڑے بھائی نے اُن کی عصمت کی خاطر صلیبی استبداد کے علاقے سے ہجرت کی تھی مگر صلیبیوں کے پھندے میں آگئے۔ لڑکیاں پکڑی گئیں۔ ماں باپ مارے گئے اور بھائی قید ہو گیا۔ خدا کے سوا ان کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ قید سے نکل جانے کے بھی قابل نہیں تھیں۔ وہ روتی تھیں تو صرف خدا کو یاد کرتی اور خدا کو ہی مدد کے لیے پکارتی تھیں۔ اپنی عزت کے علاوہ اپنے بھائی آفاق کے لیے وہ بہت پریشان تھیں۔ اُس وقت آفاق بیگار کیمپ میں تڑپ رہا تھا۔ وہ زخمی تھا اور اُسے پیٹا بھی بہت گیا تھا۔ پہلے کے قیدی شام کے وقت روزمرہ کی مشقت سے آئے تھے۔ انہوں نے ان نئے قیدیوں کو دیکھا۔ اُن کی بپتا سنی۔ اُن میں صرف آفاق زخمی تھا۔ کسی نے اس کی مرہم پٹی نہیں کی تھی۔ تین چار قیدیوں نے مرہم اور کچھ دیسی دوائیاں چھپا کر رکھی ہوئی تھیں۔ رات کو انہوں نے آفاق کے زخم صاف کیے اور مرہم بھر کر اوپر کپڑے باندھ دیئے۔

آفاق کو اپنے زخموں کا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کا دھیان اپنی بہنوں کی طرف تھا۔ قیدیوں سے وہ پوچھتا تھا کہ اُس کی بہنیں کہاں ہوں گی اور وہ قید سے کس طرح بھاگ سکتا ہے۔ قیدیوں نے صاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اُس کی بہنیں کہاں ہوں گی اور ان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہوگا۔ اُسے بتایا گیا کہ اس قید خانے کی کوئی دیوار نہیں اور انہیں بیڑیاں بھی نہیں ڈالی گئیں پھر بھی وہ یہاں سے بھاگ نہیں سکتا کیونکہ سنتری گھوم پھر رہے ہیں اور اگر وہ یہاں سے نکل بھی جائے تو جائے گا کہاں۔ کہیں نہ کہیں پکڑا جائے گا۔ اس کی سزا اتنی اذیت ناک موت ہوگی جس کا وہ تصور

بھی نہیں کر سکتا۔ اُسے بتایا گیا کہ یہاں کئی کئی سالوں سے قیدی پڑے ہیں جو رک رک کے، مرتے جا رہے ہیں لیکن بھاگنے کی جرأت نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ پکڑے نہ گئے تو صلیبی اُن کے پورے خاندان کو قید میں ڈال دیں گے۔ ان تمام مجبوریوں اور خطروں کے باوجود آفاق فرار اور بہنوں کو رہا کرانے کی سوچ رہا تھا۔ اُس کا جسم چلنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ قیدی دن بھر کے تھکے ماندے بے ہوشی کی نیند سو گئے اور آفاق جاگ رہا تھا۔

☆

"لڑکیاں پکڑی گئی ہوں" عثمان صارم نے سرگوشی میں کہا۔

"خدا کو یاد کرو عثمان!" برجیس نے کہا۔ "ہم اس وقت موت کے منہ میں ہیں۔ دل سے تمام خوف نکال دو اور خدا کو دل میں بٹھا لو... تمہیں دوسرے لڑکوں پر بھروسہ ہے؟"

"پورا بھروسہ" عثمان نے کہا۔ "ان کا فکر نہ کرو۔ مجھے لڑکیوں کا فکر ہے۔"

"خدا کو یاد کرو" برجیس نے کہا۔ "ہم چوری کرنے نہیں آئے۔ اللہ مدد کرے گا۔"

اُس وقت عثمان صارم اور برجیس گھر میں نہیں تھے۔ وہ اُس عمارت سے جس میں مغویہ لڑکیاں تھیں اتنی دور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے جہاں سے عمارت انہیں اپنے سر پر کھڑی نظر آ رہی تھی۔ اُن کے سات ساتھی اُن سے تھوڑی ہی دور بکھر کر انہی کی طرح چھپے ہوئے تھے۔ برجیس نے انہیں اچھی طرح بتا دیا تھا کہ کون سے اشارے پر انہیں کیا کرنا ہے۔ عثمان صارم کو اُن چار لڑکیوں کا غم تھا جو فوجی سامان اور گھاس کو آگ لگانے کے لیے گئی تھیں۔ اُن میں اُس کی اپنی بہن النور بھی تھی۔ اُس وقت تک آگ لگ جانی چاہیے تھی۔ توقع یہ تھی کہ اگر سکیم کامیاب رہی تو آگ کے شعلے اٹھیں گے، پھیلیں گے۔ اس عمارت سے تمام کمانڈر وغیرہ آگ کی طرف بھاگیں گے جو ایک قدرتی ردعمل تھا کیونکہ فوجی سامان کو آگ لگنے کی صورت میں وہ اپنی محفل عیش و طرب میں مگن نہیں رہ سکتے تھے۔ اُن کے جاتے ہی ان نوجوانوں کو عمارت پر ٹوٹ پڑنا تھا، مگر لڑکیوں کو گئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ شاید سنتری نے انہیں روک کر واپس بھیج دیا ہوگا۔

لڑکیاں ابھی سنتری تک ہی نہیں پہنچی تھیں کیونکہ وہاں سنتری تھا ہی نہیں۔ سنتری کا نہ ہونا خطرہ تھا، کیونکہ زندہ رہنے کی صورت میں وہ انہیں آگ لگاتے پکڑ سکتا تھا۔ لڑکیوں نے سنتری کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ وہ خشک گھاس کے پہاڑوں جیسے ڈھیروں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ اندھیرے میں انہیں خیموں کے انبار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اکٹھی جا رہی تھیں۔ انہیں ایک جگہ ڈنڈے سے بندھی ہوئی مشعل کا شعلہ نظر آیا۔ وہ اُدھر چلی گئیں۔ سنتری سامنے آگیا۔ مشعل کا ڈنڈا زمین میں گڑا ہوا تھا۔ سنتری نے مشعل اٹھا لی اور لڑکیوں کے قریب آ کر انہیں روکا۔ وہ لڑکیوں کا بھڑکیلا لباس اور سج دھج دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ ان کے ساتھ ایک نوکرانی تھی جس نے سر پر گٹھڑی سی اٹھا رکھی تھی۔ سنتری نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہی ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے ہم غلط راستے پر آ گئی ہیں" النور نے بڑی شوخ ہنسی سے کہا۔ "شاہ رینالڈ کا دعوت نامہ آیا تھا۔ ہم نے رات کو آنے کا وعدہ کیا تھا۔ ذرا دیر ہو گئی تو کسی نے بتایا کہ یہ راستہ چھوٹا ہے۔ یہاں تو آ گئے

معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے وغیرہ بندھے ہیں۔ ہم کر مر جائیں؟"

ایک معمولی سے سنتری پر رعب طاری کرنے کے لیے شاہ ریناالڈ کا نام ہی کافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صلیبی بادشاہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ ریناالڈ نے ان لڑکیوں کو عیش و عشرت اور ناچ گانے کے لیے بلایا ہوگا۔ لڑکیوں کے لباس، عمر، اور اُن کی شکل و صورت اور النور کے بات کرنے کا انداز اور کھلنڈرا سا انداز بتا رہا تھا کہ یہ اُس کے اعلیٰ حکام کے مطلب کی لڑکیاں ہیں۔ اُس نے انہیں راستہ بتانا شروع کر دیا۔ ایک لڑکی اس کے پیچھے ہو گئی اور اتنی زور سے خنجر اس کی پیٹھ میں گھونپا کہ دل کو چیرتا آگے نکل گیا۔ اُس کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی۔ النور نے مشعل پر دونوں پاؤں رکھ کر اس کا شعلہ بجھا دیا۔ باقی لڑکیوں نے بھی سنتری کے جسم میں اپنا خنجر داخل کر دیا۔ سنتری کی آواز بھی نہ نکلی۔

برجیس نے انہیں بتایا تھا کہ گھاس کو آگ لگے گی تو اس کی روشنی میں انہیں خیموں کے ڈھیر اور گاڑیاں نظر آ جائیں گی۔ گھاس کے پہاڑ تو انہیں اندھیرے میں بھی نظر آ رہے تھے۔ جو لڑکی نوکرانی بنی ہوئی تھی اس نے جلدی سے سر سے گٹھڑی اتاری۔ اس میں آتش گیر مادہ اور آگ لگانے کا سامان تھا۔

انہوں نے گھاس کے ایک ڈھیر کو آگ لگا دی۔ پھر دوسرے اور تیسرے کو اور ذرا سی دیر میں تمام ڈھیروں کو آگ لگ گئی۔ اب خطرہ بڑھ گیا تھا کیونکہ روشنی ہو گئی تھی۔ تھوڑی دور انہیں لپٹے ہوئے خیموں کے ڈھیر نظر آ گئے۔ یہ کپڑا تھا۔ اسے آگ لگانا مشکل نہ تھا۔ خیمے بھی جلنے لگے۔ خالی گھوڑا گاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑی تھیں۔ لڑکیوں میں غیر معمولی پھرتی آ گئی تھی۔ انہوں نے تین چار گاڑیوں پر آتش گیر مادہ پھینکا اور آگ لگا دی۔ اتنی دیر میں گھاس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے۔ لڑکیاں گھوڑوں کی طرف بھاگیں۔ ابھی تک کوئی بیدار نہیں ہوا تھا۔ لڑکیوں نے خنجروں سے وہ لمبے لمبے رسّے کاٹ دیئے جن کے سرے زمین میں دبے ہوئے تھے اور ہر رسّے کے ساتھ چالیس سے پچاس گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ لڑکیوں نے چند ایک گھوڑوں کو خنجر مارے۔ وہ بدک کر اور شعلوں کے ڈر سے ہیبت ناک آوازسے ہنہنانے لگے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔ جو گھوڑے کھل نہ سکے انہوں نے اودھم بپا کر دیا۔ معلوم نہیں کتنے گھوڑے کھل کر ادھر اُدھر دوڑنے اور ہنہنانے لگے۔ اونٹ کھلے تھے اور آرام سے بیٹھے تھے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔

چاروں لڑکیاں بے لگام گھوڑوں اور بے مہار اونٹوں کے نرغے میں آ گئیں۔ دوسری طرف شعلے تھے جن کی تپش دور سے بھی جسموں کو جلاتی تھی اور جانوروں کے اس قدر زیادہ شور و غل اور دھماکوں جیسے ٹاپوؤں سے فوج بیدار ہو گئی۔

مغویہ لڑکیوں کو دُلہنیں بنا دیا گیا تھا۔ دونوں کے کمروں میں بیک وقت ایک ایک آدمی داخل ہوا۔ یہ صلیبیوں کے جنگجو حکمران تھے۔ وہ شراب میں بدمست تھے۔ خادمائیں باہر نکل گئیں۔ لڑکیاں کمروں میں بھاگ دوڑ کر پناہیں ڈھونڈنے لگیں۔ اُن کی عصمت کا پاسبان خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ ایک لڑکی دو زانو گر پڑی اور ہاتھ جوڑ کر اور رو کر خدا کو مدد کے لیے پکارا۔ صلیبی نے قہقہہ لگایا اور اُس کی طرف بڑھا..... باہر اُسے شور و غل سنائی دیا۔ یہ غیر معمولی شور تھا۔ اُس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو ایسے لگا جیسے پورے شہر کو آگ لگ گئی ہو۔ گھوڑوں اور

اونٹوں کی خوفزدگی کا یہ عالم کہ کچھ گھوڑے اس بلندی پر بھی چڑھ آئے جس پر یہ عمارت تھی۔ اس کا نشہ اُتر گیا۔ دوسرا بھی باہر نکل آیا۔ دو تین آدمی دوڑتے آئے اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا کہ گھاس، خیموں اور گاڑیوں کو آگ لگ گئی ہے۔ دوڑتے ہوئے جانوروں نے کئی آدمیوں کو کچل دیا ہے۔

اگر آگ شہر کو لگتی تو یہ حکام پروا نہ کرتے۔ وہاں تو فوج کا سامان جل رہا تھا اور فوج کے سینکڑوں گھوڑے کھل گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں تمام حکمران اور کمانڈر اور وہاں جو کوئی بھی تھا، دوڑتے نکل گئے۔ وہ اپنی نگرانی میں آگ بجھانے کا بندوبست کرنا چاہتے تھے۔ اس عمارت کے ارد گرد جو سنتری پہرہ تھا وہ بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ باڈی گارڈز بھی اپنے حکام کے پیچھے دوڑتے گئے۔ برجیس نے بلند آواز سے پکارا ——— "تم بھی چلو" اور وہ عمارت کی طرف اُٹھ دوڑا۔ اس کے آٹھ جوان بھی دوڑ پڑے۔ اُن کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ عمارت کے برآمدوں میں جا کر اُس نے اپنے اُن دو ساتھیوں کو پکارنا شروع کر دیا جو وہاں عیسائیوں کے بھیس میں ملازم تھے۔ اُن میں سے ایک مل گیا۔ اُس نے برجیس کو پہچان لیا۔ برجیس نے اس سے پوچھا کہ آج جو لڑکیاں یہاں لائی گئی ہیں وہ کہاں ہیں۔ اُسے معلوم نہیں تھا۔ اُس نے کمرے دکھا دیئے اور خود بھی ساتھ ہو لیا۔ وہاں اب سہولت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ کوئی ذمہ دار آدمی موجود نہیں تھا۔ پیچھے نوکر چاکر رہ گئے تھے جو آگے جا کر بلندی سے آگ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ برجیس کی سکیم پوری طرح کامیاب تھی۔

وہ ملازم کی رہنمائی میں اُن کمروں میں جانے لگے جہاں لڑکیاں ہوتی تھیں۔ وہاں برآمدے میں کچھ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ اُن میں بعض نیم برہنہ تھیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آج جو لڑکیاں آئی ہیں وہ کہاں ہیں۔ انہیں بھی معلوم نہ تھا۔ آخر ایک کمرے میں گئے تو ایک لڑکی مل گئی۔ وہ کمرے میں دبکی ہوئی تھی۔ عثمان صارم اور اُس کے بعض ساتھیوں نے اُسے دن کے وقت دیکھا تھا جب ان دونوں کو لٹے ہوئے قافلے کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ برجیس کی پارٹی کے تمام آدمی نقاب پوش تھے۔ انہیں دیکھ کر لڑکی نے چیخ ماری۔ برجیس نے اُسے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور اسے رہا کرانے آئے ہیں، مگر وہ لڑکی اتنی ڈری ہوئی تھی کہ اُن کے ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ انہوں نے اُسے زبردستی اٹھا لیا۔ دوسرے کمرے میں اُس کی بہن مل گئی۔ اس کا ردِ عمل بھی یہی تھا۔ اُسے بھی زبردستی اٹھا لیا گیا۔ دوسری لڑکیاں جو ایک عرصے سے صلیبیوں کے پاس تھیں، یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان آدمیوں کو ڈاکو سمجھ کر اِدھر اُدھر بھاگ گئیں۔ مغویہ بہنیں چیخ و پکار کر رہی تھیں۔ انہیں برجیس نے غصے سے کہا کہ وہ سب مسلمان ہیں اور انہیں مسلمان گھرانوں میں لے جا کر چھپائیں گے۔ بڑی ہی مشکل سے انہیں خاموش کیا گیا اور جانبازوں کی یہ جماعت وہاں سے نکل گئی۔

☆

آگ کا منظر بے حد خوفناک تھا۔ شعلے توقع سے کہیں زیادہ اونچے جا رہے تھے اور دُور دُور تک پھیل گئے اور پھیلتے ہی چلے جا رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں نے سارے شہر میں قیامت بپا کر رکھی تھی۔ سارا شہر جاگ اٹھا تھا۔ گلیوں میں، سڑکوں پر اور میدانوں میں ان جانوروں نے اس قدر دہشت پھیلا دی تھی کہ لوگ دبک کر گھروں میں بیٹھ گئے تھے اور آگ نے جو دہشت پھیلائی تھی اس سے بعض لوگ گھروں سے بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ افراتفری اور بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ وہ عقل مند اور موقع شناس تھے۔

انھوں نے آگ، بھاگتے دوڑتے جانور اور افراتفری دیکھی تو یہ معلوم کیے بغیر کہ یہ معاملہ کیا ہے، یہ مشہور کر دیا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوجیں شہر میں داخل ہو گئی ہیں اور شہر کو آگ لگا رہی ہیں۔ یہ افواہ مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہوش اڑ گئے۔ یہ افواہ آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ غیر مسلموں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

صلیبی حکمران اور اعلیٰ احکام آگ کی جگہ پہنچے تو وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ انھوں نے بھی یہی سمجھا کہ مسلمانوں کی فوج قلعے میں کہیں نقب لگا کر اندر آ گئی ہے۔ انھوں نے فوج کو قلعے کے دفاع کے لیے جنگی ترتیب میں فوراً چلے جانے کا حکم دیا اور اسی فوج کے کچھ حصے کو قلعے کے باہر جانے کو کہا۔ زیریں کمانڈر دوڑ کر قلعے کی دیوار پہ چڑھے اور باہر دیکھا۔ باہر خاموشی تھی۔ کسی طرف سے حملہ نہیں ہوا تھا۔ قلعے کا عقبی دروازہ کھول دیا گیا تاکہ فوج باہر جا سکے۔ رات کے وقت قلعے کا دروازہ نہیں کھولا جاتا تھا لیکن اس خیال سے دروازہ کھول دیا گیا کہ سلطان ایوبی کا کوئی جانباز دستہ اندر آ گیا ہے جس نے بھگدڑ مچا دی ہے۔ یہ باہر کے حملے کا پیش خیمہ ہے۔ فوج آ رہی ہوگی۔ اس فوج کو شہر سے دور روکنے کے لیے صلیبیوں نے رات کو ہی فوج باہر بھیج دی اور دروازہ کھولنے کا خطرہ مول لے لیا۔ یہ فیصلہ دراصل گھبراہٹ میں کیا گیا تھا اور یہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ جن غیر مسلموں نے جو عقبی دروازے کے قریب تھے دیکھ لیا کہ دروازہ کھل گیا ہے، وہ اندھا دھند دروازے کی طرف بھاگے۔ انہیں دیکھ کر دوسرے شہری بھی ان کے پیچھے گئے۔ وہاں سے فوج گزر رہی تھی۔ شہریوں کا سیلاب آ گیا جسے کوئی نہ روک سکا۔

آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ گھوڑا گاڑیوں کے قریب ہی رسد کی بوریوں کے انبار تھے۔ بہت سا دیگر اقسام کا سامان بھی پڑا تھا۔ آگ پر قابو پانا ضروری تھا مگر پانی کی قلت تھی۔ نہ کوئی تالاب تھا نہ کوئی ندی۔ شہر میں تھوڑے سے کنوئیں تھے لیکن پانی لانے والا کوئی نہ تھا۔ شہری گھروں میں چھپ گئے تھے یا بھاگ رہے تھے۔ یہ کام فوج کر سکتی تھی۔ فوج کی کچھ نفری کو بلا لیا گیا اور اس کے ساتھ ہی کسی کو ان مسلمان قیدیوں کا خیال آ گیا جو بیگار کیمپ میں پڑے ہوئے تھے۔ فوراً حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو اس اعلان کے ساتھ لے آؤ کہ وہ آگ پر قابو پا لیں تو انہیں صبح کے وقت رہا کر دیا جائے گا۔ قیدی باہر کے شور سے جاگ اٹھے تھے اور سنتری انہیں ڈنڈے مار مار کر سو جانے کو کہہ رہے تھے۔ اتنے میں حکم آ گیا کہ قیدیوں کو پانی لانے اور آگ پر پھینکنے کے لیے لے چلو۔ رہائی کا اعلان بھی کیا گیا۔ ان میں آفاق بھی تھا۔ اس کا جسم ٹھنڈا ہو کر اور زیادہ دُکھنے لگا تھا۔ اُس نے ایک قیدی سے کہا — "صلیبیوں کی ساری سلطنت جل جائے میں آگ بجھانے نہیں جاؤں گا۔"

"پاگل نہ بنو" — ایک قیدی نے اسے کہا — "ان لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ آگ بجھاؤ اور کل رہا ہو جاؤ لیکن یہ دھوکہ ہے۔ یہ کافر جھوٹ بولتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ چلو اور بھاگ نکلو۔ ہم نہیں بھاگ سکتے کیونکہ یہ لوگ ہمارے گھروں سے واقف ہیں۔ تم نکل جانا۔"

"جاؤں گا کہاں؟"

قیدی نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتا کر کہا — "میں کوشش کروں گا کہ موقع محل دیکھ کر تمہیں اپنے گھر پہنچا

دوں۔ لیکن وہاں زیادہ دن نہ رُکنا کیونکہ صلیبی میرے سارے کنبے کو سزا دیں گے۔"

قیدیوں کو صلیبی لے گئے اور انہیں تقسیم کر کے مختلف کنوؤں پہ لے جایا گیا۔ فوجی پانی نکال رہے تھے۔ قیدیوں نے مشکیزے اٹھانے شروع کر دیے۔ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے اور آگ پر پانی پھینکتے تھے۔ ایک دو چکروں میں سنتری ان کے ساتھ رہے مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ قیدی اور فوجی گڈمڈ ہو گئے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ صلیبی کمانڈر گھبراہٹ میں سب کو گالیاں دے رہے تھے۔ اتنے میں گھوڑوں کا ڈرا ہوا ریلا دوڑتا آیا۔ آگ بجھانے والے قیدی اور فوجی اس کی زد میں آ گئے۔ سب اِدھر اُدھر بھاگ اُٹھے۔ بعض کچلے بھی گئے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آفاق کو وہ پرانا قیدی اپنے ساتھ لے گیا۔ مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ خوش تھے کہ مسلمان فوج آ گئی ہے۔ قیدی اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اُس کا سارا خاندان جاگ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب بہت مسرور ہوئے لیکن اُس نے آفاق کو اُن کے حوالے کر کے کہا — "اسے چھپا لو اور جلدی شہر سے نکال دینا۔ میں نہیں رُک سکتا۔ صلیبیوں نے کل رہائی کا وعدہ کیا ہے۔ اُسے ابھی کوئی نہیں جانتا۔ اگر میں یہاں رُک گیا تو شاید کبھی بھی رہائی نہیں ملے گی۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج اندر آ گئی ہے؟" — قیدی کے باپ نے پوچھا۔

"کچھ پتہ نہیں" — قیدی نے جواب دیا — "آگ بہت زور کی ہے۔ معلوم نہیں کب بجھے گی۔"

"اگر ہماری فوج نہیں آئی تو پھر ہم یہ خطرہ کیسے مول لے سکتے ہیں؟" — قیدی کے باپ نے کہا۔

"یہ آدمی خود ہی نکل جائے گا" — قیدی نے کہا — "یہ کل یہاں سے نکل جائے گا۔"

"اس کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں" — قیدی کے باپ نے کہا — "ابھی ابھی تمہارا چھوٹا بھائی دو مسلمان لڑکیوں کو لایا ہے۔ انہیں اُس نے اور صارم کے بیٹے عثمان نے اور ان کے دوستوں نے صلیبیوں کے شاہی خانے سے اغوا کیا ہے۔ دونوں کو ہم نے گھر میں چھپا لیا ہے۔"

"کون ہیں وہ لڑکیاں؟" — قیدی نے پوچھا۔

"کہتے ہیں انہیں کل ایک قافلے سے صلیبیوں نے اغوا کیا تھا" — باپ نے جواب دیا — "اُن کا بھائی سُنا ہے قید میں ہے۔"

آفاق نے تڑپ کر پوچھا — "کہاں ہیں وہ لڑکیاں؟"

ذرا سی دیر میں آفاق اپنی بہنوں کو گلے لگا رہا تھا۔ خدا نے اُن کی فریادیں سُن لی تھیں۔ یہ بڑا ہی جذباتی منظر تھا۔ اُن کے ماں باپ مارے گئے تھے۔ وہ لُٹ گئے تھے۔ انہیں ایسی معجزہ نما ملاقات کی توقع نہیں تھی.... جس قیدی کا یہ گھر تھا وہ دوڑ کر باہر نکل گیا۔ وہ قید سے بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کا چھوٹا بھائی، برجیس اور عثمان صارم کے ساتھ تھا۔ وہ لڑکیوں کو گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔

وہ اچانک آ گیا۔ اس نے لڑکیوں سے کہا — "فوراً اٹھو شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا ہے۔" — آفاق کے متعلق اسے بتایا گیا کہ وہ ان لڑکیوں کا بھائی ہے اور قید سے فرار ہو کر آیا ہے۔ اُس نے آفاق کو بھی اپنے ساتھ لیا اور باہر لے گیا۔ باہر تین گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ برجیس کا انتظام تھا۔ اُس نے دونوں بہنوں کو گھوڑوں پر سوار کیا اور

جب تیسرے گھوڑے پر خود سوار ہونے لگا تو اُسے آفاق کے متعلق بتایا گیا۔ اُس نے آفاق کو تیسرے گھوڑے سوار کیا اور خود چل پڑا۔ اُس نے اتنا ہی کہا ۔۔۔ "خدا حافظ دوستو! زندہ رہے تو ملیں گے" ۔۔۔ اور وہ دوڑ پڑا۔ وہ شہر کے عقبی دروازے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے ڈرے ہوئے شہریوں کا جلوس باہر کو بھاگا جا رہا تھا۔ یہ دروازہ برجیس نے پہلے سے دیکھ رکھا تھا۔ شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے کہیں سے تین گھوڑے پکڑے اور لے آیا۔ کسی صلیبی کمانڈر نے دیکھ لیا کہ شہری تو بھاگ رہے ہیں۔ اُس نے دروازہ بند کرنے کا حکم دے دیا۔ برجیس جب وہاں پہنچا تو دروازہ آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا اور شہریوں کا ایک ہجوم دروازے میں پھنس گیا تھا۔ ایک واویلا بپا تھا۔ برجیس نے چلانا شروع کر دیا ۔۔۔ "پیچھے سے فوج آ رہی ہے۔ دروازہ کھول دو۔ بھاگو، مسلمان آ رہے ہیں۔" ہجوم نے آگے کو زور لگایا تو بند ہوتے ہوتے دروازہ کھل گیا۔ انسان رُکے ہوئے دریا کی طرح بند توڑ کر نکل گئے۔

باہر نکل کر برجیس نے آفاق سے کہا کہ کسی ایک بہن کے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ اگر میں تمہارے ساتھ سوار ہوا تو ایک گھوڑے پر دو مردوں کا وزن زیادہ ہو جائے گا۔ ہمارا سفر لمبا ہے ۔۔۔ آفاق ایک بہن کے پیچھے سوار ہو گیا۔ دوسری سے اُس نے کہا کہ وہ سواری سے ڈرے نہیں۔ گھوڑا اسے گرائے گا نہیں۔ انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ برجیس کو معلوم تھا کہ راستے میں صلیبی فوج خیمہ زن ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ کون سی جگہ فوج نہیں ہے۔ وہ اُس سمت ہو لیا۔ کرک کے بھاگے ہوئے لوگ اِدھر اُدھر بکھرتے جا رہے تھے۔ شعلوں کی روشنی دُور دُور تک جا رہی تھی۔ آفاق اور لڑکیوں کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کس طرح رہا کرایا گیا ہے۔ برجیس خاموش تھا۔ وہ اگر بولتا تھا تو صرف اتنا کہ آفاق سے اس کی خیریت پوچھتا تھا اور اس کی جو بہن گھوڑے پر اکیلی سوار تھی، اس سے پوچھ لیتا تھا کہ وہ ڈر تو نہیں رہی۔ کرک کے شعلے پیچھے ہٹتے جا رہے تھے اور رات گھوڑوں کی رفتار کے ساتھ گزرتی جا رہی تھی۔

☆

صبح طلوع ہوئی تو برجیس سلطان ایوبی کی فوج کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس نے ایک کماندار سے اپنا تعارف کرایا اور سلطان ایوبی کے متعلق پوچھا کہ کہاں ہوگا۔ کماندار اُسے اپنے دستوں کے کماندار کے پاس لے گیا جس نے اسے بتا دیا کہ سلطان ایوبی کہاں ہو سکتا ہے۔ برجیس اپنی اس کامیابی پر بے حد خوش تھا۔ اُس نے صرف لڑکیوں کو صلیبیوں سے آزاد نہیں کرایا تھا بلکہ کرک میں آتش زنی جیسی تخریبی کارروائی کر کے صلیبی فوج کے غیر مسلم شہریوں کے جذبے پر خوف طاری کرا دیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کو یہ مشورہ دینا چاہتا تھا کہ کرک پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔

کرک کی صبح بڑی بھیانک تھی۔ شعلوں کی بلندی اور تندی ختم ہو گئی تھی لیکن آگ ابھی تک سلگ رہی تھی۔ صلیبی فوج کی رسد اور جانوروں کا تمام تر خشک چارہ جل گیا تھا۔ خیموں کے علاوہ بے شمار جنگی سامان نذرِ آتش ہو گیا تھا۔ کچھ اونٹ زندہ جل گئے تھے۔ تمام گھوڑے اور اونٹ رات بھر دوڑ دوڑ کر تھک گئے اور اب سارے شہر میں آوارہ پھر رہے تھے۔ جگہ جگہ ان لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں جو بے لگام گھوڑوں اور بے مہار

اونٹوں کی زد میں آ کر کچلے گئے تھے۔ فوجی اور قیدی ابھی تک کنوؤں سے پانی لا لا کر آگ پر پھینک رہے تھے۔ صلیبی حکام ابھی تک یہ سمجھ رہے تھے کہ سلطان ایوبی کی فوج اندر آگئی ہے لیکن وہاں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ انہوں نے قلعے کی دیواروں پر جا کر ہر طرف دیکھا۔ باہر صلیبیوں کی اپنی فوج قلعے کے اردگرد موجود تھی۔ اسلامی فوج کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ اب یہ تفتیش کرنی تھی کہ آگ کس طرح لگی۔

اُس سنتری کی لاش مل گئی جسے لڑکیوں نے خنجروں سے ہلاک کیا تھا لیکن گھوڑوں اور اونٹوں نے اُسے ایسی بُری طرح روندا تھا کہ خنجروں کے زخم پہچانے نہیں جاتے تھے۔ اس سے تھوڑی دور چار زنانہ لاشیں ملیں۔ یہ اُس میدان میں پڑی ہوئی تھیں جہاں گھوڑے اور اونٹ باندھے جاتے تھے۔ یہ تفتیش کرنے والا حاکم کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر ہرمن تھا۔ اس میدان میں لاشیں تو اور بھی پڑی تھیں لیکن اسے چار عورتوں کی لاشیں ملیں۔ ان کے چہرے گھوڑوں کے پاؤں تلے آ کر مسخ ہو گئے تھے۔ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہیں تھا۔ یہ لاشیں ایک دوسری سے دُور دُور پڑی تھیں۔ ان کے کپڑے ملیامیٹ ہو گئے تھے۔ خاک و خون میں اُن کا اصل رنگ نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا ہی پتہ چلتا تھا کہ یہ زنانہ کپڑے ہیں۔ لاشیں دیکھ کر بھی یہ ثبوت ملتا تھا کہ یہ عورتوں کی ہیں۔ سب کے جسموں سے کھال اُکھڑی ہوئی اور کئی جگہوں سے گوشت باہر آیا ہوا تھا۔ کئی ہڈیاں ننگی ہو گئی تھیں اور ٹوٹی ہوئی بھی تھیں۔ ہر لاش کے گلے میں زنجیر اور زنجیر کے ساتھ ایک چھوٹی صلیب بندھی ہوئی تھی۔ یہ صلیبیں اس امر کا ثبوت تھا کہ عورتیں عیسائی تھیں۔

ہرمن اور فوجی افسر حیران تھے کہ عورتوں کی لاشیں یہاں کیوں پڑی ہیں۔ یہ فوجی علاقہ تھا اور اُس طرف سے کسی شہری کو گزرنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی یہ عام گزرگاہ تھی۔ یہ تو جانوروں اور رسد وغیرہ کی جگہ تھی۔ وہاں چند اور لاشیں بھی پڑی تھیں وہ فوجیوں کی تھیں۔ عورتیں رات کے وقت اِدھر کیوں آئیں؟ ۔۔۔ اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ صرف قیاس آرائی کی جا سکتی تھی جو کی گئی۔ کہا گیا کہ فوجی پیشہ ور عورتوں کو اِدھر لے آئے ہوں گے۔ مگر اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ آگ کس طرح لگی۔ شہر کے مسلمانوں پر شک کیا جا سکتا تھا لیکن مجرموں کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔ حکم دے دیا گیا کہ خفیہ پولیس اور فوج کے سراغ رساں شہر میں مشتبہ مسلمانوں کی چھان بین کریں اور جس پر ذرا سا بھی شک ہو اُسے قید میں ڈال کر اذیت رساں تحقیقات کریں۔

التونہ اور اس کی تینوں لڑکیوں کے گھر والے بہت پریشان تھے۔ لڑکیاں واپس نہیں آئی تھیں۔ ڈر یہ تھا کہ پکڑی نہ گئی ہوں۔ انہوں نے اپنا فرض مکمل کامیابی سے ادا کر دیا تھا لیکن وہ ابھی تک لاپتہ تھیں۔ عثمان صارم اور اس کے دوست ان تماشائیوں کے ہجوم میں جا کھڑے ہوئے جو آتش زدہ جگہ کھڑے تھے۔ وہاں انہیں پتہ چلا کہ چار عورتوں کی لاشیں ملی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ چار عورتوں کی لاشیں فلاں جگہ رکھ دی گئی ہیں۔ تمام شہری انہیں دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کریں۔ تماشائیوں کا ہجوم اُدھر کو چلا گیا۔ عثمان صارم اور اُس کے دوستوں نے اکٹھی رکھی ہوئی چار لاشوں کو دیکھا۔ ان کی صلیبیں اُن کے سینوں پر رکھ دی گئی تھیں۔ کوئی بھی کسی لاش کو نہ پہچان سکا۔ پہچاننے کے لیے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ چہروں سے بھی کھال اُتری ہوئی تھی۔ بعض

کے چہرے اندر کو پچک گئے تھے۔

عثمان صارم کے آنسو نکل آئے۔ وہ تماشائیوں میں سے نکل گیا۔ اُس کے دوست بھی اُس سے جا ملے۔ ان سب کو معلوم تھا کہ یہ لاشیں کن کی ہیں۔ ان میں ایک عثمان صارم کی بہن النور کی لاش تھی۔ باقی تین لاشیں اس کی سہیلیوں کی تھیں۔ چاروں رات کو اپنا فرض ادا کر کے شہید ہو گئی تھیں۔ ان کی شہادت کا عینی شاہد کوئی بھی نہیں تھا۔ واقعات کی حالت جو کہانی بیان کرتی تھی وہ کچھ اس طرح ہو سکتی تھی کہ ان لڑکیوں نے سنتری کو ہلاک کر کے آگ لگائی۔ بعد میں گھوڑوں کے رسے کاٹے اور انہی گھوڑوں کی بھگدڑ کی زد میں آ گئیں۔ معلوم نہیں کتنے سو گھوڑے اور اونٹ ان لاشوں کو روندتے رہے۔ دو لڑکیوں کی عصمت بچانے کے لیے چار لڑکیاں قربان ہو گئیں۔ برجیس نے اپنے ہاتھوں ان لڑکیوں کے گلوں میں صلیبیں لٹکائی تھیں تاکہ بوقتِ ضرورت وہ صلیبیں دکھا کر ظاہر کر سکیں کہ وہ عیسائی ہیں۔

ان لڑکیوں کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ انہیں صلیبیوں نے عیسائی سمجھ کر اپنے قبرستان میں کہیں دفن کر دیا۔ ان کے لواحقین نے ماتم نہیں کیا۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی گئی۔ گھروں میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ چاروں لڑکیوں کے باپوں نے ایک ہی جیسے جذبات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے نام پر وہ چار چار بیٹے قربان کرنے کو تیار ہیں مگر اُن سے جو قربانی لی جانے لگی وہ بڑی ہی اذیت ناک تھی۔ صلیبی فوج نے تمام مسلمان گھروں کی خانہ تلاشی شروع کر دی۔ خطرہ تھا کہ جو ہتھیار انہوں نے گھروں میں چھپا رکھے ہیں وہ پکڑے جائیں گے۔ سب نے ہتھیار اندرونی کمروں کے فرش کھود کر دبا دیے۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ جو چار لڑکیاں شہید ہو گئی تھیں ان کے متعلق جواب دینا مشکل تھا کہ کہاں چلی گئی ہیں۔ آگ کی رات کے دوسرے ہی دن امام کو جب لڑکیوں کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو اس نے پہلی بات یہ کہی —— "تمہارے غیر مسلم پڑوسی اور مسلمان مخبر ضرور پوچھیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں تو کیا جواب دو گے؟"

امام دانشمند اور دُور اندیش انسان تھا۔ اس نے گہری سوچ کے بعد کہا —— "چاروں لڑکیوں کے باپ اور بھائی میرے ساتھ آئیں" —— وہ آ گئے تو اُس نے سب کو ایک طریقہ بتایا اور کچھ باتیں ذہن نشین کرائیں۔ وہ سب کو صلیبیوں کی انتظامیہ کے دفتر میں لے گیا اور وہاں کے سب سے بڑے حاکم سے ملاقات کی اجازت لے کر بڑے غصے میں اور جذباتی لہجے میں کہا —— "میں ان لوگوں کا امام ہوں۔ یہ میرے پاس فریاد لے کر آئے ہیں کہ رات آگ لگی تو یہ سب آگ بجھانے کے لیے اٹھ دوڑے۔ یہ رات بھر کنوؤں سے پانی نکالتے رہے۔ شہر میں بھگدڑ مچی تھی۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ یہ لوگ صبح کے وقت گھروں کو گئے تو انہیں پتہ چلا کہ آپ کی فوج کے کچھ آدمی ان کے گھروں میں گھس گئے اور ان کی کنواری لڑکیاں اٹھا کر لے گئے۔ ہماری چار لڑکیاں لاپتہ ہیں"۔

"ہماری فوج پر الزام لگانے سے پہلے سوچ لو" —— صلیبی حاکم نے رُعب سے کہا۔

"جناب! میں مذہبی پیشوا ہوں" —— امام نے کہا —— "میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ بھی جنگجو

سکتے ہیں اور اپنی فوج کو بے گناہ کہہ سکتے ہیں لیکن خدا سے آپ کوئی اچھا برا عمل نہیں چھپا سکتے۔ آپ حاکم ہیں، خدا تو نہیں۔ ان لوگوں نے آپ کی فوج کو نقصان سے بچانے کے لیے ساری رات آگ سے لڑائی لڑی۔ آپ انہیں یہ صلہ دے رہے ہیں کہ یہ بھی تسلیم نہیں کرنا چاہتے کہ ان کی لڑکیوں کو آپ کے فوجی اٹھا لے گئے ہیں"۔

کچھ دیر کی بحث کے بعد حاکم نے انہیں کہا کہ ان لڑکیوں کو تلاش کیا جائے گا۔ امام اُس سے یہی سننا چاہتا تھا۔ باہر آ کر جب وہ واپسی کے لیے چلے تو امام نے سب سے کہا کہ اب یہی مشہور کر دو کہ رات فلاں کی لڑکیاں غائب ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہی مشہور کر دیا گیا۔ ان کے پڑوس میں رہنے والے غیر مسلموں نے یقین کر لیا۔ رات شہر کی حالت ہی ایسی تھی کہ لوٹ مار اور اغوا آسانی سے کی جا سکتی تھی۔

☆

برجیس سلطان ایوبی کے خیمے میں بیٹھا تھا۔ آفاق کی مرہم پٹی سلطان ایوبی کا جراح کر چکا تھا۔ آفاق کی دونوں بہنیں بھی خیمے میں بیٹھی تھیں۔ برجیس رات کا کارنامہ سنا چکا تھا۔ سلطان ایوبی بار بار لڑکیوں کو دیکھتا تھا۔ ہر بار اُس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ برجیس نے کہا کہ وہ کرک کو ایسی افراتفری اور بھگدڑ میں چھوڑ آیا ہے کہ فوری طور پر حملہ کیا جائے تو حملہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ شہر میں فوجوں کے لیے رسد نہیں رہی۔ جانوروں کے لیے چارہ نہیں رہا۔ جانور ڈرے ہوئے ہیں۔ شہریوں پر خوف طاری ہے۔ فوج بھی ڈری ہوئی ہے۔

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ بہت دیر بعد اُس نے سر اٹھایا اور اپنے نائبین اور مشیروں کو بلایا۔ اس نے پہلا حکم یہ دیا کہ ان لڑکیوں اور ان کے بھائی کو قاہرہ روانہ کر دیا جائے اور ان کی رہائش اور وظیفے کا انتظام کیا جائے۔

"آپ میری بہنوں کو اپنی عافیت میں لے لیں" —— آفاق نے کہا —— "میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ مجھے اپنی فوج میں شامل کر لیں۔ مجھے اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا ہے۔ اگر آپ مجھے کرک میں داخل کر سکیں تو میں اندر تباہی مچا دوں گا"۔

"جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی" —— سلطان ایوبی نے کہا —— "بڑی لمبی تربیت کی ضرورت ہے۔ تم صرف اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کو بے تاب ہو۔ مجھے اُن تمام ماؤں اور تمام بیٹیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جو صلیبی درندوں کا شکار ہوئی ہیں۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو"۔

آفاق کی جذباتی حالت ایسی تھی کہ سلطان ایوبی اسے زبردستی قاہرہ بھیجنے سے گریز کرنے لگا۔ اسے کہا کہ پہلے اپنا علاج کرائے، صحت یاب ہو جائے پھر اس کی خواہش پوری کر دی جائے گی...... اتنے میں نائب سالار اور اعلیٰ کمانڈر آ گئے۔ ان میں زاہدان بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے آفاق اور اُس کی بہنوں کو باہر بھیج دیا۔ اُس نے پہلے یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا کرک کو فوراً محاصرے میں لے لیا جائے؟ —— اُس نے سب کو کرک کی اُس وقت کی کیفیت بتائی۔ اس مسئلے پر بحث شروع ہو گئی۔ زاہدان نے اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کی روشنی میں کہا کہ صلیبی فوج صرف کرک میں نہیں باہر بھی ہے اور اس کا ایک حصہ ایسی پوزیشن میں ہے جو ہماری فوج کا محاصرہ باہر سے توڑ دے گا۔ انہوں نے

ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ رسد کی آمد و رفت کی حفاظت کے لیے ان کی پوری فوج موجود ہے۔ اگر ان کے پاس وقتی طور پر رسد کی کمی آ گئی ہے تو یہ سمجھ کر حملہ کرنا کہ ہمارا محاصرہ کامیاب ہو گا محض خوش فہمی ہے۔ اُن کے پاس صرف وہی رسد اور سامان نہیں تھا جو جل گیا ہے۔ ان کی ہر ایک فوج کے ساتھ اپنی اپنی رسد اور سامان موجود ہے اور اُن کی نفری ہم سے پانچ چھ گنا ہے۔

اجلاس کے دوسرے شرکاء نے اپنے اپنے مشورے پیش کیے۔ ان کی اکثریت فوری حملے کے حق میں تھی اور بعض نے انتظار کی تجویز پیش کی۔ تجاویز اور مشورے جیسے کیسے بھی تھے سلطان ایوبی نے سُنے۔ اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کمانڈروں کا جذبہ شدید تھا۔ ان میں بیشتر نے کہا کہ حملہ جلدی کریں یا دیر سے، یہ پیش نظر رکھیں کہ ایک بار حملہ کر کے یہ نہ سننا پڑے کہ محاصرہ اٹھا لو کیونکہ ہم کمزور ہیں۔ سلطان ایوبی خاموشی سے سنتا رہا۔ اس نے آخر میں فوج کے جذبے اور دیگر کوائف کے متعلق پوچھا۔ اُسے تسلی بخش جواب ملا۔

"میں جلدی حملہ کرنا چاہتا ہوں" ــــ آخر میں سلطان ایوبی نے کہا ــــ "لیکن میں جلد بازی کا قائل نہیں۔ میرے سامنے صرف کرک کا قلعہ بند شہر نہیں بلکہ صلیبیوں کی وہ تمام فوج ہے جو انہوں نے باہر پھیلا رکھی ہے۔ زاہدان نے ٹھیک کہا ہے کہ کرک کے اندر کی تباہی سے ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم حملہ جلدی ہو گا۔ فاصلہ زیادہ نہیں۔ ایک ہی رات میں ہمارے دستے کرک تک پہنچ سکتے ہیں مگر انہیں ایک جنگ قلعے سے باہر لڑنی پڑے گی۔ کوچ سے پیشتر ہمیں کرک کے مسلمانوں کو تیار کرنا پڑے گا۔ مجھے اندر کی جو تازہ اطلاعیں ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہاں کے مسلمان در پردہ ایک جماعت کی صورت میں منظم ہو چکے ہیں۔ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ محاصرے کی صورت میں شہر میں تخریب کاری کریں گے۔ ان کی لڑکیاں بھی میدان میں نکل آئی ہیں۔ صرف چار لڑکیوں نے صلیبیوں کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ پچاس پچاس نفری کے چار دستے بھی نہیں پہنچا سکتے۔ ہم کوشش کریں گے کہ شہر میں اپنے چھاپہ مار بھی داخل کر دیں۔"

"مداخلت کی معافی چاہتا ہوں" ــــ برجیس نے کہا ــــ "اگر چھاپہ مار بھیجنے ہیں تو فوراً بھیجیے۔ کرک سے جو شہری بھاگ گئے ہیں وہ یقیناً واپس جائیں گے۔ ان کے پردے میں چھاپہ مار داخل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ممکن نہیں ہو گا۔ آتش زنی کے واقعہ کے بعد صلیبی محتاط ہو جائیں گے اور شہر کے تمام دروازے بند کر دیں گے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے ساتھ آج ہی روانہ ہو جاؤں۔ وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائیں۔ وہاں سے ہتھیار مل جائیں گے۔"

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ آج ہی رات چھاپہ مار برجیس کی قیادت میں روانہ کر دیے جائیں۔ جہاں تک گھوڑے لے جا سکتے ہیں، وہاں تک گھوڑوں پر جائیں، آگے پیدل جائیں۔ گھوڑے واپس لانے کے لیے کچھ آدمی ساتھ بھیج دیے جائیں۔ اُسی وقت زاہدان سے کہا گیا کہ وہ برجیس کی ہدایت کے مطابق چھاپہ ماروں کو شہری لباس مہیا کرے اور شام کے بعد روانہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جنگی نوعیت کی ہدایات دیں اور خاص طور پر کہا ــــ "یہ یاد رکھنا کہ جس فوج سے ہم ٹکرا رہے ہیں۔ یہ وہ فوج نہیں جس نے شوبک فتح کیا تھا۔ یہ

فوج مصر سے آئی ہے جس میں دشمن نے بے اطمینانی پھیلائی تھی۔ اس فوج کو محاصرے میں لڑنے کا تجربہ نہیں۔ کمانداروں کو چوکنا رہنا پڑے گا۔ مجھے شک ہے کہ اس فوج میں تخریبی ذہن کے سپاہی بھی ہیں۔ میں نے جو دستے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، وہ ترک اور شامی ہیں اور نور الدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو بھی اپنے پاس محفوظہ میں رکھوں گا۔ حالات تمہارے خلاف ہو گئے تو گھبرا کر پیچھے نہ ہٹ آنا۔ میں تمہارے پیچھے موجود ہوں گا..... اور یہ بھی یاد رکھو کہ کرک کے مسلمانوں کے ساتھ امیدیں وابستہ نہ کیے رکھنا۔ ان کے لیے جو ہدایات بھیج رہا ہوں وہ ایسی ہرگز نہیں ہوں گی کہ وہ اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال لیں کہ ان کی مستورات کی عزت بھی محفوظ نہ رہے۔ میں ان سے اتنی زیادہ قربانی نہیں مانگوں گا۔ وہ محکوم اور مجبور ہیں۔ ظلم و تشدد کا شکار ہیں۔ ہم اُن کی آزادی اور نجات کے لیے جا رہے ہیں، اُن کے بھروسے پر نہیں جا رہے۔"

☆

چار پانچ دنوں تک کرک میں یہ کیفیت رہی کہ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے پڑ رہے تھے۔ کئی مسلمان محض شک میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔ بیگار کیمپ کے جن قیدیوں کو اس وعدے پر آگ بجھانے کے لیے لے گئے تھے کہ انہیں رہا کر دیا جائے گا، رہا نہیں کیا گیا تھا۔ صلیبیوں نے مظالم کا ایک نیا دور شروع کر دیا تھا۔ ان کا نقصان معمولی نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے سوا یہ دلیرانہ تخریب کاری اور کوئی نہیں کر سکتا۔ گرفتار ہونے والوں میں عثمان صارم کے وہ دو دوست بھی تھے جو لڑکیوں کو رہا کرانے کے لیے اُس کے ساتھ تھے۔ انہیں درندوں کی طرح اذیتیں دی جا رہی تھیں۔ صلیبی بربریت کی حدوں سے بھی آگے نکل گئے تھے مگر انہیں کوئی سراغ مل رہا تھا۔ صرف یہ دو کم عمر لڑکے تھے جن کے سینوں میں سراغ تھا لیکن ان کی زبانیں بند تھیں۔ ان کے جسموں میں کچھ نہیں رہا تھا۔ شکنجے میں کس کس کر اور جھٹکے دے دے کر اُن کے جوڑ الگ کر دیے گئے تھے لیکن لڑکے خاموش تھے۔

آخر ہرمن خود قید خانے میں گیا۔ اس کی توجہ بھی ان دو لڑکوں پر تھی۔ اسے مسلمان مخبروں نے بتایا تھا کہ آتش زنی میں ان دو لڑکوں کا بھی ہاتھ ہے۔ مسلمان مخبر دو تھے۔ دونوں ان لڑکوں کے پڑوسی تھے۔ وہ معمولی سی حیثیت کے آدمی ہوا کرتے تھے لیکن اب گھوڑا گاڑیوں میں سواری کرتے تھے اور صلیبیوں کے درباری بن گئے تھے۔ وہ صلیبی حاکموں کو گھروں میں بھی مدعو کرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ بٹھاتے اور فخر کرتے تھے۔ ان کی دو دو تین تین بیویاں تھیں اور وہ شراب بھی پیتے تھے۔ انہوں نے ان دو لڑکوں کو آتش زنی کی رات کہیں مشکوک حالت میں دیکھا تھا اور انہیں گرفتار کرا دیا۔ ہرمن نے قید خانے میں ان دونوں نوجوانوں کی حالت دیکھی تو اُس نے محسوس کیا کہ نزع کی حالت میں پہنچ کر بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو یہ کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ ان کے جسم عادی ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں بڑا اچھا کھانا کھلایا۔ پیار اور شفقت سے پیش آیا۔ ڈاکٹروں کو بلا کر انہیں دوائی پلائی اور تشدد کے زخموں اور چوٹوں کا علاج کرایا۔ پھر انہیں سلا دیا۔ وہ فوراً ہی گہری نیند سو گئے۔

ہرمن دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ان میں سے ایک نوجوان صاف الفاظ میں بڑبڑانے لگا "میں کیا بتاؤں؟ میرا جسم کاٹ دو... مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اگر کچھ معلوم ہوگا تو کبھی نہیں بتاؤں گا۔ تم گردن کے ساتھ صلیب باندھے ہوئے ہو، میں نے قرآن کی ایک آیت باندھی ہوئی ہے۔"

"تم نے آگ لگائی تھی؟" ہرمن نے کہا۔ "تم نے صلیبیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ تم بہادر ہو۔ مر گئے تو شہید کہلاؤ گے۔"

"اگر مر گیا تو؟" نوجوان بڑبڑایا۔ "اگر مر گیا تو۔ جب تک جسم میں جان ہے۔ اس جان میں ایمان بھی رہے گا۔ جان نکل جائے گی، ایمان نہیں نکلے گا۔"

ہرمن نے اس کے سوئے ہوئے ذہن میں اپنے مطلب کی باتیں ڈالنے کی بہت کوشش کی لیکن نوجوان کے ذہن نے قبول نہ کیں۔ اتنے میں دوسرا لڑکا بھی بڑبڑانے لگا۔ ہرمن نے اس کی طرف توجہ دی۔ اسی طرح اس کے ذہن میں بھی باتیں ڈالیں جو اس نوجوان نے اگل دیں۔ ہرمن کے ساتھ اس کے تین چار سراغرساں بھی تھے۔ اس نے بہت دیر کی کوشش کے بعد آہ بھری اور کہا۔ "مزید کوشش بیکار ہے۔ ان کی زبان سے تم کوئی راز نہیں اگلوا سکو گے۔ یہ بے گناہ معلوم ہوتے ہیں، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے عقیدے اور جذبے کے پکے ہیں۔ میں نے انہیں مرغن کھانوں میں اتنی زیادہ حشیش کھلائی ہے جتنی گھوڑے کو کھلا دو تو وہ بھی باتیں کرنے لگے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قومی جذبہ جسے یہ لوگ ایمان کہتے ہیں، ان کی روحوں میں اترا ہوا ہے۔ تم ان کی روحوں پر کوئی نشہ طاری نہیں کر سکتے۔ دوسری صورت یہی ہے کہ یہ بے گناہ ہوں گے۔"

وہ بے گناہ نہیں تھے۔ وہ آتش زنی اور لڑکیوں کو آزاد کرانے کی مہم میں شریک تھے۔ صلیبی جسے گناہ اور جرم کہہ رہے تھے وہ مسلمان کے لیے عظیم نیکی اور جہاد تھا جو ان لڑکوں نے روح اور ایمان کی قوت سے کیا تھا۔ حشیش نے انہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ ان کی عقل کو سلا دیا تھا مگر ان کی روحیں بیدار تھیں۔ صلیبی ان کی زبان سے ہلکا سا اشارہ بھی نہ لے سکے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لڑکے بے قصور ہیں۔ یہ صلیبیوں کی مجبوری تھی۔... ان لڑکوں کی آنکھ کھلی تو باہر ویرانے میں پڑے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں بے ہوشی کی حالت میں دور لے جا کر پھینک دیا تھا۔ وہ اٹھے۔ ایک دوسرے کو دیکھا اور گھروں کو چل دیئے۔

جو عیسائی اور یہودی باشندے آتش زنی کی رات شہر سے نکل گئے تھے وہ یہ دیکھ کر کہ کوئی حملہ نہیں ہوا اور امن و امان ہے تو واپس آنے لگے۔ صلیبیوں کی فوج جو باہر خیمہ زن تھی اس نے بھی انہیں یقین دلایا کہ کوئی حملہ نہیں ہوا، وہ واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ایک حکم کے تحت شہر کے دو دروازے ان لوگوں کے لیے کھلے رکھے گئے جو واپس آ رہے تھے۔ لوگ کنبہ در کنبہ چلے آ رہے تھے ۔۔۔ اور انہی میں یہ حبیب بھی کرک میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھ سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ کرک کے لوگوں نے دیکھا کہ وہ چپ چاپ اور غریب سا موچی جو دنیا کے ہنگاموں سے بے خبر راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کیا کرتا تھا

تین دنوں کی غیر حاضری کے بعد پھر راستے میں آ بیٹھا ہے۔ اس نے رات ہی رات پندرہ کے پندرہ چھاپہ ماروں کو عثمان صارم اور اس کے نوجوان ساتھیوں کی مدد سے مسلمان گھرانوں میں چھپا دیا تھا۔ ان میں اب کوئی کسی دکان میں ملازم تھا، کوئی صلیبیوں کے اصطبل کا سائیس بن گیا تھا، کوئی مذہب کے طالب علم کے روپ میں مسجد میں جا بیٹھا رہتا تھا۔

انہیں اب یہ دیکھنا تھا کہ سلطان ایوبی کے حملے کی صورت میں وہ اندر سے کیا کر سکتے ہیں۔ کرنے والا کام صرف یہ تھا کہ کہیں سے قلعے کی دیوار میں اتنا بڑا شگاف پیدا کریں کہ اس میں سے گھوڑے بھی اندر آ سکیں یا قلعے کا کوئی دروازہ کھول سکیں۔ وہ انہی کاموں کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ عثمان صارم نے اپنی نوجوان جماعت میں اضافہ کر لیا تھا۔ لڑکیاں بھی تیار ہو گئی تھیں، مگر ریتی الیگزینڈر سائے کی طرح عثمان صارم کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اسے راستے میں روک لیتی تھی، اس کے گھر چلی جاتی تھی اور ایک روز اس نے عثمان صارم سے پوچھا۔ "عثمان! النور کہاں ہے؟"

"تمہاری قوم کے کسی گناہگار کے پاس"۔ عثمان صارم نے جل کر جواب دیا۔ "اس پر اللہ کی لعنت"۔

"رحمت کہو عثمان!"۔ ریتی نے کہا۔ "تم ہمارے خلاف لڑ کر مرنے والوں کو شہید کہا کرتے ہو۔ النور شہید ہو گئی ہے۔"

عثمان صارم چکرا گیا۔ اسے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"اور ان دو لڑکیوں کو اٹھانے والوں میں تم بھی تھے۔" ریتی نے کہا۔ "لیکن تم ابھی تک گرفتار نہیں ہوئے۔ میں نے کہا تھا نا کہ تمہاری قید اور آزادی کے درمیان میرا وجود حائل ہے۔... کہو۔ اور کتنی قربانی مانگتے ہو؟"

عثمان صارم آخر نوجوان تھا۔ جسم میں جتنا جوش اور جذبہ تھا اتنی عقل نہیں تھی۔ وہ دانشمند نہیں تھا۔ ریتی کی باتوں نے اسے پریشان کر دیا۔ اس نے جھنجھلا کر پوچھا۔ "ریتی! تم کیا چاہتی ہو؟"

"ایک یہ کہ میری محبت قبول کر لو"۔ ریتی نے جواب دیا۔ "دوسرے یہ کہ ان زمین دوز حرکتوں سے باز آ جاؤ۔"

"تم اپنی قوم اور اپنی حکومت سے محبت کرتی ہو۔" عثمان صارم نے کہا۔ "اگر تمہارے دل میں میری محبت اتنی ہی شدید ہے تو میری قوم سے ہمدردی کیوں نہیں کرتی؟"

"مجھے نہ اپنی قوم سے محبت ہے نہ تمہاری قوم سے۔" ریتی نے کہا۔ "میں تمہیں خطرناک کارروائیوں سے صرف اس لیے روک رہی ہوں کہ تم مارے جاؤ گے۔ حاصل کچھ بھی نہ ہوگا۔ میں جذباتی نہیں حقیقت کی بات کر رہی ہوں کہ سلطان ایوبی کرک فتح نہیں کر سکے گا۔ میں اپنے باپ کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق بات کر رہی ہوں۔ جنگ محاصرے کی نہیں ہوگی، باہر کرک سے دور ہوگی۔ ہمارے کمانڈر ایوبی کی چالیں سمجھ گئے ہیں۔ شوبک کی شکست سے انہوں نے سبق حاصل کر لیا ہے۔ اب کرک کے محاصرے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اگر تم لوگوں نے شہر کے اندر سے کوئی کارروائی کی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مارے جاؤ گے یا گرفتار ہو کر باقی عمر ناقابل برداشت اذیتوں میں

گزار دوگے۔ میں تمہیں صرف زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔"

عثمان صارم سر جھکائے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔ اسے ریٹی کی آواز سنائی دی ـــ "سوچو عثمان! سوچو۔ میری باتیں ایک غیر قوم کی لڑکی کی باتیں سمجھ کر ذہن سے اتار نہ دینا۔"

☆

"میں آپ سب کو ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ یہ کرک ہے شوبک نہیں"۔ سلطان ایوبی نے اپنے کمانڈروں کو آخری ہدایات دیتے ہوئے کہا ـــ "صلیبی چوکنے اور بیدار ہیں۔ میری جاسوسی مجھے بتا رہی ہے کہ ہمیں ایک جنگ کرک سے باہر لڑنی پڑے گی۔ شہر کے اندر سے مسلمانوں نے کوئی زمین دوز کارروائی کی تو شاید وہ ہمارے کام نہیں آسکے گی۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بے چارے مارے جائیں گے۔ میں انہیں اتنے بڑے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ انہیں بچانے کی ایک ہی صورت ہے کہ حملہ تیز اور بہت سخت کرو"ـــ ایسے ہی چند اور ضروری احکامات کے بعد سلطان ایوبی نے اُس فوج کو کوچ کا حکم دے دیا جسے کرک کا محاصرہ کرنا تھا۔

کوچ سورج غروب ہونے کے بعد کیا گیا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ صبح طلوع ہونے تک فوج کرک کے مضافات میں پہنچ گئی جہاں سے محاصرے کی ترتیب میں آگے بڑھی۔ اس فوج کے سالار کے لیے یہ ایک عجوبہ تھا کہ راستے میں اُسے صلیبیوں کا کوئی ایک دستہ بھی نظر نہ آیا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ صلیبیوں نے باہر بھی فوج خیمہ زن کر رکھی ہے۔ اُسے ایسے راستے سے بھیجا گیا تھا جس طرف صلیبیوں کی فوج نہیں تھی۔ پھر بھی مزاحمت ضروری تھی جو بالکل ہی نہ ہوئی۔ مسلمانوں کی اس فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کی دیواروں سے تیروں کی بارش برسنے لگی۔ سلطان ایوبی کی فوج نے اس کے جواب میں کوئی شدید کارروائی نہ کی۔ اس کے کمانڈر ادھر اُدھر سے دیواروں پر چڑھنے یا نقب لگانے یا کسی دروازے کو توڑ کر اندر جانے کے امکانات دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے تیراندازوں کو بھی خاموش رکھا۔ ان کے ساتھ وہ جاسوس تھے جو شہر سے واقف تھے۔ وہ انہیں بتا رہے تھے کہ اندر کون سی اہم جگہ کہاں ہے۔

شہر کے اندر ابھی کسی کو خبر نہیں ملی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے لیکن یہ محاصرہ ابھی مکمل نہیں تھا۔ عقب ابھی خالی تھا جہاں دو دروازے تھے۔ اچانک قلعے کے اندر فوجی علاقے میں آگ برسنے لگی۔ یہ آتش گیر مادے والی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی ایجاد تھی۔ یہ منجنیقوں سے اندر پھینکی جا رہی تھیں۔ شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی فوج قلعے کی دیوار پر چڑھ گئی اور باہر کو تیر پہ تیر چلا رہی تھی۔ شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ عیسائی اور یہودی باشندے گھروں میں دبک گئے۔ مسلمان باشندے دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ وہ سلطان ایوبی کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ مسلمان ایسے تھے جو دعاؤں کے ساتھ بڑی خطرناک سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ یہ وہاں کے نوجوان تھے، جن میں لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں سلطان ایوبی کے چند چھاپہ مار بھی تھے۔ شہر کی افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ کہیں اکٹھے ہو گئے اور قلعے کے بڑے دروازے کو اندر سے کھولنے یا توڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دروازہ بہت مضبوط اور موٹی لکڑی کا تھا جس پر لوہے کی موٹی موٹی پتریاں بھی مڑھی ہوئی تھیں۔ اُسے توڑنا آسان نہیں تھا۔ باہر سے مسلمان فوج نے دروازے پر منجنیقوں سے ہانڈیاں پھینکیں۔ یہ دوسری قسم کی تھیں۔ یہ ٹوٹتی تھیں تو اُن میں سے سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر جلنے والے آتشیں تیر چلائے جاتے تو سیال مادہ کو آگ لگ جاتی تھی۔ اس طریقے سے دروازے کو آگ لگائی گئی لیکن لوہے نے لکڑی کو نہ جلنے دیا۔ دروازہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اوپر سے صلیبیوں نے وہ تیر برسانے شروع کر دیئے جو بہت دُور تک جاتے تھے۔ یہ منجنیقوں تک پہنچ گئے جن سے کئی آدمی زخمی اور شہید ہو گئے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے منجنیقیں پیچھے کرلی گئیں اور آگ پھینکنے کا طریقہ ناکام ہو گیا۔

آخر مسلمان تیراندازوں کو حکم دے دیا گیا کہ قلعے کی دیواروں پر جو دشمن کے سپاہی ہیں اُن پر تیر برسائیں۔ سارا دن دونوں طرف سے تیراندازی ہوتی رہی۔ ہوا میں صرف تیر اڑتے نظر آتے تھے۔ صلیبی دفاعی پوزیشنوں میں تھے اور دیواروں کی بلندی پر بھی تھے، اس لیے زیادہ نقصان مسلمان فوج کا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے نقب زن جو قلعوں کی دیواریں توڑنے کے ماہر تھے، ہر طرف گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ دیوار میں کہاں شگاف ڈالا جا سکتا ہے۔ وہاں چاروں طرف سے اتنے تیر آ رہے تھے کہ دیوار کے قریب جانا خودکشی کے برابر تھا۔ شام سے کچھ دیر پہلے نقب زنوں کی آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت آگے بڑھی۔ یہ جانباز جب دیوار سے تھوڑی دور رہ گئے تو اوپر سے اُن پر اس قدر تیر برسے اور تیروں کے ساتھ اتنی زیادہ برچھیاں آئیں کہ آٹھوں جانباز وہیں شہید ہو گئے۔ ایک ایک کے جسم میں کئی کئی تیر اور برچھیاں لگیں۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ ریٹی اپنے گھر میں تھی۔ اُس کا باپ تھکا ہوا آیا تھا۔ یہ کہہ کر سو گیا کہ جلدی جاگ اٹھے گا کیونکہ رات کو بھی اُسے کام پر جانا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ شہر کے مسلمانوں کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ وہ اندر سے کوئی بڑی خطرناک کارروائی کرنے والے ہیں۔ ہمیں ہر ایک مسلمان گھرانے پر نظر رکھنی پڑے گی۔ یہ کہہ کر وہ سو گیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو کسی ملازم کی بجائے ریٹی نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک مسلمان کھڑا تھا جو بڑی اونچی حیثیت کا مالک تھا۔ صلیبیوں کی طرف سے اُسے خوب انعام واکرام ملتا تھا۔ ریٹی نے اُسے بتایا کہ اس کا باپ سویا ہوا ہے۔ وہ پیغام دے دے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جاگے گا تو اُسے بتا دیا جائے گا۔ مسلمان نے کہا کہ وہ خود بات کرنا چاہتا ہے۔ بات بہت اہم اور نازک ہے۔

"آج رات مسلمانوں کے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے"۔ ریٹی کے پوچھنے پر اُس نے مختصراً بتایا۔ اُس نے کہا ـــ "میں نے ان کا ہمدرد اور ساتھی بن کر یہ راز حاصل کیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ان میں باہر سے آئے ہوئے چھاپہ مار بھی ہیں اور نیا انکشاف یہ ہے کہ وہ غریب سا موچی جو راستے میں بیٹھا رہتا ہے وہ سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہے اور اس کا نام برجیس ہے..... میں تمہارے والد کو یہ خبر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان لوگوں کو پھانسنے کے لیے گھات لگائی جائے"۔

ریٹی نے چند ایک مسلمان نوجوانوں کے نام لے کر عثمان صارم کا بھی نام لیا اور پوچھا ـــ "کیا یہ لڑکے

بھی اس مہم میں شامل ہیں؟"

"صارم کا بیٹا عثمان تو اس گروہ کا سرغنہ ہے" ــــ مسلمان مخبر نے بتایا ــــ "اور ان کا سب سے بڑا سرغنہ امام رازی ہے"

"آپ تھوڑی دیر تک آجائیں" ــ ریمی نے اسے کہا ــ "باپ کو ذرا سی دیر سونے دیں"

مگر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ صلیبیوں کو خوش کرنے اور ان سے انعام وصول کرنے کا اسے نہایت موزوں موقع مل گیا تھا۔ اس کے متعلق مسلمانوں کو معلوم نہیں تھا کہ قرآن کی بجائے صلیب کا وفادار ہے۔ اُسی روز مسلمان نوجوانوں اور چھاپہ ماروں نے دیوار توڑنے کی سکیم بنائی تھی۔ اس خفیہ اجتماع میں تین چار بزرگ، امام اور یہ مسلمان بھی تھا جس نے لڑکوں کو اچھے مشورے دیئے اور سب سے زیادہ جذبے کا اظہار کیا تھا۔ مسلمانوں کو شک تک نہ ہوا کہ وہ صلیبیوں کا پالا ہوا سانپ ہے۔ سبھی اُسے شہر کا امیر اور معزز تاجر سمجھتے تھے جس کے حسنِ سلوک کی بدولت صلیبی بھی اُس کی عزت کرتے تھے۔

وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ ریمی گہری سوچ میں کھو گئی۔ اس نے اُسے اندر بٹھانے کی بجائے یہ کہا کہ وہ اُسے پوری بات سنائے اور یہ بھی کہا کہ آؤ ذرا باہر ٹہل لیتے ہیں، اتنی دیر میں باپ جاگ اٹھے گا۔ وہ تو صلیبیوں کا غلام تھا۔ اتنے بڑے افسر کی بیٹی کے ساتھ خراماں خراماں چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ کنوئیں تک پہنچ گئے۔ یہ کنواں شہریوں کے لیے کھدوایا گیا تھا۔ بہت ہی دور سے پانی نکلا تھا۔ ریمی کنوئیں کے منہ پر رک گئی۔ مسلمان مخبر اُسے بات سنا رہا تھا۔ وہ بھی کنوئیں کے قریب کھڑا تھا۔ ریمی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے دھکا دیا۔ مسلمان پیچھے کو گرا اور سیدھا کنوئیں میں گیا۔ اُس کی چیخ سنائی دی جو دھڑام کی آواز میں ختم ہوگئی۔

ریمی اس مسرت کے ساتھ گھر آگئی کہ اُس نے ایک ایسا راز کنوئیں میں ڈبو دیا ہے جو عثمان صارم کی یقینی موت کا باعث بن سکتا تھا۔

☆

وہاں سے وہ دوڑتی ہوئی عثمان صارم کے گھر گئی۔ اُس کی ماں کے پاس میٹھی المنور کی باتیں کرتی رہی۔ اُس نے عثمان کے متعلق پوچھا تو اُس کی ماں نے بتایا کہ وہ شام کے بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ ریمی کو خیال آگیا کہ وہ دیوار توڑنے کی مہم پر چلا گیا ہوگا۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ ان کے اجتماع میں کوئی اور مُخبر بھی ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور نے فوج کو اطلاع دے دی ہو۔ وہ باہر نکل گئی اور اُس طرف چل پڑی جس طرف سے ان لوگوں نے دیوار توڑنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اُس مسلمان نے جسے اُس نے کنوئیں میں پھینک دیا تھا بتایا تھا کہ چھاپہ مار دیوار کے اوپر جاکر صلیبی تیر اندازوں کو ایسے طریقے سے ختم کریں گے کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نیچے سے دیوار کھودیں گے۔ دیوار مٹی کی تھی۔ اس کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اوپر دو گھوڑے پہلو بہ پہلو آسانی سے دوڑ سکتے تھے۔ مٹی کی وجہ سے اس کی کھدائی مشکل نہیں، وقت طلب تھی۔ اس پارٹی نے بوقت ضرورت لڑائی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ان کے پاس خنجر اور برچھیاں بھی

تھیں۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دلیرانہ مہم تھی جس کی ناکامی کے امکانات زیادہ تھے۔ انھوں نے جگہ ایسی منتخب کی تھی جہاں پکڑے جانے کا امکان ذرا کم تھا۔

یہ گروہ مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ریمی اُسی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ وہ عثمان صارم کو روکنا چاہتی تھی۔ اُسے شاید علم ہوگیا تھا کہ یہ لوگ پکڑے جائیں گے اور عثمان صارم مارا جائے گا۔ ان جانبازوں کا چلنے کا طریقہ اور راستہ کچھ اور تھا۔ ریمی پہلے وہاں پہنچ گئی جہاں سے دیوار توڑنی تھی۔ وہاں ابھی کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اُس نے اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اچانک پیچھے سے اُسے کسی نے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر پرے لے گیا۔ یہ ایک فوجی تھا۔ پرے لے جاکر فوجی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے باپ کا نام لیا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے چلی جائے مگر وہ وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتی تھی۔ وہاں دراصل فوج کا ایک پورا دستہ چھپا ہوا تھا۔ اس کے کمانڈر نے ریمی کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ یہاں نقب لگانے آرہا ہے اور اُسے پکڑنے کے لیے گھات لگائی گئی ہے ... یہ اطلاع ایک اور مسلمان مخبر نے فوج کو دی تھی۔

ریمی انہیں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ گھات سے اُٹھ جائیں۔ وہ تو صرف عثمان صارم کو بچانا چاہتی تھی۔ اس مسلمان نوجوان کی محبت نے اُس کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اتنے میں ایک فوجی نے کہا ــ "اطلاع غلط نہیں تھی، وہ آرہے ہیں" ــــ ریمی تڑپ اٹھی۔ اُس نے چلا کر کہا ــ "عثمان! واپس چلے جاؤ" ــــ دستے کے کمانڈر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا ــ "یہ بدبخت جاسوس معلوم ہوتی ہے۔ اسے گرفتار کرو" ــــ لیکن گرفتاری کی انہیں مہلت نہ ملی کیونکہ کچھ دور سے شور شرابہ سنائی دینے لگا تھا۔

جانبازوں کی یہ پارٹی سیدھی گھات میں آگئی تھی۔ صلیبیوں کے دستے کی تعداد زیادہ تھی۔ پیشتر اس کے کہ جانباز سنبھلتے وہ گھیرے میں آچکے تھے۔ مشعلیں جل اٹھیں جن کی روشنی میں جانباز صاف نظر آنے لگے۔ ان کے پاس کھدائی کا سامان، برچھیاں اور خنجر تھے۔ بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ان میں گیارہ لڑکیاں تھیں۔ صلیبی کمانڈر نے بآوازِ بلند کہا ــــ "لڑکیوں کو زندہ پکڑو" ــــ چھاپہ ماروں میں سے کسی نے کہا ــ "مجاہدو! بھاگنا نہیں۔ ایک ایک لڑکی کو ساتھ رکھو"

اور جو معرکہ لڑا گیا، وہ بڑا ہی خونریز تھا۔ چھاپہ مار تو تربیت یافتہ لڑاکے تھے، خوب لڑے لیکن لڑکوں اور لڑکیوں نے صلیبیوں کو حیران کردیا۔ لڑکیاں ڈرنے کی بجائے نوجوانوں کو للکار رہی تھیں۔ انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش میں متعدد صلیبی ان کے خنجروں کا شکار ہوگئے مگر صلیبی تعداد میں زیادہ تھے۔ چونکہ یہ معرکہ قلعے میں لڑا جا رہا تھا اس لیے صلیبی فوج کے دو دستے آگئے۔ اس معرکے میں ایک نسوانی آواز بار بار سنائی دیتی تھی ــــ "عثمان نکل جاؤ... عثمان! تم نکل جاؤ" ــــ یہ ریمی کی آواز تھی۔ اُس وقت تک عثمان صارم لڑ رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک صلیبی آیا۔ عثمان کے پاس خنجر تھا اور صلیبی کے پاس تلوار۔ اچانک اس صلیبی کی پیٹھ میں ایک خنجر داخل ہوگیا۔ یہ ریمی کا خنجر تھا۔ ایک اور صلیبی نے اُسے للکارا۔ اُس نے مرے ہوئے صلیبی کی تلوار اٹھالی اور مقابلے پر اُتر آئی۔ عثمان صارم اُس کی مدد کے لیے آگے بڑھا لیکن کسی صلیبی کی تلوار نے اُسے شہید کردیا۔ کچھ دیر بعد

جانبازوں میں صرف دو لڑکیاں زندہ رہیں۔ وہ اکٹھی تھیں اور بہت سے صلیبیوں کے گھیرے میں آگئیں۔ گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ خنجر پھینک دیں۔ دونوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ دونوں نے بیک وقت اپنا اپنا خنجر اپنے اپنے دل پر رکھا اور دوسرے لمحے انہوں نے خنجر اپنے دلوں میں اتار دیئے۔ رینی کو زخمی کر کے پکڑ لیا گیا تھا۔ اُس نے بعد میں پاگل پن کی کیفیت میں بیان دیا کہ وہ اس سکیم کو ناکام کر کے عثمان صارم کو بچانا چاہتی تھی۔

قلعے کی دیوار توڑنے کی اُمید ختم ہو گئی۔ شہر کے اندر مسلمانوں کی تخریب کاری بھی ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کی قیادت کرنے والے جانباز شہید ہو چکے تھے۔ برجیس بھی شہید ہو چکا تھا۔ لیکن سلطان ایوبی کی اُمیدیں صرف ان سرفروشوں کے ساتھ وابستہ نہیں تھیں۔ وہ قلعے سَر کرنا جانتا تھا۔ ابھی تو محاصرے کا دوسرا دن تھا مگر اب کے صلیبیوں نے بھی قسم کھالی تھی کہ وہ کرک کا قلعہ سلطان ایوبی کو نہیں دیں گے۔ ☆

میرے فلسطین میں آؤں گا

صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے غیر معمولی طور پر مستحکم مستقر کرک پر ایسی بے خبری میں حملہ کیا تھا کہ صلیبیوں کو اُس وقت خبر ہوئی جب سلطان ایوبی کی فوج کرک کو محاصرے میں لے چکی تھی لیکن محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ یہ سطحی محاصرہ تھا۔ جاسوسوں نے سلطان ایوبی کو یقین دلایا تھا کہ کرک شہر کے مسلمان باشندے اُن چھاپہ ماروں کے ساتھ جنہیں سلطان ایوبی نے پہلے ہی شہر میں داخل کر دیا تھا، اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے۔ محاصرے کے چوتھے پانچویں روز اندر سے ایک جاسوس نے باہر آ کر سلطان ایوبی کو یہ اطلاع دی کہ تمام چھاپہ مار اور چند ایک مسلمان شہری دیوار توڑنے کی کوشش میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان میں مسلمان لڑکیاں بھی تھیں، اور ان میں ایک عیسائی لڑکی بھی شامل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی بتایا گیا کہ کسی ایمان فروش مسلمان نے اس جانباز جماعت میں شامل ہو کر دشمن کو اطلاع دے دی تھی جس کے نتیجے میں دشمن نے گھات لگائی اور ساری کی ساری جماعت کو شہید کر دیا۔ یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اب اندر سے دیوار توڑنے کی اُمیدیں ختم ہو چکی ہیں۔

اُمیدیں ختم ہوتی ہی تھیں۔ صلیبیوں نے جب دیکھا کہ دیوار توڑنے والوں میں کرک کے مسلمان نوجوانوں اور لڑکیوں کی لاشیں تھیں تو انہوں نے مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ اندھا دھند شروع کر دی۔ لڑکیوں تک کو نہ بخشا۔ جوانوں کو بیگار کیمپ میں، بوڑھوں کو اُن کے اپنے گھروں میں اور جوان لڑکیوں کو قلعے کی فوجی بارکوں میں قید کر دیا۔ ان میں سے کچھ لڑکیوں نے خودکشی بھی کر لی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ کفار اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ صلاح الدین ایوبی کو بھی یہی غم کھانے لگا کہ کرک کے مسلمانوں کو یہ قربانی بہت مہنگی پڑے گی۔ اُس نے جب ان جانبازوں کی خبر سنی تو اپنے نائبین سے کہا ــــــ "یہ کارستانی صرف ایک ایمان فروش مسلمان کی ہے۔ اس ایک غدار نے اسلام کی اتنی بڑی فوج کو بے بس کر دیا ہے۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے نام پر جانیں قربان کر دیں، ایک یہ مسلمان ہیں جنہوں نے اللہ کا ایمان کفار کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔ یہ غدار اسلام کی تاریخ کا رُخ پھیر رہے ہیں"۔ ... سلطان ایوبی غصے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ران پر گھونسہ مار کر بولا ــــــ "میں کرک کو بہت جلدی فتح کروں گا اور ان غداروں کو سزا دوں گا"۔

سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا افسر زاہدان خیمے میں داخل ہوا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا ــــــ "آج رات کو محاصرہ مکمل ہو جانا چاہیے۔ میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں کہ کون سے دستے کرک کے پیچھے بھیجے جائیں"۔

"مداخلت کی معافی چاہتا ہوں امیر مصر!" زاہدان نے کہا ـــــ "اب شاید آپ محاصرہ مکمل نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے کچھ وقت ضائع کر دیا ہے۔"

"کیا تم کوئی نئی خبر لائے ہو؟" ـــــ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُس سے پوچھا۔

"آپ نے جس کامیابی سے دشمن کو بے خبری میں آن لیا تھا، اس سے آپ پورا فائدہ نہیں اٹھا سکے۔" زاہدان نے جواب دیا۔ وہ ایسے بے دھڑک انداز سے بول رہا تھا جیسے اپنے سے چھوٹے عہدے کے آدمی کو ہدایات دے رہا ہو۔ سلطان ایوبی نے اپنے تمام سینئر اور جونیئر کمانڈروں اور تمام شعبوں کے سربراہوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اُسے بادشاہ سمجھ کر فرشی سلام نہ کیا کریں، مشورے دلیری اور خود اعتمادی سے دیں اور نکتہ چینی کھل کر کیا کریں۔ زاہدان انہی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس کی حیثیت ایسی آنکھ کی سی تھی جو اندھیروں میں بھی دیکھ لیتی تھی اور وہ ایسا کان تھا جو اپنے جاسوسوں کے ذریعے سینکڑوں میل دور دشمن کی سرگوشیاں بھی سن لیا کرتا تھا۔ سلطان ایوبی کو اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کامیاب جاسوسی کے بغیر جنگ نہیں جیتی جا سکتی، خصوصاً اس صورت حال میں جبکہ صلیبیوں نے سلطنتِ اسلامیہ میں جاسوسوں اور تخریب کاری کا جال بچھا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کو نہایت اعلیٰ اور غیر معمولی طور پر ذہین اور تجربہ کار جاسوسوں کی ضرورت تھی۔ اس میدان میں وہ پوری طرح کامیاب تھا۔ اس کی انٹیلی جنس کے تین افسر علی بن سفیان اور اُس کے دو نائب، حسن بن عبداللہ اور زاہدان جانباز قسم کے سراغرساں اور جاسوس تھے۔ انہوں نے اس محاذ پر صلیبیوں کے کئی وار بیکار کیے تھے۔

"آپ کو معلوم تھا کہ صلیبیوں نے جہاں کرک کا دفاع مضبوط کر رکھا ہے، وہاں بہت سی فوج کرک سے دور خیمہ زن کر رکھی ہے۔" زاہدان نے کہا ـــــ "آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اس فوج کو باہر سے محاصرہ توڑنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جاسوسوں کی اطلاعیں صاف بتا رہی تھیں کہ اب صلیبی قلعے سے باہر لڑیں گے، پھر بھی آپ نے فوری طور پر محاصرہ مکمل نہیں کیا۔ اس سے دشمن نے فائدہ اٹھا لیا ہے۔"

"تو کیا انہوں نے حملہ کر دیا ہے؟" سلطان صلاح الدین ایوبی نے بے تابی سے پوچھا۔

"آج شام تک اُن کی فوج اُس مقام پر آ جائے گی جہاں ہماری کوئی فوج نہیں۔" زاہدان نے جواب دیا ـــــ "میرے جاسوس جو اطلاعیں لائے ہیں وہ یہ ہیں کہ صلیبی فوج گھوڑ سوار اور شتر سوار ہو گی۔ پیادہ دستے بہت کم ہیں۔ وہ محاصرے کی جگہ پر آ جائیں گے اور دائیں بائیں حملے کریں گے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمارا محاصرہ ٹوٹ جائے گا۔ صلیبیوں کی تعداد بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔"

"میں تمہیں اور تمہارے جاسوسوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جو یہ اطلاعیں لائے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا ـــــ "میں جانتا ہوں یہ کام کتنا دشوار اور خطرناک ہے۔ میں تم سب کو یقین دلاتا ہوں کہ صلیبی ہمارے محاصرے کا جو خلا پُر کرنے اور محاصرہ توڑنے آ رہے ہیں، میں انہیں اسی خلا میں گم کر دوں گا۔ مجھے اللہ کی مدد پر بھروسہ ہے۔ اگر تم میں کوئی غدار نہیں تو اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔"

"ابھی وقت ہے۔" ایک نائب سالار نے کہا ـــــ "اگر آپ حکم دیں تو ہم محفوظہ کے تین چار دستے صلیبیوں

کے پہنچنے سے پہلے بھیج دیتے ہیں۔ محاصرے کا خلا پُر ہو جائے گا اور صلیبیوں کا حملہ ناکام ہو جائے گا۔"

سلطان ایوبی کے چہرے پر پریشانی یا اضطراب کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا۔ اس نے زاہدان سے پوچھا ـــــ "اگر تمہاری اطلاع بالکل صحیح ہے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ صلیبی فوج کس وقت حملے کے مقام پر پہنچے گی؟"

"اُن کی پیشقدمی خاصی تیز ہے۔" زاہدان نے جواب دیا ـــــ "اُن کے ساتھ خیمے اور رسد نہیں آ رہی۔ پیچھے آ رہی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راستے میں کوئی پڑاؤ نہیں کریں گے۔ اگر وہ اسی رفتار پر آتے رہے تو رات گہری ہونے تک پہنچ جائیں گے۔"

"خدا کرے کہ وہ راستے میں نہ رکیں۔" سلطان ایوبی نے کہا ـــــ "مگر وہ تھکے ہوئے اور بھوکے پیاسے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ حملہ نہیں کریں گے۔ حملے کے مقام پر آ کر جانوروں کو آرام اور خوراک دیں گے۔ اس دوران وہ دیکھیں گے کہ ہم نے جو محاصرہ کر رکھا ہے اس میں خلا ہے یا نہیں۔ صلیبی اتنے کوڑھ مغز نہیں کہ ایسی پیش بینی اور پیش بندی نہ کریں" ـــــ سلطان ایوبی نے اپنے عملے کے دو تین حکام کو بلایا اور انہیں نئی صورت حال سے آگاہ کر کے کہا ـــــ "صلیبی ہمارے جال میں آ رہے ہیں۔ قلعے کے عقب میں ہم نے محاصرے میں جو خلا چھوڑ دیا ہے اسے اور زیادہ کھلا کر دو۔ دائیں اور بائیں کے دستوں سے کہو کہ اُن پر عقب سے حملہ آ رہا ہے۔ اپنے پہلوؤں کو مضبوط کر لیں اور دشمن کو اپنے درمیان آنے دیں۔ کوئی تیرانداز حکم کے بغیر کمان سے تیر نہ نکالے۔"

اس قسم کے احکام کے بعد سلطان ایوبی نے پیادہ اور سوار تیراندازوں کے چند ایک دستوں کو جو اُس نے ریزرو میں رکھے ہوئے تھے، سورج غروب ہوتے ہی ایسے مقام پر چلے جانے کو کہا جو صلیبیوں کے حملے کے ممکنہ مقام کے قریب تھا۔ وہ علاقہ میدانی نہیں تھا اور صحرا کی طرح ریتلا بھی نہیں تھا۔ وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کا علاقہ تھا۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر کو بھی بلا لیا تھا۔ اُسے اُس نے یہ کام سونپا کہ صلیبیوں کی فوج کے پیچھے فلاں راستے سے یہ رسد آ رہی ہے جو رات کو راستے میں تباہ کرنی ہے۔ ایسے اور کئی ایک ضروری احکامات دے کر سلطان ایوبی خیمے سے نکلا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنے عملے کے ضروری افراد کو ساتھ لیا اور محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

صلاح الدین ایوبی خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے والا انسان نہیں تھا۔ اُس نے دور سے محاصرے کا جائزہ لیا اور اپنے عملے سے کہا ـــــ "صلیبیوں سے یہ قلعہ لینا آسان نہیں۔ محاصرہ بڑے لمبے عرصے تک قائم رکھنا پڑے گا۔"

اُس نے دیکھا کہ قلعے کی سامنے والی دیوار سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ قلعے کے دروازے تک پہنچنا ناممکن تھا... سلطان ایوبی کی فوج تیروں کی زد سے دور تھی۔ جوابی تیراندازی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سلطان ایوبی قلعے کے پہلو کی طرف گیا۔ وہاں اُسے ایک ولولہ انگیز منظر نظر آیا۔ اس کا ایک دستہ حیران کن تیزی سے قلعے کی دیوار پر تیر برسا رہا تھا۔ چھ منجنیقیں آگ پھینک رہی تھیں۔ دیوار پر جہاں تیر اور آگ کے گولے جا رہے تھے وہاں کوئی صلیبی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دبک گئے تھے۔ سلطان ایوبی دور کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کے تقریباً چالیس سپاہی انتہائی دلیرانہ ہمت اور کدالیں

اٹھائے دیوار کی طرف سرپٹ دوڑ پڑے اور دیوار تک پہنچ گئے۔ قلعے کی دیوار پتھروں اور مٹی کی تھی۔ انہوں نے دیوار توڑنی شروع کر دی۔ اسی مقصد کے لیے ادھر تیر اور آگ کے گولے برسائے جا رہے تھے کہ اوپر سے دشمن اُن پر دیوار توڑتے وقت تیر نہ چلا سکے۔

سلطان ایوبی کے منہ سے بے اختیار نکلا — "آفریں" — مگر اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ قلعے کی دیوار پر للکار سنائی دی۔ عین اُس جگہ کے اوپر سے جہاں سلطان ایوبی کے جانباز دیوار توڑ رہے تھے بہت سے صلیبیوں کے سر اور کندھے نظر آئے۔ پھر بڑے بڑے ڈول اور ڈرم نظر آئے۔ یہ الٹا دیے گئے۔ ان میں سے جلتی ہوئی لکڑیاں اور انگارے نکلے جو ان مجاہدین پر گرے جو نیچے دیوار توڑ رہے تھے۔ مجاہدین نے آگے جا کر تیر برسانے شروع کر دیے جن میں متعدد صلیبی گھائل ہو گئے۔ دیوار کی کسی اور طرف سے تیر آئے جنہوں نے مجاہدین تیر اندازوں کو زخمی اور شہید کر دیا۔ پھر دونوں طرف سے اس قدر تیر برسنے لگے کہ ہوا میں اڑتے ہوئے تیروں کا جال تن گیا۔ جانباز دیوار توڑ رہے تھے۔ یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ دیوار بہت ہی چوڑی تھی۔ نیچے سے اس کی چوڑائی اوپر کی نسبت زیادہ تھی۔ ان جانبازوں پر اوپر سے تیر نہیں چلایا جا سکتا تھا مگر ان پر جلتی لکڑیاں اور دہکتے انگارے پھینکے جا رہے تھے۔ آگ کے ڈول اور ڈرم پھینکنے والوں میں بظاہر کوئی بھی مسلمان تیر اندازوں سے بچ کر نہیں جاتا تھا لیکن وہ تیر کھا کر گرنے سے پہلے آگ انڈیل دیتے تھے۔

نیچے یہ عالم تھا کہ آگ بھڑک رہی تھی اور دیوار توڑنے والے شعلوں اور انگاروں میں بھی دیوار توڑ رہے تھے۔ تیروں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ آخر دیوار توڑنے والے جھلس گئے اور ان میں سے چند ایک اس حالت میں پیچھے کو دوڑے کہ اُن کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ دیوار سے ہٹے ہی تھے کہ اوپر سے تیر آئے جو اُن کی پیٹھوں میں اُتر گئے۔ اس طرح ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ آ سکا۔ دس اور مجاہدین دیوار کی طرف دوڑے اور دشمن کے تیروں میں سے گزرتے دیوار تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے دیوار کے بہت سے پتھر نکال لیے۔ اُوپر سے اُن پر بھی آگ کے ڈرم اور ڈول انڈیل دیے گئے۔ آگ پھینکنے والوں سے دو تین اوپر اٹھ گئے تھے کہ مجاہدین کے تیر سینوں میں کھا کر وہ پیچھے گرنے کی بجائے آگے کو گرے اور دیوار سے سیدھے نیچے اپنی ہی پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے، مگر دیوار توڑنے والوں میں سے بھی کوئی زندہ نہ بچا۔

سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس دستے کے کمانڈر کے پاس جا کر کہا — "تم پر اور تمہارے جانبازوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ اسلام کی تاریخ ان سب کو ہمیشہ یاد رکھے گی جو اللہ کے نام پر جل گئے ہیں۔ اب یہ طریقہ چھوڑ دو۔ پیچھے ہٹ آؤ۔ اتنی تیزی سے انسان اور تیر ختم نہ کرو۔ صلیبی اس قلعے کے لیے اتنی زیادہ قربانی دے رہے ہیں جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور ہم بھی اتنی زیادہ قربانی دیں گے جس کا صلیبی تصور نہیں کر سکتے۔" کمانڈر نے کہا — "دیوار یہیں سے ٹوٹے گی اور ہم آپ کو یہیں سے اندر لے جائیں گے۔"

"اللہ تمہاری آرزو پوری کرے۔" سلطان ایوبی نے کہا — "اپنے مجاہدین کو بچا کر رکھو۔ صلیبی باہر سے حملہ کر

رہے ہیں۔ تمہیں شاید باہر لڑنا پڑے گا۔ محاصرہ مضبوط رکھو۔ ہم صلیبیوں کو اندر بھوکا ماریں گے۔"

اس دستے کو پیچھے ہٹا لیا گیا مگر کمانڈر نے سلطان ایوبی سے کہا — "سالارِ اعظم کی اجازت ہو تو میں شہیدوں کی لاشیں اٹھوا لوں؟ اس مقصد کے لیے مجھے پھر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

"ہاں!" سلطان ایوبی نے کہا — "اٹھوا لو۔ کسی شہید کی لاش باہر نہ پڑی رہے۔"

سلطان ایوبی وہاں سے چلا گیا۔ اس جانباز دستے نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھائیں، وہ ایک ولولہ انگیز منظر تھا۔ جتنی لاشیں اٹھائی تھیں اتنے ہی مجاہدین شہید ہو گئے۔ سلطان ایوبی دُور نکل گیا تھا۔ جنگ کے دوران وہ اپنا پرچم ساتھ نہیں رکھا کرتا تھا تاکہ دشمن کو معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اپنی فوج سے دُور ہٹ گیا اور بہت دُور جا کر وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں چلا گیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر جا کر لیٹ گیا تاکہ اسے دشمن نہ دیکھ سکے۔ اُسے قلعہ اور شہر کی دیوار نظر آ رہی تھی اور کم و بیش ایک میل لمبا وہ علاقہ بھی نظر آ رہا تھا جہاں ابھی اُس کی فوج نہیں پہنچی تھی۔ اس نے ٹیلوں کے علاقے کا جائزہ لیا۔ ہر جگہ گھوما پھرا۔

اسی جائزے اور دیکھ بھال میں سورج غروب ہو گیا۔ وہ وہیں رہا۔ شام گہری ہوئی تو اُسے اطلاع دی گئی کہ اُس کے حکم کے مطابق پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے دستے آ رہے ہیں۔ اُس نے اپنے قاصد سے کہا کہ کمانڈروں کو بلایا جائے ... جب کمانڈر اس کے پاس آئے تو چھاپہ مار دستے کا کمانڈر بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اُسے سلطان ایوبی نے راستہ بتا کر اپنے ہدف پر چلے جانے کو کہا۔ پھر وہ دوسرے کمانڈروں کو ہدایات دینے لگا۔

☆

رات آدھی گزری تھی کہ دُور سے گھوڑوں کی آوازیں اس طرح سنائی دینے لگیں جیسے سیلاب بند توڑ کر آ رہا ہو۔ چاند پورا تھا۔ چاندنی شفاف تھی۔ صلیبیوں کے گھوڑسوار ٹیلوں اور چٹانوں سے کچھ دُور تک آ گئے۔ اُن کے پیچھے شتر سوار تھے۔ ان کی تعداد کے متعلق مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ غیر مسلم مؤرخوں نے تعداد تین ہزار سے کم بیان کی ہے۔ مسلمان مؤرخ پانچ سے آٹھ ہزار تک بتاتے ہیں۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی جو تحریریں دستیاب ہو سکی ہیں وہ کم سے کم تعداد دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار بتاتے ہیں۔ ان کا کمانڈر ایک مشہور صلیبی حکمران ریمانڈ تھا۔ دو مؤرخوں نے کمانڈر کا نام رینالٹ لکھا ہے لیکن وہ ریمانڈ تھا۔ وہ اسی حملے کے لیے لمبے عرصے سے وہاں سے دُور خیمہ زن تھا۔ اُسے اب رات کو یا صبح ہوتے ہی سلطان ایوبی کی اُس فوج پر حملہ کرنا تھا جس نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

صلیبی سوار گھوڑوں اور اونٹوں سے اُترے۔ گھوڑوں کے ساتھ دانے کی تھیلیاں تھیں جو گھوڑوں کے آگے لٹکا دی گئیں۔ سواروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے جانور کے ساتھ رہیں اور زیادہ دیر کے لیے سو نہ جائیں۔ جانوروں کے لیے چارہ اور پانی کے مشکیزے پیچھے آ رہے تھے۔ صلیبیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں پر عقب سے اچانک حملہ کر کے گھوڑوں کو قلعے کے اندر سے پانی پلائیں گے۔ سلطان ایوبی کے دیدبان صلیبیوں کو بڑی اچھی طرح دیکھ رہے تھے اور گھبرا بھی رہے تھے کیونکہ صلیبیوں کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ طاقت سے وہ محاصرہ توڑ سکتے تھے۔

سحر ابھی دھندلی تھی۔ صلیبیوں کو سوار ہونے، برچھیاں اور تلواریں تیار رکھنے کا حکم ملا۔ یہ دراصل حملے کا حکم تھا۔ وہ ایک بڑی ہی لمبی صف کی صورت میں آگے بڑھے۔ جونہی اگلی صف نے ایڑ لگائی عقب سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ جن سواروں کو تیر لگے، وہ گھوڑوں پر ہی اوندھے ہو گئے یا گر پڑے، اور جن گھوڑوں کو تیر لگے وہ بے قابو ہو کر بھاگ اٹھے۔ اونٹ ابھی پیچھے ہی تھے کہ اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ صلیبی کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہ ہوا کیا ہے اور اُن کی ترتیب بکھرتی کیوں جارہی ہے۔ انہوں نے غصے کی حالت میں چلانا شروع کر دیا۔ زخمی گھوڑوں اور اونٹوں نے جو واویلا بپا کیا اس نے ساری فوج پر دہشت طاری کر دی۔ صبح کا اجالا صاف ہوا تو ریمانڈ کو معلوم ہوا کہ وہ سلطان ایوبی کے گھیرے میں آگیا ہے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ اسے بہت زیادہ سمجھ رہا تھا۔ ایسی صورتِ حال کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔ اُس نے حملہ رکوا دیا لیکن اُس کے سواروں کی اگلی صف اُس غار کے قریب پہنچ چکی تھی جہاں اس پورے لشکر کو پہنچنا تھا۔

محاصرے والی فوج کو پہلے سے ہی خبردار کر دیا گیا تھا۔ وہ اس حملے کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کے مجاہدین نے گرد کے بادل زمین سے اٹھتے اور اپنی طرف آتے دیکھے تو وہ تیار ہو گئے۔ گرد قریب آئی تو اس میں سے گھوڑسوار نمودار ہوئے۔ مجاہدین نے اپنے آپ کو حملہ روکنے کی ترتیب میں کر لیا۔ وہ دائیں اور بائیں تھے۔ جونہی گھوڑے اُن کے درمیان آئے، مجاہدین پہلوؤں سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ تب صلیبی سواروں کو احساس ہوا کہ وہ اپنے لشکر سے کٹ گئے ہیں اور ان کا لشکر اپنی جگہ سے چلا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان اور نگرانی خود کر رہا تھا۔ صلیبی پیچھے کو مڑے تاکہ مقابلہ کریں لیکن سلطان ایوبی نے انہیں یہ چال چل کر بہت مایوس کیا کہ صلیبیوں کا کوئی دستہ سرپٹ رفتار سے کسی طرف حملہ کرتا تھا تو آگے مزاحمت نہیں ملتی تھی۔ البتہ پہلوؤں اور عقب سے اُس پر تیر برستے تھے۔ صلیبی کمانڈروں نے اپنے لشکر کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر دیا۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اُس کی ہدایت کے مطابق آمنے سامنے کے مقابلے کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ صلیبیوں کے گھوڑے تھکے ہوئے تھے، بھوکے اور پیاسے بھی تھے۔ انہیں جنگ روکنی پڑی۔ وہ چارے اور پانی کے منتظر تھے۔ رسد کو صبح تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

دوپہر تک رسد نہ پہنچی۔ چند ایک سوار دوڑائے گئے لیکن وہ مسلمان تیر اندازوں کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ زندہ پیچھے چلے بھی جاتے تو انہیں رسد نہ ملتی۔ وہ رات کو ہی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستے کی لپیٹ میں آگئی تھی۔ اس دستے نے بڑی کامیابی سے شب خون مارا اور رسد تباہ کر دی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ میں سے مزید دستے بلا لیے اور ریمانڈ کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ اگر مسلمانوں کی تعداد صلیبیوں جتنی ہوتی تو وہ حملہ کر کے صلیبیوں کو ختم کر دیتے۔ سلطان ایوبی اپنی نفری ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اس لشکر کو لڑاتے لڑاتے ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں لے جا کر گھیرے میں لے لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا صلیبی بیکار ہوتے جائیں گے، مگر صلیبیوں کو بڑی کامیابی سے گھیرے میں لے کر اُسے خود بھی نقصان ہو رہا تھا۔ اُس نے جہاں صلیبیوں کی اتنی بڑی فوج کو باندھ لیا تھا وہاں اُس کے اپنے بہت سے ریزرو دستے بھی بندھ گئے تھے۔ انہیں اب وہ کسی

اور طرف استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

اس علاقے کے اندر پانی موجود تھا جو جانوروں کو کچھ عرصے کے لیے زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ فوج کو زندہ رکھنے کے لیے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کا گوشت کافی تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کا محاصرہ مکمل کرنے کا حکم دے دیا۔ صلیبی چین سے نہیں بیٹھے۔ ہر روز کسی نہ کسی جگہ جھڑپ ہوتی تھی اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے قلعے اور شہر کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ کہیں سے بھی دیوار توڑنے کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

☆

محاصرے کا سولہواں سترھواں روز تھا۔ شام کے وقت سلطان ایوبی اپنے خیمے میں بیٹھا اپنے نائبین وغیرہ کے ساتھ اس مسئلے پر باتیں کر رہا تھا کہ قلعے کو توڑنے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ محافظ نے اندر آ کر اطلاع دی کہ سوڈان کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی تڑپ کر بولا — "اسے فوراً اندر بھیج دو" — اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے نکل گیا — "اللہ کرے یہ کوئی اچھی خبر لایا ہو"

قاصد اندر آیا تو سلطان ایوبی نے فوراً پہچان لیا کہ یہ قاصد نہیں، کسی دستے کا کمانڈر ہے۔ سلطان ایوبی نے بے تابی سے پوچھا — "کوئی اچھی خبر لائے ہو؟ ..... بیٹھ جاؤ"

کمانڈر نے نفی میں سر ہلایا اور بولا — "جس رنگ میں سالارِ اعظم دیکھیں۔ خبر اس لیے اچھی نہیں کہ ہم سوڈان میں فتح حاصل نہیں کر سکے اور اس لحاظ سے خبر اچھی ہے کہ ہم نے ابھی شکست نہیں کھائی اور پسپا نہیں ہوئے"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکست اور پسپائی کے آثار بھی نظر آرہے ہیں" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"صاف نظر آرہے ہیں" کمانڈر نے جواب دیا — "میں آپ کا حکم لینے آیا ہوں کہ ہم کیا کریں۔ ہمیں کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہماری یہ ضرورت پوری نہ ہوئی تو پسپائی کے بغیر چارہ نہیں"

سلطان ایوبی نے پورا پیغام سننے سے پہلے اُس کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ اور پیغام سناتے جاؤ۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں اس کا بھائی تقی الدین مصر کا قائم مقام امیر مقرر ہوا تھا۔ اُس نے سوڈان اور مصر کی سرحد کے قریب فرعونوں کے زمانے کے کھنڈروں میں صلیبیوں کا پیدا کردہ ایک بڑا ہی خطرناک نظریہ اور ڈرامہ پکڑا تھا اور اُس کے فوراً بعد اُس نے یہ سوچ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہاں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مشیروں اور سالاروں نے اُسے کہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی سے اجازت لے کر حملہ کریں مگر تقی الدین نے یہ کہہ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اس لیے پریشان نہیں کرنا چاہتا کہ وہ صلیبیوں کے اتنے طاقتور لشکر کے خلاف لڑ رہا ہے۔ اُس نے جوش میں آ کر حملہ تو کر دیا تھا لیکن یہ کمانڈر پیغام لایا تھا کہ سوڈان میں شکست صاف نظر آرہی ہے۔ عام قاصد کی بجائے تقی الدین نے ایک کمانڈر کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو محاذ کی صحیح صورتِ حال فنی نقطۂ نگاہ سے سنا سکے۔ اس سے پہلے سلطان ایوبی کو صرف یہ اطلاع ملی تھی کہ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کر دیا ہے۔

کمانڈر نے جو واقعات سلطان ایوبی کو سنائے وہ مختصر یہ تھے کہ تقی الدین نے حقائق پر نظر رکھنے کی بجائے جذبے اور جذبات سے مغلوب ہو کر حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کا جذبہ وہی تھا جو اُس کے بھائی سلطان ایوبی کا تھا۔

لیکن دونوں بھائیوں کی جنگی فہم و فراست میں فرق تھا۔ تقی الدین نے جو فیصلہ کیا، نیک نیتی اور اسلامی جذبے کے تحت کیا مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر گیا کہ دشمن پر سوچے سمجھے بغیر ٹوٹ پڑنے کو جہاد یا جنگ نہیں کہتے۔ اُس نے سوڈان میں پھیلائے ہوئے اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں پر بھی پوری طرح غور نہ کیا۔ اُن کی صرف اس اطلاع پر توجہ مرکوز رکھی کہ سوڈانیوں کو صلیبی کمانڈر ٹریننگ دے رہے ہیں اور وہاں حملے کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں۔ تقی الدین نے دشمن کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینے کا فیصلہ کر لیا مگر اس قسم کی انتہائی اہم معلومات حاصل نہ کیں کہ سوڈانیوں کی جنگی طاقت کتنی ہے؟ وہ کتنی طاقت لڑائیں گے اور کتنی ریزرو میں رکھیں گے؟ ان کے ہتھیار کیسے ہیں؟ سوار کتنے اور پیادہ کتنے ہیں؟ اور سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ تھا کہ میدانِ جنگ کس قسم کا اور مصر سے کتنی دور ہو گا اور رسد کے انتظامات کیا ہوں گے؟

دو خرابیاں تو ابتدا میں ہی سامنے آ گئیں۔ ایک یہ کہ سوڈانیوں نے بلکہ صلیبی کمانڈروں نے تقی الدین کو سرحد پر روکا نہیں۔ اُسے بہت دور تک سوڈان کے اُس علاقے تک جانے کے لیے راستہ دے دیا جو بڑا ہی ظالم صحرا تھا اور جہاں پانی نہیں تھا۔ دوسرا نقصان یہ سامنے آیا کہ تقی الدین کی فوج دراصل صلاح الدین ایوبی کی چالوں پر لڑنے والی فوج تھی جو انتہائی کم تعداد میں دشمن کے بڑے بڑے دستوں کو تہس نہس کر دیا کرتی تھی۔ اس فوج کو صرف سلطان ایوبی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی آمنے سامنے کی ٹکر سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ وہ متحرک قسم کی جنگ لڑتا تھا۔ تقی الدین لشکر کشی کا قائل تھا۔ اس فوج میں تجربہ کار اور جانباز چھاپہ مار دستے بھی تھے لیکن اُن کا صحیح استعمال سلطان ایوبی جانتا تھا۔ سوڈان میں جا کر یوں ہوا کہ فوج ایک لشکر کی صورت میں بندھی رہی اور دشمن اپنی چال چل گیا۔ دشمن تقی الدین کو اپنی پسند کے علاقے میں لے گیا اور اس کی فوج پر سلطان ایوبی کے انداز کے شبخون مارنے شروع کر دیئے۔ تقی الدین کے جانوروں اور جوانوں کو پانی کی ایک بوند بھی نہیں ملتی تھی۔ چھاپہ مار دستوں کے کمانڈروں نے اُسے کہا کہ وہ انہیں صحرا میں آزاد چھوڑ دے مگر تقی الدین نے اس خدشے کے پیشِ نظر انہیں کوئی کارروائی نہ کرنے دی کہ جمعیت اور مرکزیت ختم ہو جائے گی۔

جب رسد کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ تکلیف دہ احساس ہوا کہ وہ اتنی دور چلے آئے ہیں جہاں تک رسد کو پہنچتے کئی دن لگیں گے اور رسد کا راستہ محفوظ بھی نہیں۔ ہوا بھی ایسے ہی کہ رسد کے پہلے ہی قافلے کی اطلاع ملی کہ دشمن نے اسے تباہ نہیں کیا بلکہ تمام تر رسد اور جانور اڑا لے گیا ہے۔ اس حادثے کی اطلاع پر چھاپہ مار دستوں کے ایک سینیئر کمانڈر اور تقی الدین میں گرما گرمی ہو گئی۔ کمانڈر نے کہا کہ وہ لڑنے آئے ہیں اور لڑیں گے لیکن اس طرح نہیں کہ دشمن شبخون مار رہا ہے، رسد لوٹ کر لے گیا ہے اور ہم مرکزیت کے پابند بیٹھے رہیں۔ تقی الدین نے حکم کے لہجے میں سخت کلامی کی تو کمانڈر نے کہا — "آپ تقی الدین ہیں صلاح الدین نہیں۔ ہم اُس عزم اور اُس طریقے سے لڑیں گے جو ہمیں صلاح الدین نے سکھایا ہے۔ ہم چھاپہ مار ہیں۔ ہم دشمن کے پیٹ کے اندر جا کر اس کا پیٹ چاک کیا کرتے ہیں۔ آپ کا یہ لشکر بھوکا مر رہا ہے اور رسد دشمن لے گیا ہے۔ ہم دشمن کی رسد لوٹ کر اپنی فوج کو کھلانے کے عادی ہیں۔"

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ تقی الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جانتا تھا کہ چھاپہ ماروں کا یہ کمانڈر کس جذبے سے

پاگل ہوا جا رہا ہے۔ اس نے جذباتی لہجے میں کہا — "میں ذاتِ باری تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ میں ان جانبازوں کو جو فلسطین میں لڑتے ہوئے آئے ہیں، ناحق موت کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہتا۔"

"پھر آپ کو حملہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" کمانڈر نے کہا — "ہم میں کون ہے جو اللہ کے نام پر جان دینے کیلئے تیار نہیں۔ ہم موت کے منہ میں آ چکے ہیں، اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ موت کے منہ میں جا کر اپنے آپ کو اٹھا لے تڑپ محسوس کرتا ہے۔ آپ جذبات سے نکلیں۔ ہم دشمن کے جال میں آ چکے ہیں۔"

تقی الدین کوئی ایسا اناڑی بھی نہیں تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے یہ الفاظ یاد تھے کہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر کسی کو حکم نہ دینا اور میدانِ جنگ میں جا کر اپنی غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرنا۔ اُس نے اس کمانڈر کی سخت کلامی کو گستاخی نہ سمجھا اور اُسی وقت تمام اعلیٰ کمانڈروں کو بلا کر جنگ کی صورتِ حال اور آئندہ اقدام کے متعلق بات چیت کی۔ فیصلہ ہوا کہ چھاپہ ماروں کو جوابی کارروائیاں کرنے کے لیے پھیلا دیا جائے۔ رسد کے راستے کو بھی چھاپہ مار اپنی حفاظت میں لے لیں۔ فوج کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ اُسے تین حصوں میں تقسیم کر کے دشمن پر تین اطراف سے حملہ کیا جائے۔ تقی الدین نے اپنے پاس جو محفوظہ رکھا وہ خاصا کم تھا۔ اس تقسیم اور ترتیب سے یہ نتیجہ ہوا کہ فوج اس علاقے سے نکل گئی جہاں پانی نہیں تھا۔ ریت اور ٹیلوں کا سمندر تھا، مگر فوج بکھر گئی۔ دشمن نے تینوں حصوں پر حملے کر کے انہیں اور زیادہ بکھیر دیا۔ جانی نقصان بہت ہونے لگا۔ نہایت تیزی سے کمانڈروں نے اپنے اپنے دستوں کو الگ الگ کر کے اسی نوعیت کی جنگ شروع کر دی جو انہیں سلطان ایوبی نے سکھائی تھی مگر صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ جیت نہیں سکیں گے۔ انہوں نے جذبہ قائم رکھا۔ رسد اور کمک کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ شبخون مارتے اور کھانے پینے کے لیے کچھ حاصل کر لیتے تھے۔ چھاپہ مار دستے نہایت جانبازی سے شبخون مارتے، دشمن کا نقصان کرتے اور جو ہاتھ لگتا وہ مختلف دستوں تک پہنچا دیتے تھے۔

مرکزی کمان ختم ہو چکی تھی۔ تقی الدین اپنے عملے کے ساتھ بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔ جذبے کی حد تک وہ مطمئن تھا۔ اُسے کہیں سے بھی ایسی اطلاع نہ ملی کہ کسی دستے یا جماعت نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔ جنگ چھوٹے چھوٹے معرکوں اور جھڑپوں میں تقسیم ہوتے ہوتے آدھے سوڈان تک پھیل گئی۔ مسلمان کمانڈروں نے فرداً فرداً یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتے رہیں گے، سوڈان سے نکلیں گے نہیں۔ دشمن کا نقصان بھی ہو رہا تھا۔ ایک وقت آ گیا جب دشمن پریشان ہو گیا کہ مسلمانوں کو سوڈان سے کس طرح نکالا جائے۔ مسلمان فوجی صحراؤں، بیابانوں، دیہاتی آبادیوں میں پھیل گئے تھے۔ اب مرکز کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ جانی نقصان کتنا ہو چکا ہے اور کتنی نفری باقی ہے۔ یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ دشمن بھی مصیبت میں مبتلا ہے اور اب وہ مصر پر حملہ نہیں کر سکے گا، مگر اس طریقہ جنگ سے کوئی ٹھوس فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فوج مرتی جا رہی تھی۔

ان حالات میں تقی الدین نے سلطان ایوبی کو اپنے ایک کمانڈر کی زبانی پیغام بھیجا۔ اُس نے کہا کہ سوڈان کی مہم صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ اسے کمک مل جائے۔ اس کی تمام فوج چھاپہ مار پارٹیوں میں بٹ گئی تھی۔ ان پارٹیوں کی کارروائیوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے مزید فوج کی ضرورت تھی۔ تقی الدین نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ کمک نہ مل سکے تو کیا وہ سوڈان میں بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے مصر واپس آ جائے؟ مصر میں جو فوج

تھی، وہ مصر کے اندرونی حالات اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی ناکافی تھی۔ اسے محاذ پہ بھیجے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی پسپائی کا قائل نہیں تھا۔ اُس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو پسپائی کا حکم دے یا نہیں لیکن حالات اسے مجبور کر رہے تھے۔ وہ کمک نہیں دے سکتا تھا۔ خود کمک کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔

☆

تقی الدین کے اس قاصد نے سلطان ایوبی کو جنگ کی صورتِ حال تو بتا دی لیکن صلیبیوں اور سوڈانیوں نے وہاں جو ایک اور محاذ کھول دیا تھا وہ نہ بتایا۔ شاید اُس کمانڈر کو معلوم نہ ہو گا۔ ایسے انکشافات بہت بعد میں ہوئے تھے۔ تقی الدین کی فوج دس دس بارہ بارہ کی ٹولیوں میں بکھر کر لڑ رہی تھی۔ بعض علاقوں میں خانہ بدوشوں کے جھونپڑے اور خیمے بھی تھے۔ بعض جگہیں ہری بھری اور سرسبز بھی تھیں اور بیشتر علاقے بنجر و ویران اور ریگستان تھے۔ ایک شام تین چھاپہ مار مجاہدین واپس اپنے ایک سینئر کمانڈر کے پاس آئے۔ ان میں دو زخمی تھے۔ انہوں نے سنایا کہ ان کی پارٹی میں اکیس فرد تھے اور بائیسواں پارٹی کمانڈر تھا۔ دن کے وقت یہ پارٹی ایک جگہ چھپی ہوئی تھی۔ پارٹی کمانڈر اِدھر اُدھر اس طرح ٹہل رہا تھا جیسے پہرہ دے رہا ہو یا کسی کی راہ دیکھ رہا ہو۔ ایک سوڈانی شتر سوار گزرا اور پارٹی کمانڈر کو دیکھ کر رک گیا۔ کمانڈر اس کے پاس گیا اور معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ شتر سوار چلا گیا تو پارٹی کمانڈر نے اپنے اکیس جانبازوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ دو میل دور ایک گاؤں ہے جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اس شتر سوار نے پارٹی کو اپنے گاؤں میں مدعو کیا ہے۔ رات کو گاؤں والے پارٹی کو اپنا مہمان رکھیں گے اور دشمن کی ایک جمعیت کی جگہ بھی بتائیں گے۔

تمام جانباز بہت خوش ہوئے۔ کھانا دانہ ملنے کے علاوہ دشمن پر حملے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی یہ سب اُس گاؤں کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کے دیکھا کہ صرف تین جھونپڑے تھے۔ اِدھر اُدھر درخت تھے اور پانی بھی تھا۔ سپاہیوں کو جھونپڑوں کے باہر ڈیرے ڈالنے کو کہا گیا۔ پارٹی کمانڈر ایک جھونپڑے میں چلا گیا۔ باہر مشعلیں جلا دی گئیں اور سب کو کھانا دیا گیا۔ پارٹی کمانڈر نے کہا کہ سب سو جاؤ، حملے کے وقت انہیں جگا لیا جائے گا۔ تھکے ہوئے سپاہی سو گئے۔ یہ تین جو واپس آئے ان میں سے ایک سو نہ سکا یا اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے ایک جھونپڑے میں عورتوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ جھونپڑے میں پارٹی کمانڈر دو نہایت حسین لڑکیوں کے ساتھ ہنس کھیل رہا تھا اور شراب پی رہی تھی۔ لڑکیاں صحرائی لباس میں تھیں لیکن صحرائی لگتی نہیں تھیں۔ اس سپاہی کو باہر کچھ دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ چاندنی میں اُس نے دیکھا کہ بہت سے آدمی آ رہے تھے، جن کے ہاتھوں میں برچھیاں اور تلواریں تھیں۔ سپاہی جھونپڑے کی اوٹ میں ہو گیا اور دیکھتا رہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جھونپڑے میں کوئی داخل ہُوا۔ اس کی آواز سنائی دی —— "کیوں بھائی کام کر دیں؟" —— پارٹی کمانڈر نے کہا —— "تم آ گئے ہو، سب سوئے ہوئے ہیں، ختم کر دو" —— اور لڑکیوں کے قہقہے سنائی دیئے۔

وہ آدمی جو آ رہے تھے سوئی ہوئی پارٹی پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ تو سوتے میں ختم ہو گئے اور جو جاگ اٹھے انہوں نے

مقابلہ کیا۔ یہ سپاہی چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ اُسے اپنے دو ساتھی بھاگتے نظر آئے۔ موقع دیکھ کر یہ سپاہی بھی بھاگ اٹھا اور اپنے دو ساتھیوں سے جا ملا۔ وہ دونوں زخمی تھے۔ کسی نے اُن کا تعاقب نہ کیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پارٹی کمانڈر شتر سوار کے دیئے ہوئے لالچ میں آ گیا تھا یا وہ پہلے سے ہی دشمن کا ایجنٹ تھا اور اپنے آدمیوں کو مروانے کا موقع دیکھ رہا تھا۔ بہرحال یہ انکشاف ہُوا کہ دشمن نے بکھرے ہوئے مسلمان دستوں کو ختم کرنے یا اپنے ہاتھ میں کرنے کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ دشمن انسانی فطرت کی کمزوریوں کو استعمال کر رہا تھا۔ ان حالات میں لڑنے والے سپاہی کو پیٹ اور جنس کی بھوک بہت پریشان کیا کرتی ہے۔ دشمن مجاہدین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر حملے الگ کر رہا تھا اور نفسیاتی ہتھیار بھی استعمال کر رہا تھا۔ ایسے چند اور واقعات ہوئے۔ مجاہدین کو خبردار کیا گیا کہ کسی کے جھانسے میں نہ آئیں۔

ایسے بہت سے واقعات میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ چھاپہ مار دستے کا ایک کمانڈر عطا الہاشم ایک جگہ بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کا دستہ تین چار پارٹیوں میں بکھرا ہُوا تھا۔ یہ مصر سے آنے والی رسد کا راستہ تھا۔ عطا الہاشم ... نے صرف ایک دستے سے جس کی نفری ایک سو سے کچھ کم تھی، رسد کے تمام تر راستے کو محفوظ کر دیا تھا۔ رسد پر چھاپہ مارنے والے دشمن کا اُس نے بہت نقصان کیا تھا۔ اس کے جانباز اچانک جھپٹ پڑتے تھے۔ سوڈانیوں نے انہیں ختم کرنے کے بہت جتن کیے لیکن پانچ چھ جانبازوں کو شہید کرنے کے سوا کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ عطا الہاشم ٹیلوں میں ڈھکی ہوئی ایک جگہ بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ چھ سات جانباز تھے۔ یہ اُس نے ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ اُسے صحرائی خانہ بدوشوں کے لباس میں دو لڑکیاں ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ نظر آئیں۔ عطا الہاشم کو دیکھ کر تینوں اس کے پاس آ گئے۔ لڑکیاں سوڈانی معلوم ہوتی تھیں لیکن انہوں نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ بہروپ لگتا تھا۔ اُن کے چہروں پر گرد تھی۔ چہرے اداس تھے اور تھکن بھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکیاں ادھیڑ عمر آدمی کے پیچھے ہو گئیں۔ یہ جھجک اور شرم کا اظہار تھا۔

اس آدمی نے کچھ مصری اور کچھ سوڈانی زبان میں کہا کہ وہ مسلمان ہے اور یہ دونوں اس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ بھوک سے مر رہے ہیں۔ اُس نے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ عطا الہاشم سوڈان کی زبان جانتا تھا۔ وہ چھاپہ مار تھا۔ سوڈانی علاقے میں کمانڈو کارروائیوں کی کامیابی کے لیے اُس نے سوڈانی زبان سیکھی تھی۔ اُس کے پاس خوراک کی کمی نہیں تھی۔ وہ رسد کا محافظ تھا۔ دو تین بار رسد گزری تھی جس میں سے اُس نے اپنے دستے کے لیے بہت سا راشن پانی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اُس نے ان تینوں کو کھانا دیا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اُس آدمی نے کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ اُن کا گاؤں جنگ کی زد میں آ گیا ہے۔ کبھی سوڈانی آ جاتے تھے کبھی مسلمان۔ دونوں گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کو فوجیوں سے چھپاتا پھرتا تھا۔ آخر تنگ آ کر گھر سے نکل کھڑا ہُوا۔ وہ لڑکیوں کی عزت بچانا چاہتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ چونکہ وہ مسلمان ہے اس لیے اس کوشش میں ہے کہ مصر چلا جائے مگر ممکن نظر نہیں آتا۔ اُس نے عطا الہاشم سے کہا کہ وہ انہیں مصر پہنچا دے۔ اُس کے ساتھ ہی اس نے پوچھا —— "تم لوگ اس جگہ کب تک رہو گے؟"

"جب تک رہوں گا تم تینوں کو اپنے ساتھ رکھوں گا" —— عطا الہاشم نے جواب دیا۔

"آپ ان دونوں لڑکیوں کو اپنی پناہ میں لے لیں"ـــ ادھیڑ عمر آدمی نے کہا ـــ "میں چلا جاتا ہوں۔"

"میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں کہ آپ کی زندگی کتنی دشوار ہے"۔ ایک لڑکی نے معصوم لہجے میں کہا اور پوچھا ـــ "آپ کو اپنا گھر اور بیوی بچے یاد نہیں آتے؟"

"سب یاد آتے ہیں"ـــ عطاء الہاشم نے جواب دیا ـــ "لیکن میں اپنے فرض کو نہیں بھول سکتا۔"

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کھانا کھا کر اور پانی پی کر ان کے جسموں میں نئی جان اور نئی روح پیدا ہو گئی ہو۔ ایک خاموش رہی، دوسری کی زبان رواں ہو گئی۔ اس نے جتنی بھی باتیں کیں ان میں عطاء الہاشم اور اس کے جانبازوں کے لیے ہمدردی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ وطن سے اتنی دور آ کر اپنی جانیں کیوں ضائع کرتے ہیں۔

عطاء الہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے تینوں کو اٹھایا اور اپنے آدمیوں کو بلایا۔ انہیں کہا کہ اس سوڈانی کے پاؤں رسیوں سے باندھ کر اسے گھوڑے کے پیچھے باندھ دو۔ انہوں نے اسے گرا کر پاؤں باندھ دیئے اور گھوڑا کھول لائے۔ رسی کا ایک سرا گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا۔ عطاء الہاشم نے ایک سپاہی سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ وہ سوار ہو گیا۔ عطاء الہاشم نے لڑکیوں کو اکٹھا کھڑا کر کے دو تیر انداز بلائے۔ انہیں کہا کہ میرے اشارے پر لڑکیوں کی آنکھوں کے درمیان ایک ایک تیر چلا دیں اور گھوڑ سوار گھوڑے کو ایڑ لگا دے۔ گھوڑے کے پیچھے سوڈانی بندھا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ گھوڑا دوڑے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ تیر اندازوں نے ایک ایک تیر کمانوں میں ڈال لیا اور گھوڑ سوار نے باگیں تھام لیں۔ عطاء الہاشم نے سوڈانی لڑکیوں اور آدمی سے کہا ـــ "میں تم تینوں کو صرف ایک بار کہوں گا کہ اپنی اصلیت بتا دو۔ جس مقصد کے لیے آئے ہو صاف بتا دو ورنہ اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

خاموشی طاری ہو گئی۔ لڑکیوں نے گھوڑے کے پیچھے بندھے ہوئے اپنے ساتھی کو دیکھا۔ وہ بھی خاموش تھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں آپس میں مشورہ کر لیا۔ سوڈانی نے کہا کہ وہ اپنا آپ ظاہر کر دے گا۔ عطاء الہاشم اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا کہ وہ سچ بولے گا تو اسے کھولا جائے گا۔ اس آدمی نے کہا ـــ "او پتھر دل انسان! تیرے پاس اتنی خوبصورت لڑکیاں لایا ہوں اور تو انہیں تیروں کا نشانہ بنا رہا ہے۔ انہیں اپنے پاس رکھ لے اور اپنے دستے کو سمیٹ کر یہاں سے چلا جا۔ اگر یہ قیمت تھوڑی ہے تو اپنی قیمت بتا۔ سونے کے سکے مانگ۔ کچھ اور مانگ۔ شام سے پہلے لا دوں گا۔"

عطاء الہاشم اٹھا اور سوار سے کہا ـــ "گھوڑا دُلکی چال پندرہ بیس قدم چلاؤ۔"

گھوڑا چل پڑا۔ چند قدم گیا تو سوڈانی بلبلا اٹھا۔ عطاء الہاشم نے کہا ـــ "رک جاؤ"۔ گھوڑا رکا تو عطاء الہاشم نے اس کے پاس جا کر کہا کہ وہ سیدھی باتیں کرنے پر آ جائے۔ وہ مان گیا۔ اس نے بتا دیا کہ وہ سوڈانی جاسوس ہے اور صلیبیوں نے اسے ٹریننگ دی ہے۔ لڑکیوں کے متعلق اس نے بتایا کہ مصر کی پیدائش ہیں اور صلیبیوں نے انہیں تخریب کاری کے فن کا ماہر بنا رکھا ہے۔ عطاء الہاشم نے اس کے پاؤں کھول دیئے اور اسے اپنے پاس بٹھا کر باتیں پوچھیں۔ اس نے بتایا کہ اسے یہ کام دیا گیا ہے کہ سوڈان میں چھپے ہوئے مسلمان کمانڈروں کو لڑکیوں یا سونے چاندی کا چکمہ دے کر انہیں اور ان کے سپاہیوں کو ختم یا قید کرا دیا جائے یا انہیں اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ اس نے بتایا کہ عطاء الہاشم نے رسد کا راستہ ایسی خوبی سے محفوظ کر رکھا تھا کہ صلیبی اور سوڈانی چھاپہ ماروں کا جانی نقصان بھی ہوا اور

رسد بھی نکل گئی۔ اسے یہ مشن دے کر بھیجا گیا تھا کہ عطاء الہاشم کو ان لڑکیوں سے اندھا کر کے اسے قتل کر دیا جائے۔ ایسے پھندے میں لے آئے کہ اسے قتل یا قید کر لیا جائے اور اگر وہ ایمان کا کچا ثابت ہوا تو اسے اپنے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ یہ سوڈانی حیران تھا کہ عطاء الہاشم نے اتنی خوبصورت لڑکیوں کو قبول نہیں کیا۔ اس نے جب عطاء الہاشم سے پوچھا کہ اس نے لڑکیوں کو اور زر و جواہرات کی پیش کش کو کیوں ٹھکرا دیا ہے تو عطاء الہاشم نے مسکرا کر کہا کیونکہ میں ایمان کا کچا نہیں۔

عطاء الہاشم نے لڑکیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ زیادہ باتیں کرنے والی نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ عطاء الہاشم نے بتایا کہ انہیں وہ کل صبح اپنے ہیڈ کوارٹر میں سالارِ اعلیٰ تقی الدین کے پاس لے جائے گا یا بھیج دے گا۔ اس نے سوڈانی کو لڑکیوں سمیت اس ہدایت کے ساتھ اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا کہ انہیں الگ الگ رکھا جائے۔ ان کی تلاشی لی گئی۔ تینوں کے پاس ایک ایک خنجر تھا۔ آدمی کے پاس ایک پوٹلی تھی جس میں حشیش بندھی ہوئی تھی۔

سورج غروب ہونے والا تھا جب اس کے دستے کی ایک ٹولی واپس آ گئی۔ اس نے اس ٹولی کو کچھ دور دور تک پھیلا دیا۔ اس نے ہر کسی کو بتا دیا کہ یہ تینوں جاسوس اور تخریب کار ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے ساتھیوں کو معلوم ہو کر یہ یہاں ہیں اور وہ انہیں چھڑانے کے لیے حملہ کریں۔ ان انتظامات کے بعد وہ آرام کے لیے لیٹ گیا۔ وہ جگہ نشیب و فراز کی تھی۔ اس نے لیٹنے سے پہلے دیکھ لیا تھا کہ اس کے سپاہیوں نے لڑکیوں اور مرد کو کس طرح لٹایا ہے۔ وہ خود ایک ٹیلے کے ساتھ لیٹا جہاں سے وہ اپنے سپاہیوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ذہن میں یہ دو لڑکیاں آ گئیں۔ وہ اس سوچ میں کھو گیا کہ یہ کتنی خوبصورت اور بظاہر کیسی معصوم سی لڑکیاں ہیں اور ان سے کتنا غلیظ اور کتنا خطرناک کام کرایا جا رہا ہے۔ اگر یہ کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتیں تو کسی باعزت گھرانے میں دلہنیں بن کر جاتیں۔ اسے اپنی بیوی یاد آ گئی جو دلہن بن کر اس کے گھر آئی تھی تو انہی کی طرح جوان اور دل کش تھی۔ اپنی بیوی کی یاد اسے رومان انگیز تصورات میں لے گئی۔ اس ویران صحرا میں جہاں وہ موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا، ان تصوروں نے اس پر نشہ سا طاری کر دیا۔ میدانِ جنگ میں سپاہی ایسے ہی تصوروں اور بڑی ہی دل کش یادوں سے دل بہلایا کرتے ہیں۔

چاندنی نکھر آئی تھی۔ صحرا کی چاندنی بڑی ہی شفاف اور خنک ہوا کرتی ہے۔ اس کی خنکی میں ایسا تاثر ہوتا ہے جو ذہن اور دل سے موت کے خوف کو دھو ڈالتا ہے۔ عطاء الہاشم اٹھا اور اس انداز سے خراماں خراماں اس جگہ گیا جہاں لڑکیاں سوئی ہوئی تھیں جیسے وہ حفاظتی انتظام کا معائنہ کرنے جا رہا ہو۔ وہ اکٹھی سو رہی تھیں۔ ان کے ارد گرد سپاہی سوئے ہوئے تھے۔ سوڈانی آدمی کچھ دور تین سپاہیوں کے نرغے میں سویا ہوا تھا۔ عطاء الہاشم نے ایک لڑکی کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبایا۔ لڑکی کی آنکھ کھل گئی۔ عطاء الہاشم کو چاندنی میں پہچان کر وہ اٹھ بیٹھی۔ عطاء الہاشم نے اسے اٹھنے اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی اس مسرت کے ساتھ اٹھی کہ اس پتھر جیسے کمانڈر پر اس کی جوان نسوانیت کا جادو چل گیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ عطاء الہاشم نے دیکھا کہ اس کے سپاہی کیسی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ خبر بھی نہیں کہ کوئی آدمی ان کے درمیان سے لڑکی کو اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ اسے اپنے سپاہیوں پر غصے کی بجائے ترس آ گیا جو ایک غیر یقینی سی جنگ لڑ رہے تھے۔ کسی باقاعدہ کمان اور کنٹرول کے باوجود وہ نظم و ضبط کی پابندی کر

رہے تھے۔

لڑکی کو وہ اپنی جگہ لے گیا۔ لڑکی کے سر پہ اب اوڑھنی نہیں تھی۔ چاندنی اس کے بکھرے ہوئے بالوں کو سونے کے تاروں کا رنگ دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر لڑکی کو دیکھتا رہا اور لڑکی اسے دیکھتی رہی۔ لڑکی نے نشیلی سی آواز میں مسکرا کر کہا — "میں حیران ہوں کہ آپ دور کیوں رہے ہیں۔ مجھے آپ کے پاس آپ ہی کے لیے لایا گیا ہے۔ کیا آپ میری ضرورت محسوس نہیں کرتے؟" — وہ اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا جیسے بُت بن گیا ہو۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور بولی — "میں جانتی ہوں آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارا باپ میری طرح کا ایک مرد ہوگا" — عطاالہاشم نے اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا — "میں بھی باپ ہوں۔ ہم دونوں باپوں میں زمین اور آسمان جتنا فرق ہے۔ وہ باپ کتنا بے غیرت ہے اور میں ہوں کہ غیرت کی پاسبانی کے لیے اپنے بچوں کو یتیم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میرا کوئی باپ نہیں" — لڑکی نے کہا — "دیکھا ہوگا۔ اس کی صورت یاد نہیں۔"

"مر گیا تھا؟"

"یہ بھی یاد نہیں۔"

"اور ماں؟"

"کچھ بھی یاد نہیں" — لڑکی نے کہا — "یہ بھی یاد نہیں کہ میں کسی گھر میں پیدا ہوئی تھی یا کسی خانہ بدوش کے خیمے میں... مگر یہ وقت ایسی بے مزہ باتیں کرنے کا نہیں۔"

"ہم سپاہی یادوں سے مزے حاصل کیا کرتے ہیں" — عطاالہاشم نے کہا — "میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں بھی تمہارے ماضی کی چند ایک یادیں تازہ کر دوں۔"

"میں بجائے خود ایک حسین یاد ہوں" — لڑکی نے کہا — "جس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار جاتی ہوں وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ میری اپنی کوئی یاد نہیں۔"

"اپنے آپ کو حسین نہیں ایک غلیظ یاد کہو" — عطاالہاشم نے کہا — "مجھے تمہارے جسم سے صلیبیوں کے، سوڈانیوں کے، مسلمانوں کے اور بڑے ہی غلیظ انسانوں کے گناہوں کی بُو آ رہی ہے۔ تم میرے قریب آؤ گی تو مجھے متلی آ جائے گی۔ تمہیں کوئی مرد یاد نہیں رکھتا۔ تم جیسی لڑکیوں کے شکاری آج یہاں اور کل وہاں ہوتے ہیں۔ دوسرا شکار مل جاتا ہے تو پہلے کو بھول جاتے ہیں۔ تمہارا یہ حسن چند دنوں کا مہمان ہے۔ تم میری قید میں ہو۔ میں تمہارا یہ چہرہ اسی وقت سزا کے طور پر زخمی کر کے ہمیشہ کے لیے مکروہ بنا سکتا ہوں، مگر ایسی ضرورت نہیں۔ یہ صحرا، شراب، حشیش اور بدکاری تمہیں سال کے اندر اندر مرجھایا ہوا پھول بنا دے گی جسے لوگ اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہ صلیبی اور یہ سوڈانی تمہیں بھیک مانگنے کے لیے باہر نکال دیں گے۔ تم بڑے ہی گھٹیا انسانوں کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جاؤ گی..." عطاالہاشم کے لہجے میں ایسا ٹھہراؤ اور ایسا تاثر تھا کہ لڑکی کی ذہنی کیفیت میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ یہ مسلمان کمانڈر کہہ رہا تھا — "میری ایک بیٹی ہے جو تم سے دو تین سال چھوٹی ہوگی۔ اس کی شادی ایک باعزت جوان کے

ساتھ ہوگی جو میری طرح کمر سے تلوار لٹکا کر بڑی اچھی نسل کے گھوڑے پر سوار ہوا کرے گا۔ وہ میری طرح میدانِ جنگ کا شہزادہ ہوگا۔ میری بیٹی دلہن بنے گی، اپنے خاوند کے دل میں اور اُس کے گھر میں راج کرے گی۔ لوگ میری بیٹی کو ایک نظر دیکھنا چاہیں گے مگر دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں بھی اس پر فخر کیا کروں گا اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ اتنی محبت کرے گا کہ وہ بوڑھی ہو جائے گی تو بھی محبت ختم نہیں ہوگی، بڑھے گی۔ تمہیں دیکھنے کے لیے کوئی بھی بے تاب نہیں ہوتا کیونکہ تم ایک ننگا بھید ہو۔ تمہاری عزت کسی کے دل میں نہیں اور کوئی بھی نہیں جو تمہیں محبت کے قابل سمجھے گا۔"

"آپ میرے ساتھ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟" — لڑکی نے ایسی آواز میں پوچھا جو اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم جیسی بیٹیاں مقدس ہوتی ہیں" — عطاالہاشم نے جواب دیا — "ہم مسلمان لوگ بیٹی کو اللہ کا پیغام سمجھتے ہیں۔ اگر تم عصمت اور مذہب کے معنی سمجھ لو تو تم پر اللہ کی رحمت برس جائے گی مگر تم سمجھ نہیں سکو گی کیونکہ تم اس محبت سے واقف نہیں جو روح کی گہرائیوں تک پہنچا کرتی ہے۔ تم بدنصیب ہو۔ تم نے مردوں کی ہوس دیکھی ہے محبت نہیں دیکھی۔"

عطاالہاشم آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ اُس کے لب و لہجے اور انداز کا اپنا ایک تاثر تھا لیکن لڑکی اس پر حیران ہو رہی تھی کہ یہ بھی دوسرے مردوں کی طرح مرد ہے مگر اس نے اُس کے حسن کو ذرہ بھر اہمیت نہیں دی۔ عطاالہاشم جذباتی لحاظ سے پتھر بھی نہیں تھا۔ وہ تو سراپا جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔ لڑکی نے بے تاب سا ہو کر کہا — "آپ کی باتوں میں ایسا نشہ اور خمار ہے جو میں نے شراب اور حشیش میں نہیں پایا۔ مجھے آپ کی کوئی بھی بات سمجھ نہیں آ رہی لیکن ہر ایک بات دل میں اترتی جا رہی ہے۔" — لڑکی ذہین تھی۔ اس قسم کی تخریب کاری کے لیے ذہین ہونا لازمی تھا۔ مردوں کو انگلیوں پر نچانے کی اُسے بچپن سے ٹریننگ دی گئی تھی مگر اس مرد نے اس ناگن کا زہر مار دیا۔ اُس نے عطاالہاشم سے بہت سی باتیں پوچھیں جن میں کچھ مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُس کے لہجے اور انداز میں اب پیشہ ورانہ اداکاری نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے قدرتی رنگ میں باتیں کر رہی تھی۔ اُس نے پوچھا — "مجھے آپ لوگ کیا سزا دیں گے؟"

"میں تمہیں کوئی سزا نہیں دے سکتا" — عطاالہاشم نے کہا — "کل صبح تمہیں اپنے سالارِ اعلیٰ کے حوالے کر دوں گا۔"

"وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"جو ہمارے قانون میں لکھا ہے۔"

"آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"میں نے سنا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں" — لڑکی نے کہا — "اگر آپ مجھے اپنی بیوی بنا لیں تو میں آپ کا مذہب قبول کر کے ساری عمر آپ کی خدمت کروں گی۔"

"میں تمہیں بیٹی بنا سکتا ہوں بیوی نہیں" — عطاالہاشم نے کہا — "کیونکہ تم میرے ہاتھوں میں مجبور ہو۔ تم میری پناہ میں بھی ہو اور میری قید میں بھی۔"

وہ باتوں میں مصروف تھے۔ لڑکی کا ساتھی مرد تین سپاہیوں کے نرغے میں لیٹا ہُوا تھا مگر وہ جاگ رہا تھا۔ اُس نے عطا الہاشم کو دیکھ لیا تھا کہ وہ لڑکی کو جگا کر لے گیا ہے۔ وہ خوش تھا کہ لڑکی عطا الہاشم کو چکمہ دے کر قتل کر دے گی یا اُسے جال سے کہیں دُور لے جائے گی۔ وہ لیٹا ہُوا لڑکی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اُس نے سپاہیوں کو دیکھا وہ بے ہوش ہو کے سوئے ہوئے تھے۔ انہیں بے ہوش ہونا ہی تھا کیونکہ اس سوڈانی نے شام کے بعد ان سپاہیوں کے ساتھ گپ شپ شروع کر دی تھی اور انہیں پینے کیلئے حشیش پلا دی تھی۔ اس سے حشیش کی ایک پوٹلی تو برآمد کر لی گئی تھی لیکن اُس نے تھوڑی سی حشیش اپنے چغے میں کہیں سی رکھی تھی۔ وہاں سے نکال کر اس نے تین سپاہیوں کو پلا دی وہ چونکہ اس نشے کے عادی نہیں تھے اس لیے بیہوشی کی نیند سو گئے۔ یہ سوڈانی رات کو جاگنے کے جتن کر رہا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ لڑکی عطا الہاشم کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بہت دیر گزر گئی ہے تو وہ سمجھا کہ لڑکی اُس مسلمان کمانڈر کو دُور نہیں لے جا سکی، لہٰذا اس شخص کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ وہ واپس گیا اور سوئے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک کی کمان اور ترکش میں تین چار تیر لے آیا۔ راستے میں چند فٹ اونچی جگہ تھی جس کی اوٹ میں وہ عطا الہاشم کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اس لیے بھی نظر نہیں آ سکتا تھا کہ اس طرف عطا الہاشم کی پیٹھ تھی۔ لڑکی کا منہ اُدھر ہی تھا لیکن وہ اپنے آدمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ وہ آدمی تیر و کمان لے کر آیا تو لڑکی کو چاندنی میں اس کا سر اور کندھے نظر آئے پھر اُسے کمان نظر آئی۔ عطا الہاشم اپنی موت سے بے خبر بیٹھا تھا۔ اس کا خنجر نیام میں پڑا ہُوا تھا اور نیام قریب ہی رکھی تھی۔ لڑکی نے نیام اٹھا کر خنجر نکال لیا۔ عطا الہاشم جھپٹ کر اس سے خنجر چھیننے ہی لگا تھا کہ لڑکی نے نہایت تیزی سے گھٹنوں کے بل ہو کر اپنے آدمی کی طرف پوری طاقت سے خنجر پھینکا۔

فاصلہ چند گز تھا۔ اُدھر سے آہ کی آواز سنائی دی۔ خنجر سوڈانی کی شہ رگ میں اتر گیا تھا اور اس نے زخمی ہوتے ہی تیر چلا دیا تھا۔ نشانہ چوک جانا ضروری تھا۔ تیر کا زناٹہ عطا الہاشم کے قریب سے گزرا اور دھک کی آواز سنائی دی۔

اُس نے دیکھا کہ تیر لڑکی کے سینے میں اُتر گیا تھا۔ وہ دوڑ کر اُس طرف گیا جس طرف خنجر گیا اور تیر آیا تھا۔ وہاں سوڈانی اپنی شہ رگ سے خنجر نکال رہا تھا۔ اُس نے خنجر نکال لیا اور اٹھا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر کہ وہ حملہ کرے گا عطا الہاشم نے اُچھل کر اس کے پہلو میں دونوں پاؤں جوڑ کر مارے۔ سوڈانی دور جا پڑا۔ عطا الہاشم بھی گرا اور فوراً اٹھ کھڑا ہُوا۔ سوڈانی نہ اٹھ سکا۔ اس کی شہ رگ سے خون اُبل اُبل کر نکل رہا تھا۔ عطا الہاشم نے خنجر اٹھایا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی سینے میں اپنے ہی ساتھی اور محافظ کا تیر لیے اطمینان سے پڑی تھی۔ وہ ابھی زندہ تھی۔ تیر نکالنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ لڑکی نے عطا الہاشم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کراہتی ہوئی آواز میں بولی — "میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اس کے عوض اپنے خدا سے کہنا کہ میری روح کو اپنی پناہ میں لے لے۔ میرے جسم کی طرح میری روح بھی ان صحراؤں میں نہ بھٹکتی رہے۔ میری عمر گناہوں میں گزری ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ خدا اس ایک نیکی کے بدلے میرے سارے گناہ بخش دے گا۔ میرے سر پہ اُسی طرح ہاتھ پھیرو جس طرح اپنی بیٹی کے سر پہ پھیرا کرتے ہو۔"

عطا الہاشم نے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا — "اللہ تیرے گناہ بخش دے، تجھ سے گناہ کروائے گئے ہیں تُو بے گناہ ہے۔ تجھے کسی نے نیکی کی روشنی دکھائی ہی نہیں۔"

لڑکی نے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے عطا الہاشم کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے بولنے لگی۔ اُس نے کہا — "یہاں سے تین کوس دور سوڈانیوں کا ایک اڈہ ہے۔ وہ لوگ آپ سب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور غور سے سنو۔ آپ کی فوج اتنی زیادہ پھیل گئی ہے کہ اس کی قسمت میں اب موت یا قید ہے۔ آپ کے ہر ایک کمانڈر اور ہر ایک ٹولی کے پیچھے مجھ جیسی لڑکیاں یا مرد لگے ہوئے ہیں۔ میں اس لڑکی کے ساتھ آپ کے چار کمانڈروں کو پھانس کر ختم کرا چکی ہوں۔ مصر کی فکر کرو۔ صلیبیوں نے وہاں بڑے ہی خطرناک اور خوبصورت جال بچھا دیے ہیں۔ آپ کی قوم اور فوج میں ایسے مسلمان حاکم موجود ہیں جو صلیبیوں کے تنخواہ دار جاسوس اور اُن کے وفادار ہیں۔ انہیں مجھ جیسی لڑکیاں اور بے پناہ دولت دی جا رہی ہے۔ مصر کو بچاؤ۔ سوڈان سے نکل جاؤ۔ اپنے فوجی علیحدہ کر لو۔ میں کسی کا نام نہیں جانتی جو معلوم تھا بتا دیا ہے۔ آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے بیٹی کہا ہے۔ آپ نے مجھے باپ کا پیار دیا ہے۔ میں اس کا معاوضہ یہی دے سکتی ہوں کہ آپ کو خطروں سے آگاہ کر دوں۔ اپنے بکھرے ہوئے دستے اکٹھا کرو اور حملہ روکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دو تین دنوں میں آپ پر حملہ ہوگا۔ فاطمیوں اور فدائیوں سے بچو۔ انہوں نے مصر میں بہت سے ایسے حاکموں کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا ہے جو صلاح الدین ایوبی اور اپنی قوم کے وفادار ہیں۔"

لڑکی کی آواز ڈوبتی اور رکتی گئی اور ایک لمبے سانس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ صبح طلوع ہوئی تو عطا الہاشم دونوں لاشوں اور زندہ لڑکی کو ساتھ لے کر تقی الدین کے پاس چلا گیا۔ اُسے سارا واقعہ سنایا اور لڑکی کی آخری باتیں بھی سنائیں۔ تقی الدین پہلے ہی پریشان تھا۔ وہ سٹپٹا اٹھا۔ اس نے کہا — "اپنے بھائی کی اجازت اور ہدایت کے بغیر میں پسپا نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے ایک ذمہ دار ذہین کمانڈر کو کرک بھیجا ہے۔ اس کی واپسی تک ثابت قدم رہو۔"

☆

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کی بیان کی ہوئی جنگی صورتِ حال پر غور کیا تو اپنے مشیروں کو بلا کر انہیں بھی تفصیل سنائی۔ اُس نے کہا — "بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے پیچھے ہٹنا آسان کام نہیں۔ دشمن انہیں یکجا نہیں ہونے دے گا۔ پسپائی سے اس فوج کے جذبے پر بھی بُرا اثر پڑے گا جو مصر میں ہے اور جو یہاں میرے ساتھ ہے اور قوم کا دل ٹوٹ جائے گا۔ مگر حقائق سے فرار بھی ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو فریب دینا بھی خطرناک ہے۔ حقائق کا تقاضہ یہ ہے کہ تقی الدین اپنی فوج کو واپس لے آئے۔ ہم اُسے کمک نہیں دے سکتے۔ ہم کرک کا محاصرہ اٹھا کر اُس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ میرے بھائی نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ بڑی ہی قیمتی فوج ضائع ہو رہی ہے۔"

"یہ ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں بننا چاہیے" — ایک اعلیٰ حاکم نے کہا — "ہمیں سوڈان کی جنگ سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ قائدین اور حکام کے غلط فیصلوں سے فوج بدنام ہو رہی ہے۔ ہمیں قوم کو صاف الفاظ میں بتا دینا چاہیے کہ سوڈان میں ہماری ناکامی کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں ہوتی۔"

"بلاشبہ یہ میرے بھائی کی غلطی ہے" — سلطان ایوبی نے کہا — "اور یہ میری غلطی بھی ہے کہ میں نے تقی الدین

کر اجازت دی تھی کہ حالات کے مطابق وہ جو کارروائی مناسب سمجھے مجھ سے پوچھے بغیر کر گزرے۔ اُس نے اتنی بڑی کارروائی حقائق کا جائزہ لیے بغیر کر دی اور اپنے آپ کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ میں اپنی اور اپنے بھائی کی لغزشوں کو اپنی قوم سے اور نور الدین زنگی سے چھپاؤں گا نہیں۔ میں تاریخ کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ میں اپنے کاغذات میں تحریر کراؤں گا کہ اس شکست کی ذمہ دار فوج نہیں ہم تھے۔ ورنہ ہماری تاریخ کو آنے والے حکمران ہمیشہ دھوکہ دیں گے۔ میں سلطنتِ اسلامیہ کے آنے والے حکمرانوں کے لیے یہ مثال قائم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی لغزشوں پر پردہ ڈال کر بے گناہوں کو تاریخ میں ذلیل نہ کریں۔ یہ ایسی غلطی اور ایسا فریب ہے جو کرۂ ارض پر اسلام کو پھیلنے کی بجائے سکڑنے پر مجبور کرے گا۔"

سلطان ایوبی کا چہرہ لال ہو گیا۔ اُس کی آواز کانپنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی زبان سے پسپائی کا لفظ کہنا نہیں چاہتا۔ وہ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے بڑے ہی مشکل حالات میں جنگیں لڑی تھیں مگر اب حالات نے اُسے مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے تقی الدین کے بھیجے ہوئے کمانڈر سے کہا — "تقی الدین سے کہنا کہ اپنے دستوں کو سمیٹو اور انہیں تھوڑی تھوڑی نفری میں پیچھے بھیجو۔ جہاں دشمن تعاقب میں آئے وہاں جم کر لڑو اور اس انداز سے لڑو کہ دشمن تمہارے تعاقب میں مصر میں داخل نہ ہو جائے۔ دستے جو مصر میں پہنچیں [illegible] میں اکٹھا رہنے کا حکم دو تاکہ مصر پر دشمن حملہ کرے تو اسے روک سکو۔ محفوظ پسپائی کے لیے چھاپہ ماروں کو استعمال کرو۔ کسی دستے کو دشمن کے گھیرے میں چھوڑ کر نہ آنا۔ میں پسپائی بڑی مشکل سے برداشت کر رہا ہوں۔ میں یہ خبر برداشت نہیں کر سکوں گا کہ تمہارے کسی دستے نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ پسپائی آسان نہیں ہوتی۔ پیش قدمی کی نسبت محفوظ اور باعزت پسپائی بہت مشکل ہے۔ حالات پر نظر رکھنا۔ تیز رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھنا۔ میں تحریری پیغام نہیں بھیج رہا کیونکہ خطرہ ہے کہ تمہارا قاصد راستے میں پکڑا گیا تو دشمن کو معلوم ہو جائے گا کہ تم پسپا ہو رہے ہو۔"

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کو بہت سی ہدایات دیں اور اسے رخصت کر دیا۔ اس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز ابھی سنائی دے رہی تھی کہ دربان خیمے میں داخل ہوا اور کہا کہ قاہرہ سے ایک قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے اندر بلا لیا۔ وہ انٹیلی جنس کا عہدیدار تھا۔ وہ مصر کے اندرونی حالات کے متعلق حوصلہ شکن خبر لایا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہاں دشمن کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ علی بن سفیان اپنے پورے محکمے کے ساتھ شب و روز مصروف رہتا ہے۔ حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ فوجی بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ ایک بار تو اُڑ ہی گیا۔ اگر صرف مصر کا غم ہوتا تو وہ پروا نہ کرتا۔ اُس نے مصر کو بڑے ہی خطرناک حالات سے بچایا تھا۔ صلیبیوں اور فاطمیوں کی تخریب کاری کی جڑیں کاٹی تھیں۔ سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا بڑا ہی شدید حملہ روکا تھا۔ خلیفہ تک کو معزول کر کے نتائج کا سامنا دلیری اور کامیابی سے کیا تھا مگر اب کرک کو محاصرے میں لے کر وہ وہاں پابجولاں ہو گیا تھا۔ وہاں سے اُس کی غیر حاضری میدانِ جنگ کا پانسہ اُس کے خلاف پلٹ سکتی تھی۔ کرک کے محاصرے کے علاوہ اُس نے قلعے کے باہر صلیبیوں کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ یہ فوج گھیرا توڑنے کی کوشش میں حملے پہ حملے کیے جا رہی تھی۔ وہاں خونریز جنگ لڑی جا رہی

تھی۔ سلطان ایوبی اپنی خصوصی چالوں سے دشمن کے لیے آفت بنا ہوا تھا۔ ایسی جنگ اس کی نگرانی کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی تھی۔

اُدھر سوڈان کی صورتِ حال نے بھی مصر کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ یہ ایک اضافی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ تقی الدین نے بھاگنے کے انداز سے پسپائی کی تو دشمن کی فوج اس کی فوج کو وہیں ختم کر دے گی اور سیدھی مصر میں داخل ہو جائے گی۔ مصر میں جو فوج تھی وہ حملہ روکنے کے لیے کافی نہیں تھی۔ اِدھر کرک کے محاصرے کی کامیابی یا جلدی کامیابی مخدوش نظر آ رہی تھی۔ دونوں محاذوں کی کیفیت میں مصر میں بغاوت کے خطرے کی خبر ایسی چوٹ تھی جس نے سلطان ایوبی کے پاؤں ہلا دیے۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے ہوئے خیمے میں ٹہلتا رہا۔ پھر اُس نے کہا — "میں صلیبیوں کی تمام تر فوج کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ اُس فوج کا بھی جو انہوں نے یورپ میں جمع کر رکھی ہے مگر میری قوم کے یہ چند ایک غدار مجھے شکست دے رہے ہیں۔ کفار کے یہ حواری اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہلاتے ہیں؟ وہ غالباً جانتے ہیں کہ انہوں نے مذہب تبدیل کر لیا تو عیسائی انہیں یہ کہہ کر دھتکار دیں گے کہ تم غدار ہو، ایمان فروش ہو، اپنے مذہب میں رہو، ہم سے اُجرت لو اور اپنی قوم سے غداری کرو۔" — وہ خاموش ہو گیا۔ اُس کے خیمے میں جو افراد موجود تھے وہ بھی خاموش تھے۔ سلطان ایوبی نے سب کو باری باری دیکھا اور کہا — "خدا ہم سے بڑا ہی سخت امتحان لینا چاہتا ہے۔ اگر ہم سب ثابت قدم رہے تو ہم خدا کے حضور سرخرو ہوں گے۔"

اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ بات کہہ دی لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُس پر گھبراہٹ طاری ہے جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

☆

سلطان ایوبی کو اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ مصر میں بغاوت کا خطرہ ہے اور صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ تفصیلات بڑی ہی خوفناک تھیں۔ اُس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمان حکام میں سے تین چار صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تو چند دن بعد اُس نے رسد مانگی۔ قاصد نے کہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ رسد فوراً بھیج دی جائے مگر دو روز تک کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ جو حاکم رسد کی فراہمی اور ترسیل کا ذمہ دار تھا، اُس سے باز پرس ہوئی تو اُس نے یہ اعتراض کیا کہ بیک وقت دو محاذ کھول دیے گئے ہیں۔ دو محاذوں کو رسد کہاں سے دی جا سکتی ہے۔ ایک ہی طریقہ ہے کہ مصر میں جو فوج ہے، اُسے بھوکا رکھا جائے، بازار سے سارا اناج اٹھا کر قاہرہ کے باشندوں کے لیے قحط پیدا کیا جائے اور محاذوں کا پیٹ بھرا جائے۔

یہ ایک اعلیٰ رتبے کا حاکم تھا۔ مسلمان تھا اور سلطان ایوبی کے مصاحبوں میں سے بھی تھا۔ اس کی نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی بات سچ مان لی گئی کہ اناج وغیرہ کی واقعی کمی ہے، تاہم اسے کہا گیا کہ جس طرح ہو سکے محاذ پر لڑنے والے فوجیوں کو رسد ضرور پہنچے۔ اس حاکم نے انتظام کر دیا مگر دو اور دن ضائع کر دیے۔ پانچویں روز رسد کا قافلہ روانہ ہوا۔ یہ اونٹوں اور خچروں کا بڑا ہی لمبا قافلہ تھا۔ مشورہ دیا گیا کہ قافلے کے ساتھ فوج کا ایک گھوڑ سوار دستہ حفاظت کے لیے بھیجا جائے۔ اسی حاکم نے جو رسد فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا، فوج کا دستہ بھیجنے پر اعتراض کیا اور جواز یہ پیش کیا کہ تمام

راستہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ مصر میں فوج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رسد حفاظتی دستے کے بغیر بھیج دی گئی۔ روانگی کے چھ روز بعد اطلاع آگئی کہ رسد راستے میں ہی (سوڈان میں) دشمن کی گھات میں آگئی ہے۔ سوڈانی، رسد مع جانوروں کے لے گئے ہیں اور انہوں نے تمام شتربانوں کو قتل کر دیا ہے۔

قاہرہ ہیڈکوارٹر کے بالائی حکام پریشان ہو گئے۔ رسد کا ضائع ہو جانا معمولی سی چوٹ نہیں تھی۔ سوڈانی میدانِ جنگ میں فوج کی ضرورت کا احساس اُن کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ انہوں نے ذمہ دار حاکم سے کہا کہ وہ فوری طور پر اتنی ہی رسد کا انتظام کرے۔ اُس نے کہا کہ منڈی میں اناج کی قلت ہو گئی ہے۔ تاجروں سے کہا جائے کہ اناج مہیا کریں۔ تاجروں سے بات ہوئی تو انہوں نے اپنے گودام کھول کر دکھا دیئے۔ سب خالی تھے۔ گوشت کے لیے ایک بھی دُنبہ، بکرا یا بیل گائے یا کوئی اور جانور نظر نہیں آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ مصر میں جو فوج ہے اُسے بھی پورا راشن نہیں مل رہا جس سے فوجوں میں بے اطمینانی پھیل رہی ہے۔ تاجروں نے بتایا کہ دیہات سے مال آ ہی نہیں رہا۔ علی بن سفیان کی جاسوسی کا نظام بڑا اچھا تھا۔ یہ انکشاف جلدی ہو گیا کہ باہر کے لوگ دیہات میں آتے ہیں اور وہ اناج اور بکرے وغیرہ منڈی کی نسبت زیادہ دام دے کر خرید لے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اناج وغیرہ ملک سے باہر جا رہا تھا۔ تب سب کو یاد آیا کہ تین چار سال قبل سلطان ایوبی نے مصر کی پہلی فوج کو جس میں سوڈانی باشندوں کی اکثریت تھی، بغاوت کے جرم میں توڑ کر اس کے افسروں اور سپاہیوں کو سرحد کے ساتھ ساتھ قابلِ کاشت اراضی دے کر کاشتکار بنا دیا تھا۔ وہ لوگ اب مصری حکومت کو اور منڈیوں کو اناج دیتے ہی نہیں تھے۔ یہ سوڈان پر حملے کا ردِعمل تھا۔ یہ انقلاب چھ سات دنوں میں آ گیا تھا۔ اناج کی فراہمی کا کام فوج کو سونپا گیا۔ دن رات کی بھاگ دوڑ سے تھوڑا سا اناج ہاتھ آیا جو فوج کی حفاظت میں سوڈان کے محاذ کو روانہ کر دیا گیا۔

بالائی حکام کے لیے رسد کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایسی قلت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ سلطان ایوبی نے رسد مانگ لی تو کیا جواب دیں گے۔ سلطان ایوبی کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ مصر میں اناج کا قحط پیدا ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے تین حکام کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ ان میں انتظامیہ کے بڑے عہدے کا ایک حاکم سلیم الادریس تھا۔ اُس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق الادریس اس کمیٹی کا سربراہ تھا۔ دوسرے دو اس سے ایک درجہ کم عہدے کے غیر فوجی یعنی شہری انتظامیہ کے حاکم تھے۔ رات کے وقت یہ تینوں پہلے اجلاس میں بیٹھے تو دونے الادریس سے کہا کہ سلطان ایوبی نے دو محاذ کھول کر سخت غلطی کی ہے اور تقی الدین ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا ہے۔

"فلسطین مسلمانوں کی سرزمین ہے" — الادریس نے کہا — "وہاں سے صلیبیوں کو نکالنا ضروری ہے۔ وہاں مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہاں مسلمان مستورات کی عزت محفوظ نہیں۔ مسجدیں اصطبل بن گئی ہیں۔"

"یہ سب بہتان ہے" — ایک نے کہا — "کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ صلیبی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کر رہے ہیں؟"

"میں ایک کھلی حقیقت بیان کر رہا ہوں" — سلیم الادریس نے کہا۔

"ہم سے حقیقت چھپائی جا رہی ہے" — دوسرے نے کہا — "صلاح الدین ایوبی قابل تو شخصیت ہے لیکن آپس میں صاف بات کرنے سے ہمیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ ایوبی کو ملک گیری کی ہوس چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی۔ وہ ایوبی خاندان کو شاہی خاندان بنانا چاہتا ہے۔ صلیبیوں کی فوج ایک طوفان ہے۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر صلیبی ہمارے دشمن ہوتے تو وہ فلسطین کی بجائے مصر پر قبضہ کرتے۔ اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے کہ ہماری اس چھوٹی سی فوج کو اب تک کچل چکے ہوتے۔ وہ ہمارے نہیں صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں۔"

"آپ کی باتیں میرے لیے ناقابلِ برداشت ہیں" — الادریس نے کہا — "بہتر ہے کہ ہم جس مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں، اس کے متعلق بات کریں۔"

"یہ باتیں میرے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہیں" — ایک نے کہا — "لیکن ایک آدمی کی خواہشات پر ہمیں پوری قوم کے مفاد کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ آپ دونوں محاذوں کے لیے رسد کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ رسد کی حالت آپ نے دیکھ لی ہے کہ نہیں مل رہی۔ سوڈان کا محاذ ٹوٹ رہا ہے۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم اس محاذ کی رسد روک لیں۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ تقی الدین پیچھے ہٹ آئے گا اور فوج مرنے سے بچ جائے گی۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم رسد نہ بھیجیں تو تقی الدین مجبوری کے عالم میں گھیرے میں آ جائے" — الادریس نے کہا — "ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہماری فوج دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دے۔"

"ڈال دے ہتھیار" — اُس نے کہا — "ہم شکست کا الزام فوج کے سر تھوپ دیں گے۔"

"آپ کیا سوچ کر یہ باتیں کر رہے ہیں؟" — سلیم الادریس نے پوچھا۔

"میری سوچ بڑی صاف ہے" اُس نے جواب دیا۔ "صلاح الدین ایوبی ہم پر فوجی حکومت ٹھونسنا چاہتا ہے۔ وہ صلیبیوں سے مسلسل محاذ آرائی کر کے قوم کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ قوم کی سلامتی کی ضامن صرف فوج ہے اور قوم کی قسمت فوج کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایوبی امن پسند ہوتا تو صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور صلح جوئی سے رہنے کا معاہدہ کر لیتا۔"

الادریس سٹپٹا اٹھا۔ وہ سلطان ایوبی کے خلاف اور صلیبیوں کی حمایت میں کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ بحث میں گرما گرمی ہو گئی۔ کمیٹی کے باقی دو ممبر اُسے بات بھی نہیں کرنے دے رہے تھے۔ اُس نے آخر تنگ آ کر کہا — "میں اجلاس برخاست کرتا ہوں۔ کل ہی میں آپ کی رائے اور تجاویز قلمبند کر کے محاذ پر امیرِ مصر کو بھیج دوں گا" — وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک ممبر وہاں سے چلا گیا۔ دوسرا جس کا نام ارسلان تھا الادریس کے ساتھ رہا۔ ارسلان کا شجرۂ نسب سوڈانیوں سے ملتا تھا۔ اُس نے الادریس سے کہا — "آپ شخصیت پرست اور جذباتی مسلمان ہیں۔ میں نے حقیقت بیان کی اور آپ ناراض ہو گئے۔ میں اب آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے خلاف صلاح الدین ایوبی کو کچھ نہ لکھنا۔ آپ کے لیے اچھا نہ ہو گا" — اُس کے لہجے میں چیلنج اور دھمکی تھی۔ الادریس نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو ارسلان نے کہا — "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ علیحدگی میں بات کروں گا۔"

"میں کروں؟" الادریس نے کہا۔

"میرے گھر چلیں" ارسلان نے کہا — "کھانا میرے ساتھ کھائیں مگر یہ خیال رکھیں کہ یہ ملاقات ایک راز ہوگی۔"

الادریس اُس کے ساتھ اُس کے گھر چلا گیا۔ اندر گیا تو اُسے یوں لگا جیسے کسی بادشاہ کے محل میں آگیا ہو۔ ارسلان اتنی زیادہ اونچی حیثیت کا حاکم نہیں تھا۔ دونوں کمرے میں بیٹھے ہی تھے کہ ایک خوبصورت لڑکی نہایت خوبصورت صراحی اور چاندی کے دو پیالے چاندی کے گول تھال میں رکھے ہوئے اندر آئی اور اُن کے آگے رکھ دیا۔ الادریس نے پوچھا — "ارسلان! تم مسلمان ہو اور شراب پیتے ہو؟" — ارسلان مسکرایا اور بولا — "جان لیا کہ یہ شراب ہے۔ ایک گھونٹ پی لیں، آپ اُس حقیقت کو سمجھ جائیں گے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔"

کھانا لگ چکا تو الادریس نے ارسلان کو دیکھا۔ دو سوڈانی حبشی اندر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی طشتریوں میں کھانا تھا۔ الادریس حیرت سے ارسلان کو دیکھنے لگا۔ ارسلان نے کہا — "میرا ن بہروں کو ترسم الادریس! یہ شان و شوکت آپ کو بھی مل سکتی ہے۔ میں بھی آپ کی طرح پارسا ہوا کرتا تھا مگر اب اس طرح کی دو لڑکیاں میرے گھر میں ہیں۔ دمشق اور بغداد کے امیروں اور وزیروں کے گھروں میں جا کر دیکھو۔ انہوں نے اس طرح کی حسین اور جوان لڑکیوں سے حرم بھر رکھے ہیں۔ وہاں شراب بہتی ہے۔"

"یہ لڑکیاں، یہ دولت اور یہ شراب صلیبیوں کی کرم نوازیاں ہیں۔" الادریس نے کہا — "عورت اور شراب نے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔"

"آپ صلاح الدین ایوبی کے الفاظ میں باتیں کرتے ہیں۔" ارسلان نے کہا — "یہی آپ کی بدنصیبی ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" — الادریس نے جھنجھلا کر پوچھا۔ "مجھے شک ہے کہ تم صلیبیوں کے جال میں آگئے ہو۔"

"میں فوج کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔" ارسلان نے کہا۔ "میں فوج کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سوڈان میں لڑتی فوج کو رسد اور کمک نہ دی جائے۔ اُسے دھوکہ دیا جائے کہ کمک آ رہی ہے۔ اُسے جھوٹی اُمیدوں پر لڑاتے رہو حتیٰ کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ ظاہر ہے سوڈانی اُسے قتل کر دیں گے اور اُس کی فوج ہمیشہ کے لیے وہیں ختم ہو جائے گی۔ ہم فوج کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرا کر اُسے قوم کی نظروں میں ذلیل کر دیں گے۔ پھر قوم صلاح الدین ایوبی کی فوج سے بھی متنفر ہو جائے گی۔۔۔ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس کا آپ کو اتنا اور ایسا معاوضہ ملے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔" الادریس نے کہا — "تم مجھ سے ایمان فروشی کرانا چاہتے ہو۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔"

بہت دیر کی بحث اور تکرار کے بعد الادریس نے کہا — "تم اتنی خطرناک باتیں اتنی دلیری سے کس طرح کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمہیں گرفتار کر کے غداری کی سزا دلا سکتا ہوں؟"

"کیا میں یہ نہیں کہہ سکوں گا کہ آپ مجھ پر جھوٹا الزام عائد کر رہے ہیں؟" ارسلان نے کہا — "صلاح الدین ایوبی میرے خلاف ایک لفظ نہیں سُنے گا۔"

الادریس ششدر تھا۔ وہ حیران تھا کہ اتنے بڑے عہدے کا حاکم کس قدر شیطان صفت اور وہ بھی دلیری سے باتیں کر رہا ہے۔ دراصل الادریس خود مردِ مومن تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ایمان کو نیلام کرنے والے کتنی گہری پستیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اُس کے پاس ارسلان کو پابند کرنے اور راہِ راست پر لانے کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ وہ ارسلان کے عہدے سے زیادہ بڑے عہدے کا حاکم تھا۔ اس لیے ارسلان سے کہا — "میں حیران ہو رہا ہوں کہ تم کیا کہتے ہو اور تم کیا کر رہے ہو۔ تم جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو اس کی سزا موت ہے۔ میں تمہیں یہ رعایت دیتا ہوں کہ صرف دو روز کے اندر اپنا رویہ درست کر لو اور دشمن سے تعلقات توڑ کر مجھے یقین دلا دو کہ تم خلافتِ بغداد اور اپنی قوم کے خلاف نہیں ہو۔ میں تمہیں رسد کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہوں۔ یہ انتظام ہم خود کر لیں گے۔ اگر مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں اس محل میں جو تمہیں صلیبیوں نے بنا دیا ہے نظربند کر دوں گا۔ سات دن بڑی لمبی رعایت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آٹھویں روز تمہیں جلاد یہاں سے نکالے۔"

الادریس اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ ارسلان مسکرا رہا تھا۔ ارسلان نے کہا — "محترم الادریس! آپ کے دو بیٹے ہیں۔ دونوں نوجوان ہیں۔"

"ہاں!" الادریس نے کہا اور پوچھا۔ "کیا ہے میرے بیٹوں کو؟"

"کچھ نہیں!" ارسلان نے کہا۔ "میں آپ کو یاد دلا رہا ہوں کہ آپ کے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی آپ کی کُل اولاد ہے۔"

الادریس اس اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے کہا — "شراب نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے" — اور وہ باہر نکل گیا۔

☆

ارسلان کے گھر سے نکل کر الادریس علی بن سفیان کے گھر چلا گیا اور اُسے ارسلان کی باتیں سنائیں۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ارسلان اُس کی مشتبہ فہرست میں ہے لیکن اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملا۔ تاہم وہ جاسوسوں کی نظر میں ہے۔ الادریس بہت پریشان تھا اور حیران بھی کہ ارسلان اتنی دلیری سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ اکیلا نہیں، غداری منظم طریقے سے ہو رہی ہے۔ اس کے جراثیم فوج میں بھی پھیلا دیے گئے ہیں۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ سوڈان کے محاذ کے لیے رسد کا تھا۔ الادریس نے اُسے بتایا کہ اُس نے ارسلان کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے اور رسد کا انتظام اب خود کرنا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ایک سازش کے تحت دیہات سے اناج اور بکرے وغیرہ سرحد سے باہر بھجوائے جا رہے ہیں۔ منڈی میں غلے اور دیگر سامانِ خورد و نوش کا مصنوعی قحط پیدا کر دیا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے اپنے جاسوسوں اور مخبروں کو یہ کام دے رکھا ہے کہ رات کو اِدھر اُدھر گھومتے رہا کریں۔ جہاں کہیں انہیں اناج کی ایک بوری بھی جاتی نظر آئے پکڑ لیں۔ طویل بات چیت کے بعد انہوں نے رسد کے انتظام کا کوئی طریقہ سوچ لیا۔

سلیم الادریس اس قومی مہم اور اپنے فرائض میں اس قدر مگن تھا کہ اُس کے ذہن سے ارسلان کا یہ اشارہ نکل

گیا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی تمہاری کل اولاد ہے۔ الادریس کو اپنے بیٹوں کے کردار پر بھروسہ تھا مگر جوانی اندھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں بدکاری کی ایک لہر آئی تھی جس نے نوجوان ذہن کو لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ دو تین سال پہلے بھی ایسی ہی ایک لہر آئی تھی جس پر جلدی ہی قابو پا لیا گیا تھا۔ اب یہ لہر زمین کے نیچے سے آئی اور کام کر گئی۔ یہ مختلف کھیل تماشوں کی صورت میں آئی جن میں شعبدہ بازی اور کھیلوں کی صورت میں جوا بازی شامل تھی۔ یہ لوگ خیمے اور شامیانے تان کر تماشہ دکھاتے تھے جس میں کچھ بھی قابلِ اعتراض نہیں تھا، مگر شامیانوں کے اندر خفیہ خیمے تھے جہاں اکیلے اکیلے نوجوان کو اشارے سے بلایا جاتا تھا۔ ان سے پیسے لے کر کپڑوں پر بنی ہوئی دستی تصویریں دکھائی جاتی تھیں۔ یہ عریاں اور بے حد فحش تصویریں تھیں جو مصوروں نے بڑی محنت سے بنائی تھیں۔ تصویریں دکھانے کا کام لڑکیاں کرتی تھیں جن کی مسکراہٹ اور انداز میں دعوتِ گناہ ہوتی تھی۔

وہیں نوجوانوں کو تھوڑی تھوڑی حشیش پلائی جاتی تھی۔ یہ شرمناک اور خطرناک سلسلہ زمین کے اوپر چل رہا تھا مگر اسے پکڑا نہیں جا سکتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کوئی یہ تصویریں دیکھ کر یا حشیش کا ذائقہ چکھ کر آتا تھا وہ اپنے گناہ کو چھپائے رکھتا تھا۔ اس گناہ میں لذت ایسی تھی کہ جانے والے بار بار جاتے تھے۔ وہ اس لیے بھی باہر کسی سے ذکر نہیں کرتے تھے کہ حکومت تک بات پہنچ گئی تو انہیں اس نشہ آور لذت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس لذت پرستی کا شکار نوجوان اور فوجی ہو رہے تھے۔ اُن کے لیے در پردہ قحبہ خانے بھی کھول دیئے گئے۔ کردار کشی کی یہ مہم کس قدر کامیاب تھی؟ — اس کا جواب کرک کے قلعے میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس اور نفسیاتی جنگ کا ماہر جرمن نژاد ہرمن اپنے حکمرانوں کو ان الفاظ میں دے رہا تھا۔

"سپین کے مصوروں نے یہ جو تصویریں بنائی ہیں، یہ لوہے کے بنے ہوئے مردوں کو بھی مٹی کے بُت بنا دیتی ہیں۔" اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کی ایک فحش تصویر حاضرین کو دکھائی۔ یہ بڑے سائز کی تصویر تھی جو بڑے دلکش رنگوں میں بنائی گئی تھی۔ صلیبی حکمرانوں نے تصویر دیکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ ننگے مذاق شروع کر دیئے۔ ہرمن نے کہا — "میں نے ایسی بے شمار تصویریں بنوا کر مصر کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی خفیہ نمائش کا انتظام کر دیا ہے۔ وہاں سے ہماری کامیابی کی اطلاعیں آ رہی ہیں۔ میں نے قاہرہ کی نوجوان نسل میں حیوانی جذبہ بھڑکا دیا ہے۔ یہ ایسا طاقتور جذبہ ہے جو مشتعل ہو جائے تو تمام انسانی جذبوں کو جن میں قومی جذبہ خاص طور پر شامل ہے، تباہ کر دیتا ہے۔ ان تصویروں نے مصر میں مقیم مسلمان فوج کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے بیکار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان تصویروں کی لذت نشہ بھی مانگتی ہے۔ اس کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ میرے تخریب کاروں اور جاسوسوں کے گروہ نے صحرائی لڑکیوں کی پوری فوج قاہرہ اور دوسرے قصبوں میں داخل کر دی ہے۔ یہ لڑکیاں دیمک کی طرح صلاح الدین کی قوم اور فوج کو کھا رہی ہیں۔ وہ وجوہات کچھ اور تھیں جب میری مہم قاہرہ میں پکڑی گئی تھی۔ اب میں نے کچھ اور طریقے آزمائے ہیں جو کامیاب ہو رہے ہیں۔ اب وہاں کے مسلمان خود میری مہم کی حفاظت کریں گے اور اسے تقویت دیں گے۔ وہ اس ذہنی عیاشی کے عادی ہو گئے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصے بعد میں اُن کے ذہنوں پر

اُن کی اپنی ہی قوم اور اپنے ہی ملک کے خلاف زہر بھرنا شروع کر دوں گا۔"

"صلاح الدین ایوبی بہت ہوشیار آدمی ہے۔" حاضرین سے کسی نے کہا۔ "وہ جونہی مصر پہنچا، تمہاری اس مہم کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔"

"اگر وہ مصر پہنچا تو ..." ہرمن نے کہا۔ "اس سوال کا جواب آپ دے سکتے ہیں کہ آپ اُس کو کامیاب ہونے دیں گے یا نہیں۔ بے شک اُس نے ریناٹ کی فوج کو قلعے سے باہر گھیرے میں لے رکھا ہے اور قلعہ اُس کے محاصرے میں ہے لیکن یہ گھیرا اور یہ محاصرہ اسی کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ آپ یہاں فیصلہ کن جنگ نہ لڑیں۔ ایوبی کو محاصرے میں الجھائے رکھیں تاکہ وہ یہیں پابند رہے اور مصر نہ جا سکے۔ سوڈان میں ہمارے کمانڈروں نے تقی الدین کی فوج کو نہایت کامیابی سے بکھیر دیا ہے۔ وہ اب نہ لڑ سکتا ہے نہ وہاں سے نکل سکتا ہے۔ مصر کی منڈیوں کا اور وہاں کی کھیتیوں کا غلہ میں نے غائب کرا دیا ہے۔ آپ کی دی ہوئی دولت آپ کو پورا صلہ دے رہی ہے۔ ایوبی کا ایک وفادار حاکم ارسلان دراصل آپ کا وفادار ہے۔ وہ ہمارے ساتھ پورا تعاون کر رہا ہے۔ اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہمارے ساتھ ہیں۔"

"ارسلان کو کتنا معاوضہ دیا جا رہا ہے؟" فلپ آگسٹس نے پوچھا۔

"جتنا ایک مسلمان حاکم کا دماغ خراب کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔" ہرمن نے جواب دیا۔ "عورت اور شراب، دولت اور حکومت کا نشہ کسی بھی مسلمان کا ایمان خرید سکتا ہے۔ وہ میں نے خرید لیا ہے ... میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ اب صلاح الدین ایوبی مصر جائے گا تو اسے وہاں کی دنیا بدلی ہوئی نظر آئے گی۔ وہ جس نوجوان نسل کی بات فخر سے کیا کرتا ہے وہ مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے لیے بیکار ہوگی۔ اس کی سوچیں اور اس کا کردار ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ نسل جنسی جذبے کی ماری ہوئی ہوگی۔ یہی حال اس فوج کا ہوگا جسے وہ مصر میں چھوڑ آیا ہے۔ اس فوج میں میرے تخریب کاروں نے اتنی زیادہ بے اطمینانی پھیلا دی ہے کہ وہ بغاوت سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ میں آج یہ دعوے وثوق سے کر سکتا ہوں کہ آپ سے پہلے میں اپنا محاذ ختم کر چکا ہوں گا۔ دشمن کے کردار اور اخلاق کو تباہ کر دینے کے بعد فوجوں کے حملوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

ہرمن کی اس حوصلہ افزا رپورٹ پر صلیبی حکمران بہت خوش ہوئے۔ فلپ آگسٹس نے وہی عزم دہرایا جس کا اظہار وہ کئی بار کر چکا تھا۔ اُس نے کہا — "ہماری لڑائی صلاح الدین سے نہیں اسلام سے ہے۔ ایوبی بھی مر جائے گا، ہم بھی مر جائیں گے، لیکن ہمارا جذبہ اور عزم زندہ رہنا چاہیے کہ اسلام بھی مر جائے اور دنیا پر صلیب کی حکمرانی ہو۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایسا محاذ کھولا جائے جہاں سے مسلمانوں کے نظریات اور کردار پر حملہ کیا جائے۔ میں ہرمن کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ اس نے محاذ نہ صرف کھول دیا ہے بلکہ حملہ کر کے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے۔"

☆

سلیم الادریس کے بھی دو بیٹے جوان تھے۔ ایک کی عمر سترہ سال اور دوسرے کی اکیس سال تھی۔ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ بھی لذت پرستی کے اس طوفان کی لپیٹ میں آ گئے تھے یا نہیں جو صلیبی تخریب کار قاہرہ میں لائے تھے۔ البتہ

ثبوت بعد میں ملا کہ بڑے بیٹے کے در پردہ تعلقات ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ تھے۔ یہ لڑکی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتی تھی اور بے پردہ رہتی تھی۔ کسی بڑے خاندان کی لڑکی تھی۔ ان کی ملاقاتیں خفیہ ہوتی تھیں۔ جس روز ارسلان نے الادریس سے کہا تھا کہ تمہارے دو بیٹے جوان ہیں اُس سے اگلے روز اس لڑکی نے الادریس کے بڑے بیٹے سے کہا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے۔ وہ جدھر جاتی ہے اُس کا پیچھا کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں بھی دیتا ہے۔ اس بڑے بیٹے نے لڑکی سے پوچھا کہ نوجوان کون ہے تو لڑکی نے نہ بتایا۔ بات گول کر گئی کہنے لگی کہ اُس نے زیادہ پریشان کیا تو اُسے بتا دے گی۔

بعد کے انکشافات سے پتہ چلا کہ اُسے کوئی نوجوان پریشان نہیں کرتا تھا بلکہ وہ خود نوجوانوں کو پریشان اور خراب کرتی پھر رہی تھی۔ اُس نے جس شام بڑے بیٹے سے یہ شکایت کی اس سے اگلے ہی روز اُس نے الادریس کے چھوٹے بیٹے کو جس کی عمر سترہ سال تھی اپنے جال میں پھانس لیا اور ایسی والہانہ اور بے تابانہ محبت کا اظہار زبانی اور عملی طور پر کیا کہ لڑکا اپنا آپ اس کے حوالے کر بیٹھا۔ دو دو پردہ ملاقاتوں کے بعد اُس نے اُسے بھی بتایا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں دیتا ہے۔ لڑکے کا خون جوش میں آگیا۔ اُس نے پوچھا کہ وہ کون ہے تو لڑکی نے کہا کہ اگر اُس نے زیادہ پریشان کیا تو بتاؤں گی۔ اُسی شام وہ اس لڑکے کے بڑے بھائی سے ملی اور اُسے کہا کہ وہ نوجوان مجھے زیادہ پریشان کرنے لگا ہے۔ وہ تمہارے متعلق کہتا ہے کہ اُسے میں ایسے طریقے سے قتل کروں گا کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکے گا۔ لڑکی نے کہا — "تم خنجر اپنے پاس رکھا کرو"۔

دوسری شام کی ملاقات میں اُس نے چھوٹے بھائی کو اسی طرح مشتعل کیا اور اُسے کہا کہ وہ خنجر اپنے پاس رکھا کرے۔ چنانچہ دونوں بھائی اس حقیقت سے بے خبر کہ وہ ایک ہی لڑکی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں خنجر اپنے پاس رکھنے لگے۔ لڑکی دونوں سے الگ الگ ملتی رہی۔ صرف پانچ دنوں میں لڑکی نے دونوں بھائیوں کو چلتے حیوان پھر درندہ بنا دیا۔ اُس شام اُس نے بڑے بھائی کو شہر سے ذرا باہر ایک اندھیری جگہ ملنے کو کہا۔ چھوٹے بھائی کو بھی اُس نے وہی وقت اور وہی جگہ بتائی اور دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نوجوان جو مجھے پریشان کیا کرتا ہے آج کہہ گیا ہے کہ شام کو جہاں بھی جاؤ گی مجھے وہاں پاؤ گی۔ میں تمہارے چاہنے والے کو تمہارے سامنے قتل کروں گا۔ لڑکی نے کہا۔ "میں نے اُسے کہا ہے کہ اگر تم اتنے دلیر ہو تو شام کو اس جگہ آجانا۔ اگر تم نے اُسے قتل کر دیا تو میں تمہاری ہو جاؤں گی" — یہ دونوں بھائی خونریز معرکہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شام کو بڑا بھائی خنجر لیے اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے لڑکی نے بتائی تھی۔ اُس نے ایسی استادی کا مظاہرہ کیا کہ جگہ اندھیری کا انتخاب کیا اور یہ بھی خیال رکھا کہ دونوں بھائی اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو پہچان نہ لیں۔ وہ وہاں پہنچی تو بڑے بھائی کو وہاں موجود پایا۔ اُسے بتایا کہ وہ نوجوان میرے پیچھے آرہا ہے۔ بڑے بھائی نے خنجر نکال لیا۔ فوراً ہی بعد چھوٹا بھائی آگیا۔ لڑکی نے بڑے بھائی سے کہا کہ وہ آگیا ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ خون خرابہ ہو، میں اُسے کہتی ہوں کہ وہ چلا جائے۔ یہ کہہ کر وہ چھوٹے بھائی کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ پہلے سے موجود ہے اور اُس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ چھوٹے بھائی کی عقل پر جوانی کا تازہ خون سوار تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اندھیرے میں اپنے

بھائی کی طرف دوڑا۔ بڑے بھائی نے حملہ آور کو اتنی تیزی سے آتے دیکھا تو وہ بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ بھائیوں نے ایک دوسرے پر رقابت کے جوش میں بڑے گہرے وار کیے۔ وہ گر گر کر اُٹھے اور ایک دوسرے کو لہولہان کرتے رہے۔ لڑکی انہیں بھڑکاتی رہی۔

علی بن سفیان کے شعبے کے آدمی رات کو گشت پر رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک گھوڑ سوار گشت پر اِدھر آنکلا۔ لڑکی بھاگ اُٹھی۔ گھوڑ سوار نے اُسے دُور نہ جانے دیا اور پکڑ کر واپس لے گیا۔ وہاں دونوں بھائی زمین پر پڑے آخری سانسیں لے رہے تھے۔ لڑکی نے اُن سے لاتعلقی کے اظہار کی بہت کوشش کی لیکن اس آدمی نے اُسے نہ چھوڑا۔ لڑکی کے دیئے ہوئے لالچ کو بھی اُس نے قبول نہ کیا۔ اُس نے پکار پکار کر گشتی پہرہ داروں کو بلا لیا۔ اُس وقت تک دونوں بھائی مر چکے تھے۔ لڑکی کو اُسی وقت علی بن سفیان کے پاس لے گئے۔ لاشیں بھی لائی گئیں۔ روشنی میں دیکھا تو دونوں بھائی تھے۔ سلیم الادریس کو اطلاع دی گئی۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر اُس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ لڑکی نے اپنے بیہودہ بیان دیئے مگر وہ اس سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہی تھی کہ وہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں رہتی ہے۔ الادریس بہت بُری ذہنی حالت میں تھا۔ اُس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اسے شکنجے میں ڈالو علی، اس طرح یہ کچھ نہیں بتائے گی"۔

"بتانے کے لیے ہے ہی کیا"۔ لڑکی نے بھی غصے میں کہا۔ بڑے بھائی کی لاش کی طرف اشارہ کرکے بولی۔ "اس نے مجھے بلایا تھا۔ میں چلی گئی۔ اوپر سے یہ (چھوٹا بھائی) آگیا۔ دونوں نے خنجر نکال لیے اور لڑ پڑے۔ میں ڈر کے مارے بھاگ اُٹھی اور ایک گھوڑ سوار نے مجھے پکڑ لیا۔ میں اپنے باپ کا نام اس لیے نہیں بتاتی کہ اُس کی بھی رُسوائی ہوگی"۔

علی بن سفیان کا دماغ حاضر تھا۔ اُسے یاد آگیا کہ ارسلان اور الادریس کی آپس میں ترش کلامی ہوئی تھی۔ ارسلان اُس کے مشتبہوں کی فہرست میں تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کے گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے الادریس کو آنکھ سے اشارہ کرکے کہا — "یہ لڑکی کوئی بھی ہے یہ قاتل نہیں۔ یہ دو جوانوں کو اکیلے قتل نہیں کر سکتی۔ اس نے سچ بات بتا دی ہے۔ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا"۔ اس نے لڑکی سے کہا۔ "جاؤ تم آزاد ہو۔ آئندہ کسی کے ساتھ اتنی دُور نہ جانا ورنہ قتل ہو جاؤ گی"۔

لڑکی بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ علی بن سفیان نے اپنے دو مخبروں سے کہا کہ ان میں سے ایک لڑکی کا راستہ دیکھ کر دوسرے راستے سے ارسلان کے گھر کے بڑے دروازے سے ذرا دُور چھپ جائے اور دوسرا ایسے طریقے سے لڑکی کا تعاقب کرے کہ لڑکی کو پتہ نہ چلے، اور وہ جہاں بھی جائے فوراً اطلاع دی جائے۔ دونوں آدمی چلے گئے۔ لڑکی تیز تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی اور اُس کا تعاقب ہو رہا تھا۔ علی بن سفیان کا شک ٹھیک ثابت ہوا۔ لڑکی ارسلان کے گھر چلی گئی۔ وہاں ایک آدمی موجود تھا۔ اُس نے آکر اطلاع دی کہ لڑکی اُس گھر میں داخل ہوئی ہے۔ جب الادریس کو معلوم ہوا کہ لڑکی کا تعلق ارسلان کے گھر سے ہے تو اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ ارسلان نے اُسے کہا تھا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں، مگر الادریس یہ اشارہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ ارسلان کی کارستانی

ہے۔ دونوں بھائیوں کو اسی نے اس عجیب و غریب طریقے سے ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ الادریس نے حاکمِ اعلیٰ کو اطلاع دی۔ پولیس کا سربراہ غیاث بلبیس بھی آ گیا۔ علی بن سفیان کو بھی خصوصی اختیارات حاصل تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ارسلان کے گھر چھاپہ مار کر اُسے گھر ہی میں نظر بند کر دیا جائے۔

"اب میں سلیم الادریس کو بتاؤں گا کہ میں کیوں اتنی دلیری سے باتیں کرتا ہوں۔" ارسلان نے اس لڑکی کی کامیابی کی روئیداد سُن کر کہا — "میں اُسے بتاؤں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔" اُس نے لڑکی کو شراب پیش کی اور دونوں کامیابی کا جشن منانے لگے۔

اُن کا جشن ابھی ختم نہیں ہُوا تھا کہ بغیر اطلاع کے کوئی اندر آ گیا۔ یہ الادریس تھا۔ اُس نے ارسلان اور لڑکی کو نشے اور عریانی کی حالت میں دیکھا اور لڑکی کو پہچان لیا۔ ارسلان نے نشے کی حالت میں کہا — "اپنے بیٹوں کو قتل کرا کے تم میرے ہاتھوں قتل ہونے آئے ہو؟ .... دربان کہاں ہے؟ یہ شخص میری جنت میں بغیر اجازت کیوں کر آ گیا ہے؟"

"تمہیں جہنم میں لے جانے کے لیے۔" الادریس نے کہا — "میں اپنے بیٹوں کا انتقام لینے نہیں آیا، تمہیں غداروں کے انجام تک پہنچانے آیا ہوں۔"

اتنے میں شہر کا وہ حاکمِ اعلیٰ اندر آیا جس کے پاس امیرِ مصر کے اختیارات تھے۔ اُس کے ساتھ غیاث بلبیس اور علی بن سفیان تھے۔ لڑکی کو گرفتار کر لیا گیا۔ ارسلان کے تمام ملازموں اور گھر کے دیگر افراد کو باہر نکال کر اس کے محل جیسے مکان کے اندر اور باہر فوج کا پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس کے گھر میں ایک تہہ خانہ برآمد ہُوا جو بہت ہی وسیع اور گہرا تھا۔ وہاں سے تیر کمانوں اور برچھیوں کے انبار نکلے۔ ایک ڈھیر خنجروں کا تھا۔ آتش گیر مادہ بھی تھا۔ ایک صندوق میں سے حشیش اور زہر برآمد ہوئے۔ ایک اور کمرے میں سے سونے کی اینٹیں اور اشرفیوں کی تھیلیاں برآمد ہوئیں۔ اُس نے اپنی پرانی دو بیویوں اور اُن کے بچوں کو کہیں اور بھیج رکھا تھا۔ گھر میں تین لڑکیاں تھیں۔ تینوں ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت تھیں اور تینوں غیر مسلم۔ رات ہی رات ملازموں کی چھان بین کر لی گئی۔ ان میں تین صلیبیوں کے جاسوس نکلے۔

"کیا تم خود بتا دو گے کہ تمہارے عزائم کیا ہیں؟" حاکمِ اعلیٰ نے ارسلان سے پوچھا — "یہ مال و دولت اور اسلحہ کے یہ انبار تمہیں سزائے موت دلانے کے لیے کافی ہیں۔"

"پھر سزائے موت دے دو۔" اُس نے نشے کی حالت میں کہا — "اگر مجھے جان ہی دینی ہے تو خاموشی سے کیوں نہ مر جاؤں؟"

"خدا کی نگاہ میں یہ بہت بڑی نیکی ہوگی کہ تم ہمیں اور اس کے نام لیواؤں کو خطروں سے آگاہ کر دو۔" حاکمِ اعلیٰ نے کہا — "مجھے امید ہے کہ اسی نیکی کے بدلے خدا تمہارے اتنے زیادہ گناہ بخش دے گا۔"

"تم لوگ تو مجھے نہیں بخشو گے۔" ارسلان نے کہا۔

"سلطان ایوبی اس سے بھی بڑے گناہ بخش دیا کرتا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا — "آپ کے بچنے کی صورت

پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ بتا دیں کہ یہاں کس قسم کی تخریب کاری ہو رہی ہے۔ کچھ اور لوگ گرفتار کرا دیں۔"

وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ باقی لوگ اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ الادریس نے اپنی تلوار کمر سے باندھ رکھی تھی۔ ارسلان خاموشی سے ٹہلتے ٹہلتے اُس کے قریب گیا اور بڑی ہی تیزی سے اس کی نیام میں سے تلوار نکال کر اپنے سینے اور پیٹ کے درمیان رکھی۔ پیشتر اس کے کہ ہاتھ سے تلوار چھینی جاتی اُس نے دستے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوری طاقت سے تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔ وہ اپنے بستر پر گرا۔ دوسرے آدمی تلوار اُس کے پیٹ سے نکالنے لگے تو اس نے کہا — "رہنے دو۔ میری دو تین باتیں سُن لو۔ مر جاؤں گا تو تلوار نکال لینا۔ میں نے اپنے آپ کو سزا دے دی ہے۔ میں زندہ صلاح الدین ایوبی کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ مجھے اپنا وفادار دوست سمجھتا تھا..... میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ تلوار اپنا کام کر چکی ہے۔ ہوش کرو، مصر سخت خطرے میں ہے۔ مصر میں جو فوج ہے وہ بغاوت کے لیے تیار ہے۔ فوجوں کی رسد کو میں نے ناپید کیا ہے۔ سپاہیوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ میں تخریب کاروں نے فوج میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ محاذوں پر بکرے، اناج اور شراب جا رہی ہے اور وہاں کے سپاہیوں کو مالِ غنیمت سے مالا مال کر کے عیاشی کرائی جا رہی ہے..... میرے گروہ میں اچھے عہدوں کے لوگ ہیں، میں کسی کا نام نہیں بتاؤں گا۔ فاطمی اور فدائی تباہ کاری کی پوری تیاری کر چکے ہیں، تم بغاوت کو روک نہیں سکو گے۔ نئی فوج لاؤ، حالات تمہارے قابو سے ....." اور وہ فقرہ مکمل کیے بغیر مر گیا۔

اُس کے گھر سے جو تین لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں وہ بھی اس کے فقرے کو مکمل نہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنے متعلق بتا دیا کہ انہیں اخلاقی تخریب کاری اور مردوں کو پھانس کر استعمال کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ارسلان کے گھر راتوں کو محفلیں جما کرتی تھیں جن میں فوج اور انتظامیہ کے افسر آیا کرتے تھے۔ اُن کی خفیہ ملاقاتیں اور اجلاس ان لڑکیوں کے بغیر ہوتے تھے۔ لڑکیوں نے یہ تصدیق کر دی کہ مصر میں بغاوت کے لیے زمین ہموار کر دی گئی ہے۔ جس لڑکی نے دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا اس نے قتل کی ساری کہانی سنا دی جو بیان کی گئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ الادریس کے بڑے بیٹے کو پہلے ہی اپنے جال میں محبت کا جھانسہ دے کر لے چکی تھی۔ اسے ارسلان اپنے باپ الادریس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن ارسلان نے منصوبہ بدل دیا اور اس لڑکی سے کہا کہ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دو۔

ایک ہی رات میں تقریباً اڑھائی سو اونٹ مرکزی دفتر کے سامنے لائے گئے۔ ان پر غلّہ اور خورد و نوش کا دیگر سامان لدا ہُوا تھا۔ یہ اونٹ تین چار قافلوں کی صورت میں مختلف جگہوں سے پکڑے گئے تھے۔ اناج وغیرہ کو سرحد سے باہر جانے سے روکنے کے لیے گشتی پارٹیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ان کی پہلی کامیابی تھی۔ ان قافلوں کے ساتھ جو آدمی تھے انہوں نے شہر کے چند ایک بیوپاریوں کے نام بتائے۔ ان بیوپاریوں نے تمام غلّہ اور دیگر سامان زیرِ زمین کر لیا تھا۔ آدھی رات کے بعد وہ یہ سامان باہر کے اجنبی تاجروں کے ہاتھ بیچتے تھے۔ ان آدمیوں نے دیہاتی علاقوں میں بھی چند ایک جگہوں کی نشاندہی کی جہاں اجنبی تاجر موجود رہتے اور تمام تر رسد اکٹھی کر کے لے جاتے تھے۔ شتربانوں میں سے بعض نے سرحد کی ایک جگہ بتائی جہاں سے یہ قافلے سوڈان جایا کرتے تھے۔ وہاں کب

سرحدی دستہ موجود تھا۔ انکشاف ہوا کہ اس دستے کا کمانڈر دشمن سے باقاعدہ معاوضہ یا رشوت لیتا اور قافلے گزار دیتا تھا۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ اہتمام ارسلان کی زیرِ کمان ہو رہا تھا۔

☆

یہ اُن سینکڑوں میں سے چند ایک واقعات ہیں جو سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔ الادریس اور دیگر اعلیٰ حکام نے ارسلان کی غداری اور الادریس کے بیٹوں کی موت اور دیگر واقعات پر غور کرنے کے لیے اجلاس منعقد کیا۔ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ مشورہ پیش کیا کہ حالات اتنے بگڑ گئے ہیں کہ ان کے بس میں نہیں رہے۔ پیشتر اس کے کہ مصر میں بغاوت ہو جائے یا فاطمیوں کے اور فدائیوں کے ہاتھوں کوئی اعلیٰ شخصیت قتل ہو جائے سلطان ایوبی کو مکمل حالات سے آگاہ کر دیا جائے اور انہیں مشورہ دیا جائے کہ ممکن ہو سکے تو وہ کرک کا محاصرہ اپنے نائبین کے سپرد کر کے قاہرہ آ جائیں۔ ایک قاصد کو تو پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا مگر اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ اب سنگین وارداتیں ہو گئیں تو اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ علی بن سفیان محاذ پر سلطان ایوبی کے پاس جائے۔

کرک کے محاصرے کو دو مہینے گزر گئے تھے مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں نے دفاع کے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ ایک انتظام یہ تھا کہ شہر میں سامان خورد و نوش کا ذخیرہ کافی تھا۔ ایک جاسوس نے اندر سے تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر باہر پھینکا تھا جس میں تحریر تھا کہ اندر خوراک کی کوئی کمی نہیں۔ مسلمان باشندوں پر اتنی سخت پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں کہ اُن کے گھروں کی دیواریں بھی اُن کے خلاف مخبری اور جاسوسی کرتی تھیں اس لیے اندر تخریب کاری ممکن نہیں رہی تھی ورنہ خوراک کا یہ ذخیرہ تباہ کر دیا جاتا۔ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوسوں کی بھی کمی تھی۔ وہ کبھی کبھی رات کے وقت تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر اور موقع محل دیکھ کر باہر کو تیر چلا دیتے تھے۔ فوجوں کو حکم تھا کہ ایسا تیر نظر آئے تو وہ اپنے کمانڈر تک پہنچا دیں۔ صلیبیوں نے محاصرہ توڑنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔ وہ سلطان ایوبی کی طاقت زائل کرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی اُن کی چال سمجھ گیا تھا۔ اس کے جواب میں اُس نے بھی اپنا طریقہ بدل دیا تھا۔

صلیبیوں کی یہ کوشش ناکام ہو چکی تھی کہ انہوں نے باہر سے حملہ کیا تھا۔ سلطان ایوبی اس حملے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے نہایت اچھی چال سے اس فوج کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس فوج کو گھیرے میں آئے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا۔ گھیرے میں آئی ہوئی فوج گھیرا توڑنے کے لیے ہر طرف حملے کرتی تھی۔ سلطان ایوبی اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ البتہ گھیرا کئی میلوں پر پھیل گیا تھا۔ وہ علاقہ سرسبز تھا اس لیے صلیبیوں کو پانی اور جانوروں کو چارہ مل جاتا تھا۔ ان کے جانور مرتے تھے تو اُسے وہ کھا لیتے تھے، مگر یہ کافی نہیں تھا۔ ہزاروں گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے یہ چارہ کافی نہیں تھا۔ پانی کے لیے وہاں کوئی ندی یا دریا نہیں تھا۔ تین چار چشمے تھے جن میں سے دو ڈیڑھ مہینے میں ہی خشک ہو گئے تھے۔ صلیبی سپاہیوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں غذا بہت کم ملتی تھی اور پانی کے لیے بہت دور جانا پڑتا تھا۔ رات کو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار گروہ اُن پر شب خون مارتے اور نقصان کرتے رہتے تھے۔ ڈیڑھ

ماہ میں یہ فوج آدھی رہ گئی تھی۔ اُن کے جانوروں میں بھی دم نہیں رہا تھا۔ صلیبی حکمران ریمانڈ جو اس فوج کا کمانڈر تھا، سخت پریشانی کے عالم میں انتظار کر رہا تھا کہ صلیبی حملہ کر کے اُسے سلطان ایوبی سے چھڑائیں گے مگر اُس کی مدد کو کوئی نہیں آ رہا تھا۔

سلطان ایوبی چاہتا تو چاروں طرف سے حملہ کر کے اس فوج کو شکست دے سکتا تھا لیکن اس سے اپنا جانی نقصان بھی ہونا لازمی تھا اور جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کا خطرہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی اپنی طاقت زائل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ صلیبیوں کو آہستہ آہستہ مار رہا تھا۔ اُسے یہ نقصان ضرور ہو رہا تھا کہ اُس کی فوج کا تیسرا حصہ اس صلیبی فوج کو گھیرے میں رکھنے میں اُلجھ گیا تھا۔ اُسے وہ شہر کے محاصرے کی کامیابی کے لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے پاس ابھی ریزرو دستے موجود تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ قلعہ توڑنے کے لیے وہ انہیں استعمال کرے۔ وہ اب محاصرے کو اور زیادہ طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ اُس دور میں محاصرے عموماً طویل ہوا کرتے تھے۔ ایک ایک شہر کو دو دو سال تک بھی محاصرے میں رکھا گیا ہے۔ چھ سات ماہ کا محاصرہ طویل نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن سلطان ایوبی محاصرے کو طول دینے کا قائل نہیں تھا۔ وہ ان حملہ آوروں میں سے بھی نہیں تھا جو کسی ملک کے دارالحکومت کا محاصرہ کر کے اندر والوں کو پیغام بھیجا کرتے تھے کہ اتنی مقدار زر و جواہرات کی، اتنے ہزار گھوڑے اور اتنی عورتیں باہر بھیج دو، ہم چلے جائیں گے۔ سلطان ایوبی عرب کی سرزمین سے صلیبیوں کو نکالنا چاہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ سرزمین اسلام کا سرچشمہ ہے جو ساری دُنیا کو سیراب کرے گا اور وہ اپنی عمر کو بہت کم سمجھا کرتا تھا۔ یہ الفاظ اُس نے بارہا کہے تھے کہ میں یہ کام اپنی مختصر سی عمر میں پورا کر دینا چاہتا ہوں ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان امرا اس مقدس خطے کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک رات وہ اپنے خیمے میں گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اُس نے یہاں تک سوچا تھا کہ قلعے کے ارد گرد سے اتنی فراخ سرنگیں کھدوائی جائیں جن میں پیادہ سپاہی گزر سکیں۔ کچھ اور طریقے بھی اُس کے ذہن میں آئے۔ وہ اب چند دنوں میں کرک پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں علی بن سفیان اُس کے خیمے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھ کر سلطان ایوبی خوش نہیں ہوا کیونکہ اُسے اطلاع مل چکی تھی کہ مصر کے حالات خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ چہرے پر تشویش کے آثار لیے سلطان ایوبی علی بن سفیان سے بغل گیر ہو کر ملا اور کہا ـــ "تم میرے لیے یقیناً کوئی خوشخبری نہیں لائے۔"

"بظاہر خیریت ہے۔" علی بن سفیان نے کہا ـــ "مگر خوشخبری والی بات بھی کوئی نہیں۔" اُس نے مصر کے حالات اور واقعات سنانے شروع کر دیئے۔ علی بن سفیان جیسا ذمہ دار حاکم سلطان ایوبی سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ نہ ہی وہ اُسے خوش فہمیوں میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ لگی لپٹی رکھے بغیر بات کی جائے۔ علی بن سفیان نے تقی الدین کی غلطیوں اور سلطان ایوبی کی بھی ایک دو غلطیوں کا کھل کر ذکر کیا۔ ارسلان کی غداری کا قصہ اور الادریس کے جوان بیٹوں کی موت کا حادثہ سن کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اگر ارسلان مر نہ چکا ہوتا تو سلطان ایوبی کبھی یقین نہ کرتا کہ اُس کا یہ حاکم جسے وہ اپنا وفادار دوست سمجھتا ہے غداری کر سکتا ہے۔

اُس سے پہلے بھی دو دوست اُس سے غداری کر چکے تھے۔

"اگر ارسلان ذرا سی دیر اور زندہ رہتا تو باقی راز بھی بے نقاب کر دیتا" علی بن سفیان نے کہا —— "اُس کے آخری فقرے سے جو صورت لے پروانہ ہونے دیا، صاف ثبوت ملتا ہے کہ مصر میں بغاوت ہونے ہی والی ہے۔ مصر میں ہماری جو فوج ہے اُسے ذہنی لحاظ سے پست کر دیا گیا ہے۔ میری جاسوسی بتاتی ہے کہ کماندار تک غلط فہمیوں اور بے اطمینانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ فوج کے لیے غلے اور گوشت کی قلت پیدا کر کے یہ بے بنیاد بات پھیلا دی گئی ہے کہ تمام تر رسد محاذوں پر بھیجی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ فوج کا مال حاکم بیچ کر کھا رہے ہیں۔ دشمن کی سازش پوری طرح کامیاب ہے۔"

"دشمن کی سازش اُسی ملک میں کامیاب ہوتی ہے جہاں کے چند ایک افراد دشمن کا ساتھ دینے پر اُتر آتے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اگر ہمارے اپنے بھائی دشمن کا آلۂ کار بن جائیں تو ہم دشمن کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میں جس طرح اللہ کے ان شیروں کے جذبے کے زور پر اور ان کی جانیں قربان کر کے صلیبیوں کو میدانِ جنگ میں ناک چنے چبوا رہا ہوں، اسی طرح میرے حاکم بھی پکے مسلمان ہوتے تو آج قبلۂ اوّل آزاد ہوتا اور ہماری اذانیں یورپ کے کلیساؤں میں گرج رہی ہوتیں، مگر میں مصر میں قید ہو کے رہ گیا ہوں۔ میرے جذبے اور میرا عزم زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں۔"

اُس نے کچھ دیر کی گہری خاموشی اور سوچ کے بعد کہا —— "مجھے سب سے پہلے ان غداروں کو ختم کرنا ہوگا ورنہ یہ قوم کو دیمک کی طرح کھاتے رہیں گے۔"

"میں یہ مشورہ لے کر آیا ہوں کہ اگر محاذ آپ کو اجازت دے تو مصر چلیے۔" علی بن سفیان نے کہا۔

"میں حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتا علی!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن میں یہ اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ میرے ہاتھوں سے صلیبیوں کی گردن اور فلسطین چھڑانے والے میرے اپنے بھائی ہیں۔ علی بن سفیان! اگر میں نے غداروں کو اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والے مسلمانوں کو ابھی ختم نہ کیا تو یہ کبھی ختم نہ ہوں گے اور ہماری تاریخ کو یہ گروہ ہمیشہ شرمسار کرتا رہے گا۔ قوم میں ہر دور میں یہ گروہ موجود رہے گا جو دین اور رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کر کے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرتا رہے گا۔" اُس نے پوچھا "سوڈان کے محاذ کی کیا خبر ہے؟ میں نے تقی الدین کو پیغام بھیج دیا ہے کہ اس محاذ کو سمیٹنا شروع کر دو۔"

"مصر میں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ایسا حکم دیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔

"اور کسی کو معلوم ہونا بھی نہیں چاہیے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ اس نے دربان کو بلایا اور کہا "کاتب کو فوراً بلا لاؤ۔"

کاتب کاغذ اور قلمدان لے کر آیا تو سلطان ایوبی نے کہا "لکھو ..... قابلِ صد احترام نورالدین زنگی ..... "

☆

وہ قاصد بڑا ہی تیز رفتار تھا جس نے سلطان ایوبی کا پیغام اگلی رات کے آخری پہر بغداد نورالدین زنگی تک پہنچا دیا۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا تھا کہ راستے میں ہر چوکی پر اُسے تازہ دم گھوڑا مل جائے گا لیکن وہ گھوڑا صرف تبدیل کرے، خود آرام اور کھانے کے لیے نہ رکے۔ کہیں بھی گھوڑا آہستہ نہ چلے۔ اگر رات کو نورالدین زنگی کے پاس پہنچے، تو

دربان سے کہہ دے کہ انہیں جگا دے۔ اگر زنگی خفگی کا اظہار کرے تو کہہ دینا کہ صلاح الدین نے کہا ہے کہ ہم سب جاگ رہے ہیں۔ قاصد جب نورالدین زنگی کے دروازے پر پہنچا تو محافظ دستے نے اُسے روک دیا اور کہا کہ پیغام صبح دیا جائے گا۔ قاصد نے گھوڑے تو کئی بدلے تھے مگر کہیں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے بھی نہیں رکا تھا۔ تھکن، بھوک، پیاس اور دو راتوں کی بیداری سے وہ لاش بن گیا تھا۔ زبان پیاس سے اکڑ گئی تھی۔ وہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور اُس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ اُس نے اشاروں میں بتایا کہ پیغام بہت ضروری ہے۔ نورالدین زنگی نے بھی سلطان ایوبی کی طرح اپنے خصوصی عملے، دربان اور اپنے باڈی گارڈز کے کمانڈر کو کہہ رکھا تھا کہ کوئی ضروری بات یا پیغام ہو تو اُس کی نیند اور آرام کی پروا نہ کی جائے۔

قاصد کی حالت دیکھ کر باڈی گارڈز کے کمانڈر نے اندر جا کر نورالدین زنگی کی خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آگیا اور پیغام اور قاصد کو ملاقات کے کمرے میں لے گیا۔ قاصد کمرے میں داخل ہوتے ہی گر پڑا۔ زنگی نے اپنے ملازموں کو بلایا اور قاصد کی دیکھ بھال کرنے کو کہا۔ اُس نے پیغام پڑھنا شروع کیا۔ سلطان ایوبی نے لکھا تھا:

"آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میرا پیغام آپ کو خوش نہیں کرے گا۔ آپ کے لیے خوشی اور اطمینان کی بات صرف یہ ہے کہ میں نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔ آپ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کر رہا ہوں۔ آپ میرے پاس تشریف لائیں گے تو تمام حالات سناؤں گا۔ میں نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اتنی کامیابی حاصل کر چکا ہوں کہ صلیبیوں کی ایک فوج نے شاہ ریجنالڈ کی سرکردگی میں باہر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے لطف سے اُسے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اب تک اس کی آدھی فوج ختم کر چکا ہوں۔ بھوکے صلیبی اپنے اُن گھوڑوں اور اونٹوں کو کھا رہے ہیں جو انہیں اتنی دور سے یہاں لائے تھے۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ ریجنالڈ کو زندہ پکڑوں مگر کرک کا محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ صلیبیوں کا دماغ اور طریقۂ جنگ پہلے سے بہت بہتر ہے۔ میں محاصرے کو کامیاب کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ میرے جانباز مجاہد قلعہ توڑ لیں گے۔ وہ جس جذبے سے لڑ رہے ہیں وہ آپ کو حیران کر دے گا مگر سوڈان میں میرا بھائی تقی الدین ناکام ہو گیا ہے۔ اُس کی غلطی کہ اُس نے اجنبی صحرا میں جا کر فوج کو پھیلا دیا ہے۔ وہ مدد مانگ رہا ہے۔ میں نے اُسے محاذ سمیٹنے اور واپس آنے کو کہہ دیا ہے۔ مصر سے آئی ہوئی خبریں اچھی نہیں۔ غداروں اور ایمان فروشوں نے دشمن کا آلۂ کار بن کر مصر میں بغاوت اور صلیبی یلغار کے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ علی بن سفیان کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ خود میرے پاس آیا ہے۔ میں اُس کے مشورے کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ میں مصر چلا جاؤں ..... محترم! میں کرک کا محاصرہ اٹھا نہیں سکتا ورنہ صلیبی کہیں گے کہ صلاح الدین پسپا بھی ہو سکتا ہے۔ دشمن کی گردن میرے ہاتھ میں ہے۔ آئیے اور یہ گردن آپ اپنے ہاتھ میں پکڑیں۔ اپنی فوج ساتھ لائیں۔ میں اپنی فوج مصر لے جاؤں گا۔ ورنہ مصر بغاوت کا شکار ہو جائے گا۔ امید ہے آپ میرے دوسرے پیغام کا انتظار نہیں کریں گے۔"

نورالدین زنگی نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا۔ شب خوابی کے لباس ہی میں مصروفِ کار ہو گیا۔ فوجی حکام کو بلا لیا۔ انہیں احکام دیے اور دن ابھی آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ اُس کی فوج کرک کی سمت کوچ کر چکی تھی۔ زنگی روانہ

مجاہد تھا جس کا نام سن کر صلیبی بدک جاتے تھے۔ اُس کے سینے میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ وہ فنِ حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ اُس نے راستے میں کم سے کم پڑاؤ کیے اور اتنی جلدی محاذ پر پہنچا کہ سلطان ایوبی حیران رہ گیا۔ اگر قاصد پہلے سے اُسے اطلاع نہ دے دیتا کہ زنگی اپنی فوج کے ساتھ آرہا ہے تو دُور سے گرد کے بادل دیکھ کر سلطان ایوبی سمجھتا کہ صلیبیوں کی فوج آرہی ہے۔ سلطان ایوبی گھوڑا سرپٹ بھگاتا استقبال کے لیے گیا۔ نورالدین زنگی اسے دیکھ کر گھوڑے سے کُود آیا۔ اسلام کی عظمت کے یہ دونوں پاسبان جب گلے ملے تو جذبات کی شدت سے سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔

☆

سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی کو تمام تر حالات اور غداروں کی ساری کارستانیاں سنائیں۔ زنگی نے کہا ——"صلاح الدین! تمہاری عمر ابھی اتنی نہیں گزری کہ چند ایک حقائق کو قبول کر سکو۔ یہ اسلام کی بدنصیبی ہے کہ غدار ہماری قوم کا لازمی حصہ بن گئے ہیں اور قوم ان سے کبھی پاک نہیں ہوگی۔ مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب غدار قوم پر باقاعدہ حکومت کریں گے۔ دشمن کے خلاف باتیں کریں گے۔ بلند دعوے کریں گے۔ دشمن کو کچل دینے کے نعرے لگائیں گے مگر قوم جان نہیں سکے گی کہ ان کے حکمران دراصل اس کے اور اس کے دین کے دشمن کے ساتھ درپردہ دوستی کر چکے ہیں۔ دشمن انہی کو ڈھال اور انہی کو تلوار بنائے گا اور ان کے ہاتھوں قوم کو مروائے گا...... پریشان نہ ہو صلاح الدین! ہم حالات پر قابو پا لیں گے۔ تم مصر پہنچو اور تقی الدین کو مدد دے کر سوڈان سے نکالو۔ دائیں بائیں حملے کر کے دشمن کو الجھائے رکھو تاکہ تقی الدین کا کوئی دستہ کہیں گھیرے میں نہ آجائے۔ مصر میں فوجوں کو یکجا کرو اور مصر میں جو فوج ہے اسے میرے پاس بھیج دو۔ میں اس کے دماغ سے بغاوت کا کیڑا نکال دوں گا۔"

شام کے بعد زنگی نے اپنی فوج کو کرک کے محاصرے پر لگا دیا اور سلطان ایوبی کی فوج پیچھے ہٹ آئی۔ اُسے فوراً قاہرہ کے لیے کُوچ کا حکم دے دیا گیا۔ کچھ غلطی وہاں ہوگئی جہاں سلطان ایوبی نے ریمانڈ کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ زنگی نے جب وہاں اپنے دستے اس ہدایت کے ساتھ بھیجے کہ سلطان ایوبی کی فوج کی بدلی کرنی ہے تو احکام اور ہدایات پر کسی غلط فہمی کی بنا پر عمل نہ ہو سکا۔ ریمانڈ نے اتفاق سے اُس سمت حملہ کیا، جہاں اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں کا دستہ کمزور ہے۔ اُس نے وہاں کسی کو بھی حملہ روکنے کے لیے تیار نہ پایا۔ وہ اس طرف سے نکل گیا اور کچھ فوج بھی نکل گئی۔ صلیبیوں کی بچی کھچی فوج پھنسی رہ گئی جسے اگلے روز پتہ چلا کہ اُن کا حکمران کہاں بھاگ گیا ہے تو اُس نے بھی اندھا دھند بھاگنے کی کوشش کی۔ صلیبی اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑے۔ کچھ مارے گئے اور بعض پکڑے گئے۔ نقصان یہ ہوا کہ ریمانڈ نکل گیا۔ فائدہ یہ ہوا کہ گھیرا کامیاب رہا اور نورالدین زنگی کی فوج کا یہ حصہ کرک کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے فارغ ہو گیا۔

سلطان ایوبی جب قاہرہ کو روانہ ہونے لگا تو حسرت بھری نظروں سے کرک کو دیکھا۔ اُس نے زنگی سے کہا ——"تاریخ یہ تو نہیں کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی پسپا ہو گیا تھا؟ میں نے محاصرہ اٹھایا تو نہیں!"

"نہیں صلاح الدین!" نورالدین زنگی نے اس کا گال تھپک کر کہا ——"تم نے شکست نہیں کھائی۔ تم جذباتی ہو گئے ہو۔ جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔"

"میں آؤں گا میرے فلسطین!" سلطان ایوبی نے کرک کو دیکھتے ہوئے کہا ——"میں آؤں گا۔" اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی، پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

نورالدین زنگی اُسے دیکھتا رہا۔ وہ جب اپنے گھوڑے سمیت دُور جا کر گرد میں چھپ گیا تو زنگی نے اپنے ایک نائب سے کہا ——"اسلام کو ہر دور میں ایک صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہوگی۔"

یہ واقعہ ۱۱۷۳ء (۵۶۹ ہجری) کے وسط کا ہے۔

☆

وہ جو مُردوں کو زندہ کرتا تھا

مصر کے دیہاتی اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ تھے ــــ "وہ آسمان سے آیا ہے۔ خدا کا دین لایا ہے۔ دل کی بات بتاتا اور آنے والے وقت کے اندھیروں کو روشن کر کے دکھا دیتا ہے۔ مرے ہوؤں کو اٹھا دیتا ہے۔"

وہ کون تھا؟ ــــ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ اُس کی کرامات سے اس قدر مسحور ہو گئے تھے کہ یہ جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ کون ہے۔ وہ تسلیم کر لیتے تھے کہ وہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور جو لوگ اُس کی راہ دیکھ رہے تھے وہ اس سوال سے بے نیاز تھے کہ وہ کون ہے۔ قافلے گزرتے تھے تو اُسی کی کرامات سناتے تھے۔ کوئی اکیلا دکیلا مسافر کسی گاؤں میں جاتا تھا تو اُسی کے معجزوں کا ذکر کرتا تھا۔ بعض لوگ اُسے نبی اور پیغمبر بھی کہتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اُسے بارش کا دیوتا مانتے تھے اور اُس کی خوشنودی کے لیے انسانی جان کی قربانی دینے کے لیے بھی تیار تھے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اُس کا مذہب کیا ہے اور وہ کیسا عقیدہ ساتھ لایا ہے۔ لوگ ابھی پسماندگی کے دور میں تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے اور قدرت کے ستم کا شکار رہتے تھے۔ انہیں جہاں امید بندھتی تھی کہ اُن کے مصائب کا حل موجود ہے وہاں جا سجدے کرتے تھے۔ ان کی اکثریت مسلمان تھی۔ اسلام کی روشنی وہاں تک پوری آب و تاب سے پہنچی تھی۔ مسلمانوں نے مسجدیں بھی بنا رکھی تھیں۔ ربِ کعبہ کے حضور پانچوں وقت سجدے بھی کرتے تھے مگر اسلام کے سچے عقیدے کو پختہ تر کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اُن کے امام بے علم تھے جو اپنی امامت کو برقرار رکھنے کے لیے لوگوں کو عجیب و غریب باتیں بتاتے رہتے تھے۔ قرآن کو انہوں نے (نعوذ باللہ) کالے علم کی ایک کتاب بنا ڈالا تھا اور ایسا تاثر پیدا کر رکھا تھا کہ قرآن کو صرف امام سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ مسلمان قرآن کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈرتے تھے۔

اِن اماموں نے لوگوں کے دلوں میں "غیب" کا ایک لفظ بٹھا دیا تھا اور انہیں باور کرا دیا تھا کہ جو کچھ بھی ہے وہ غیب میں ہے اور غیب میں جھانکنے کی قدرت صرف امام کو حاصل ہے۔ اماموں نے انسان کو ایک کمزور چیز بنا دیا تھا۔ اس مقام سے وسوسے اور توہمات پیدا ہوئے۔ صحرائی آندھیوں کی چیخوں میں انہیں اُس مخلوق کی آوازیں سنائی

دیئے گئیں جو امام کہتے تھے، کہ انسانوں کو نظر نہیں آسکتی۔ بیماریاں جنات اور شر شرار بن گئیں۔ امام معالج اور عامل بن گئے جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اُن کے قبضے میں جنات ہیں۔ انسان "غیب" سے اور "غیب کی سزا" سے اتنے خوف زدہ رہنے لگے کہ ان کے دلوں میں اسلام کا عقیدہ کمزور پڑ گیا اور وہ ہر اُس آواز پر لبیک کہنے لگے جو انہیں غیب کی مخلوق اور غیب کی سزا سے بچانے کا یقین دلاتی تھی ـــــ یہی وجہ تھی کہ لوگ بے تابی سے اُس کی راہ دیکھ رہے تھے "جو آسمان سے آیا اور مرے ہوؤں کو اٹھا دیتا ہے"۔

وہ مصر کے اُس دیہاتی علاقے میں وارد ہوا تھا جو جنوب مغرب کی سرحد کے ساتھ تھا۔ اُس زمانے میں سرحد کا کوئی واضح وجود نہیں تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے کاغذوں پر ایک لکیر کھینچ رکھی تھی لیکن وہ بھی کہا کرتا تھا کہ دینِ اسلام کی اور سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ دراصل سرحد عقیدوں کے درمیان تھی۔ جہاں تک اسلام کی گرفت تھی وہ اسلامی سلطنت تھی اور جہاں سے غیر اسلامی نظریات شروع ہوتے تھے وہ علاقہ غیر کہلاتا تھا۔ مصر کے جس آخری گاؤں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی، وہ امارتِ مصر کا آخری اور سرحدی گاؤں سمجھا جاتا تھا۔ اسی باعث صلیبی ملتِ اسلامیہ کے نظریات پر حملے کرتے اور اسلامی عقیدوں کو کمزور کرکے وہاں اپنے عقائد کا غلبہ پیدا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت سرحدوں کی حیثیت جغرافیائی کم اور نظریاتی زیادہ تھی۔ اُس دور کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے غلبۂ اسلام کے ساتھ ہی مسلمانوں پر نظریاتی حملے شروع کر دیئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان جنگ کو جہاد کہتے ہیں اور قرآن نے مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر جہاد کو نماز پر فوقیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ کسی غیر مسلم سلطنت میں مسلمان باشندوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہو تو دوسری سلطنتوں کے مسلمانوں پر یہ اقدام فرض ہو جاتا ہے کہ مظلوم رعایا کو غیر مسلموں کے ظلم و ستم سے بچائیں خواہ اس مقصد کے لیے جنگی کارروائی کرنی پڑے۔

انہی قرآنی احکام نے مسلمانوں میں عسکری جذبہ پیدا کیا تھا جس کا اثر یہ تھا کہ مسلمان جس ملک پر فوج کشی کرتے یا جس میدان میں بھی لڑتے تھے اُن کے ذہن میں جنگ کا مقصد واضح ہوتا تھا گو اُن پر مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا تھا لیکن اُن کے ہاں لُوٹ مار جنگ کے مقاصد میں شامل نہیں ہوتی تھی نہ ہی وہ مالِ غنیمت کے لالچ سے لڑتے تھے۔ اس کے برعکس صلیبیوں کی جنگ ملک گیری کی ہوس کی آئینہ دار ہوتی اور وہ لوٹ مار پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لُوٹنے کا کام بھی صلیبی فوج کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ صلیبیوں کو اس کا یہ نقصان اٹھانا پڑتا تھا، کہ ہر میدان میں ان کی جنگی طاقت مسلمانوں کی نسبت پانچ سے دس گنا ہوتی تھی مگر وہ مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھا جاتے تھے۔ شکست نہ کھائیں تو فتح بھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ قرآن کے احکام نے مسلمانوں میں جنگی جنون پیدا کر رکھا ہے۔ وہ اللہ کے نام پر لڑتے اور جانیں قربان کرتے ہیں۔ صلیبیوں کے جرنیلوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو مسلمانوں پر مذہبی جنون کی گرفت کمزور کرنے کی ترکیبیں سوچتے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ ایک مسلمان جو دس غیر مسلموں کا مقابلہ کرتا ہے وہ کوئی فرشتہ اور جن بھوت نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے اندر اللہ کی طاقت اور اپنے عقیدے کی قوت محسوس کرتا ہے جو اُسے کسی لالچ سے اور اپنی جان سے بھی

بے نیاز کر دیتی ہے۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی سے بہت پہلے ہی یہودی اور صلیبی عالموں اور مفکروں نے مسلمانوں کی عسکری رُوح کو مُردہ کرنے کے لیے اُن کی کردار کشی شروع کر دی تھی اور اُن کے مذہبی عقائد میں پُرکشش ملاوٹ کرکے اُن کے ایمان کو کمزور کرنا شروع کر دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کی بدنصیبی یہ تھی کہ وہ جب صلیبیوں کے خلاف اٹھے تو اُس وقت تک صلیبیوں کی نظریاتی یلغار بہت حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ اسلام کے دشمنوں نے اس یلغار کو دو طرح استعمال کیا تھا۔ اوپر کے طبقے کو جس میں حکمران، امراء اور وزراء وغیرہ تھے، دولت، عورت اور شراب کا دلدادہ بنا دیا تھا اور نیچے یعنی پسماندہ لوگوں میں توہم پرستی اور مذہب کے خلاف وسوسے پیدا کر دیئے تھے جس طرح زنگی اور ایوبی نے فنِ حرب و ضرب میں نئے تجربے کئے اور نئی چالیں وضع کیں اسی طرح صلیبیوں نے در پردہ کردار کشی کے میدان میں نئے طریقے دریافت کیے۔ تین چار یورپی مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض صلیبی حکمرانوں نے میدانِ جنگ کو اہمیت دینی ہی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس نظریئے کے قائل ہو گئے تھے کہ جنگ اس طریقے سے لڑو کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت زائل ہوتی رہے۔ زوردار حملہ اُن کے مذہبی عقائد پر کرو اور اُن کے دلوں میں ایسے وہم پیدا کر دو جو مسلمان قوم اور فوج کے درمیان بداعتمادی اور حقارت پیدا کر دیں۔ اس مکتبۂ فکر کے صلیبی مفکروں میں فلپ آگسٹس سرِفہرست تھا۔ یہ صلیبی حکمران اسلام دشمنی کو اپنے مذہب کا بنیادی اصول سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ ہے جو ہماری زندگی میں نہیں تو کسی نہ کسی وقت ضرور کامیاب ہوگی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اُٹھتی ہوئی نسل کے ذہن میں قومیت کی بجائے جنسیت بھر دو اور انہیں ذہنی عیاشی میں ڈبو دو۔

آگسٹس اپنے مشن کی کامیابی کے لیے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ ہم جس دور یعنی ۱۱۶۹ء کے لگ بھگ کی کہانی سنا رہے ہیں اُس وقت وہ نور الدین زنگی کے ہاتھوں شکست کھا کر مفتوحہ علاقے واپس کر چکا تھا۔ اُس نے زنگی کو تاوان بھی دیا تھا اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر کے جزیہ دے رہا تھا، مگر جنگی قیدیوں کے تبادلے میں اُس نے چند ایک معذور مسلمان سپاہی واپس کیے۔ تندرست قیدیوں کو اُس نے قتل کر دیا تھا، اور اب وہ کرک کے قلعے میں اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں اسلام دشمنی خبط کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اس کی بعض چالیں ایسی خفیہ ہوتی تھیں کہ اُس کے اپنے صلیبی حکمران اور جرنیل بھی اُسے شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ اُس پر اپنے ساتھیوں نے یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ اندر سے مسلمانوں کا دوست ہے اور اُن کے ساتھ سودا بازی کر رہا ہے۔ ایک یورپی مؤرخ، آندرے آزرون کے مطابق، اس الزام کے جواب میں ایک بار آگسٹس نے کہا تھا "ایک مسلمان حکمران کو بچانے کے لیے میں اپنی کنواری بیٹیوں کو بھی اُس کے حوالے کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ صلح نامے اور دوستی کے معاہدے کرنے سے گھبراتے ہو کیونکہ اس میں تم اپنی توہین کا پہلو دیکھتے ہو۔ تم یہ نہیں سوچتے کہ مسلمان کو میدانِ جنگ کی نسبت صلح کے میدان میں مارنا آسان ہے۔ ضرورت پڑے تو

اس کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح نامہ کرو، معاہدہ کرو اور گھبرا کر معاہدے اور صلح نامے کے اُلٹ عمل کرو۔ کیا میں ایسا نہیں کر رہا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے خون کے رشتے کی دو لڑکیاں دمشق کے ایک شیخ کے حرم میں ہیں؟ کیا اس شیخ سے تم لڑے بغیر بہت سارا علاقہ لے نہیں چکے؟ کیا اس نے دوستی کا حق ادا نہیں کیا؟ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتا ہے اور میں اس کا جانی دشمن ہوں۔ میں ہر ایک غیر مسلم سے کہوں گا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کرو اور انہیں دھوکہ دے کر مارو۔"

☆

یہ تھی وہ صلیبی ذہنیت جو ایک کامیاب سازش کے تحت سلطنتِ اسلامیہ کی جڑوں کو دیمک کی طرح کھا رہی تھی۔ اسی سازش کا یہ نتیجہ تھا کہ مصر میں بغاوت کی چنگاری شعلہ بننے لگی تھی جسے سرد کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کو کرک کا محاصرہ اس حالت میں اٹھانا پڑا جب وہ صلیبیوں کی ایک سوار فوج کو قلعے سے باہر شکست دے چکا تھا۔ اُسے محاصرہ نور الدین زنگی کے حوالے کر کے اپنی فوج سمیت قاہرہ جانا پڑا۔ وہ دل برداشتہ تو نہیں تھا لیکن دل پر ایسا بوجھ تھا جو اُس کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کی فوج کے سپاہی اس خیال سے مطمئن تھے کہ انہیں آرام کے لیے قاہرہ لے جایا جا رہا ہے لیکن دستوں کے وہ کمان دار جو سلطان ایوبی کے عزم اور لڑنے کے طریقۂ کار کو سمجھتے تھے، حیران تھے کہ اُس نے نور الدین کو فوج سمیت کیوں بلایا اور محاصرہ کیوں اٹھایا ہے۔ وہ تو فتح یا شکست تک لڑنے کا قائل تھا۔ اُس کے ہیڈ کوارٹر کے دو تین سالاروں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں اور سوڈان میں تقی الدین کا حملہ ناکام ہو گیا ہے اور اُسے خیریت سے پیچھے ہٹنا ہے۔ سلطان ایوبی کے ساتھ علی بن سفیان بھی تھا۔ وہی مصر کے اندرونی حالات کی رپورٹ لے کے آیا تھا۔

سلطان ایوبی نے کرک سے کوچ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی دیا تھا کہ راستے میں بہت کم پڑاؤ کیے جائیں گے اور کوچ بہت تیز ہوگا۔ اس حکم سے سب کو شک ہوا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ سفر کی پہلی شام آئی، فوج رات بھر کے لیے رک گئی۔ سلطان ایوبی کا خیمہ نصب ہو گیا تو اُس نے اپنے اعلیٰ کمانڈروں اور اپنی مرکزی کمان کے عہدیداروں کو بلایا۔ اُس نے کہا — "آپ میں زیادہ تعداد اُن کی ہے جنہیں معلوم نہیں کہ میں نے محاصرہ کیوں اٹھایا ہے اور میں فوج کو قاہرہ کیوں لے جا رہا ہوں۔ بے شک محاصرہ ٹوٹا نہیں۔ آپ میں کوئی بھی پسپا نہیں ہوا لیکن میں اسے اگر شکست نہیں تو پسپائی ضرور کہوں گا۔ میرے رفیقو! ہم پسپا ہو رہے ہیں اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ آپ کو پسپا کرنے والے آپ کے اپنے بھائی ہیں، اپنے رفیق۔ وہ صلیبیوں کے رفیق بن چکے ہیں اور انہوں نے بغاوت کا منصوبہ بنا لیا ہے۔ اگر علی بن سفیان، اس کے نائب اور غیاث بلبیس چوکس نہ ہوتے تو آج آپ مصر نہ جا سکتے۔ وہاں صلیبیوں اور سوڈانیوں کی حکمرانی ہوتی۔ ارسلان جیسا حاکم صلیبیوں کا آلۂ کار نکلا۔ وہ الادریس کے دو جوان بیٹے مروا کر خودکشی کر چکا ہے۔ اگر ارسلان غدار تھا تو آپ اور کس پر بھروسہ کریں گے؟"

حاضرین پر سناٹا طاری ہو گیا۔ بے چینی اور اضطراب اُن کی آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے خاموش ہو کر سب کو دیکھا۔ اُس دور کا ایک وقائع نگار، قاضی بہاء الدین شداد کی کسی غیر مطبوعہ تحریر کے حوالے سے

لکھتا ہے کہ دو قندیلوں کی کانپتی ہوئی روشنی میں سب کے چہرے اس طرح نظر آ رہے تھے جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں۔ وہ آنکھ بھی نہیں جھپکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ سے زیادہ اُس کا لب و لہجہ اور انداز اُن پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ سلطان کی آواز میں وعظ والا جوش نہیں بلکہ رنج سا تھا جو سب کو ڈرا رہا تھا۔ اس نے کہا —

"میں یہ کہہ کر کہ آپ میں بھی غدار ہیں، معافی نہیں مانگوں گا۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ قرآن پر حلف اٹھا کر آپ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے وفادار ہیں۔ ایمان بیچنے والے قرآن ہاتھ میں لے کر بھی وفاداری کا یقین دلایا کرتے ہیں۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ انسان جو مسلمان نہیں وہ آپ کا دشمن ہے۔ دشمن جب آپ کے ساتھ محبت اور دوستی کا اظہار کرتا ہے تو اس میں اُس کی دشمنی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ آپ کو آپ کے بھائیوں کے خلاف اور آپ کے مذہب کے خلاف استعمال کرتا ہے اور جہاں اُسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا موقع ملتا ہے وہ مسلمان مستورات کی عصمت دری اور اسلام کی بیخ کنی کرتا ہے۔ یہی اس کا مقصد ہے۔ ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں یہ ہماری ذاتی جنگ نہیں۔ یہ ذاتی حکمرانی قائم کرنے کے لیے کسی ملک پر قبضے کی کوشش نہیں۔ یہ دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ یہ جنگ اُس وقت تک لڑی جاتی رہے گی جب تک کفر یا اسلام ختم نہیں ہو جاتا۔"

"گستاخی معاف سالارِ اعظم!" ایک سالار نے کہا — "اگر ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم غدار نہیں ہیں تو ہمیں مصر کے حالات سے آگاہ کریں، ہم عمل سے ثابت کریں گے کہ ہم کیا ہیں۔ ارسلان فوج کا نہیں انتظامیہ کا حاکم تھا۔ آپ کے غدار انتظامی شعبوں میں ملیں گے فوج میں نہیں۔ کرک قلعے کا محاصرہ آپ نے اٹھایا ہے، ہم نے نہیں۔ محترم زنگی کو آپ نے بلایا ہے، ہم نے نہیں۔ ہمارا امتحان میدانِ جنگ میں ہو سکتا ہے، پر امن کوچ میں نہیں۔۔۔ مصر میں کیا ہو رہا ہے؟"

صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان کی طرف دیکھا اور کہا — "علی! انہیں بتاؤ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

علی بن سفیان نے کہا — "غداروں نے دشمن کے ساتھ مل کر سوڈان کے محاذ کے لیے رسد روک لی ہے۔ منڈیوں سے غلہ غائب کر دیا ہے۔ دیہاتی علاقوں میں اجنبی لوگ آ کر غلہ اور خورد و نوش کی دیگر اشیاء خرید کر لے جاتے ہیں۔ گوشت ناپید کر دیا گیا ہے۔ رسد اگر بھیجی جاتی ہے تو دانستہ تاخیر کی جاتی ہے۔ یوں بھی ہوا کہ رسد بھیج کر دشمن کو اطلاع دے دی گئی۔ دشمن نے رسد کے قافلے کو راستے میں لوٹ لیا۔ شہر میں بدکاری عام ہو گئی ہے۔ جوئے بازی کے ایسے دلچسپ طریقے رائج ہو گئے ہیں جن کے ہمارے لوگ عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ دیہاتی علاقوں سے فوج کو بھرتی نہیں ملتی اور جانور بھی نہیں ملتے۔ فوج میں بے اطمینانی پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارے قومی کردار کو تباہ کرنے کے سامان پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ انتظامیہ کے حکام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ لالچ صلیبیوں نے دے رکھے ہیں۔ ان حاکموں کو باہر سے بے دریغ دولت مل رہی ہے۔ چونکہ سلطنت اور امارت کا انتظام انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس لیے انہوں نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے جو دشمن کے لیے سازگار ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک صورتِ حال یہ پیدا ہو گئی ہے کہ دیہاتی علاقوں میں عجیب و غریب عقیدے پھیل رہے ہیں۔ لوگ غیر اسلامی اصولوں کے قائل اور پابند ہوتے جا رہے ہیں۔ اس میں خطرہ یہ ہے

کر ہمیں فوج انہی علاقوں سے ملتی ہے اور ہماری موجودہ فوج انہی علاقوں سے آئی ہے۔ بے بنیاد اور غیر اسلامی عقیدے فوج میں بھی آگئے ہیں۔"

"کیا آپ نے اس کا تدارک نہیں کیا؟" حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔

"جی ہاں!" علی بن سفیان نے کہا — "میرا تمام تر شعبہ مجرموں کے سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے میں مصروف ہے۔ میں نے اپنے جاسوس اور مخبر دیہاتی علاقوں میں بھی پھیلا رکھے ہیں، مگر دشمن کی تخریب کاری اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس کے آدمیوں کو پکڑنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کو پناہ اور تحفظ دیتے ہیں۔ کیا آپ یہ سن کر حیران نہیں ہوں گے کہ دیہاتی علاقوں کی بعض مسجدوں کے امام بھی دشمن کی تخریب کاری میں شامل ہو گئے ہیں؟"

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں انتظامیہ فوج کے سپرد کر دوں" — سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا — "فوج جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے، یہ اسی کی تکمیل کا فرض ادا کرتی رہے تو سلطنت کے لیے بھی بہتر ہوتا ہے اور فوج کے لیے بھی۔ جس طرح ایک کوتوال سالار نہیں بن سکتا، اسی طرح کوئی سالار کوتوال کے فرائض سر انجام نہیں دے سکتا۔ البتہ ہر سالار کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ کوتوال کیا کر رہے ہیں۔ ہر سالار کو باخبر رہنا چاہیے کہ انتظامیہ کیا کر رہی ہے۔ کیا واقعی فرائض میں کوتاہی تو نہیں ہو رہی؟ ... میرے رفیقو! ہمیں خدا نے تاریخ کی سب سے زیادہ کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ مصر کے حالات آپ نے سن لیے ہیں۔ سوڈان کا حملہ ناکام ہو گیا ہے۔ تقی الدین اپنی غلطیوں کی بدولت سوڈان کے صحرا میں پھنس کے رہ گیا ہے۔ اُس کی فوج چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بکھر گئی ہے۔ اُس کی پسپائی بھی ممکن نظر نہیں آتی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ محترم زنگی کرک فتح کر لیں گے یا نہیں، لیکن اُسے بھی میں اپنی ناکامی کہتا ہوں۔ آپ انتہائی مشکل حالات میں بھی میدانِ جنگ میں دشمن کو شکست دے سکتے ہیں مگر دشمن نے جس محاذ پر حملہ کیا ہے، اس پر دشمن کو شکست دینا آپ کے لیے بظاہر آسان نظر نہیں آتا۔ آپ تیغ زن ہیں۔ صحراؤں کا سینہ چیر سکتے ہیں مگر مجھے خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبیوں کے اس محاذ پر آپ ہتھیار ڈال دیں گے۔"

حاضرین میں چند ایک جوشیلی اور پُرعزم آوازیں سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا — "اس وقت جو فوج مصر میں ہے، وہ جب شوبک اور کرک کے محاذ سے مصر گئی تھی تو اس کے کمانداروں اور عہدیداروں کا جذبہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا آج آپ کا ہے مگر قاہرہ پہنچ کر جب انہوں نے دشمن کے سبز باغ دیکھے تو بغاوت کے لیے تیار ہو گئے۔ اب اس فوج کی کیفیت یہ ہے کہ آپ اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔"

"ہم ایسے ایک ایک کماندار اور عہدیدار کو قتل کر کے دم لیں گے" — ایک سالار نے کہا۔

"ہم سب سے پہلے اپنی صفوں کو غداروں سے پاک کریں گے" — ایک اور نے کہا۔

"اگر میرا بیٹا صلیبیوں کا دوست نکلا تو میں اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا" — ایک بوڑھے نائب سالار نے کہا۔

"میں اس قسم کی جوشیلی اور جذباتی باتوں کا قائل نہیں" — سلطان ایوبی نے کہا۔

حاضرین کا جوش غضب ناک ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو سلطان ایوبی کے سامنے بات کرنے سے ڈرا کرتے تھے، مگر اب یہ سن کر کہ اُن کی فوج کی وہ نفری جو مصر میں ہے دشمن کی تخریب کاری کا شکار ہو کر اپنی سلطنت کے خلاف بغاوت پر اُتر آئی ہے تو وہ لوگ آگ بگولہ ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کو یہاں تک کہہ دیا — "آپ ہمیں ہمیشہ تحمل سے سوچنے اور بُردباری سے عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں، مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جنہیں تحمل اور بُردباری اور زیادہ بگاڑ دیتی ہے۔ ہمیں اجازت دیں کہ قاہرہ تک ہم ایک بھی پڑاؤ نہ کریں۔ ہم آرام اور خوراک کے بغیر متواتر سفر کریں گے۔ ہم اس فوج کو نہتہ کر کے قید کر لیں گے۔"

صلاح الدین ایوبی کے لیے ان حکام پر قابو پانا محال ہو گیا۔ اُس نے کچھ اور باتیں کہہ سن کر مجلس برخاست کر دی۔ علی الصبح فوج نے کوچ کیا۔ یہ کوچ ترتیب سے ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ الگ تھلگ جا رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ علی بن سفیان اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ شام تک فوج کو دو مرتبہ کچھ دیر کے لیے روکا گیا۔ شام گہری ہونے کے بعد بھی فوج چلتی رہی۔ رات کا پہلا پہر ختم ہو رہا تھا جب سلطان ایوبی نے رات کے قیام کے لیے فوج کو روکا۔ سلطان کھانے سے فارغ ہوا تو علی بن سفیان آگیا۔

"سارا دن کہاں رہے علی؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"گزشتہ رات میرے دل میں ایک شک پیدا ہو گیا تھا" — علی بن سفیان نے جواب دیا — "اس کی تصدیق یا تردید کے لیے سارا دن فوج میں گھومتا پھرتا رہا۔"

"کیسا شک؟"

"آپ نے رات دیکھا نہیں تھا کہ تمام سالار، کماندار اور عہدیدار کس طرح اُس فوج کے خلاف بھڑک اُٹھے تھے جو مصر میں ہے؟" علی بن سفیان نے کہا — "مجھے شک ہونے لگا تھا کہ یہ اپنے اپنے دستوں کو بھی اسی طرح بھڑکائیں گے۔ میرا شک صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے تمام تر فوج کو مصر کی فوج کے متعلق ایسی باتیں بتائی ہیں کہ تمام فوج انتقامی جذبے سے مشتعل ہو گئی ہے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم محاذوں پر زخمی اور شہید ہوتے ہیں اور ہمارے ہی ساتھی قاہرہ میں عیش کرتے اور اسلامی پرچم کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جاتے ہی انہیں ختم کریں گے پھر سوڈان میں پھنسی ہوئی فوج کی مدد کو پہنچیں گے۔ قابلِ صد احترام امیر! اگر ہم نے کوئی پیش بندی نہ کی تو قاہرہ میں پہنچتے ہی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ ہماری یہ فوج انتقامی جذبے کے زیرِ اثر تپتے میں ہے اور ہماری مصر والی فوج پہلے ہی بغاوت کے بہانے ڈھونڈ رہی ہے۔"

"مجھے اس پر تو خوشی ہے کہ مسلسل معرکوں کی تھکی ہوئی اس فوج میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے" — سلطان ایوبی نے کہا — "مگر ہمارا دشمن یہی چاہتا ہے کہ ہماری فوج دو حصوں میں بٹ کر آپس میں ٹکرا جائے۔" وہ گہری سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا — "جب ہم قاہرہ سے خاصا دور ہوں گے تو میں ذمہ دار اور ذہین قاصد بھیج کر مصر والی فوج کو کسی دوسرے راستے سے کرک کی سمت کوچ کا حکم دے دوں گا۔ شاید میں خود آگے چلا جاؤں اور اُس فوج کو کوچ کرا

دوں تاکہ یہ فوج جو ہمارے ساتھ ہے جب وہاں پہنچے تو وہاں اُسے اس فوج کا کوئی سپاہی نظر نہ آئے۔ تم نے اچھا کیا ہے علی! میری توجہ ادھر نہیں گئی تھی۔"

☆

وہ پُراسرار غیب دان جس کے متعلق سرحد کے دیہاتی علاقوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے اپنے مصاحبوں کے قافلے کے ساتھ سفر کرتا تھا۔ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ وہ بوڑھا نہیں۔ اُس کی داڑھی بھورے رنگ کی اور چہرے کی رنگت گوری بتائی جاتی تھی۔ اُس نے سر کے بال بڑھا رکھے تھے۔ لوگ بتاتے تھے کہ اُس کی شربتی آنکھوں میں پورے چاند جیسی چمک ہے اور اُس کے دانت ستاروں کی طرح سفید اور شفاف ہیں۔ اُس کا قد اونچا اور جسم گٹھا ہوا بتایا جاتا تھا اور وہ بولتا تھا تو سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ اُس کے ساتھ بہت سے مصاحب اور بہت سے اونٹ تھے۔ سامان والے اونٹ الگ تھے جن میں سے بعض پر بہت بڑے بڑے مٹکے لدے ہوتے تھے۔ اُس کا قافلہ آبادی سے دُور رکتا اور وہ وہیں لوگوں سے ملتا تھا۔ کسی آبادی میں نہیں جاتا تھا۔ وہ ایک جگہ سے کوچ کرتا تو اُس کے آگے آگے کچھ لوگ اونٹ اور گھوڑے بھگا دیتے اور راستے میں آنے والے گاؤں اور بستیوں میں خبر کر دیتے تھے کہ وہ آ رہا ہے۔ یہ لوگ ہر کسی کو اُس کی کرامات اور روحانی قوتوں کے کرشمے سناتے تھے۔ لوگ کئی کئی دن اُس کے راستے میں بیٹھے رہتے تھے۔

جس رات علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کو بتا رہا تھا کہ محاذ سے قاہرہ کو جانے والی فوج مصر میں منظم فوج کے خلاف مشتعل ہو گئی ہے، اُس رات وہ غیب دان قاہرہ سے بہت دُور ایک نخلستان میں خیمہ زن ہوا۔ اُس کا ایک اصول یہ تھا کہ چاندنی راتوں میں کسی سے نہیں ملتا تھا۔ دن کے دوران کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا تھا۔ اندھیری راتیں اُسے پسند تھیں۔ اُس کی محفل ایسی قندیلوں سے روشن ہوتی تھی جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسری سے مختلف تھا۔ ان قندیلوں کا بھی ایک تاثر تھا جو سامعین کے لیے طلسماتی تھا۔ وہ جہاں خیمہ زن ہوا تھا اُس سے کچھ دُور ایک بستی تھی جس میں زیادہ تر مسلمان اور کچھ سوڈانی حبشی رہتے تھے۔ اس بستی میں ایک مسجد بھی تھی جہاں کا امام ایک خاموش طبیعت انسان تھا۔ ایک جواں سال آدمی کوئی ڈیڑھ دو مہینوں سے اُس کے پاس دینی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتا تھا۔ یہ آدمی جو اپنا نام محمود بن احمد بتاتا تھا کسی دوسری بستی سے مسجد میں جایا کرتا تھا۔ اُس کی دلچسپی امام مسجد اور اس کے علم کے ساتھ تھی مگر اس کی ایک دلچسپی اور بھی تھی۔ یہ ایک جوان لڑکی تھی جس نے اسے اپنا نام سعدیہ بتایا تھا۔ سعدیہ کو محمود اتنا اچھا لگا کہ وہ اسے کئی بار اپنی بکریوں کا دودھ پلا چکی تھی۔

اُن کی پہلی ملاقات بستی سے دُور ایک ایسی جگہ ہوئی تھی جہاں سعدیہ اپنی چند بکریاں اور دو اونٹ چرانے اور انہیں پانی پلانے کے لیے لے گئی تھی۔ محمود وہاں پانی پینے کے لیے رُکا تھا۔ سعدیہ نے اُس سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ محمود نے کہا تھا کہ نہ کہیں سے آ رہا ہوں نہ کہیں جا رہا ہوں۔ سعدیہ سادگی سے ہنس پڑی تھی۔ جواب ہی کچھ ایسا تھا۔ سعدیہ نے محمود سے قدرتی سا سوال پوچھا — "مسلم، سوڈانی؟"

محمود نے جب جواب دیا کہ وہ مسلمان ہے تو سعدیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ محمود نے اُسے اپنا صحیح ٹھکانہ نہیں بتایا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں کیں جو سعدیہ کو اچھی لگی تھیں۔ سعدیہ اُس سے سوڈان کی جنگ کے متعلق پوچھنے لگی۔ اس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اُسے اسلامی فوج کے ساتھ دلچسپی ہے۔ اُس نے جب صلاح الدین ایوبی کے متعلق پوچھا تو محمود نے اس کی ایسی تعریفیں کیں جیسے سلطان ایوبی انسان نہیں خدا کا اُتارا ہوا فرشتہ ہے۔ سعدیہ نے پوچھا — "کیا صلاح الدین ایوبی اُس سے زیادہ مقدس اور برگزیدہ ہے جو آسمان سے اُترا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے؟"

"صلاح الدین ایوبی مرے ہوؤں کو زندہ نہیں کر سکتا۔" محمود نے جواب دیا۔

"ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ زندہ ہوتے ہیں انہیں صلاح الدین ایوبی مار ڈالتا ہے۔" سعدیہ نے تلخ لہجے میں کہا — "لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے اور ہماری طرح کلمہ اور نماز پڑھتا ہے؟"

"تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگوں کو مار ڈالتا ہے؟"

"ہمارے گاؤں میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں۔ وہ بتا جاتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی بہت بُرا آدمی ہے۔" سعدیہ نے کہا۔

"تمہاری مسجد کا امام کیا بتاتا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"وہ بہت اچھی باتیں بتاتا ہے۔" سعدیہ نے کہا — "وہ سب کو کہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی اسلام کی روشنی سارے مصر اور سوڈان میں پھیلانے آیا ہے اور اسلام ہی خدا کا سچا دین ہے۔"

محمود اُس کے ساتھ اسی موضوع پر باتیں کرتا رہا تھا۔ سعدیہ سے اُسے پتہ چلا کہ اُس کے گاؤں میں ایسے آدمی آتے رہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں مگر باتیں ایسی کرتے ہیں کہ کئی لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ محمود نے سعدیہ کے شکوک رفع کر دیئے اور اپنی ذات، میٹھی زبان اور شخصیت کا اُس پر ایسا اثر پیدا کیا کہ سعدیہ نے بے تابی سے کہا کہ وہ اکثر یہیں بکریاں چرانے آیا کرتی ہے اور محمود جب کبھی ادھر سے گزرے اُسے ملتا رہے۔ محمود اُسے جذبات اور حقائق کے درمیان بھٹکتا چھوڑ کر اُس کے گاؤں کی طرف چلا گیا۔ سعدیہ یہ سوچتی رہ گئی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کا لباس اسی علاقے کا تھا مگر اُس کی شکل و صورت اور اُس کی باتیں بتاتی تھیں کہ وہ اس علاقے کا رہنے والا نہیں... سعدیہ کے شکوک صحیح تھے۔ محمود بن احمد دیہاتی علاقے کا رہنے والا نہیں تھا۔ سکندریہ شہر کا باشندہ تھا اور وہ علی بن سفیان کی داخلی جاسوسی (انٹیلی جنس) کا ایک ذہین کارکن تھا۔ وہ کئی مہینوں سے اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے سرحدی دیہات میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس نے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام خفیہ رکھا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ چند اور جاسوس بھی تھے جو اس علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کبھی کبھی اکٹھے ہوتے اور اُن کے جو مشاہدات ہوتے تھے وہ اپنے کسی ایک ساتھی کے سپرد کر کے اُسے قاہرہ بھیج دیتے تھے۔ اس طرح علی بن سفیان کے شعبے کو پتہ چلتا رہتا تھا کہ سرحدی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔

محمود بن احمد کو سعدیہ مل گئی تو اُس نے اس لڑکی کے ساتھ بھی ایسی باتیں کیں جن سے اُسے گاؤں اور گرد و پیش کے علاقے کے لوگوں کے خیالات کا علم ہو سکتا تھا۔ اُس نے سعدیہ کے گاؤں کی مسجد کے امام کے متعلق خاص طور پر پوچھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دو گاؤں میں اُس نے ایسے امام مسجد دیکھے تھے جو مشکوک سے لگتے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے اُسے پتہ چلا تھا کہ یہ دونوں امام نئے نئے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ان مسجدوں میں امام ٹھہرتے ہی نہیں۔ دونوں جہاد کے خلاف وعظ سناتے اور قرآن کی آیات پڑھ کر غلط تفسیریں بیان کرتے تھے، اور یہ دونوں پُراسرار غیب دان کو برحق بتاتے اور لوگوں میں اس کی زیارت کا اشتیاق پیدا کرتے تھے۔ محمود اور اس کے دو ساتھیوں نے ان دونوں اماموں کے متعلق پوری رپورٹ قاہرہ بھیج دی تھی اور اب وہ سعدیہ کے گاؤں جا رہا تھا۔ اُسے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس گاؤں کا امام سلطان ایوبی کا مرید اور اسلام کا علمبردار ہے۔ اُس نے اسی مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

٭

وہ مسجد میں گیا اور امام سے ملا۔ اپنا جھوٹا تعارف کرا کے اُس نے کہا کہ وہ مذہبی علم کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ امام نے اُسے تعلیم دینے کا وعدہ کیا اور اُسے مسجد میں ہی رہنے کی پیشکش کی۔ محمود مسجد میں قید نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے امام سے کہا کہ وہ دو تین روز بعد اپنے گھر جایا کرے گا۔ اُس نے امام کو بھی اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ امام نے اُس سے نام پوچھا تو اُس نے کچھ اور نام بتا دیا۔ یہ پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے تو اس نے دور کسی سرحدی گاؤں کا نام بتایا۔ امام مسکرایا اور آہستہ سے بولا — "محمود بن احمد! مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے فرائض سے بے خبر نہیں۔ سکندریہ کے مسلمان فرض کے پکے ہوتے ہیں۔"

محمود ایسا چونکا جیسے بدک اٹھا ہو۔ وہ سمجھا کہ یہ امام صلیبیوں کا جاسوس ہے لیکن امام نے اُسے زیادہ دیر تک شک میں نہ رہنے دیا اور کہا — "میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے کم از کم تمہارے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کر دینا چاہئے۔ میں تمہارے ہی محکمے کا آدمی ہوں۔ میں تمہارے تمام ساتھیوں کو جو اس علاقے میں ہیں جانتا ہوں۔ مجھے تم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں محترم علی بن سفیان کے اُس عملے کا آدمی ہوں جو دشمن پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے جاسوسوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔ میں امام بن کر جاسوسی کا کام کر رہا ہوں۔"

"پھر میں آپ کو دانشمند آدمی نہیں کہوں گا۔" محمود بن احمد نے کہا — "آپ نے جس طرح میرے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کیا ہے، اس طرح آپ دشمن کے کسی جاسوس کے سامنے بھی بے نقاب ہو سکتے ہیں۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم میرے آدمی ہو۔" امام نے کہا — "ضرورت ایسی آ پڑی ہے کہ تمہیں اپنا اصلی روپ بتانا ضروری سمجھا۔ میرے ساتھ دو محافظ ہیں جو یہاں باشندوں کے بہروپ میں گاؤں میں موجود رہتے ہیں۔ مجھے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ اس گاؤں میں دشمن کے تخریب کار آ رہے ہیں۔ تم نے اس آدمی کے متعلق سنا ہو گا جس کے متعلق مشہور ہو گیا ہے کہ وہ مستقبل کے اندھیرے کی خبر دیتا اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ گاؤں بھی اُس کی اَن دیکھی کرامات کی زد میں آ گیا ہے۔ میں نے گاؤں والوں کو شروع میں بتایا تھا

کہ یہ سب جھوٹ ہے اور لاشوں میں کوئی انسان جان نہیں ڈال سکتا، مگر اُس کی شہرت کا جادو اتنا سخت ہے کہ لوگ میرے خلاف ہونے لگے۔ میں سنبھل گیا کیونکہ میں اس مسجد سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے ایک اڈے اور ٹھکانے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کو اسلام کا سیدھا راستہ بھی دکھانا ہے۔ پندرہ بیس روز گزرے، رات کو دو آدمی میرے پاس آئے۔ میں اکیلا تھا۔ اُن دونوں کے چہروں پر نقاب تھے۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے انہیں کہا کہ میرا اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو درس بند کر دو اور اُس کی باتیں کرو جو آسمان سے آیا ہے اور خدا کا سچا مذہب لایا ہے۔ میں دونوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ ہتھیار ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں لیکن میں لڑ کر، قتل کر کے یا قتل ہو کر اپنا فرض پورا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے عقل سے کام لیا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ آج سے وہ مجھے اپنا آدمی سمجھیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ اُن کی باتوں پر عمل کرے گا تو اُسے ایک انعام یہ ملے گا کہ اُسے قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ اُسے اشرفیاں دی جائیں گی۔"

"پھر آپ نے اپنے وعظ اور خطبے کا رنگ بدل دیا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"کسی حد تک۔" امام نے جواب دیا — "میں اب دونوں قسم کی باتیں کرتا ہوں۔ مجھے اشرفیوں کی نہیں، اپنی جان کی ضرورت ہے۔ میں اپنا فرض ادا کئے بغیر مرنا نہیں چاہتا۔ میں گاؤں سے باہر جا کر تمہیں یا تمہارے کسی ساتھی کو ڈھونڈنا بھی نہیں چاہتا کیونکہ اُس کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ خدا نے خود ہی تمہیں میرے پاس بھیج دیا ہے۔ میرے محافظ اُس رات میرے پاس نہیں تھے۔ اب تم ہی میرے ساتھ رہو۔ تم میرے شاگرد کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گے۔ تم سیدھی سادی گنواروں کی سی باتیں کیا کرنا۔ گاؤں میں چار پانچ آدمی ایسے ہیں جو ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اگر ہمیں قریب کوئی سرحدی دستہ مل جائے تو ہمارا مقصد پورا ہو سکتا ہے مگر ہمارے سرحدی دستوں کے کسی کماندار پر بھروسہ کرنا بڑا خطرناک ہے۔ دشمن نے اشرفیوں اور عورتوں سے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ وہ تنخواہ ہمارے خزانے سے لیتے اور کام دشمن کا کرتے ہیں۔"

محمود بن احمد اُس کے پاس رُک گیا۔ اُسی روز امام نے اُسے اپنے دونوں محافظوں سے ملا دیا۔

شام کو جب سعدیہ مسجد میں امام کے لئے کھانا لے کر آئی تو محمود کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور مسکرائی۔ محمود نے پوچھا — "میرے لئے کھانا نہیں لاؤ گی؟" سعدیہ کھانا امام کے حجرے میں رکھ کر دوڑی گئی اور روٹی کے ساتھ ایک پیالے میں بکریوں کا دودھ بھی لے آئی۔ وہ چلی گئی تو امام نے محمود سے کہا — "یہ اس علاقے کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہے۔ ذہین بھی ہے اور کم عمر بھی۔ اس کا سودا ہو رہا ہے۔"

"سودا یا شادی؟"

"سودا" — امام نے کہا — "تم جانتے ہو کہ ان لوگوں کی شادی دراصل سودا ہوتا ہے مگر سعدیہ کا سیدھا سودا ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن خریدار مشکوک لوگ ہیں۔ وہ یہاں کے رہنے والے نہیں۔ یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو مجھے دھمکی دے گئے ہیں۔ تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ وہ اس لڑکی کو اپنے رنگ

ہیں تنگ کر ہمارے خلاف استعمال کریں گے اس لیے اسے بچانا ضروری ہے اور اس لیے بھی اسے بچانا ضروری ہے کہ یہ لڑکی مسلمان ہے۔ ہمیں سلطنت کے ساتھ ساتھ سلطنت کی بچیوں کی عصمت کی حفاظت بھی کرنی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ سودا نہیں ہو سکے گا۔ سعدیہ کے باپ کو میں نے اپنا مُرید بنا رکھا ہے لیکن وہ غریب اور تنہا آدمی ہے اور رسم و رواج سے بھاگ بھی نہیں سکتا۔ بہرحال سلطنت اور سعدیہ کی عصمت کے محافظ ہمارے سوا اور کوئی نہیں۔"

اس کے بعد محمود امام کا شاگرد بن گیا۔ دن گزرنے لگے اور اس کی ملاقاتیں سعدیہ کے ساتھ ہونے لگیں۔ لڑکی چراگاہ میں چلی جاتی اور محمود وہاں پہنچ جاتا تھا۔ ان کی بے تکلفی بڑھ گئی تو محمود نے سعدیہ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو اُسے خریدنا چاہتے ہیں۔ سعدیہ انہیں نہیں جانتی تھی۔ اُس کے لیے وہ اجنبی تھے۔ انہوں نے اُسے اس طرح آکر دیکھا تھا جس طرح گائے بھینس کو خریدنے سے پہلے دیکھا جاتا ہے۔ سعدیہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کسی کی بیوی نہیں بنے گی۔ اُسے عرب کا کوئی دولت مند بلکہ کوئی امیر وزیر اپنے حرم میں رکھ کر قید کرے گا جہاں وہ اپنا گھر بسائے بغیر بوڑھی ہو کر مر جائے گی۔ یا اُسے ناچنا سکھا کر تفریح کی چیز بنا لیا جائے گا۔ اُس نے اپنے گاؤں کے فوجیوں سے ایسی لڑکیوں کے بہت قصے سنے تھے۔ وہ اتنے پسماندہ علاقے میں رہتے ہوئے بھی ذہین تھی اور اپنا بُرا بھلا سوچ سکتی تھی۔ اُس نے محمود کو دیکھا تو اُسے دل میں بٹھا لیا اور اُس نے جب یہ دیکھا کہ محمود اُسے چاہنے لگا ہے تو اُس نے دل میں یہ ارادہ پختہ کر لیا کہ وہ فروخت نہیں ہوگی۔ وہ جانتی تھی کہ خریداروں سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ ایک روز اُس نے محمود سے پوچھا — "تم مجھے خرید نہیں سکتے؟"

"خرید سکتا ہوں" — محمود نے کہا — "لیکن میں جو قیمت دوں گا وہ تمہارے باپ کو منظور نہیں ہوگی۔"

"کتنی قیمت دو گے؟"

"میرے پاس دینے کے لیے اپنے دل کے سوا کچھ بھی نہیں" — محمود بن احمد نے جواب دیا — "معلوم نہیں تم دل کی قیمت جانتی ہو یا نہیں۔"

"اگر تمہارے دل میں میری محبت ہے تو میرے لیے یہ قیمت بہت زیادہ ہے" — سعدیہ نے کہا — "تم ٹھیک کہتے ہو کہ میرے باپ کو یہ قیمت منظور نہیں ہوگی لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میرا باپ مجھے بیچنا نہیں چاہتا۔ اُس کی مجبوری یہ ہے کہ غریب ہے اور اکیلا ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں۔ میرے خریداروں نے میرے باپ کو دھمکی دی ہے کہ اُس نے اُن کی قیمت قبول نہ کی تو وہ مجھے اغوا کر لیں گے۔"

"تمہارا باپ اتنی زیادہ قیمت کیوں قبول نہیں کرتا؟" محمود نے پوچھا — "لڑکیوں کو بیچنے کا تو یہاں رواج ہے۔"

"باپ کہتا ہے وہ لوگ مسلمان نہیں لگتے" — سعدیہ نے کہا — "میں نے بھی باپ سے کہہ دیا ہے کہ میں کسی غیر مسلم کے پاس نہیں جاؤں گی۔" اُس نے بے تاب ہو کر کہا — "تم اگر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔"

"میں تیار ہوں" — محمود نے کہا۔

"تو چلو" — سعدیہ نے کہا — "آج ہی رات چلو۔"

"نہیں" — محمود کے منہ سے نکل گیا — "میں اپنا فرض پورا کیے بغیر کہیں بھی نہیں جا سکتا۔"

"کیسا فرض؟" — سعدیہ نے پوچھا۔

محمود بن احمد چونکا۔ وہ سعدیہ کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اُس کا فرض کیا ہے۔ اُس نے منہ سے نکلی ہوئی بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی مگر سعدیہ اُس کے پیچھے پڑ گئی۔ محمود کو اچانک یاد آ گیا۔ اُس نے کہا — "میں امام سے مذہبی تعلیم لینے آیا ہوں۔ اس کی تکمیل کے بغیر میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"اس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہاں پہنچا دیا جائے گا" — سعدیہ نے کہا۔

محمود فرض کو ایک لڑکی پر قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اُس کے دل میں یہ شک بھی پیدا ہوا کہ یہ لڑکی دشمن کی جاسوس بھی ہو سکتی ہے جسے اُسے بیکار کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے سعدیہ کے متعلق چھان بین کرنا ضروری سمجھا۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی فوج قاہرہ سے آٹھ دس میل دور تھی۔ اُسے بتا دیا گیا تھا کہ فوج مشتعل ہے اور مصر کی فوج پر ٹوٹ پڑے گی۔ سلطان ایوبی نے وہاں پڑاؤ کا حکم دے دیا اور سپاہیوں میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ خود سپاہیوں کے جذبات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک سوار کے پاس جا رکا تو کئی سوار اور پیادہ اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے ان کے ساتھ غیر ضروری سی باتیں کیں تو ایک سوار بول پڑا۔ اُس نے پوچھا — "گستاخی معاف سالارِ اعظم! یہاں پڑاؤ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم شام تک قاہرہ پہنچ سکتے تھے۔"

"تم لوگ لڑتے لڑتے آئے ہو" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں تمہیں اس کھلے صحرا میں آرام دینا چاہتا ہوں۔"

"ہم لڑنے آئے ہیں اور لڑنے جا رہے ہیں" — سوار نے کہا۔

"لڑنے جا رہے ہیں؟" — سلطان ایوبی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا — "میں تو تمہیں قاہرہ لے جا رہا ہوں جہاں تم اپنے دوستوں سے ملو گے۔"

"وہ ہمارے دشمن ہیں" — سوار نے کہا — "اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے دوست بغاوت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ ہمارے دشمن ہیں۔"

"صلیبیوں سے بدترین دشمن" — ایک اور سپاہی نے کہا۔

"کیا یہ سچ نہیں سالارِ اعظم کہ قاہرہ میں غداری اور بغاوت ہو رہی ہے؟" — کسی اور نے پوچھا۔

"کچھ گڑبڑ سی ہے" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں مجرموں کو سزا دوں گا۔"

"آپ پوری فوج کو کیا سزا دیں گے؟" — ایک سوار نے کہا — "سزا ہم دیں گے۔ ہمیں کمانداروں نے قاہرہ کے سارے حالات بتا دیے ہیں۔ ہمارے ساتھی شوبک اور کرک میں شہید ہوئے ہیں۔ دونوں شہروں کے اندر ہماری بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت دری ہوئی ہے اور کرک میں ابھی تک ہو رہی ہے۔ ہمارے ساتھی قلعے کی دیواروں سے دشمن کی پھینکی ہوئی آگ میں زندہ جل گئے ہیں۔ قبلۂ اوّل پر کافروں کا قبضہ ہے اور ہماری فوج قاہرہ میں

بیٹی عیش کر رہی ہے، آپ کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہی ہے۔ جنہیں شہیدوں کا پاس نہیں، اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کا خیال نہیں انہیں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں۔ ہم جانتے ہیں وہ اسلام کے دشمن کے دوست بن گئے ہیں۔ ہم جب تک غداروں کی گردنیں اپنے ہاتھوں نہیں کاٹیں گے، ہمیں شہیدوں کی روحیں معاف نہیں کریں گی۔ ذرا ان زخمیوں کو دیکھیے جنہیں ہم اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔ کسی کی ٹانگ نہیں، کسی کا بازو نہیں۔ کیا یہ اس لیے سارے مرے ہیں، اپاہج ہو گئے ہیں کہ ہمارے ساتھی اور ہمارے دوست دشمن کے ہاتھ میں کھیلیں؟

"ہم انہیں اپنے ہاتھوں سزا دیں گے" — اور پھر ایسا شور بپا ہو گیا کہ ساری فوج وہاں جمع ہو گئی۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے اس جوش و خروش پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ وہ سپاہیوں کے جوش اور جذبے کو سرد کر کے ان کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں صبر و تحمل کی تلقین کی۔ کوئی حکم نہ دیا۔ اپنے خیمے میں گیا، مشیروں اور نائبین کو بلا کر کہا کہ یہ فوج اگلے حکم تک یہیں پڑاؤ کرے گی۔ اُس نے کہا — "میں نے دیکھ لیا ہے کہ خانہ جنگی ہو گی۔ فوج کا آپس میں ٹکرانا دشمن کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ میں آج رات قاہرہ جا رہا ہوں۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ سپاہیوں کے جوش کو سرد کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے۔"

اُس نے ضروری احکام اور ہدایات دے کر کہا "ہماری قاہرہ والی فوج جو بغاوت پر آمادہ ہے میری نظر میں بے گناہ ہے اور ہماری قوم کے وہ نوجوان جو جُوئے اور ذہنی عیاشی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں وہ بھی بے گناہ ہیں۔ فوج کو ہمارے اعلیٰ حکام نے غلط باتیں بتا کر بھڑکایا ہے۔ انہی حکام کے ایما پر دشمن نے ہمارے ملک کے سب سے بڑے شہر میں ذہنی عیاشی کے سامان پھیلائے ہیں۔ اس اخلاقی تباہ کاری کو فروغ صرف اس لیے حاصل ہُوا ہے کہ ہماری انتظامیہ کے وہ حکام جنہیں اس تخریب کاری کو روکنا تھا وہ اسے پھیلانے میں شریک ہیں۔ دشمن انہیں اُجرت دے رہا ہے۔ جب کسی قوم کے سربراہ اور امراء دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے ہیں اس قوم کا یہی حشر ہوتا ہے۔ ہماری فوج سوڈان کے ظالم صحرا میں بکھری ہوئی لڑ رہی ہے، کٹ رہی ہے، سپاہی بھوکے اور پیاسے مر رہے ہیں اور ہمارے حاکم ان کی کمک، رسد اور ہتھیار روکے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ دشمن کی سازش نہیں جسے ہمارے اپنے بھائی کامیاب کر رہے ہیں؟ اس سے دشمن ایک فائدہ یہ اٹھا رہا ہے کہ تقی الدین اور اس کے وہ عسکری جو جذبۂ جہاد سے لڑ رہے ہیں وہ مر رہے ہیں اور نوبت ہتھیار ڈالنے تک آ گئی ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ ہماری قوم کو بتایا جائے گا کہ یہ دیکھو تمہاری فوج شکست کھا گئی ہے کیونکہ یہ اسی قابل تھی۔ ہمارے بعض بھائی مصر کی امارت پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ سب سے پہلے فوج کو قوم کی نظروں میں رُسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ من مانی کر سکیں۔ مجھے امارت کے ساتھ چپکے رہنے کی کوئی خواہش نہیں۔ اگر میرے مخالفین میں سے کوئی مجھے یہ یقین دلا دے کہ وہ میرے عزم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا تو میں اس کی فوج میں سپاہی بن کر رہوں گا مگر ایسا کون ہے؟ یہ لوگ اپنی باقی زندگی بادشاہ بن کر گزارنا چاہتے ہیں خواہ دشمن کے ساتھ سازباز کر کے بادشاہی ملے اور میں اپنی زندگی میں قوم کو اُس مقام پر لانا چاہتا ہوں جہاں وہ اپنے دین کے دشمنوں کے سر پر پاؤں رکھ کر بادشاہی کرے۔ ہمارے ان لالچی اور غدار حاکموں کی نظر اپنے حال پر، اپنے آج پر ہے۔ میری نظر قوم کے مستقبل پر ہے۔"

اُس نے بولتے بولتے توقف کیا اور کہا "میرا گھوڑا فوراً تیار کرو" — اُس نے محافظ دستے کے نام لیے جنہیں اُس کے ساتھ جانا تھا۔ اُس نے کہا — "نہایت خاموشی سے ان سب کو بلاؤ اور انہیں قاہرہ چلنے کے لیے کہو۔ میرا خیمہ یہیں لگا رہنے دو تاکہ کسی کو شک نہ ہو کہ میں یہاں نہیں ہوں" — اُس نے گہرا سانس لیا اور کہا۔

"میں آپ کو سختی سے ذہن نشین کراتا ہوں کہ جو فوج بغاوت کے لیے تیار ہے میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ تم میں سے کوئی بھی اس فوج کے خلاف کدورت نہ رکھے۔ اسی طرح اپنے نوجوانوں کو بھی قابلِ نفرت نہ سمجھا۔ میں اُن کے خلاف کارروائی کروں گا جو فوج اور قوم کو گمراہ اور ذلیل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ یہی فوج جب اپنے دشمن کے سامنے آئے گی اور دشمن اُس کا تیروں سے استقبال کرے گا تو فوج کو یاد آ جائے گا کہ وہ اللہ کی فوج ہے۔ دماغ سے بغاوت کے کیڑے نکل جائیں گے۔ آپ جب اپنے بچوں کو اپنے دین کا دشمن دکھائیں گے تو اُن کا ذہن از خود جُوئے سے ہٹ کر جہاد کی طرف آ جائے گا۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کی بقا اور وقار فوج کے بغیر ممکن نہیں۔ میں صلیبیوں اور یہودیوں کے عزائم اور ان کے طرزِ جنگ اور ان کی زمین دوز کارروائیوں کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسلام کی فوج کو کمزور کر کے اسلام کا خاتمہ کریں گے۔ جس روز اور جس دور میں کسی بھی مسلمان ملک کی فوج کمزور ہو گئی وہ ملک اپنی آزادی اور اپنا وقار کھو بیٹھے گا۔ کسی بھی دور میں کوئی مسلمان مملکت مضبوط اور باوقار فوج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ ہمارا آج کا غلط اقدام اسلام کے مستقبل کو تاریک کر دے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آنے والی نسلیں ہماری لغزشوں، ناکامیوں اور کامیابیوں سے فائدہ اٹھائیں گی یا نہیں۔"

"امیرِ مصر!" — ایک مشیر نے کہا — "اگر ہمارے بھائی غداری کے فن میں ہی مہارت حاصل کرتے رہے تو آنے والی نسلیں غلام ہوں گی۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہو گا کہ آزادی کسے کہتے ہیں اور قومی وقار کیا ہے۔ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟"

"قوم کا ذہن بیدار کرو" — سلطان ایوبی نے کہا — "قوم کو رعایا نہ کہو۔ قوم کا ہر فرد اپنی جگہ بادشاہ ہوتا ہے۔ کسی بھی فرد کو قومی وقار سے محروم نہ کرو۔ ہمارے امراء اور حاکموں میں چونکہ بادشاہ اور خلیفہ بننے کا جنون سوار ہے، اس لیے وہ قوم کو رعایا بنا کر اسے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو، قوم جسموں کا مجموعہ نہیں، جسے تم مویشیوں کی طرح ہانکتے پھرو۔ قوم میں دماغ بھی ہے، روح بھی ہے اور قومی وقار بھی ہے۔ قوم کی ان خوبیوں کو اُبھارو تاکہ قوم خود سوچے کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے، اچھا کون اور بُرا کون ہے۔ اگر قوم محسوس کرے کہ صلاح الدین ایوبی سے بہتر امیر موجود ہے جو سلطنتِ اسلامیہ کے تحفظ کے ساتھ اسے سمندروں سے پار بھی وسعت دے سکتا ہے تو قوم کا کوئی بھی فرد مجھے راستے میں روک لے اور جرأت سے کہے کہ صلاح الدین تم یہ مسند خالی کر دو، ہم نے تم سے بہتر آدمی ڈھونڈ لیا ہے۔ قوم میں یہ سوچ بھی ہو اور جرأت بھی اور مجھ میں فرعونیت نہ ہو کہ اپنے خلاف بات کرنے والے کی گردن مار دوں۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ ملتِ اسلامیہ ایسے ہی فرعونوں کی نذر ہو جائے گی۔ قوم کو رعایا اور مویشی بنا دیا جائے گا۔ پھر مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے یا برائے نام مسلمان ہوں

گے۔ مذہب تو شاید ان کا بھی رہے مگر تہذیب و تمدن صلیبیوں کا ہوگا۔"

اتنے میں ایک محافظ نے اندر آکر بتایا کہ گھوڑا تیار ہے اور جن تین چار نائب سالاروں کو بلایا گیا تھا وہ بھی آگئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھ چار محافظ لیے۔ باقی محافظ دستے سے کہا کہ وہ اس کے خالی خیمے پر پہرہ دیتے رہیں اور کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اُس نے اپنے ساتھ جانے والے عملے سے کہا کہ وہ خاموشی سے فلاں جگہ پہنچ جائیں وہ ان سے آملے گا۔ اُس نے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور باہر نکل گیا۔

☆

صحرا تاریک تھا۔ چودہ گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی تاریکی چھٹنے سے پہلے قاہرہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ علی بن سفیان کو اُس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اُس کی فوج پڑاؤ میں گہری نیند سو گئی تھی۔ جاگنے والے سنتریوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ نکل گیا ہے۔ قاہرہ والوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ سلطان ایوبی مصر میں داخل ہو چکا ہے..... رات کا پچھلا پہر تھا جب سلطان ایوبی کا قافلہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ اسے کسی سنتری نے نہ روکا۔ وہاں کوئی سنتری تھا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "یہ ہے بغاوت کی ابتدا۔ شہر میں کوئی سنتری نہیں۔ فوج سوئی ہوئی ہے۔ بے پروا، بے نیاز، حالانکہ ہم دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں اور دشمن کے حملے کا خطرہ ہر لمحہ موجود ہے۔"

اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی، ایک لمحہ آرام کیے بغیر اُس نے مصر کے قائم مقام سالارِ اعلیٰ کو بلا لیا۔ الادریس کو بھی بلا لیا جس کے دونوں جوان بیٹوں کو غداروں نے دھوکے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا۔ قائم مقام سالارِ اعلیٰ سلطان ایوبی کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ سلطان ایوبی نے الادریس سے افسوس کا اظہار کیا۔ الادریس نے کہا — "میرے بیٹے میدانِ جنگ میں جانیں دیتے تو مجھے خوشی ہوتی۔ وہ دھوکے میں مارے گئے ہیں" — اُس نے کہا — "یہ وقت میرے بیٹوں کے ماتم کرنے کا نہیں، آپ نے مجھے کسی اور مقصد کے لیے بلایا تھا۔ حکم فرمائیں۔"

قائم مقام سالارِ اعلیٰ محبِ اسلام تھا۔ ان دونوں سے سلطان ایوبی نے قاہرہ کے اندرونی حالات کے متعلق تفصیلی رپورٹ لی اور پوچھا کہ ان کی نظر میں کون کون سے حاکم مشتبہ ہیں۔ وہ فوجی حکام کے متعلق خاص طور پر پوچھ رہا تھا۔ اُسے چند ایک نام بتائے گئے۔ اُس نے احکام دینے شروع کر دیئے جن میں اہم یہ تھے کہ مشتبہ حکام کو قاہرہ میں مرکزی کمان میں رہنے دیا جائے اور تمام فوج کو سورج نکلنے سے پہلے کوچ کی تیاری میں جمع کر لیا جائے اور بھی بہت سی ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے ایک پلان تیار کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہدایات علی بن سفیان کو دے کر اسے فارغ کر دیا۔ کچھ دیر بعد فوج کے کیمپ میں ہڑبونگ بپا ہو گئی۔ فوج کو قبل از وقت جگا لیا گیا تھا۔ فوج اور انتظامیہ کے مشتبہ حکام کو صلاح الدین ایوبی کے ہیڈ کوارٹر میں بلا لیا گیا تھا۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ انہیں اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ سلطان ایوبی آگیا ہے۔ انہوں نے اُس کا گھوڑا بھی دیکھ لیا تھا لیکن انہیں سلطان ایوبی نظر نہیں آیا تھا اور سلطان ایوبی انہیں ابھی ملنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں کوچ تک فوج سے الگ رکھنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ یہی اس کا مقصد تھا۔

ابھی صبح کی روشنی صاف نہیں ہوئی تھی۔ فوج ترتیب سے کھڑی کر دی گئی۔ پیادوں اور سواروں کی صفوں کے پیچھے رسد اور دیگر سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ سلطان ایوبی نے فوج کو یہ ٹریننگ خاص طور پر دی تھی کہ جب بھی فوری کوچ کا حکم ملے فوج ایک گھنٹے کے اندر اندر مع رسد اور دیگر سامان کے قافلے کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اسی ٹریننگ اور مشق کا کرشمہ تھا کہ فوج طلوعِ صبح کے ساتھ ہی کوچ کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ مصر کا قائم مقام سالارِ اعلیٰ بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کو ایک نظر دیکھا اور ایک صف کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور اُس کے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے — "آفریں، صد آفریں۔ اسلام کے پاسبانو تم پر اللہ کی رحمت ہو" — صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کا اپنا ایک اثر تھا جسے ہر ایک سپاہی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کی مسکراہٹ اور داد و تحسین کے کلمے سپاہیوں پر اس اثر کو اور زیادہ گہرا کر رہے تھے۔ امیر اور سالارِ اعلیٰ کا سپاہیوں کے اتنی قریب جانا ہی کافی تھا۔

تمام فوج کا معائنہ کر کے سلطان ایوبی نے مکمل طور پر بلند آواز سے فوج سے خطاب کیا۔ اُس وقت کی تحریروں میں اُس کے جو الفاظ محفوظ ملتے ہیں وہ کچھ اس طرح تھے — "اللہ کے نام پر کٹ مرنے والے مجاہدو! اسلام کی ناموس تمہاری تلواروں کو پکار رہی ہے۔ تم نے شوبک کا مضبوط قلعہ جو کفر کا سب سے زیادہ مضبوط مورچہ تھا ریت کا ٹیلہ سمجھ کر توڑ ڈالا تھا۔ تم نے صلیبیوں کو صحراؤں میں بکھیر کر مارا اور جنت الفردوس میں جگہ بنالی ہے۔ تمہارے ساتھی تمہارے عزیز دوست تمہارے سامنے شہید ہوئے۔ تم نے انہیں اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ اُن چار پانچ سو شہیدوں کو یاد کرو جو دشمن کی صفوں کے پیچھے جا کر شہید ہوئے۔ تم ان کا جنازہ نہ پڑھ سکے۔ ان کی لاشیں بھی نہ دیکھ سکے۔ تم تصور کر سکتے ہو کہ دشمن نے اُن کی لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ شہیدوں کے یتیم بچوں کو یاد کرو۔ اُن کی بیویوں کو یاد کرو جن کے سہاگ خدا کے نام پر قربان ہو گئے ہیں۔ آج شہیدوں کی روحیں تمہیں للکار رہی ہیں۔ تمہاری غیرت کو اور تمہاری مردانگی کو پکار رہی ہیں۔ دشمن نے کرک کے قلعے کو اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ تمہارے کئی ساتھی دیواروں سے پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے ہیں۔ تم اگر وہ منظر دیکھتے تو سر کی ٹکروں سے قلعے کی دیواریں توڑ دیتے۔ وہ آگ میں جلتے رہے اور دیوار میں شگاف ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ موت نے انہیں مہلت نہ دی...

"عظمتِ اسلام کے پاسبانو! کرک کے اندر تمہاری بیٹیوں اور تمہاری بہنوں کی عصمت دری ہو رہی ہے۔ بوڑھوں سے مویشیوں کی طرح مشقت لی جا رہی ہے۔ جوانوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ ماؤں کو بچوں سے الگ کر دیا گیا ہے مگر میں کہ جس نے پتھروں کے قلعے توڑے ہیں، مٹی کا قلعہ سر نہیں کر سکا۔ میری طاقت تم ہو۔ میری ناکامی تمہاری ناکامی ہے" — اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ اُس نے بازو اوپر کر کے کہا — "میرا سینہ تیروں سے چھلنی کر دو۔ میں ناکام لوٹا ہوں۔ اگر میری جان لینے سے پہلے میرے کان میں یہ خوشخبری ضرور ڈالنا کہ تم نے کرک لے لیا ہے اور اپنی عصمت بریدہ بیٹیوں کو سینے سے لگا لیا ہے۔"

اُس وقت کا ایک وقائع نگار الاسدی لکھتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑے اپنے سواروں کی جذباتی کیفیت کو سمجھتے تھے۔ سوار خاموش تھے لیکن کئی گھوڑے بڑی زور سے ہنہنائے۔ [illegible] کی آوازیں سنائی

دیں۔ سواروں نے گھوڑوں کو زور زور سے جھٹک کر اپنی بے تابی اور جذبۂ انتقام کی شدت کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کی زبانیں خاموش تھیں۔ اُن کے چہرے لال سرخ ہو کر ان کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ تیروں کی طرح اُن کے دلوں میں اترتے جا رہے تھے۔ بغاوت کی چنگاریاں بجھ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔

"سلطنتِ اسلامیہ کی عصمت کے محافظو! تم کفار کے لیے دہشت بن گئے ہو۔ تمہاری تلواروں کو کند کرنے کے لیے آج صلیبی اپنی بیٹیوں کی عصمت اور حشیش استعمال کر رہے ہیں۔ تم نہیں سمجھتے کہ صلیبی اپنی ایک بیٹی کی عصمت لٹا کر ایک ہزار مجاہدین کو بیکار کر دیتے ہیں اور اپنے علاقوں میں اپنی ایک بیٹی کے بدلے ہماری ایک ہزار بیٹیوں کو بے آبرو کرتے ہیں۔ تمہارے درمیان ایک فاحشہ عورت بھیج کر ہماری سینکڑوں بیٹیوں کو داشتہ بنا لیتے ہیں۔ جاؤ اور اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کو بچاؤ۔ تم کرک جا رہے ہو جس کی دیواروں کے گھیرے میں قرآن کے ورق بکھرے ہوئے ہیں اور جہاں کی مسجدیں صلیبیوں کے لیے بیت الخلا بن گئی ہیں۔ وہ صلیبی جو تمہارے نام سے ڈرتے ہیں، آج تم پر قہقہے لگا رہے ہیں۔ ثبوت یہ کہ تم نے دیکھا تھا کہ بھی تم ہی لوگے۔"

سلطان ایوبی نے فوج پر یہ الزام عائد نہیں کیا کہ وہ گمراہ ہو گئی ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے۔ اُس نے کسی کے خلاف شک و شبہے کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس کی بجائے فوج کے جذبے اور غیرت کو ایسا للکارا کہ فوج جو حیران تھی کہ اسے اتنی سویرے کیوں جگایا گیا ہے، اب اس پر حیران تھی کہ اُسے کرک کی طرف کوچ کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ تمام تر فوج مشتعل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اعلیٰ اور ادنیٰ کمانڈروں کو بلایا اور انہیں کوچ کے متعلق ہدایات دیں۔ کوچ کے لیے کوئی اور راستہ بتایا۔ یہ راستہ اُس راستے سے بہت دور تھا جس پر محاذ کی فوج آ رہی تھی۔ کوچ کرنے والی فوج کے ساتھ سلطان ایوبی نے اپنے وہ کمانڈر بھیج دیئے جنہیں وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہیں اُس نے خفیہ طور پر ہدایات دے دی تھیں۔ فوج کو جب کوچ کا حکم ملا تو سپاہیوں کے نعرے قاہرہ کے درودیوار کو ہلانے لگے۔ سلطان ایوبی کا چہرہ جذبات کی شدت سے دمک رہا تھا۔

جب فوج اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اُس نے ایک قاصد کو پیغام دے کر اُس پڑاؤ کی طرف روانہ کر دیا جہاں محاذ سے آنے والی فوج رکی ہوئی تھی۔ قاصد کو بہت تیز جانے کو کہا گیا۔ پیغام یہ تھا کہ پیغام ملتے ہی فوج کو قاہرہ کے لیے کوچ کرا دیا جائے۔ فاصلہ آٹھ دس میل تھا۔ قاصد جلدی پہنچ گیا۔ اُسی وقت کوچ کا حکم مل گیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد فوج کے ہراول دستے قاہرہ میں داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے باقی فوج بھی آ گئی۔ اُسے رہائش کے لیے وہی جگہ دی گئی جہاں گزشتہ رات تک کوچ کر جانے والی فوج قیام پذیر تھی۔ سپاہیوں کو کمانڈروں نے بتانا شروع کر دیا کہ پہلی فوج کو محاذ پر بھیج دیا گیا ہے۔ آنے والی فوج بھڑکی ہوئی تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں ٹھنڈا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے دانشمندی سے فوجی بغاوت کا خطرہ بھی ختم کر دیا اور خانہ جنگی کا امکان بھی نہ رہنے دیا۔ اُس نے اعلیٰ کمانڈروں کو بلا لیا اور اُس فوجی حاکم کو بھی بلایا جو سرحدی دستوں کا ذمہ دار تھا۔ اُس نے یہ معلوم کر کے کہ سرحد پر کتنے دستے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، اتنی ہی نفری

کے دستے تیار کر کے علی الصبح سرحد پر جیسے ہی بھیجنے کا حکم دیا۔ اُسے بتایا جا چکا تھا کہ سرحدی دستے غلہ اور فوجی ضروریات کا دیگر سامان باہر بھیجتے ہیں، دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔ سلطان ایوبی نے ان دستوں کے کمانڈروں کو خصوصی احکامات دیئے اور سرحد سے واپس آنے والے پرانے دستوں کے متعلق اُس نے حکم دیا کہ انہیں قاہرہ میں لانے کی بجائے باہر سے ہی محاذ پر بھیج دیا جائے۔

☆

سعدیہ دونوں وقت مسجد میں امام کو کھانا دینے جاتی تھی۔ محمود بن احمد شاگرد کی حیثیت سے مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ اُس چراگاہ میں بھی چلا جایا کرتا تھا جہاں سعدیہ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ وہاں ٹیلے بھی تھے۔ جگہ سرسبز تھی کیونکہ وہاں پانی تھا۔ جگہ گاؤں سے ذرا دور تھی۔ سعدیہ اب محمود کو اپنا محافظ سمجھنے لگی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ محمود اُسے کافروں کے قبضے میں جانے سے بچائے گا، مگر محمود اُس کی یہ بات نہیں مانتا تھا کہ اُسے فوراً گاؤں سے لے جائے۔ سعدیہ نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُسے اپنے گاؤں چھوڑ آئے اور یہاں آکر تعلیم مکمل کرے۔ محمود اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا گاؤں مصر کے دوسرے سرے پر ہے جہاں وہ اتنی جلدی نہیں جا سکتا۔ اُس نے اپنے جاسوسی کے فن کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ سعدیہ دشمن کی آلۂ کار نہیں۔ اگر محمود کے راستے میں فرض حائل نہ ہوتا تو وہ کبھی کا سعدیہ کو وہاں سے لے جا چکا ہوتا۔ فرض کے علاوہ امام مسجد اُس کے محکمے کا افسر تھا، جس کی موجودگی میں وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔ امام نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ رہے۔ اُس کا کہنا حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ایک روز اچانک گاؤں میں رونق آ گئی۔ کچھ اجنبی صورتیں نظر آنے لگیں۔ ہر کسی کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا۔ "وہ آ رہا ہے۔ وہ آسمان سے آیا ہے..... مرے ہوؤں کو زندہ کرنے والا آ رہا ہے"۔ گاؤں کا ہر فرد بہت ہی خوش تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی مرادیں پوری کرنے والا آ رہا ہے۔ سعدیہ دوڑتی آئی اور محمود بن احمد سے کہا ___ "تم نے بھی سنا ہے کہ وہ آ رہا ہے؟ تم جانتے ہو میں اُس سے کیا مانگوں گی؟ میں اسے کہوں گی کہ محمود مجھے فوراً یہاں سے لے جائے۔ پھر تم مجھے لے جاؤ گے۔"

محمود کچھ بھی جواب نہ دے سکا۔ اُس نے ابھی تک اس پُراسرار آدمی کو نہیں دیکھا تھا جسے لوگ پیغمبر کہتے تھے..... محمود کی ڈیوٹی کے علاقے میں وہ پہلی بار آ رہا تھا۔ اُس کی کرامات اور معجزوں کی کہانیاں اس علاقے میں کبھی کی پہنچ رہی تھیں۔ محمود باہر نکل گیا تو اجنبی لوگوں میں اُسے اپنے دو ساتھی جاسوس نظر آئے۔ ان کا علاقہ کوئی اور تھا۔ محمود نے ان سے پوچھا کہ وہ اس کے علاقے میں کیوں آ گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اس غیب دان کو دیکھنے آئے ہیں مگر وہ جاسوسوں کی حیثیت سے نہیں آئے تھے بلکہ اس سے پوری طرح متاثر تھے۔ انہوں نے اس کی کرامات کسی جگہ دیکھی تھیں، جو انہوں نے محمود کو ایسے انداز سے سنائیں کہ وہ مرعوب ہو گیا۔ یہ دونوں اس غیب دان کو برحق سمجھنے لگے تھے۔ محمود نے سوچا کہ علی بن سفیان کے تربیت یافتہ جاسوس جس سے متاثر ہو جائیں وہ برحق ہو سکتا ہے۔

محمود اس سرسبز جگہ کی طرف چلا گیا جہاں سعدیہ بکریاں اور اونٹنی چرانے کے بہانے اسے ملا کرتی تھی کہ وہاں کچھ اور ہی گہما گہمی تھی۔ اُسے دُور ہی دو آدمیوں نے روک دیا اور کہا کہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر آ رہا ہے۔ یہ جگہ اس کے لیے صاف کی جا رہی ہے۔ وہ یہیں قیام کرے گا۔ اُس نے دُور سے دیکھا کہ ایک ٹیلے میں غار سا بنایا جا رہا تھا اور جگہ ہموار کی جا رہی تھی۔ اب وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ گاؤں کے لوگ کام دھندا چھوڑ کر وہاں جمع ہو رہے تھے۔ اجنبی آدمی جو اُس جگہ صفائی وغیرہ کا کام کرتے تھے، باری باری آ کر لوگوں کو اس کے معجزے سناتے تھے۔ لوگ مسرور اور مسحور ہوتے جا رہے تھے۔ رات کو بھی لوگ وہاں کھڑے رہے۔ ان کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں کوئی بھی نہ گیا۔ دوسرے دن کی ابھی صبح طلوع ہوئی تھی کہ لوگ پھر وہاں پہنچ گئے۔ انہیں دُور ہی روک لیا گیا۔ رات کے دوران اجنبی چہروں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ لوگ وہاں گڑھے بھی کھود رہے تھے۔ اُن کے ساتھ چند اونٹ تھے جن پر بہت سارا سامان لدا ہوا تھا۔ یہ سامان کھولا جانے لگا تو انہیں بہت سے خیمے نظر آئے جو کھول کر نصب کیے جا رہے تھے۔

شام گہری ہونے لگی۔ راتیں تاریک ہوا کرتی تھیں۔ چاند رات کے پچھلے پہر ابھرتا تھا۔ اس غیب دان کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ صرف تاریک راتوں میں لوگوں کو اپنا آپ دکھاتا ہے۔ شام کے بعد بھی گاؤں کے لوگ وہاں موجود رہے۔ ایک طرف گاؤں کی عورتیں بھی کھڑی تھیں جن میں سعدیہ بھی تھی۔ جو جگہ آنے والے کے لیے صاف کی جا رہی تھی، وہاں مشعلیں جل رہی تھیں۔ دو آدمی ان چند لڑکیوں کے پیچھے سے آئے جن میں سعدیہ تھی۔ لڑکیاں انہیں دیکھ نہ سکیں۔ سامنے سے تین چار آدمی آئے۔ یہ اجنبی لوگوں میں سے تھے۔ لڑکیوں کے قریب آ کر انہوں نے لڑکیوں سے کہا۔ "تم یہاں سے جاتی کیوں نہیں؟" اور وہ لڑکیوں کو ڈرانے کے لیے ان کی طرف دوڑے لڑکیاں بھاگ اٹھیں اور بکھر گئیں۔ کسی نے پیچھے سے سعدیہ کے اوپر کمبل پھینکا۔ دو مضبوط بازوؤں نے اُسے کمر سے دبوچ لیا۔ ایک ہاتھ سے کسی نے اُس کا منہ بند کر دیا۔ اُسے کندھے پر اٹھا کر کوئی دوڑ پڑا۔ ایک تو تاریکی تھی، اور دوسرے لڑکیاں بھاگ گئی تھیں۔ اس لیے کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ سعدیہ کو کوئی اٹھا لے گیا ہے۔

دوسری صبح جیسے طوفان آ گیا ہو۔ گاؤں کے لوگ چراگاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ ایک ہجوم چلا آ رہا تھا۔ اس کے آگے آگے سولہ سترہ اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر نہایت خوبصورت پالکی تھی۔ ہر پالکی کے پردے گرے ہوئے تھے۔ "وہ" ان میں سے کسی پالکی میں تھا۔ آگے آگے دف اور شہنائیاں بج رہی تھیں۔ بعض لوگ وجد آفریں گونج میں کچھ گنگناتے آ رہے تھے۔ اونٹوں کی گردنوں سے لٹکتی ہوئی بڑی بڑی گھنٹیوں کا ترنم اسی موسیقی کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ ہجوم میں کوئی شور شرابا نہیں تھا۔ ہر کسی پر تقدس کا رعب طاری تھا۔ یہ مریدوں اور عقیدت مندوں کا جلوس تھا جو معلوم نہیں کہاں کہاں سے اس کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ ایسی فضا پیدا ہو گئی تھی جیسے پالکیوں والے اونٹ آسمان سے اُتر رہے ہوں۔ یہ قافلہ سرسبز جگہ چلا گیا۔ وہاں ٹیلے زیادہ تھے۔ ایک جگہ بہت سے خیمے نصب کر دیئے گئے تھے۔ ان میں ایک خیمہ خاصا بڑا تھا۔ تمام لوگوں کو دُور روک دیا گیا۔ پھر کوئی نہ دیکھ سکا کہ پالکیوں میں سے کون کون نکلا اور کہاں غائب ہو گیا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم دُور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ سعدیہ کے گاؤں کے لوگ ان سے اس

مقدس انسان کی باتیں سننے گئے۔ انسانی فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ انسان جس قدر گنوار اور پسماندہ ہوتا ہے اتنا ہی سنسنی پسند ہوتا ہے۔ وہ باتوں میں سنسنی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کیفیت وہاں پیدا ہو گئی تھی۔

امام بھی اس ہجوم کو دیکھ رہا تھا اور محمود بھی۔ وہ ابھی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں قاہرہ سے یہ ہدایت ملی تھی کہ سرحدی علاقے میں کوئی نیا عقیدہ پھیلایا جا رہا ہے اس کے متعلق تفصیلات معلوم کر کے بتاؤ کہ یہ کیا ہے اور اس کی پشت پناہی میں کون لوگ ہیں۔ قاہرہ کو ابھی کوئی تفصیلی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ جن علاقوں میں یہ پُراسرار آدمی جا چکا تھا وہاں کے جاسوس بھی اس کے معجزوں سے مرعوب ہو گئے تھے۔ وہ اُس کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالتے سے ڈرتے تھے۔ سرحدی دستوں نے بھی ایسا ہی اثر قبول کیا تھا۔ اب اس امام کی باری تھی۔ اُسے دیکھنا تھا کہ یہ سب کوئی ڈھونگ ہے، شعبدہ بازی ہے یا کیا ہے۔ اُس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ لوگ اُس کی صرف باتیں سُن سُن کر اتنے متاثر اور مرعوب ہو گئے تھے کہ انہوں نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اُس کی جھلک دیکھنے کو اس جگہ کے گرد بیٹھے تھے جہاں وہ اونٹ سے اُتر کر کسی خیمے میں غائب ہو گیا تھا۔

امام اور محمود وہاں کھڑے تھے۔ سعدیہ کا باپ ان کے پاس آن رکا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں بتایا کہ سعدیہ رات سے غائب ہے۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ انہیں چند آدمیوں نے سامنے سے آ کر ڈرایا اور وہاں سے بھگا دیا تھا۔ ایک لڑکی نے بتایا کہ اُس نے وہاں سے پیچھے دو آدمی دیکھے تھے۔ اس سے آگے کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ باپ سعدیہ کی تلاش میں چل پڑا۔ محمود بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں اُسے سعدیہ کہاں مل سکتی تھی مگر وہ باپ تھا۔ بے چینی سے ادھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ محمود اس کے ساتھ رہا۔ انہیں ایک اجنبی نے روک لیا اور پوچھا۔ "کیا تم لوگ کسی کو ڈھونڈ رہے ہو؟" سعدیہ کے باپ نے اُسے بتایا کہ گذشتہ رات اُس کی لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے۔

"مجھے ابھی ابھی کسی نے بتایا ہے کہ تم اس لڑکی کے باپ ہو" — اجنبی نے سعدیہ کا حلیہ بتا کر کہا۔ "اگر تم اس لڑکی کو ڈھونڈ رہے ہو تو وہ تمہیں یہاں نہیں ملے گی۔ اب تک وہ مصر کی سرحد سے باہر اور بہت دُور جا چکی ہو گی۔ گذشتہ شام میں نے ایک گھوڑا دیکھا تھا۔ ایک جوان اور بڑی خوبصورت لڑکی دوسری لڑکیوں سے ہٹ کر گھوڑے کے پاس گئی۔ سوار گھوڑے کے قریب کھڑا تھا۔ لڑکی نے اُس کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ سوار گھوڑے پر سوار ہو کر چند قدم پرے چلا گیا۔ لڑکی ادھر اُدھر دیکھتی اُس کے پیچھے گئی۔ آگے جا کر وہ خود ہی سوار کے آگے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ سوار گھوڑا دوڑاتے گیا۔ میں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے جو ایک سوار کے ساتھ اپنی مرضی سے چلی گئی ہے۔ آج کسی نے بتایا ہے کہ وہ تمہاری بیٹی تھی۔ اُسے اب ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرو۔"

وہ آدمی چلا گیا۔ سعدیہ کے باپ کے آنسو نکل آئے۔ محمود کا تحمل کچھ اور تھا۔ وہ جاسوس تھا۔ اُس نے یہ سوچا کہ یہ آدمی سفید جھوٹ بول گیا ہے۔ اس کی اطلاع اور تمام تر بیان جھوٹ تھا۔ کوئی اُسے کیسے بتا سکتا تھا کہ اس شخص کی بیٹی ایک سوار کے ساتھ بھاگ گئی ہے جب اسے دیکھنے والا یہ اکیلا شخص تھا۔ جاسوسوں کو یہ ٹریننگ خاص طور پر

دی جاتی تھی کہ کسی کی بات پر ذرا اعتبار نہ کرو اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھو۔ محمود نے اس اجنبی کا پیچھا کیا۔ وہ ہجوم میں سے ہوتا ہوا ٹیلوں کے پیچھے چلا گیا اور خیموں میں کہیں غائب ہو گیا۔ محمود کو یقین ہو گیا کہ سعدیہ انہی خیموں میں ہے اور اس کے اغوا میں اس آدمی کا ہاتھ ہے۔ یہ سعدیہ کے خریداروں میں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے سودا ہونے پر سعدیہ کے باپ کو لڑکی کے اغوا کی دھمکی دی تھی۔ سعدیہ کے باپ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ یہ اجنبی سعدیہ کے باپ کو یہ جھوٹا بیان دے کر گمراہ کرنے آیا تھا تاکہ باپ اپنی بیٹی کو یہاں تلاش نہ کرے۔

محمود بن احمد کے دل میں سعدیہ کی اتنی شدید محبت تھی کہ اس نے سعدیہ کو وہاں سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے امام کو جا کر یہ ساری بات سنائی۔ امام سراغرسانی کے شعبے کا ذہین حاکم تھا۔ اس نے بھی یہی رائے دی کہ اس غریب باپ کو دھوکا دیا جا رہا ہے کہ اس کی بیٹی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ محمود نے امام کے ان دونوں جاسوسوں سے جو گاؤں میں موجود رہتے تھے ذکر کیا اور کہا کہ وہ سعدیہ کو وہاں سے نکالے گا اور اسے ان کی مدد کی ضرورت ہے، مگر یہ کام آسان نہیں تھا۔ ٹیلوں کے اندر اب کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

☆

نورالدین زنگی نے کرک کے محاصرے میں اپنی فوج لگا دی تھی اور قلعہ توڑنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔ اس نے پہلے روز ہی اپنے کمانڈروں سے کہہ دیا تھا کہ جو قلعہ صلاح الدین ایوبی سر نہیں کر سکا، وہ تم بھی آسانی سے سر نہیں کر سکو گے۔ صلاح الدین تو ناممکن کو ممکن کر دکھانے والا آدمی ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے تفصیل سے بتا دیا تھا کہ یہاں کون کون سے طریقے آزمائے جا چکے ہیں۔ یہ بھی بتایا تھا کہ قلعے کے اندر کیا ہے۔ رسد اور جانور کہاں ہیں اور آبادی کس طرف ہے۔ اسے یہ معلومات جاسوسوں نے دی تھیں۔ وہ اندر آگ پھینکنا چاہتا تھا مگر اس کی منجنیقیں چھوٹی تھیں۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے پاس بڑی کمانیں تھیں جن کے تیر بہت دور تک چلے جاتے تھے۔ یہ تیر منجنیقوں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ اسی لیے قلعے کے دروازے پر بھی آگ نہیں پھینکی جا سکتی تھی۔ مجاہدین کہیں سے قلعے کی دیوار توڑنے کی کوشش کرتے تھے تو اوپر سے صلیبی جلتی ہوئی لکڑیاں اور دہکتے کوئلوں کے ڈرم انڈیل دیتے تھے۔

نورالدین زنگی نے اپنے نائبین کا اجلاس بلا کر انہیں کہا — "صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ وہ بڑی منجنیقیں بنوا کر اندر آگ پھینک سکتا ہے لیکن اندر مسلمانوں کی آبادی بھی ہے۔ اگر ایک بھی مسلمان جل گیا تو یہ ساری عمر کا پچھتاوا ہو گا۔ میں اب ایوبی کی سوچ کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں۔ میں نے اتنی بڑی منجنیقیں بنانے کا انتظام کر لیا ہے جن کی پھینکی ہوئی آگ اور وزنی پتھر دور تک جا سکیں گے۔ آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ آپ کی پھینکی ہوئی آگ سے اندر چند ایک مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ میرے دوستو! اگر تم اندر کے مسلمانوں کی حالت جانتے ہو تو کہو گے کہ وہ مر ہی جائیں تو اچھا ہے۔ وہاں کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں۔ مسلمان بچیاں صلیبیوں کے پاس ہیں اور مرد کھلے قید خانے میں پڑے بیگار کر رہے ہیں۔ وہ تو دعائیں مانگ رہے ہوں گے کہ خدا انہیں موت دے دے۔ آپ کا محاصرہ جس قدر لمبا ہوتا جائے گا اندر کے مسلمانوں کی

اذیت بھی اسی قدر زیادہ اور اذیتوں کی مدت لمبی ہوتی جائے گی اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ ہر ایک مسلمان جل مرے گا۔ اگر چند ایک مر گئے تو ہمیں یہ قربانی دینی ہی پڑے گی۔ آپ بھی تو مرنے کے لیے آئے ہیں۔ اسلام کو زندہ رکھنا ہے تو ہم میں سے کئی ایک کو جانیں قربان کرنی ہوں گی۔ میں آپ کو یہ اطلاع اس لیے دے رہا ہوں کہ آپ میں سے مجھ پر کوئی یہ الزام عائد نہ کرے کہ میں نے ایک قلعہ سر کرنے کے لیے بے گناہ مسلمانوں کو جلا دیا ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا" — ایک سالار نے کہا — "ہم یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنے نہیں آئے۔ فلسطین مسلمانوں کا ہے۔ ہم یہاں اپنے رسولؐ کی بادشاہی بحال کرنے آئے ہیں۔ قبلۂ اوّل ہمارا ہے صلیبیوں اور یہودیوں کا نہیں۔"

"ہم یہودیوں کے اس دعوے کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ فلسطین یہودیوں کا وطن ہے" — ایک اور نے کہا — "ہم سب جل مرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

نورالدین زنگی کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آ گئی جس میں مسرت نہیں تھی۔ اس نے کہا — "تم جانتے ہی ہو گے کہ فلسطین کو اپنا وطن بنانے کے لیے یہودی کس میدان میں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی دولت اور اپنی بیٹیوں کی عصمت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے اور انہیں ہمارے خلاف لڑا رہے ہیں۔ اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کے ہی ذریعے ہماری صفوں میں غدار پیدا کر رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ صلاح الدین اور مصر ہے۔ مصر کے بڑے بڑے شہروں میں فاحشہ عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ سب یہودی عورتیں ہیں۔ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مسلمان امراء اور دولت مند تاجر یہودیوں کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ ان میں نفاق اور تفرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اب کفار انہیں آپس میں لڑائیں گے۔ اگر ہم ہوش میں نہ آئے تو یہودی ایک نہ ایک دن فلسطین کو اپنا وطن بنا کر قبلۂ اوّل کو اپنی عبادت گاہ بنا لیں گے اور مسلمان سلطنتیں آپس میں لڑتی رہیں گی۔ انہیں محسوس تک نہ ہو گا کہ ان کی آپس کی چپقلش کے پیچھے یہودیوں اور صلیبیوں کا ہاتھ ہے، یہ ہو گا دولت، عورت اور شراب کا کرشمہ جو شروع ہو چکا ہے۔ اگر ہمیں آنے والی نسلوں کو باوقار زندگی دینی ہے تو ہمیں آج کی نسل کے کچھ بچے قربان کرنے پڑیں گے۔ میں نیا چاند نکلنے تک کرک لے لینا چاہتا ہوں، خواہ مجھے اس کے کھنڈر ملیں اور اندر مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں۔ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں صلیبیوں اور یہودیوں کو بحیرۂ روم میں ڈبونا ہے۔ یہ کام ہمیں اپنی زندگی میں کرنا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہمارے بعد اسلام کا پرچم غداروں اور صلیب نوازوں کے ہاتھوں میں آ جائے گا۔"

نورالدین زنگی نے کاریگروں کی بھی ایک فوج ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ اس نے متعلقہ کاریگروں کو بتا دیا تھا کہ کھجوروں کے بہت لمبے لمبے درخت کاٹ کر منجنیقیں تیار کریں۔ اس نے کاریگروں کے مشوروں سے کچھ اور قسم کے بھی درخت کٹوا لیے تھے اور حکم دیا کہ ان کے تنے اور ٹہن خشک ہونے سے پہلے کام میں لائے جائیں تاکہ ان میں لوہے والی سختی پیدا نہ ہو جائے۔ کاریگر دن رات مصروف رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے

دلنی پتھروں کے ڈھیر لگوا دیئے تھے۔ اُس کے پاس صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھی تھا۔ بہت سا سیال مادہ زنگی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اُس نے آگ کے گولے تیار کر لیے تھے۔ اسی دوران مصر سے سلطان ایوبی کی بھیجی ہوئی فوج بھی پہنچ گئی۔ نورالدین زنگی کو اس فوج کے متعلق بتایا گیا تھا کہ بغاوت کے لیے تیار ہے لیکن زنگی نے جب اس کا معائنہ کیا تو اسے بغاوت کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ زنگی سلطان ایوبی کی طرح دانشمند اور دُور اندیش انسان تھا۔ اُس نے اس فوج کو چند ایک پُرجوش الفاظ سے اس سے زیادہ بھڑکا دیا جتنا سلطان ایوبی نے بھڑکا کر بھیجا تھا۔

ایک روز سورج غروب ہو چکا تھا۔ صلیبی حکمران اور اعلیٰ فوجی کمانڈر قلعے کے اندر ایک کانفرنس میں بیٹھے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں محاصرے کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی مصر جا چکا ہے اور نورالدین زنگی آ گیا ہے۔ کانفرنس والے دن کی صبح انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ مصر سے تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے یہ سب اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی بات شروع کی ہی تھی کہ دھماکے کی طرح آواز سنائی دی اور ملبہ گرنے کا شور بھی اٹھا۔ صلیبی کمانڈر اور حکمران دوڑتے باہر نکلے۔ ساتھ والے کمرے کی منڈیر پھٹ گئی تھی اور وہاں ایک وزنی پتھر پڑا تھا۔ دیوار میں شگاف نہیں ہُوا تھا۔ زناٹہ سا سنائی دیا جو قریب آ کر دھماکہ بن کر خاموش ہو گیا۔ اسی جگہ کے قریب ایک اور پتھر گرا۔ صلیبی وہاں سے بھاگے۔ وہ سمجھ گئے کہ مسلمان منجنیقوں سے پتھر پھینک رہے ہیں۔ وہ قلعے کی دیوار پر گئے مگر شام اندھیری ہو چکی تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

یہ نورالدین زنگی کی تیار کرائی ہوئی ایک منجنیق تھی جسے تجرباتی طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہ ضرورت کے عین مطابق دُور مار تھی مگر اسے چلانا بہت مشکل تھا۔ ایک لمبے شہتیر کے وسط میں مضبوط رسّے باندھے گئے تھے جنہیں گھوڑوں کے زور سے کھینچ کر خم دیا جاتا، اور خم کی جگہ پتھر رکھا جاتا تھا۔ انتہائی خم میں لے جا کر رسّہ تلواروں سے کاٹ دیا جاتا تھا۔ اس طریقے سے نقصان یہ ہوتا تھا کہ رسّہ کٹ جاتا اور اسے گانٹھ دے کر دوبارہ استعمال کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ دوسری تکلیف یہ ہوتی تھی کہ جب آٹھ گھوڑوں کا کھچا تنا ہُوا رسّہ کٹتا تو گھوڑے دُور آگے کو اس طرح چلے جاتے تھے جیسے کسی بے پناہ قوّت نے دھکا دیا ہو۔ دو تین باریوں ہُوا کہ دو گھوڑے آگے جا کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور پچھلے گھوڑے ان کے اوپر گرے۔ دو سوار ایسے زخمی ہوئے کہ محاذ کے قابل نہ رہے۔ زنگی نے پھر بھی آدھی رات کے بعد تک یہ عمل جاری رکھا جس سے یہ نقصان ہُوا کہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹر کی دو چھتیں گر پڑیں اور چند ایک کمروں کی دیواروں میں لمبے چوڑے شگاف پڑ گئے۔ یہ نقصان کچھ زیادہ تو نہیں تھا لیکن صلیبیوں کی حوصلہ شکنی کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ چند ایک دیواروں کے شگافوں نے ہیڈ کوارٹر کے ماتحتوں اور دیگر عملے کو وہاں سے بھگا دیا تھا اور صبح تک اُس دَور کی پہلی "بمباری" کی دہشت ناک خبر سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

مگر آدھی رات کے بعد نورالدین زنگی کی پہلی دُور مار منجنیق بیکار ہو گئی تھی۔ پتھر پھینکنے والا حصہ جسے خم دیا

جاتا تھا زیادہ استعمال سے یا بار بار زور دینے سے ٹوٹ گیا۔ آخری پتھر قلعے کے اندر جانے کی بجائے باہر لگا۔ زنگی نے اگلا پتھر پھینکنے سے روک دیا۔ تاہم یہ تجربہ ناکام نہیں تھا۔ کاریگروں میں دو خاص طور پر ذہین تھے۔ انہوں نے بنیادی اصول دیکھ لیا تھا۔ اس اصول پر انہوں نے کامیاب منجنیق تیار کرنی تھی۔ انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ رسّے کاٹے بغیر پتھر پھینکے اور اگر رسّے کاٹنے ہی پڑیں تو گھوڑے اس سے پہلے رسّوں سے آزاد کر دیئے جایا کریں۔ نورالدین زنگی نے انہیں کہا کہ وہ جو کچھ بھی کریں وقت ضائع کیے بغیر کریں۔ وہ رات سو جائیں اور کام کریں۔ انہوں نے کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے تیر و کمان بنانے والے کاریگروں سے کہا کہ وہ دُور مار کمانیں تیار کریں۔ اُس نے اپنے ماتحتوں سے کہا کہ اپنے دستوں میں سے غیر معمولی طور پر طاقتور سپاہی الگ کر لیں جو بڑی کمانوں سے تیر پھینک سکیں۔

☆

سعدیہ کے گاؤں کے باہر جہاں وہ بکریاں چراتی اور عمرو درویش احمد سے ملا کرتی تھی ایک الگ ہی دنیا آباد ہو گئی جس کی رونق وہاں کے لوگوں کے لیے روئے زمین کی نہیں آسمان سے اتری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ بہت دیر گزری سورج غروب ہو چکا تھا۔ رات تاریک تھی۔ لوگوں کو ٹیلوں کے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن انہیں ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا۔ کسی کو کسی ٹیلے کے اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لوگوں کو جہاں بٹھایا وہاں سے کسی کو اٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں کوئی حکم نہیں دیا جا رہا تھا بلکہ اُس سے ڈرایا جا رہا تھا۔ کہتے تھے کہ وہ کسی کی ذرا سی بھی حرکت سے ناراض ہو گیا تو سب پر مصیبت نازل ہو گی۔ لوگ دم بخود بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان سے کچھ دور بڑی خوبصورت قندیلیں اور ان پر دو تین تنے ہوئے تھے جن پر لمبے لمبے پردے لٹکے ہوئے تھے جن پر ستارے سے چمکتے تھے۔ یہ چمک اُن مشعلوں اور قندیلوں سے پیدا ہوتی تھی جو ایک خاص ترکیب سے رکھی جل رہی تھیں۔ پردوں کے پیچھے عمودی ٹیلا تھا جس کے دامن میں اجنبی لوگ غار کھود رہے تھے۔ اس ٹیلے کے نیچے کچھ جگہ ہموار تھی۔ وہاں رنگا رنگ خیمے نصب تھے۔

تماشائیوں پر ایسا رعب طاری تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ یہ رات اُس سے اگلی تھی جس رات سعدیہ اغوا ہوئی تھی۔ سامنے لٹکے ہوئے پردے آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ ستارے آسمان کے ستاروں کی طرح ٹمٹمانے لگے اور ایسے سازوں کا ترنم سنائی دینے لگا جن کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ یہ ایک گونج سی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا۔ صحرا کی خاموش رات میں یہ ترنم روحوں تک اترتا محسوس ہوتا تھا۔ یہ احساس بھی ہوتا تھا جیسے اس ترنم کی لہریں لوگوں کے اوپر سے گزر رہی ہوں جنہیں وہ دیکھ سکیں گے، چھو بھی سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بار بار اوپر اور اِدھر اُدھر دیکھتے تھے لیکن انہیں نظر کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ سازوں کے ترنم میں ایک اور گونج شامل ہو گئی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی نغمہ گنگنا رہے ہیں۔ اس میں لڑکیوں کی آواز بھی تھی۔ اس کے ساتھ جب ٹیلے کے سامنے اتنے لمبے لمبے پردے ہلتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے رات، فضا اور ماحول پر وجد طاری ہو گیا ہو۔

لوگ پوری طرح مسحور ہو گئے تو کہیں سے گونج دار آواز اٹھی — "وہ آ گیا ہے جسے خدا نے آسمان سے اتارا ہے۔ اپنے دل اور دماغ خیالوں سے خالی کر دو۔ وہ تمہارے دلوں اور دماغوں میں خدا کی سچی باتیں اتارے گا۔"

پردوں میں جنبش ہوئی۔ پردوں میں سے ایک انسان نمودار ہوا۔ وہ تھا تو انسان ہی لیکن اس مترنم اور مرعوب ماحول میں اور ان روشنیوں میں وہ کسی بلند و بالا جہان کی مخلوق لگتا تھا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ریشمی اور لمبے تھے جو اُس کے شانوں پر پڑتے تھے۔ بالوں میں چمک تھی۔ چہرہ بھرا بھرا اور سرخ و سپید۔ داڑھی سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ یہ بھی بھورے رنگ کی تھی۔ جسم گٹھا ہوا اور اس پہ سبز چغہ تھا۔ چغے پر پردوں کی طرح ستارے تھے جو روشنیوں میں چمکتے تھے۔ ایسی ہی چمک اُس کی آنکھوں میں تھی۔ اُس کے سراپا میں ایسا تاثر تھا جس نے لوگوں کو مبہوت کر دیا۔ اُس کے ساتھ سازوں کا گونجدار ترنم اور بہت سی آوازوں کے گنگنانے کی گونج۔ مگر جس نے لوگوں کو دم بخود کیا تھا وہ اُن کہانیوں کا اثر تھا جو وہ کبھی سے سُن رہے تھے۔ ان معجزاتی کہانیوں کی سنسنی خیزی نے ان کی سوچوں پر غلبہ پا رکھا تھا۔ اُس رات اُسے اپنے سامنے دیکھ کر انہوں نے پہلے تو سر جھکائے پھر ہاتھ اس طرح پیٹ پر باندھ لیے جس طرح نماز میں باندھے جاتے ہیں۔

اُس نے پردوں کے سامنے کھڑے ہو کر بازو اوپر کو پھیلائے اور کہا — "تم پر اس خدا کی رحمت نازل ہو جس نے تمہیں دنیا میں اتارا، جس نے تمہیں آنکھیں دیں کہ دیکھ سکو، جس نے تمہیں کان دیئے کہ سن سکو، جس نے تمہیں دماغ دیا کہ سوچ سکو، جس نے تمہیں زبان دی کہ بول سکو، مگر تم ہی جیسے انسانوں نے جن کی آنکھیں تمہاری طرح ہیں، زبانیں تمہاری طرح ہیں، تمہیں غلام بنا کر خدا کی نعمتوں سے اور دنیا کی آسائشوں سے محروم کر دیا ہے۔ اب تمہارا یہ حال ہے کہ تمہاری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں مگر تمہیں کچھ نظر نہیں آتا، تمہارے کان سُن سکتے ہیں مگر سچی بات نہیں سنتے، تمہارا دماغ سوچ سکتا ہے مگر اس میں اوہام اور جھوٹے قصے بھرے ہوئے ہیں، تمہاری زبانیں بول سکتی ہیں مگر ان کے خلاف ایک کلمہ نہیں کہہ سکتیں جنہوں نے تمہیں غلام بنا لیا ہے۔ انہوں نے تمہیں، تمہارے گھوڑے اور اونٹوں کو اور تمہارے جوان بیٹوں کو خرید لیا ہے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو اس طرح لڑاتے ہیں جس طرح کتوں کو لڑایا جاتا ہے۔ وہ تمہارے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیروں اور برچھیوں سے چھلنی کروا کے مرواتے ہیں۔ تمہارے بیٹوں کو مروا کر ریگستانوں میں پھینک دیتے ہیں جہاں انہیں مُردے کھانے والے پرندے اور درندے کھا جاتے ہیں...... میں وہ آنکھ ہوں جو آنے والے وقت کو دیکھ سکتی ہے، اور دیکھ سکتی ہے کہ انسانوں کے دلوں میں کیا ہے۔ میں وہ کان ہوں جو خدا کی آواز سُن سکتا ہے۔ میں وہ دماغ ہوں جو بنی نوع انسان کی بھلائی کی سوچ سکتا ہے اور میں وہ زبان ہوں جو خدا کا پیغام سناتی ہے۔ میں خدا کی زبان ہوں۔"

"کیا تو لافانی بھی ہے جسے موت نہیں آئے گی؟" — مجمعے میں سے ایک آواز اٹھی۔ لوگ دم بخود ہو گئے۔ بعض ڈر بھی گئے کہ اس شخص نے اس مقدس انسان کی بات کاٹ کر اُس مصیبت کو آواز دی ہے جو گاؤں پر نازل ہوگی۔

"تم آزما لو" — اُس نے کہا — "میرے سینے میں تیر مارو۔"

اُس کی آواز میں اور انداز میں جادو کا اثر تھا۔ اس نے پھر کہا — "یہاں کوئی تیر انداز ہے تو میرے سینے پر

تیر چلائے" — ہجوم پر سناٹا طاری ہو چکا تھا۔ اُس نے غصیلی اور بلند آواز سے کہا — "میں حکم دیتا ہوں کہ یہاں جس کسی کے پاس تیر و کمان ہے وہ سامنے آ جائے۔"

چار تیر انداز جو سعدیہ کے گاؤں کے رہنے والے نہیں تھے آہستہ آہستہ آگے آئے۔ وہ ڈرے ہوئے تھے — اُس نے کہا — "تیس قدم گن کر چاروں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔" انہوں نے تیس قدم گنے اور اُس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔

"کمانوں میں تیر ڈالو۔"

چاروں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔

"میرے دل کا نشانہ لے لو۔"

انہوں نے کمانیں سیدھی کر کے نشانہ لے لیا۔

"یہ سوچے بغیر کہ میں مر جاؤں گا پوری طاقت سے کمانیں کھینچو اور تیر چلا دو۔"

انہوں نے کمانیں جھکا لیں۔ انہوں نے یہی سوچا تھا کہ وہ مر جائے گا۔

"میرے دل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ" — اُس نے گرج کر کہا — "ورنہ جہاں کھڑے ہو وہیں شعلے بن کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

تیر اندازوں نے اپنی موت کے ڈر سے فوراً کمانیں اوپر کر لیں اور اُس کے دل کا نشانہ لیا۔ دیکھنے والا ہجوم اس طرح خاموش تھا جیسے وہاں کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ سازوں کا ترنم اس سکوت میں کچھ زیادہ ہی سحر انگیز اور پُرسوز ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے انسانوں کی مترنم گونج ابھری جو نظر نہیں آتے تھے۔ اس سحر انگیز موسیقیت میں چار کمانوں کی "ٹنگ ٹنگ" کی آوازیں بڑی صاف سنائی دیں۔ چار تیر اُس مقدس انسان کے دل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔ وہ کھڑا رہا۔ اُس کے بازو اوپر اور کچھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"چار خنجروں والے آگے آ جائیں" — اُس نے کہا — "تیر انداز چلے جائیں۔"

تیر انداز حیران و پریشان چلے گئے اور چار آدمی ایک طرف سے سامنے آئے۔ اس حکم پر کہ خنجر ہاتھ میں لے لو اور مجھ سے پندرہ قدم گن کر میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ اُس سے پندرہ قدم دور جا کھڑے ہوئے۔ اُس نے پوچھا — "تم نشانے پر خنجر پھینکنا جانتے ہو؟" — چاروں نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں۔ اُس نے کہا — "چاروں اکٹھے میرے سینے میں خنجر مارو۔"

چاروں نے پوری طاقت سے خنجر اُس پر پھینکے۔ چاروں خنجر اس کے سینے میں لگے اور وہیں رہے۔ خنجروں کی نوکیں اُس کے سینے میں اُتری ہوئی تھیں اور وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ہجوم سے آوازیں سنائی دینے لگیں — "آفریں...... اس کے قبضے میں موت کے فرشتے ہیں۔"

"کیا اسے جواب مل گیا ہے جس نے پوچھا تھا کہ میں لافانی ہوں؟" — اُس نے پوچھا۔

ایک آدمی جو صحرائی لباس میں تھا، دوڑتا ہوا گیا اور اُس کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا۔ اُس نے جھک کر اُسے اٹھایا اور کہا۔ ”جا تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔“

”تو پھر تو مردے میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔“ ایک بوڑھے دیہاتی نے آگے آ کر کہا۔ ”خدا نے مجھے ایک ہی بیٹا دیا تھا، جوانی میں مر گیا ہے۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ تو مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے۔ میں اپنے بیٹے کی لاش اٹھا کر بہت دور سے آیا ہوں۔ میرے بڑھاپے پر رحم کر، اسے زندہ کر دے۔“ بڈھا دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

چار آدمی کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش آگے لائے۔ لاش درخت کی ٹیڑھی میڑھی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر پر پڑی تھی۔ انہوں نے لاش اُس کے آگے رکھ دی۔ اس نے کہا۔ ”ایک مشعل لو۔ لاش کو اٹھاؤ اور تمام لوگوں کو دکھاؤ۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ پہلے ہی زندہ تھا۔“

لاش سب کے سامنے سے گزاری گئی۔ اُس کے منہ سے کفن ہٹا دیا گیا تھا۔ ایک آدمی ہاتھ میں مشعل لئے ساتھ ساتھ تھا۔ سب نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ لاش کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئیں اور منہ بھی آدھا کھلا ہوا تھا۔ سب نے لاش دیکھ لی تو اُسے اس مقدس انسان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ موسیقی کی لَے بدل گئی اور پہلے سے زیادہ پُرسوز ہو گئی۔ اُس نے بازو آسمان کی طرف کئے اور بلند آواز سے پکارا۔ ”زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں تیرے بیٹے کا بیٹا ہوں۔ تُو نے اپنے بیٹے کو سُولی سے اُتارا اور مجھے صلیب کا تقدس عطا کیا تھا۔ اگر تیرا بیٹا اور اُس کی صلیب سچی ہے تو مجھے قوت دے کہ میں اس بدنصیب بوڑھے کے بیٹے کو زندگی دے سکوں۔“ اُس نے جھک کر لاش کے کفن پر ہاتھ پھیرا، منہ سے کچھ بڑبڑایا، پھر لاش کے اوپر ہوا میں اس طرح دونوں ہاتھ پھیرے کہ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کفن پھڑپھڑانے لگا۔ مقدس انسان ہوا میں اُس پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ کفن اور زور سے پھڑپھڑایا۔ بعض لوگ اس قدر ڈر گئے کہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ عورتوں میں سے کسی عورت کی چیخ بھی سنائی دی۔ یہ منظر اس لیے بھی بھیانک بن گیا تھا کہ مُردے کو زندہ کرنے والے کے سینے میں چار تیر اور چار خنجر اُترے ہوئے تھے۔

کفن میں کچھ اور ہی حرکت ہوئی۔ لاش بیٹھ گئی۔ اُس نے ہاتھ کفن سے باہر نکالے۔ ہاتھوں سے کفن میں سے چہرہ ننگا کیا اور آنکھیں مل کر کہا۔ ”کیا میں عالمِ پاک میں پہنچ گیا ہوں؟“

”نہیں!“ اُسے زندہ کرنے والے نے سہارا دے کر اٹھایا اور کہا۔ ”تم اسی دنیا میں ہو جہاں تم پیدا ہوئے تھے۔ جلدی اپنے باپ کے سینے سے لگ جاؤ۔“

باپ نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو بازوؤں میں لے لیا۔ بے تابی سے اُس کا منہ چوم چوم کر اُس نے زندہ کرنے والے کے آگے سجدہ کیا۔ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے کفن میں لپٹی ہوئی لاش اپنے پاؤں پر چل رہی تھی۔ مُردہ زندہ ہو گیا تھا۔ باپ نے اُسے سارے ہجوم کے سامنے سے گزارا تاکہ سب دیکھ لیں کہ وہ زندہ ہو گیا ہے۔

”لیکن میں ہر کسی مُردے کو زندہ نہیں کر سکوں گا۔“ اُس نے کہا۔ ”زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تم لوگوں کو صرف یہ دکھانے کے لیے زمین پر خدا کا ایلچی بن کر آیا ہوں۔ ابھی ابھی خدا سے اجازت ملی ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے طاقت دے دے کہ میں مرے ہوئے انسان میں جان ڈال سکوں۔ خدا نے مجھے طاقت دے دی۔“

”کیا تم جنگ میں مرے ہوئے سپاہی کو زندہ کر سکتے ہو؟“ مجمع میں سے کسی نے پوچھا۔

”نہیں!“ اُس نے جواب دیا۔ ”جنگ میں مرنے والوں سے خدا اتنا زیادہ ناراض ہوتا ہے کہ انہیں دوسری زندگی نہیں دیتا۔ اگلے جہان وہ انہیں دوزخ کی آگ میں پھینک دیتا ہے۔ مرد کو کسی کو قتل کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اُسے ایک باپ نے پیدا کیا ہے اسی طرح وہ بھی کسی کا باپ بنے۔ اسی لیے تمہیں کہا گیا ہے کہ چار چار بیویاں رکھو۔ مرد اور عورت کا یہی کام ہے کہ بچے پیدا کریں اور جب بچے بڑے ہو جائیں تو اُن سے بچے پیدا کرائیں۔ یہی عبادت ہے۔“

☆

جس وقت وہ معجزے دکھا رہا تھا اُس وقت دو آدمی ٹیلے کے پیچھے اُس جگہ چھپے ہوئے تھے جہاں رنگ برنگ خیمے نصب تھے۔ کسی خیمے میں سے لڑکیوں کی باتیں اور ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ یہ دو آدمی امام اور محمود بن احمد تھے۔ محمود کو یقین تھا کہ سعدیہ یہیں کہیں ہے۔ محمود میں اتنی مذہبی سوجھ بوجھ نہیں تھی۔ وہ خدا کے اس ایلچی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں تھا۔ امام نے کہا تھا کہ کوئی انسان مرے ہوئے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اُس نے توجہ ہی نہیں دی تھی کہ یہ پُراسرار آدمی لوگوں کو کیا کچھ کر کے دکھا رہا ہے۔ اُس نے اس سے یہ فائدہ اٹھایا تھا کہ لوگ اُس کی کرامات دیکھنے میں مگن ہیں اس لیے پیچھے جا کر یہ دیکھا جائے کہ اس میں راز کیا ہے۔ اس کی توجہ صرف سعدیہ پر تھی۔ محمود صرف سعدیہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ خیموں کی جگہ اندھیرا تھا۔ صرف تین خیموں میں روشنی تھی۔ تینوں کے پردے دونوں طرف سے بند تھے۔ وہاں پہرے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ دو تین مرد کہیں باتیں کر رہے تھے۔ یہ خطرہ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دونوں کسی کو نظر آ گئے تو وہ زندہ نہیں رہیں گے۔ ٹیلے کی دوسری طرف سے اُس کی آواز سنائی دے رہی تھی اور سازوں کا ترنم بھی سنائی دے رہا تھا لیکن یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ سازندے کہاں ہیں۔

امام اور محمود نے روشنی والے ایک خیمے کے قریب جا کر لڑکیوں کی باتیں سننے کی کوشش کی۔ اُن کی باتوں نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا۔ ایک نسوانی آواز کہہ رہی تھی۔ ”یہاں بھی تماشہ کامیاب رہا ہے۔“ ایک اور لڑکی نے کہا۔ ”بڑی ہی جاہل قوم ہے۔“

”مسلمان کو تباہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اُسے شعبدے دکھا کر توہم پرست بنا دو۔“ یہ ایک اور عورت کی آواز تھی۔

”معلوم نہیں وہ کس حال میں ہے؟“

”کون؟“

"ننی چڑیا!" ایک لڑکی نے کہا "تم سب کو ماننا پڑے گا کہ وہ ہم سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔"

"وہ آج دن کو بھی روتی رہی تھی۔" کسی لڑکی نے کہا۔

"آج رات اُس کا رونا بند ہو جائے گا۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "اُسے خدا کے بیٹے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔"

لڑکیوں کا قہقہہ سنائی دیا۔ ایک نے کہا۔ "خدا بھی کیا یاد کرے گا کہ ہم نے اُسے کیسا بیٹا دیا ہے۔ کمال انسان ہے۔"

اس کے بعد لڑکیوں نے آپس میں فحش باتیں شروع کر دیں۔ امام اور محمود سمجھ گئے کہ ننی چڑیا سعدیہ ہی ہو سکتی ہے۔ انہیں بہرحال یقین ہو گیا کہ یہ سب شعبدہ بازی ہے اور یہ ڈھونگ پسماندہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے رچایا جا رہا ہے۔ امام نے محمود کے کان میں کہا۔ "ان لڑکیوں کی عریاں باتیں اور شراب کی بو بتا رہی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے..... ہم دیسے ہی نہیں بھٹک رہے۔"

وہ دونوں بڑے خیمے کے قریب چلے گئے۔ یہ خیمہ ایک ٹیلے کے ساتھ تھا اور یہ ٹیلا تقریباً عمودی تھا۔ ٹیلے اور خیمے کے پچھلے دروازے کے درمیان ایک آدھ گز فاصلہ تھا۔ انہوں نے اس جگہ جا کر دیکھا۔ خیمے کے پردے درمیان سے رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک آنکھ سے اندر جھانکنے کی جگہ تھی۔ انہوں نے جھانکا تو اُن کے شکوک رفع ہو گئے۔ اندر ایک لمبی مسند تھی جس پر خوشنما مسند پوش بچھا ہوا تھا۔ فرش پر قالین بچھا تھا اور دو قندیلیں جل رہی تھیں۔ ایک طرف شراب کی صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ اندر کی سجاوٹ اور شان و شوکت سے پتہ چلتا تھا کہ اِس مشتبہ قافلے کے سردار کا خیمہ ہے۔ سعدیہ کے پاس ایک عورت اور ایک مرد تھا۔ سعدیہ کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔

"آج دن تم روتی رہی ہو۔" عورت اسے کہہ رہی تھی ــــ "تھوڑی دیر بعد تم ہنسو گی اور اپنے آپ کو پہچان بھی نہیں سکو گی۔ تم خوش نصیب ہو کہ اُس نے جو خدا کی طرف سے زمین پر اُترا ہے تمہیں پسند کیا ہے۔ وہ صرف تمہارے لیے یہاں آیا ہے۔ اُس نے تمہیں بیس روز کی مسافت جتنی دُور سے غیب کی آنکھ سے دیکھا تھا۔ تمہارے گاؤں میں اُسے خدا لایا ہے۔ اگر یہ نہ آتا تو تم کسی صحرائی گڈریے کے ساتھ بیاہ دی جاتیں یا تمہیں بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا۔"

سعدیہ پر ان باتوں کا جادو سوار ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سُن رہی تھی۔ محمود جوش میں آ چلا تھا۔ امام نے اُسے روک لیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سعدیہ کو کس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیلے کی دوسری طرف سے کسی نے اعلان کیا۔ "وہ جو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگی اور موت ہے اور جس کی آنکھ غیب کے بھید دیکھ سکتی ہے تاریک رات میں آسمان پر جا رہا ہے، جس کے ستارے خدا کی آنکھ کی طرح روشن ہیں۔ تم میں سے کوئی آدمی اُس طرف نہ دیکھے جہاں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ٹیلوں کے اوپر کوئی نہ جائے۔ جس کسی نے اُس طرف جانے یا دیکھنے کی کوشش کی وہ ہمیشہ

کے لیے اندھا ہو جائے گا۔ کل رات وہ تم سب کی مرادیں سُنے گا۔"

امام اور محمود وہیں کھڑے رہے۔ خیمے کے اندر جو مرد عورت تھے انہوں نے سعدیہ کو ایک بار پھر نصیحت کی کہ وہ آ رہا ہے، اُس کے سامنے کوئی بدتمیزی نہ کرنا..... وہ آ گیا۔ وہ سامنے کی طرف سے خیمے میں داخل ہُوا۔ امام اور محمود یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس کے سینے میں چار تیر اور چار خنجر اُترے ہوئے تھے۔ سعدیہ نے تیر اور خنجر دیکھے تو اُس نے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مقدس انسان مسکرایا اور بولا ــــ "ڈرو مت لڑکی! یہ معجزہ مجھے خدا نے دیا ہے کہ میں تیروں اور خنجروں سے مر نہیں سکتا" ــــ وہ سعدیہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

"میں نے یہ شعبدہ ایک بار قاہرہ میں دیکھا تھا" امام نے محمود کے کان میں کہا ــــ "تم بھی ڈر نہ جانا۔ میں جانتا ہوں تیر اور خنجر کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"وہ" اٹھا اور خیمے کا پردہ رسیوں سے باندھ دیا۔ ادھر محمود اور امام نے اپنی طرف سے خیمے کا پردہ کھول دیا۔ انہوں نے نتائج کی پروا نہ کی۔ دبے پاؤں اندر گئے۔ جونہی وہ شخص پیچھے مڑا وہ امام اور محمود کے شکنجے میں آ چکا تھا۔ محمود نے دبی آواز میں سعدیہ سے کہا۔ "جس پر تم بیٹھی ہو اس کا کپڑا اس کے اوپر ڈال دو۔" سعدیہ تو جیسے سُن ہو گئی تھی۔ اُس نے مسند پوش اتار کر اُس آدمی پر ڈال دیا۔ اس کا جسم طاقتور نظر آتا تھا مگر امام اور محمود نے اُسے بُری طرح جکڑ لیا تھا۔ پھر اُس کے اوپر کپڑا ڈال کر باندھ دیا گیا۔ قندیلیں بجھا دی گئیں۔ امام کے کہنے پر پہلے سعدیہ باہر نکلی۔ اپنے قیدی کو محمود نے اپنے کندھوں پر پھینک لیا۔ امام ہاتھ میں خنجر لیے آگے آگے چلا۔ وہ سب جس طرف سے خیمے میں داخل ہوئے تھے اسی طرف سے باہر نکل گئے۔ پکڑے جانے کا خطرہ ہر قدم پر تھا لیکن انہوں نے ایسا راستہ اختیار کیا جو انہیں فوراً خطرے سے باہر لے گیا۔ اندھیرے نے اُن کی بہت مدد کی۔

☆

انہیں دُور کا چکر کاٹ کر گاؤں میں داخل ہونا پڑا۔ وہ مسجد میں چلے گئے۔ حجرے میں لے جا کر اس شعبدہ باز کو کھولا گیا۔ ابھی تک تیر اور خنجر اس کے سینے میں اُترے ہوئے تھے۔ اسے اٹھانے کی وجہ سے وہ ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ سعدیہ کو بھی انہوں نے حجرے میں ہی رکھا کیونکہ خطرہ تھا کہ لڑکی کی گمشدگی کا پتہ چل گیا تو وہ لوگ اس کے باپ پر آ حملہ کریں گے۔ دراصل حملہ کرنے والے اب یہ دیکھنے کی حالت میں بھی نہیں تھے کہ اُن کے "خدا" کا بیٹا کہاں ہے۔ وہ کامیاب جشن منا کر شراب اور بدکاری میں بدمست ہو گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اُن کا آقا مع ننی چڑیا کے اغوا بھی ہو سکتا ہے۔

امام اور محمود نے اُسے جبّہ اتارنے کو کہا۔ اُس نے پہلے تیر اور خنجر کھینچ کر نکالے، جبّہ اتارا پھر اُس سے اندر والے کپڑے بھی اُتروا لیے گئے۔ ان کپڑوں میں کارک کی طرح نرم لکڑی چھپی ہوئی تھی جس پر چمڑہ لگا ہُوا تھا۔ یہ لکڑی کچھ دوہری ہو جاتی تھی اور آہنی لمبی چوڑی تھی جس سے اس کا سینہ ڈھک جاتا تھا۔ تیر اور خنجر

اس میں اُترے ہوئے تھے۔ اُس نے امام اور محمود سے کہا ــ "اپنی قیمت بتاؤ۔ سونے کی صورت میں گھوڑوں اور اونٹوں کی صورت میں، ابھی ادا کر دوں گا، مجھے ابھی آزاد کر دو۔"

"تم اب آزاد نہیں ہو سکو گے۔" امام نے کہا ــ "ہم بھی لوگوں کی طرح تمہارے انتظار میں بیٹھے تھے۔"

امام نے محمود سے کہا ــ "تمہیں معلوم ہوگا کہ قریبی چوکی کہاں ہے۔ وہاں کے پورے دستے کو ساتھ لے آؤ۔" اُس نے چوکی کا فاصلہ اور سمت بتائی اور وہ خفیہ الفاظ بھی بتائے جن سے امام سراغرساں اور جاسوس کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ اپنے دو جاسوسوں کے نام اور ٹھکانہ بتا کر محمود سے کہا ــ "انہیں میرے پاس بھیجتے جانا۔"

محمود نے امام کے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہو کر نکل گیا۔ اسے امام کے دونوں جاسوس مل گئے۔ انہیں مسجد میں جانے کو کہہ کر وہ چوکی کی سمت روانہ ہو گیا۔ گاؤں سے کچھ دُور جا کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت تھی، مگر وہ پشش و پنج میں مبتلا تھا۔ وہ اس چوکی کے کمانڈر کو جانتا تھا۔ وہ لاپروا آدمی تھا۔ صلیبیوں اور سوڈانیوں نے اُسے رشوت دے دے کر اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ محمود نے قاہرہ کو اس کی رپورٹ بھیج رکھی تھی مگر ابھی تک اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ محمود کو یہی نظر آ رہا تھا کہ وہ اپنے دستے کو اُس کے ساتھ نہیں بھیجے گا یا وقت ضائع کرے گا تاکہ دشمن نکل جائے۔ محمود سوچ رہا تھا کہ اگر چوکی سے اُسے دستہ نہ ملا تو وہ کیا کرے گا۔ صبح سے پہلے دستے کو گاؤں میں پہنچنا ضروری تھا۔ دستہ نہ ملنے کی صورت میں امام اور ان کے جاسوسوں کی جانیں خطرے میں آ سکتی تھیں کیونکہ اس شعبدہ باز کے ساتھ بہت سارے آدمی تھے۔ اس کے مریدوں کا ہجوم بھی اُسی کا حامی تھا۔

امام کے پاس خنجر تھا۔ اُس کے جاسوس بھی اُس کے پاس آ گئے تھے۔ وہ بھی خنجروں سے مسلح تھے۔ انہوں نے شعبدہ باز کو گرفتار کیے رکھا۔ وہ رہائی کی اتنی زیادہ قیمت پیش کر رہا تھا جو امام اور اس کے جاسوس خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ امام نے اُسے کہا ــ "میں مسجد میں بیٹھا ہوں۔ یہ اسی خدا کا گھر ہے جس نے تمہیں سچا دین دے کر زمین پر اتارا ہے۔ کیا یہ ہے تمہارا سچا دین؟ .... دیکھو دوست! میں قاہرہ کی حکومت کا اہلکار ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا اور میں ایمان بھی نہیں بیچ سکتا۔"

محمود بن احمد چوکی کے خیموں میں داخل ہوا تو کمانڈر کے خیمے میں اُس نے روشنی دیکھی۔ گھوڑے کے قدموں کی آواز سُن کر کمانڈر باہر آ گیا۔ محمود نے اپنا تعارف کرایا اور کمانڈر کے ساتھ خیمے میں چلا گیا۔ محمود کے لیے یہ کمانڈر اجنبی تھا۔ اُسے کمانڈر نے بتایا کہ گزشتہ شام پرانے دستے کو یہاں سے بھیج دیا گیا ہے اور یہ دستہ نیا آیا ہے۔ یہ تبدیلی صلاح الدین ایوبی کے حکم سے کی گئی تھی۔ تمام پرانے سرحدی دستوں کو وہاں سے ہٹا کر اُس فوج کے دستے بھیج دیئے گئے تھے جو سلطان ایوبی کے ساتھ محاذ سے آئی تھی۔ محمود نے کمانڈر کو تفصیل سے بتایا کہ انہوں نے بہت بڑا شکار پکڑا ہے اور اس کے تمام گروہ کو پکڑنے کے لیے چوکی کے پورے دستے کی فوری طور پر ضرورت ہے تاکہ ان لوگوں کو رات ہی رات میں گھیرے میں لے لیا جائے۔

کمانڈر نے فوراً پورے دستے کو جس کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ اُن کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں اور ان میں تیر انداز بھی تھے۔ آٹھ دس سپاہیوں کو چوکی پر چھوڑ دیا گیا۔ یہ دستہ کرک کے محاصرے سے آیا تھا۔ جذبہ قائم تھا۔ کمانڈر نے سرپٹ گھوڑے دوڑا دیئے۔ محمود راہنمائی کر رہا تھا۔ منزل کے قریب جا کر گھوڑوں کی رفتار سست کر دی گئی تاکہ مجرموں کو خبر نہ ہونے پائے۔ مجرم خبر ہونے والی حالت میں نہیں تھے۔ شراب اور نیند نے انہیں بے ہوش کر رکھا تھا۔ کمانڈر نے محمود کی راہنمائی میں گھیرا مکمل کر لیا اور کارروائی صبح تک ملتوی رکھی۔ محمود نے امام کو اطلاع دے دی کہ دستہ آ گیا ہے۔ سعدیہ ابھی امام کے حجرے میں ہی تھی۔ امام نے ایک جاسوس بھیج کر سعدیہ کے باپ کو بھی بلا لیا۔

☆

جو معتقد، مرید اور زائرین بڑی دُور دُور سے اُس کی زیارت کو آئے تھے وہ رات کے معجزے دیکھ کر کھلے آسمان تلے سو گئے تھے۔ اُن کے مقدس انسان نے انہیں کہا تھا کہ اگلی رات وہ ان کی مرادیں سُنے گا۔ یہ ہجوم صبح اُس وقت جاگ اٹھا جب اجالا ابھی دُھندلا تھا۔ اس دُھندلکے میں انہیں بہت سے گھوڑے نظر آئے۔ اُن پر سوار جو تھے وہ فوجی لگتے تھے۔ لوگ کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جو مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے وہ مسجد کے حُجرے میں ہاتھ پاؤں بندھے بیٹھا ہے۔ وہ اب مسلمانوں کے سچے خدا کی گرفت میں آ چکا تھا۔ دستے کا کمانڈر دمشق کا رہنے والا رُشد بن مُسلم جس کا عہدہ معمولی تھا لیکن سرحد پر آ کر اُس نے اپنے دستے سے کہا تھا ــ "ساری سلطنت صرف تمہارے بھروسے پر سوتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ اگر وہ تمہیں نظر نہیں آتا تو اُسے میری آنکھوں میں دیکھ لو۔ ہم سب سلطان صلاح الدین ایوبی ہیں۔ اگر کسی نے یہاں پرانے دستے کے آدمیوں کی طرح ایمان فروخت کیا تو میں اُس کے پاؤں باندھ کر ریگستان میں زندہ پھینک دوں گا۔ میں اس سزا کا حکم قاہرہ سے نہیں لوں گا۔ میں خدا سے حکم لیا کرتا ہوں۔"

رُشد بن مسلم نے صبح کے وقت دیکھا کہ خیموں کے اندر کوئی حرکت نہیں تھی۔ اندر والے اتنی جلدی اٹھنے والے نہیں تھے۔ رُشد نے لوگوں سے کہا کہ وہ دُور پیچھے ہٹ جائیں اور وہیں موجود رہیں۔ انہیں مقدس انسان قریب سے دکھایا جائے گا۔ لوگوں کو دُور ہٹا کر رُشد نے تین چار سوار مختلف ٹیلوں کے اوپر کھڑے کر دیئے تاکہ مجرموں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ باقی سواروں کو اُس نے گھوڑوں سے اتار کر چاروں طرف سے پیدل اندر جانے کو کہا اور حکم دیا کہ کوئی مزاحمت کرے تو اُسے فوراً ہلاک کر دو۔ کوئی بھاگے تو اُسے تیر مار دو.... وہاں بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رُشد ننگی تلوار ہاتھ میں لیے پہلے خیمے میں داخل ہوا تو اندر اُسے ایک نیم برہنہ لڑکی اور دو آدمی گہری نیند سوتے ہوئے نظر آئے۔ اُس نے تلوار کی نوک چبھو کر تینوں کو جگایا۔ جاگنے کی بجائے انہوں نے جگانے والے کو گالیاں دیں اور کروٹ بدل کر سوتے رہے۔ تلوار کی نوک اب کے اُن کی کھال میں اُتر گئی۔ تینوں ہڑبڑا کر اٹھے۔ انہیں باہر نکال لیا گیا۔ دوسرے خیموں میں بھی جو لڑکیاں اور مرد تھے وہ اسی حالت میں تھے۔ خیموں میں بے شمار سامان تھا۔ ایک خیمے میں بہت سے ساز پڑے تھے۔

سب کو باہر لے جا کر ان پر پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ ان کے اونٹوں اور تمام تر سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ امام، رُشد بن مسلم کے ساتھ تھا۔ وہ اُس آدمی کو اپنے حُجرے میں لے آیا جو اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کا بیٹا کہتا تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے تھے۔ اُسے اُسی جگہ کھڑا کیا گیا جہاں رات اُس نے معجزے دکھائے تھے۔ پیچھے پردے لگے ہوئے تھے۔ اُس کے گروہ کو اس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ ان سب کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے تھے۔ وہ ساز اُن کے قریب رکھ دیئے گئے جو ایک خیمے سے برآمد ہوئے تھے۔ امام نے لوگوں کو آگے آنے کو کہا۔ ہجوم آگے آیا تو امام نے کہا۔ "اسے کہو کہ یہ خدا کا ایلچی ہے یا اس کا بیٹا ہے تو اپنے ہاتھ رسیوں سے آزاد کرلے۔ یہ مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ میں اس کے گروہ کے ایک آدمی کو ہلاک کروں گا۔ تم اسے کہو کہ اُسے میرے ہاتھ سے چھڑا لے یا وہ مر جائے تو اُسے زندہ کر دے" — امام نے اس کے گروہ کے ایک آدمی کو اٹھایا اور رُشد کی تلوار لے کر اُس کی طرف بڑھا تو وہ آدمی چلا اٹھا — "مجھے بخش دو۔ یہ آدمی مجھے زندہ نہیں کر سکے گا۔ یہ بہت بڑا پاپی ہے۔ خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرنا۔"

لوگوں نے یہ تماشا دیکھا مگر اُن کے وہم ابھی دُور نہیں ہوئے تھے۔ امام اس آدمی کا چُغہ اور کپڑے بھی ساتھ لے آیا تھا۔ نرم لکڑی بھی ساتھ تھی۔ امام نے یہ کپڑے پہن لیے۔ کسی کو دکھائے بغیر لکڑی اندر رکھ لی۔ اوپر چُغہ پہن لیا۔ اس نے رُشد سے کہا کہ اپنے چار تیر انداز میرے سامنے لاؤ۔ تیر انداز آئے تو اُس نے انہیں کہا — "تیس قدم دُور کھڑے ہو کر میرے دل کا نشانہ لو اور تیر چلاؤ" — تیر اندازوں نے رُشد بن مسلم کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ رات کو محمود نے رُشد کو تیروں اور خنجروں کے سینے میں اُترنے کی حقیقت بتا دی تھی۔ رُشد نے اپنے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلا دیں۔ انہوں نے نشانہ لے کر تیر چلا دیئے۔ چاروں تیر امام کے دل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔ امام نے کہا "اب آگے آکر میرے سینے پر چار خنجر پوری طاقت سے پھینکو" — خنجر پھینکے گئے جو امام کے سینے میں جا کر اٹک گئے۔

امام نے تیر اندازوں سے کہا "ایک ایک تیر اور کمانوں میں ڈالو" — اُس نے "مقدس انسان" کو ذرا آگے کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا — "یہ شخص اپنے آپ کو لافانی کہتا ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ یہ اصل میں کیا ہے" — اُس نے تیر اندازوں سے کہا — "اس کے دل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ۔"

جونہی کمانیں اوپر اٹھیں وہ آدمی دوڑ کر امام کے پیچھے ہو گیا۔ وہ موت کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور بھکاریوں کی طرح جان کی بخشش مانگ رہا تھا۔ امام نے اُسے کہا — "آگے آؤ اور لوگوں کو بتاؤ کہ تم صلیبیوں کے بھیجے ہوئے تخریب کار ہو اور تم شعبدہ باز ہو" — امام نے تلوار کی نوک اس کے پہلو سے لگا دی۔

"لوگو!" اُس آدمی نے آگے جا کر بلند آواز سے کہا — "میں لافانی نہیں ہوں۔ میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ مجھے صلیبیوں نے بھیجا ہے کہ تمہارا ایمان خراب کر دوں۔ اس کی مجھے اُجرت ملتی ہے۔"

"اور شمعون کی بیٹی سعدیہ کو اسی نے اغوا کرایا تھا"۔ امام نے کہا۔ "ہم نے لڑکی رہا کرا لی ہے۔"

امام نے چُغہ اتارا۔ اندر کے کپڑے اتارے۔ لکڑی الگ کی اور رُشد کے ایک سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا

کہ یہ تمام خیمے میں گھما لاؤ۔ امام نے لوگوں سے کہا کہ تیر اور خنجر اس لکڑی میں لگے ہیں — تمام لوگوں نے یہ بھید دیکھ لیا تو انہیں آگے بلا کر کہا گیا کہ ہر جگہ گھومو اور ہر ایک چیز دیکھو۔ لوگ دوڑتے ہوئے ہر جگہ پھیل گئے۔ چبوتروں کے پیچھے ایک غار بنایا گیا تھا۔ وہاں رات کو سازندے بیٹھ کر ساز بجاتے تھے۔ . . . لوگ خیموں میں گئے تو وہاں شراب کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ ہر جگہ گھوم پھر چکے تو انہیں ایک جگہ بٹھا کر بتایا گیا کہ یہ سب ڈھونگ کیا تھا۔ امام نے معلوم کر لیا تھا کہ جسے اُس نے رات کو زندہ کیا تھا وہ کون ہے۔ وہ اسی کے گروہ کا ایک آدمی تھا جو رسیوں میں بندھا ہوا قیدیوں میں بیٹھا تھا۔ اُسے لوگوں کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ ایک اور آدمی لوگوں کو دکھایا گیا۔ جو رات کو بوڑھے کا بہروپ دھار کر اس آدمی کا باپ بنا تھا۔ چار تیر انداز بھی سامنے آ گئے جنہوں نے رات تیر چلائے تھے۔ وہ بھی اسی گروہ کے آدمی تھے۔ غرض تمام تر ڈھونگ لوگوں کو دکھا دیا گیا۔

"اسلام کے بیٹو! غور سے سنو"۔ امام نے لوگوں سے کہا۔ "یہ سب صلیب کے پجاری ہیں اور تمہارا ایمان خراب کرنے آئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ کوئی انسان کسی انسان کو زندہ نہیں کر سکتا۔ خود خدا کسی مرے ہوئے کو زندہ نہیں کرتا کیونکہ خدائے ذوالجلال اپنے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے۔ اس کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہ صلیبی اسلام کی آواز کو دبانے کے لیے یہ ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ باطل کے پجاری تمہارے ایمان اور جذبے سے اور تمہاری تلوار سے ڈرتے ہیں۔ تمہارا مقابلہ میدان میں نہیں کر سکتے اس لیے یہ دلکش طریقے اختیار کر کے تمہارے دلوں میں وہم اور وسوسے ڈال رہے ہیں تاکہ تم اسلام کے تحفظ کے لیے صلیب کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ۔ اسی مصر میں فرعون نے اپنے آپ کو خدا کہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی خدائی کو دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا۔ اپنی عظمت کو پہچانو میرے دوستو! اپنے دشمن کو بھی اچھی طرح پہچان لو۔"

لوگ جو سب کے سب مسلمان تھے مشتعل ہو گئے۔ وہ چونکہ پسماندہ اور علم سے بے بہرہ تھے اس لیے انتہا پسند تھے۔ انہوں نے گنہگار انسان کی شعبدہ بازی دیکھ کر اُسے "خدا کا بیٹا" تسلیم کر لیا اور جب اس کے خلاف باتیں سنیں تو ایسے مشتعل ہوئے کہ غیظ و غضب سے نعرے لگاتے اُس آدمی پر اور اس کے گروہ پر ٹوٹ پڑے۔ امام ان مجرموں کو زندہ قاہرہ لے جانا چاہتا تھا لیکن اتنے بڑے ہجوم سے انہیں زندہ نکالنا ناممکن ہو گیا۔ رُشد نے تشدد سے ہجوم پر قابو پانے کا مشورہ دیا جو امام نے تسلیم نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ تمہاری تلواروں سے یہ سیدھے سادے مسلمان کٹ جائیں گے۔ انہیں اپنے ہاتھوں ان لوگوں کو ہلاک کرنے دو تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ جس نے خدا کا ایلچی اور بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک گنہگار انسان ہے جسے کوئی بھی انسان قتل کر سکتا ہے۔

امام، رُشد بن مسلم اور محمود ایک طرف ہٹ گئے۔ رُشد نے ایک ٹیلے پر جا کر اپنے سپاہیوں کو للکارا اور کہا — "تم جہاں ہو وہیں رہو۔ ان لوگوں کو مت روکو۔"

تھوڑی ہی دیر بعد وہاں امام، محمود، رُشد بن مسلم اور اُس کے دستے کے سپاہی رہ گئے۔ تمام ہجوم غائب ہو چکا تھا۔ رات جہاں شعبدے دکھائے گئے تھے وہاں شعبدہ باز اور اُس کے گروہ کی لاشیں پڑی

تھیں۔ لڑکیوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ کوئی لاش پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ سب تیرہ ہو چکی تھیں۔ لوگ خیمہ پرور تھیں۔ لڑکیوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا اور تمام تر سامان لوٹ لے گئے تھے۔ مجرم گروہ کے سارے اونٹ بھی لوگ کھول لے گئے اور رُشد کے دستے کے لوگ گھوڑے بھی لاپتہ ہو گئے۔ اُن کے سوار پیادہ تھے اور گھوڑوں سے دُور۔ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ اپنی فوج کے گھوڑے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آندھی آئی ہے اور سب کو اپنے ساتھ اڑا لے گئی ہے۔

"ہمیں اب قاہرہ چلنا پڑے گا۔" امام نے رُشد اور محمود سے کہا۔ "یہ واقعہ حکومت کے سامنے رکھنا ہو گا۔"

☆

ان چند ہی دنوں میں صلاح الدین ایوبی نے جو احکام نافذ کیے اور جو اقدام کیے وہ انقلابی تھے۔ اتنے انقلابی کہ اس کے قریبی دوست اور مرید بھی چونک اٹھے۔ اُس نے سب سے پہلے اُن افسروں کے گھروں پر چھاپے مروائے اور تلاشی لی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کی مشتبہ فہرست میں تھے۔ ان میں دو تین مرکزی کمان کے اعلیٰ حاکم تھے۔ اُن کے گھروں سے زر و جواہرات، دولت اور بڑی خوبصورت غیر ملکی لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ بعض کے گھروں میں ایسے ملازم تھے جو سوڈان کے تجربہ کار جاسوس تھے اور بھی کئی ایک ثبوت مل گئے۔ ان سب کو سلطان ایوبی نے عہدے اور رتبے کا لحاظ کیے بغیر غیر معین مدت کے لیے قید خانے میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ اخلاقی مجرموں جیسا سلوک کیا جائے۔ اس اقدام سے اس کی مرکزی کمان اور مجلس مشاورت کی چند ایک اہم آسامیاں خالی ہو گئیں۔ اُس نے ذرہ بھر پروا نہ کی۔

سلطان ایوبی نے دوسرا حملہ اُس گروہ پر کیا جو اپنے آپ کو مذہب کا اجارہ دار بنائے ہوئے تھا۔ سلطان ایوبی کو مشیروں نے خلوصِ نیت سے مشورہ دیا کہ مذہب ایک نازک معاملہ ہے۔ لوگ مسجدوں کے اماموں کے مرید ہیں۔ رائے عامہ خلاف ہو جائے گی۔ سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "ان میں کتنے ہیں جو مذہب کی روح کو سمجھتے ہیں؟ لوگ اُن کے مرید صرف اس لیے بن گئے ہیں کہ اُن کی ساری کوششیں اسی پر مرکوز ہیں کہ لوگ اُن کے مرید بن جائیں۔ میں جانتا ہوں یہ امام اپنی عظمت قائم کرنے کے لیے لوگوں کو اصل مذہب سے بے بہرہ رکھتے ہیں۔ قوم کی بہترین درسگاہ مسجد ہے۔ مسجد کی چار دیواری میں بٹھا کر کسی کے کان میں ڈالی ہوئی کوئی بات رُوح تک اُتر جاتی ہے۔ یہ مسجد کے تقدس کا اثر ہے، مگر یہاں مسجد کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ مسجدوں میں امام پیر اور مُرشد بنتے جا رہے ہیں۔ اگر میں نے مسجدوں میں باعمل عالم نہ رکھے تو کچھ عرصے بعد لوگ اماموں، پیروں اور مرشدوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ یہ بے علم اور بے عمل عالم اپنے آپ کو خدا اور اُس کے بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنا لیں گے اور اسلام کے زوال کا باعث بنیں گے۔"

سلطان ایوبی نے اپنے ایک مفکر اور باعمل عالم زین الدین علی بن نجا الواعظ کو مشورے کے لیے بلایا۔ اس عالم نے اپنا جاسوسی کا ایک ذاتی نظام قائم کر رکھا تھا اور ایک بار اُس نے صلیبیوں کی ایک بڑی ہی خطرناک سازش بے نقاب کر کے بہت سے آدمی گرفتار کرائے تھے۔ وہ مذہب کو اور مذہب میں جو تخریب کاری ہو رہی ہے اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر سلطان ایوبی کا حوصلہ بڑھا دیا کہ اگر آج آپ مذہب کو

تخریب کاری سے آزاد نہیں کریں گے تو کل آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ قوم آپ کی راہنمائی اور حکم کو قبول کرنے سے پہلے نام نہاد مذہبی پیشواؤں سے اجازت لیا کرے گی۔ اس وقت تک بیشتر مسلمانوں کے مذہبی نظریات میں توہم پرستی اور رسم و رواج کی ملاوٹ کر چکے ہیں... سلطان ایوبی نے فوری طور پر تحریری حکم نافذ کیا کہ زین الدین علی بن نجا الواعظ کی زیرِ نگرانی ملک کی تمام مسجدوں کے اماموں کی علمی اور معاشرتی جانچ پڑتال ہو گی اور نئے امام مقرر کیے جائیں گے۔ نئے اماموں کے تقرر کے لیے سلطان ایوبی نے جو شرائط رکھیں اُن میں امام کا عالم ہونے کے علاوہ فوجی یا سابق فوجی یا عسکری تربیت یافتہ ہونا ضروری قرار دے دیا۔ سلطان ایوبی جذبۂ جہاد اور عسکری جذبے کو مذہب اور مسجد سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے ملک میں ایسے تمام کھیل تماشے اور تفریح کے ذرائع اور طریقے جرم قرار دے دیئے جن میں جُوئے بازی اور تخریبی سکون کا پہلو نکلتا تھا۔ اُس کے حکم سے علی بن سفیان کے محکمے نے تفریح گاہوں اور اُن کے زیرِ زمین حصوں پر چھاپے مارے جہاں سے اٹلی کے مصوروں کی بنائی ہوئی ننگی تصویریں برآمد ہوئیں۔ بہت سے لوگ گرفتار کیے گئے جنہیں ملک دشمنی اور دشمن کا آلۂ کار بننے کے الزام میں تمام عمر کے لیے تہہ خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اس کی بجائے سلطان ایوبی نے تیغ زنی، تیر اندازی، گھوڑ سواری، بغیر ہتھیار لڑائی، کُشتی جیسے پنجہ آزمائی کھیلتے تھے اور ایسے ہی چند ایک کھیلوں کے مقابلوں کا سرکاری انتظام کر دیا۔ پہلے مقابلے میں خود گیا اور اوّل آنے والوں کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے تک انعام میں دیئے۔ اُس نے مدرسوں اور مسجدوں میں تعلیمی مقابلوں کا اہتمام کیا۔

سرحدی دستوں پر اُس نے زیادہ توجہ دی تھی۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ شہروں اور دارالحکومت سے دُور رہنے والے لوگ نظریاتی تخریب کاری کا شکار جلدی ہوتے ہیں اور وہی سب سے پہلے دشمن کے حملے یا سرحدی جھڑپوں کی زد میں آتے ہیں۔ ان لوگوں کے نظریاتی اور جسمانی تحفظ کے لیے اُس نے خصوصی انتظام کیے۔ اس نے سرحدوں پر جو دستے بھیجے تھے، اُن کے کمانڈروں کو اُس نے خود ہدایات دیں اور بڑے ہی سخت احکام دیئے تھے۔ یہ تمام کمانڈر جذبے اور ذہانت کے لحاظ سے ساری فوج میں منتخب کیے گئے تھے۔ رُشد بن مُسلم انہی میں سے تھا جسے محمود کا اشارہ ملا کہ ایک تخریب کار پکڑا ہے تو وہ پورے کا پورا دستہ لے کر اُٹھ دوڑا تھا۔ اگر بڑا کمانڈر ہوتا تو اُس وقت صلیبیوں یا سوڈانیوں کی دی ہوئی شراب میں بدمست ہوتا اور تخریب کار اپنے سرغنہ کی رہنمائی کے لیے گاؤں میں تباہی پھیلا کر غائب ہو چکے ہوتے۔

اب رُشد بن مُسلم، محمود بن احمد اور امام جس کا نام یوسف بن آزر تھا اُس کے کمرے میں بیٹھے اُس شعبدہ باز کی کہانی سُنا رہے تھے جسے لوگ قتل کر چکے تھے۔ علی بن سفیان بھی موجود تھا۔ اُس نے تینوں سے ساری واردات سُن لی تھی اور سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ سلطان ایوبی خوش تھا کہ اتنی خطرناک نظریاتی یلغار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے، مگر علی بن سفیان نے کہا۔ "صرف یلغار ختم ہوئی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے لمبا عرصہ درکار ہے۔ مجھے جو تفصیل معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سرحدی دیہات سے ہمیں

فوجی بھرتی نہیں مل رہی۔ سرحد کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگ سوڈانیوں کے دوست بن گئے ہیں۔ وہ امارتِ مصر کے خلاف ہو گئے ہیں۔ جہاد کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ لوگ غلہ اور مویشی ہمیں نہیں دیتے، سوڈانیوں کو بخوشی دیتے ہیں۔ مسجدیں ویران ہو گئی ہیں۔ لوگ توہم پرست ہو کر شعبدہ باز پیروں وغیرہ کی پرستش کرنے لگے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کے ذہنوں کو اپنے صحیح رستے پر واپس لانے کے لیے باقاعدہ مہم شروع کرنی پڑے گی۔ اگر اس صلیبی شعبدہ باز اور اُس کے گروہ کو لوگ قتل نہ کر دیتے تو ہم اسے سارے علاقے میں گھماتے پھراتے۔"

سلطان ایوبی نے اپنے انقلابی احکامات میں سرحدی علاقوں کو خاص طور پر شامل کر رکھا تھا۔ اب اُس نے اس طرف اور زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اُس کے لیے سب سے زیادہ شدید سر دردی یہ تھی کہ تقی الدین اور اُس کی فوج کو سوڈان سے نکالنا تھا۔ قاہرہ پہنچتے ہی وہ منصوبہ بندی میں مصروف ہو گیا تھا۔ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ وہ خود سوڈان کے محاذ پر نہیں جا سکتا تھا کیونکہ مصر کے اندرونی حالات اُس کی توجہ کے محتاج تھے۔ اُس نے قاہرہ میں آ کر تقی الدین کو یہ اطلاع دینے کے لیے کہ وہ قاہرہ آ گیا ہے، ایک قاصد بھیج دیا تھا۔ قاصد واپس آ چکا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ تقی الدین کا جانی نقصان خاصا ہو چکا ہے اور کچھ نفری دشمن کے جھانسے میں آ کر یا جنگ کی صورتِ حال سے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئی ہے۔ قاصد نے بتایا کہ تقی الدین اپنی باقی ماندہ فوج کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر دشمن اُس کے سر پر موجود رہتا ہے۔ تقی الدین کو جوابی حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اُسے اتنی سی مدد کی ضرورت ہے کہ دشمن پر حملے کرنے کے لیے چند دستے مل جائیں تاکہ وہ اپنی فوج کو واپس لا سکے۔

سلطان ایوبی نے اسی وقت اپنے تین چار چھاپہ مار دستے اور چند ایک وہ دستے جنہیں جوابی حملہ کرنے اور گھوم پھر کر لڑنے کی خصوصی مشق کرائی گئی تھی سوڈان بھیج دیئے تھے۔ وہ ہر حملہ دشمن کے عقب میں جا کر کرتے اور دشمن کا نقصان کر کے اور راستے میں بکھر کر اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے۔ چھاپہ ماروں نے دشمن کو زیادہ پریشان کیا۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ دشمن کو تقی الدین کے تعاقب سے ہٹایا جائے۔ وہ خلافِ توقع بہت جلدی کامیاب ہو گئے۔ ان کی اہلیت اور شجاعت کے علاوہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ دشمن کی فوج تھکی ہوئی تھی اور صحرا بڑا ہی دشوار اور گرم تھا۔ گھوڑے اور اونٹ جواب دے رہے تھے۔

سوڈان کا حملہ بُری طرح ناکام ہُوا۔ کامیابی صرف یہ ہوئی کہ تقی الدین کو، اُس کی مرکزی کمان کے سالاروں وغیرہ اور دستوں کو اور بچی کھچی فوج کو ایسی تباہی سے بچا لیا گیا جو اُن کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ تقی الدین جب مصر کی سرحد میں داخل ہُوا تو اُسے پتہ چلا کہ وہ سوڈان میں آدھی فوج ضائع کر آیا ہے۔

☆

اُدھر کرک جل رہا تھا۔ نور الدین زنگی کے کاریگروں نے ضرورت کے مطابق دُور مار منجنیقیں بنا لی تھیں، جن سے قلعے کے اندر پتھر کم اور آگ زیادہ پھینکی جا رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی اندر کے جو ایک ہدف بتا آیا تھا۔ اُن میں رسد کا ذخیرہ بھی تھا۔ آگ کے پہلے گولے قلعے کی اُس طرف پھینکے گئے جس طرف سے رسد کا ذخیرہ ذرا

قریب تھا۔ خوش قسمتی سے گولے ٹھکانے پہنچ گئے۔ اندر سے شعلے اُٹھے تو انہوں نے زنگی کی فوج کا حوصلہ بڑھا دیا۔ مسلمانوں نے دُور مار تیر و کمان بھی تیار کر لیے تھے۔ انہیں استعمال کرنے کے لیے غیر معمولی طور پر طاقتور بازو استعمال کیے جا رہے تھے لیکن آٹھ دس تیر پھینک کر سپاہی بے حال ہو جاتا تھا۔ زنگی نے ایک اور دلیرانہ کاروائی کی۔ اُس نے نہایت دلیر سپاہی چُن لیے اور انہیں حکم دیا کہ قلعے کے دروازے پہ پہنچیں۔ انہیں دروازہ توڑنے کے موزوں اوزار دیئے گئے۔

جانبازوں کا یہ دستہ دروازے کی طرف دوڑا تو اوپر سے صلیبیوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ کئی جانباز شہید اور زخمی ہو گئے۔ زنگی نے دُور مار تیر اندازوں کو وہاں اکٹھا کر لیا اور عام تیر اندازوں کا بھی ایک ہجوم بلا لیا۔ ان سب کو مختلف زاویوں پر مورچہ بند کر کے دروازے کے اوپر والے دیوار کے حصے پر مسلسل تیر پھینکنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو اتنے تیر برسنے لگے مینہ کے پیچھے دیوار کا بالائی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ جانبازوں کی ایک اور جماعت دروازے کی طرف دوڑی۔ زنگی نے تیروں کی بارش اور تیز کر دی۔ دیوار پہ پلکا رسائی رہی۔ ذرا دیر بعد دیوار پر لکڑیوں سے بندھے ہوئے ڈرم نظر آئے۔ یہ جلتی لکڑیوں اور کوئلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جونہی انہیں باہر گرانے والوں کے سر نظر آئے وہ سر تیروں کا نشانہ بن گئے۔ ایک دو ڈرم باہر گرے، باقی دیوار پر ہی اُلٹے ہو گئے۔ وہاں سے شعلے اٹھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ آگ پھینکنے والے اپنی آگ میں جل رہے ہیں۔ زنگی کے کسی کمانڈر نے زنگی کے حملے کا یہ طریقہ دیکھ لیا۔ وہ گھوڑا سرپٹ دوڑا کر قلعے کے پچھلے دروازے کی طرف چلا گیا اور وہاں کے کمانڈر کو بتایا کہ سامنے والے دروازے پر کیا ہو رہا ہے۔ ان دونوں کمانڈروں نے یہی طریقہ پچھلے دروازے پر آزمانا شروع کر دیا۔ پہلے ہلے میں مجاہدین کا جانی نقصان زیادہ ہُوا، لیکن جوں جوں مجاہدین گرتے تھے اُن کے ساتھی تھمے بغیر دروازے کی طرف دوڑتے تھے۔ تیر اندازوں نے صلیبیوں کو اوپر سے آگ نہ پھینکنے دی۔ زنگی نے حکم دے دیا کہ منجنیقیں قلعے کے اندر آگ پھینکیں۔ زنگی کی فوج نے دونوں دروازوں پر دلیرانہ حملے دیکھے تو فوج کسی کے حکم کے بغیر دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ قلعے کے سامنے چلا گیا اور دوسرا عقبی دروازے کی طرف۔ دونوں طرف دیوار پہ تیروں کی ایسی بارش برسائی گئی کہ اوپر کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ دونوں دروازے توڑ لیے گئے۔ زنگی کی فوج اندر چلی گئی۔ شہر میں خونریز جنگ ہوئی۔ وہاں کے باشندوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

اس بھگدڑ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبی حکمران اور کمانڈر قلعے سے نکل گئے۔ شام تک صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ زنگی نے قیدی مسلمانوں کو کھلے اور بند قید خانوں سے نکالا، پھر صلیبی حکمرانوں کو سارے شہر میں تلاش کیا مگر کوئی ایک بھی نہ ملا۔

یہ ۱۱۷۲ء کی آخری سہ ماہی تھی جب کرک کا مضبوط قلعہ سر کر لیا گیا اور مسلمانوں کو بیت المقدس نظر آنے لگا۔

☆

جب خزانہ مل گیا

صلیبیوں کی یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی ہنگامہ خیز کانفرنس تھی۔ وہ ہر شکست کے بعد، ہر فتح کے بعد، ہر پسپائی اور ہر کامیاب پیش قدمی کے بعد مل بیٹھتے تھے۔ تبادلۂ خیالات کرتے اور شراب پیتے تھے عورت اور شراب کے بغیر وہ سمجھتے تھے کہ جنگ جیتی ہی نہیں جا سکتی۔ اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور مسلمان حکام کی کردار کشی کے لیے بھیج دیتے تھے اور خود اپنے قبضے میں لیے ہوئے علاقوں سے مسلمان لڑکیاں اغوا کرکے انہیں تفریح کا ذریعہ بناتے تھے۔ جاسوسوں نے جب انہیں یہ بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ صلیبی عصمتوں کے بیوپاری اور مسلمان عصمتوں کے محافظ ہیں تو صلیبی حکمران اور کمانڈر بہت ہنسے تھے۔ ان میں سے کسی نے سلطان ایوبی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ شخص اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتا کہ جس طرح صلیب کے بیٹے سپاہی بن کر اپنا جسم استعمال کرتے ہیں اسی طرح صلیب کی بیٹیاں بھی مسلمانوں کو بیکار کرنے کے لیے اپنا جسم استعمال کرتی ہیں۔ کسی اور نے کہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو ابھی تک احساس نہیں ہوا کہ اس کی قوم کے بے شمار چھوٹے چھوٹے حکمرانوں، قلعہ داروں اور سالاروں کو ہماری ایک ایک لڑکی اور سونے کے سکوں کی ایک ایک تھیلی ایسی شکست دے چکی ہے جس پر وہ لوگ فخر کر رہے ہیں اور اس شکست سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی ہم سے اسلام کی عصمت کس طرح بچائے گا؟

یہ صلیبیوں کی پہلی کانفرنسوں کی باتیں ہیں مگر ۱۱۸۳ء کے آخر میں بیت المقدس میں صلیبی سربراہ اکٹھے ہوئے تو ان پہ کچھ اور ہی موڈ طاری تھا۔ انہوں نے سلطان ایوبی کا مذاق نہ اڑایا۔ کسی کے ہونٹوں پر بھولے سے بھی مسکراہٹ نہ آئی اور کسی کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ جب مل بیٹھتے ہیں تو شراب کا دور بھی چلا کرتا ہے۔ کرک سے وہ بڑے ہی شرمناک طریقے سے پسپا ہوئے تھے۔ ان میں ریجنالڈ بھی تھا جو کرک کا قلعہ دار بلکہ مالک تھا۔ وہ جنگجو تھا، فن حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ اس نے اپنے زرہ پوش لشکر سے متعدد بار لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس محفل میں ریمانڈ بھی تھا جس نے کرک کے محاصرے کے دوران سلطان ایوبی کی فوج کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ ان دونوں نے ایسا پلان بنایا تھا جس کے متعلق وہ بجا طور پر خوش فہمیوں میں مبتلا تھے، مگر سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ قائم رکھا، ریمانڈ کا محاصرہ ایسے انداز سے توڑا کہ ریمانڈ کا لشکر محاصرے میں آگیا۔ اس کی رسد تباہ ہو گئی اور اس کی فوج اپنے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کو مار مار کر کھاتی رہی۔ آخر اس

کی آدھی سے زیادہ فوج کٹ گئی، کچھ گرفتار ہوئی اور باقی پسپا ہو گئی۔

ریجنالڈ خوش نصیب تھا کہ نورالدین زنگی کے سرفروشوں نے قلعہ سر کر لیا تو اندر کی بھگدڑ میں ریجنالڈ بچ کر نکل گیا، ورنہ وہ اس کانفرنس میں شمولیت کے لیے زندہ نہ ہوتا۔ اس محفل میں صلیبیوں کے اُن جنگجو سرداروں کی نفری بھی خاصی تھی جنہیں "نائٹ" کہا جاتا تھا۔ یہ ایک خطاب تھا جو بادشاہ کی طرف سے عطا کیا جاتا اور ان کے ساتھ سر سے پاؤں تک زرہ بکتر دی جاتی تھی۔ اس کانفرنس میں عکرہ کا پادری بھی تھا جسے محافظِ صلیبِ اعظم کا رتبہ دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ گے آف لوزینان اور اس کا بھائی امالرک بھی تھا اور ان میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن فلپ آگسٹس بھی تھا۔ ناسٹوں اور دیگر کمانڈروں کے ساتھ ساتھ اس کانفرنس میں صلیبیوں کی متحدہ انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن اور اس کے ذہین معاون بھی تھے۔ ابتدا میں اس ہجوم پر خاموشی چھائی رہی جیسے وہ ایک دوسرے کے سامنے بات کرتے گھبراتے ہوں۔ آخر فلپ آگسٹس نے زبان کھولی جس سے محفل میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اُس نے "محافظِ صلیبِ اعظم" کو کانفرنس کی صدارت پیش کر کے اسی سے درخواست کی کہ وہ خطاب کرے۔

"ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں، عہد توڑے اور بیت المقدس میں زندہ اور تندرست آ بیٹھے" — عکرہ کے پادری نے کہا۔ "میں یسوع مسیح کے آگے شرمسار ہوں اور میں صلیب کو دیکھتا ہوں تو میری نظریں جھک جاتی ہیں۔ کیا تم سب نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے دشمنوں کا خاتمہ کرو گے خواہ اس میں تمہیں جانیں بھی قربان کرنی پڑیں؟ کیا تم نے حلف نہیں اٹھایا تھا کہ اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لیے جان اور مال کی اور اپنے جسموں کے اعضا کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرو گے؟ تم میں کتنے ہیں جن کے جسموں پر ہلکی سی خراشیں بھی آئی ہوں؟ کوئی ایک بھی نہیں۔ تم شوبک مسلمانوں کو دے کر بھاگے۔ اب تم کرک دے کر بھاگ آئے ہو۔ میں اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ جو میدان میں اترتے ہیں، وہ شکست بھی کھا سکتے ہیں۔ دو فتوحات کے بعد ایک شکست کوئی معنی نہیں رکھتی مگر یکے بعد دیگرے دو شکستیں اور دو پسپائیاں مجھے یقین دلا رہی ہیں کہ صلیب یورپ میں قید ہو گئی ہے اور وہ وقت بھی آنے والا ہے جب یورپ کے کلیساؤں میں مسلمانوں کی اذانیں گونجیں گی۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا" — فلپ آگسٹس نے کہا۔ "صلیبِ اعظم کے محافظ! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ شکست کے کچھ اسباب تھے جن پر ہم غور کر چکے ہیں اور اب آپ کی موجودگی میں مزید غور کریں گے۔"

"اور شاید تم اس پر غور نہ کرو کہ اب مسلمانوں کی منزل بیت المقدس ہوگی" — صلیبِ اعظم کے محافظ نے کہا۔ "کیا تم اس حقیقت سے بے خبر ہو کہ صلاح الدین ایوبی بیت المقدس لینے کی قسم کھا چکا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے جس کی خاطر وہ اپنے بچوں تک کو ذبح کرا ڈالیں گے؟"

"ہم نے مسلمانوں میں غداری کا بیج ڈال دیا ہے" — فلپ آگسٹس نے کہا۔ "ہم نے مسلمانوں میں اتنے غدار پیدا کر لیے ہیں جو صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو بیت المقدس کے راستے پر ڈال کر

انہیں راستے میں ہی پیا سا مار ڈالیں گے۔"

"پھر یہ کون سے مسلمان ہیں جنہوں نے تم سے دو اتنے مضبوط قلعے لے لیے ہیں؟" — صلیبِ اعظم کے محافظ نے کہا۔ "اس حقیقت کو مت بھولو کہ مسلمان انتہا پسند قوم ہے۔ مسلمان غداری پر آتا ہے تو اپنے بھائیوں کی گردن پر چھری چلا دیتا ہے مگر اس میں جب قومی جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو اپنی گردن کاٹ کر نبیوں کا اتنا بڑا ادا کر دیا کرتا ہے۔ مسلمان اگر غدار بھی ہو جائے تو اس پر اعتماد نہ کرو۔ دھوکہ نہ کھاؤ۔ گزرے ہوئے صرف دس سالوں کے واقعات پر نظر ڈالو۔ اسلام کے غداروں نے تمہیں کتنے علاقے دلائے ہیں؟ کیا تم میں ہمت ہے کہ مصر میں قدم رکھو؟ آج مسلمان فلسطین میں بیٹھے ہیں۔ کل تمہارے سینے پر بیٹھے ہوں گے۔ یاد رکھو میرے دوستو! اگر صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی نے تم سے بیت المقدس لے لیا تو وہ تم سے یورپ بھی لے لے گا لیکن سوال فلسطین اور یورپ کا نہیں، سوال زمین کے ٹکڑوں کا نہیں۔ اصل سوال صلیب اور اسلام کا ہے۔ یہ دو مذہبوں اور نظریوں کی جنگ ہے۔ دونوں سے ایک کو ختم ہونا ہے۔ کیا تم صلیب کا خاتمہ پسند کرو گے؟"

"نہیں مقدس باپ! ایسا کبھی نہیں ہوگا" — محفل میں جوش و خروش پیدا ہو گیا — "اتنی زیادہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔"

"پھر تم ان وجوہات پر غور کرو جو تمہاری پسپائی کا باعث بنی ہیں" — محافظِ صلیبِ اعظم نے کہا — "میں تمہیں جنگ کے متعلق کوئی سبق نہیں دے سکتا۔ میں تقریبات کے محاذ کا سپاہی ہوں۔ میں کلیسا کا محافظ ہوں۔ مجھے کلیسا کی کنواریوں کی قسم دس کٹر مسلمان میرے سامنے لے آؤ انہیں صلیب کا پجاری بنا لوں گا۔ ذرا اس پر غور کرو کہ تمہارے اتنے بڑے بڑے لشکر جو زرہ پوش بھی ہیں مسلمانوں کی مختصر سی فوج کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟ تمہارے پانچ سو سواروں کو ایک سو پیادہ مسلمان کیوں شکست دے دیتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ مسلمان مذہب کے جنون سے لڑتے ہیں۔ وہ تمہارے مقابلے میں آتے ہیں تو قسم کھا لیتے ہیں کہ فتح یا موت۔ میں نے سنا ہے کہ ان کے چھاپہ مار تمہارے عقب میں چلے جاتے ہیں اور تمہاری کمر توڑ کر تمہارے تیروں سے بچ نکل جاتے ہیں یا بالکل جاتے ہیں۔ ذرا سوچو کہ دس دس بارہ بارہ آدمی تمہارے ہزاروں کے لشکر میں کس طرح گھس آتے ہیں؟ یہ محض مذہبی جنون ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا بھی ان کے ساتھ ہے اور خدا کا رسول بھی ان کے ساتھ ہے۔ ایسی دلیرانہ کارروائیوں میں وہ اپنے کمانڈروں سے نہیں قرآن سے حکم لیتے ہیں۔ میں نے قرآن کا مطالعہ بہت غور سے کیا ہے۔ ہمارے خلاف جنگ کو قرآن جہاد کہتا ہے اور ہر مسلمان پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ جہاد کو نماز یعنی عبادت پر فوقیت حاصل ہے۔۔۔۔ تم بھی جب تک اپنے آپ میں یہی جنون پیدا نہیں کرو گے اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

☆

کچھ ایسے ہی جذباتی اور حقیقی الفاظ تھے جن سے عکرہ کے پادری نے اپنے شکست خوردہ حکمرانوں اور کمانڈروں کو جھنجھوڑا اور ان میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ اب آپس میں بحث

سباحثہ کرو کہ تمہاری شکست کے اسباب کیا تھے اور اس کی ذمہ داری کس کس پر عائد ہوتی ہے اور اس شکست کو فتح میں کس طرح بدلنا ہے۔ بیت المقدس کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالو۔ صلاح الدین ایوبی فرشتہ نہیں۔ تمہاری طرح ایک انسان ہے۔ اُس کی طاقت صرف اس میں ہے کہ ایمان کا پکا ہے۔

پادری کے جانے کے بعد کانفرنس میں جو گرما گرمی پیدا ہوئی وہ اس لحاظ سے تاریخی نوعیت کی تھی کہ اس میں کچھ فیصلے کیے گئے۔ ان میں ایک فیصلہ یہ تھا کہ جوابی حملہ نہ کیا جائے بلکہ ایوبی اور زنگی کے لیے انگیخت پیدا کی جائے کہ وہ پیش قدمی کریں اور حملے جاری رکھیں۔ انہیں مستقر سے دور لایا جائے اور بکھیر کر لڑایا جائے۔ اس طرح اُن کی رسد کے راستے لمبے اور غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور فرنگیوں کو فوری طور پر تیار کیا جائے کہ سمندر کی طرف سے مصر پر بحری حملہ کریں، اور ساحل پر فوج اتار کر مصر کے شمال مشرق کے اتنے سے علاقے پر قبضہ کریں جسے مضبوط مستقر (اڈہ) بنا لیا جائے۔ اسے فلسطین کے دفاع اور مصر پر جارحیت کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ اہم فیصلہ یہ ہوا کہ اسلامی علاقوں میں اخلاق کی تخریب کاری تیز کر دی جائے اور نظریاتی حملے اور شدید کر دیے جائیں۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مصر میں صلیبیوں کی ایک مہم تباہ کر دی گئی تھی جو سرحدی علاقے میں توہمات پیدا کرنے کے لیے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں سے اگر اطلاع دے دی تھی کہ وہ مہم ناکام ہو چکی ہے اور جن مسلمانوں کو زیرِ اثر لے لیا گیا تھا انہوں نے ہی مہم کے افراد کو ہلاک کر دیا ہے..... اس کانفرنس میں یہ انکشاف پیش کیا گیا کہ مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔ وہ مجبور ہو کر قافلوں کی صورت میں ترکِ وطن کرتے ہیں تو راستے میں اُن کے قافلے لُوٹ لیے جاتے ہیں، مال اور مویشی چھین لیے جاتے ہیں اور لڑکیوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ کانفرنس میں اس اقدام کو ضروری سمجھا گیا۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کا یہ بھی ایک اچھا طریقہ تھا۔ یہ نسل کُشی کی مہم تھی جو صلیبیوں نے بہت عرصے سے جاری کر رکھی تھی۔ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی کمسن اور خوبصورت بچیوں کو اغوا کر کے صلیبی انہیں بے حیائی اور چرب زبانی کی تربیت دے کر انہیں پالتے پوستے اور جب وہ جوان ہو جاتیں انہیں مسلمانوں میں غداری کے جراثیم پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے لیے بے شمار دولت کی ضرورت تھی جو خرچ تو کی جا رہی تھی لیکن کچھ دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک یہ تھی کہ رقم اونٹوں کے ذریعے بھیجی جاتی تھی۔ کئی بار ایسے ہُوا کہ مصر کے کسی سرحدی دستے نے پکڑ لیا یا اونٹ لوٹ لیے گئے۔ ضرورت یہ محسوس کی گئی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ مل جائے جس سے رقم اور انعامات کی دیگر قیمتی اشیاء اسی ملک سے دستیاب ہو جائیں جہاں استعمال کرنی ہوں۔ خاصے عرصے سے اس مسئلے پر سوچ و بچار ہو رہا تھا۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا کمانڈر، ہرمن، علی بن سفیان کی طرح غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ اُس نے کبھی کا سوچ رکھا تھا کہ مصر کی زمین اپنے اندر اس قدر خزانے چھپائے ہوئے ہے جس سے ساری دنیا کو خریدا جا سکتا ہے مگر ان خزانوں تک پہنچنا آسمان

سے ستارے توڑ لانے کے برابر تھا۔ یہ خزانے فرعونوں کے مدفنوں میں محفوظ تھے۔ تاریخ فرعونوں کی اس رسم سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہی کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اس کے ساتھ شاہانہ ضروریات کا تمام سامان اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔

مرے ہوئے فرعون کی قبر چند گز چوڑی نہیں ہُوا کرتی تھی بلکہ زمین کے نیچے ایک محل تعمیر ہو جاتا تھا۔ فرعون اپنی زندگی میں اپنا مدفن تیار کرا لیا کرتے تھے اور جگہ ایسی منتخب کرتے تھے جس تک اُس کی موت کے بعد کوئی رسائی حاصل نہ کر سکے۔ مرنے کے بعد مدفن کو اس طرح بند کر دیا جاتا تھا کہ معماروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اسے کھولا کس طرح جا سکتا ہے۔ مرنے والے کے جانشین معماروں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ فرعونوں کا ایک عقیدہ تو یہ تھا کہ وہ خدا ہیں اور دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد انہیں یہی جاہ و جلال حاصل ہوگا۔ چنانچہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اور پھر پہاڑ کے نیچے زمین کی کھدائی کر کے محل جیسے ہال اور دیگر کمرے بنوا کر اس محل میں زیادہ سے زیادہ ہیرے جواہرات رکھوا دیے جاتے تھے اس کے علاوہ بگھیاں مع گھوڑوں اور گھی بانوں کے اور کشتیاں مع ملاحوں کے اندر رکھ دی جاتی تھیں۔ خدمت کے لیے کنیزیں اور غلام اور بیویاں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ اس طرح صورتِ حال یہ بن جاتی تھی کہ ایک انسان کی لاش کے ساتھ جہاں بے اندازہ مال و دولت دفن ہو جاتا تھا وہاں بہت سے انسان زندہ اندر بھیج کر باہر سے مدفن کا منہ بند کر دیا جاتا تھا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دم گھٹنے سے کس طرح مرتے ہوں گے۔ فرعونوں کی لاشوں کو مصالحہ وغیرہ لگا کر حنوط کیا جاتا تھا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج بھی ان کی لاشیں محفوظ ہیں، جن میں کچھ لندن کے عجائب خانے میں پڑی ہیں۔

فرعونوں کا دور ختم ہُوا تو مصر کی حکومت جس کے بھی ہاتھ آئی اُس نے فرعونوں کے مدفن تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہ مہم ناممکن کی حد تک مشکل ثابت ہوئی۔ مدفنوں کو تلاش کرنا ہی ایک مسئلہ تھا۔ اس کے بعد آج تک یہ مہم جاری ہے۔ مصر نے تاریخ میں بہت سی بادشاہیاں دیکھیں۔ ہر بادشاہ نے مدفن تلاش کیے جو ہاتھ لگا لے اُڑا۔ سب سے زیادہ حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا کیونکہ انگریزوں نے وہاں موجودہ دور میں اپنا اثر قائم کیا تھا جب سائنس ترقی کر چکی تھی۔ سائنس نے اور کھدائی کے مشینی طریقوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ مصر کی زمین فرعونوں کے خزانوں سے ابھی تک مالا مال ہے اور مصر کی تاریخ میں اگر غور سے جھانکیں تو اس میں ایسے پُراسرار اور خوفناک واقعات ملتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ کچھ ذاتی طور پر کسی فرعون کے مدفن کی تلاش میں نکلے۔ ان میں سے بعض مدفن میں داخل ہو بھی گئے مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں غائب ہو گئے۔ ان میں سے جو بچ کر نکلے وہ دوسروں کے لیے سراپا عبرت بن گئے۔ اسی لیے یہ عقیدہ آج بھی قائم ہے کہ فرعون خدا تو نہیں تھے لیکن اُن کے پاس مر کر بھی کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو اُن کے مدفنوں میں جانے والوں کو عبرتناک سزا دیتی ہے۔ لوگوں نے اس عقیدے کو اس لیے تسلیم کیا ہے کہ جس بادشاہ نے بھی کسی فرعون کے مدفن میں ہاتھ ڈالا اس کی بادشاہی کو زوال آیا۔ بعض نے

فرعونوں کو نحوست کا حامل کہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے دور سے پہلے ہی صلیبیوں کو معلوم تھا کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہ وجہ بھی تھی کہ وہ مصر پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ان مدفنوں کی تلاش مصریوں سے کرائی جائے اور خزانے نکلوا کر استعمال کیے جائیں۔ انہیں کسی طرح یہ پتہ چل گیا تھا کہ مصری حکومت کے پرانے کاغذات میں ایسی تحریریں اور نقشے موجود ہیں جن میں بعض مدفنوں کے متعلق معلومات درج ہیں۔ ان کاغذات تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ صلیبیوں نے مصر میں بڑے ذہین جاسوس بھیجے تھے جو صرف یہ معلوم کر سکے تھے کہ یہ کاغذات کہاں ہیں اور کس طرح اڑائے جا سکتے ہیں مگر اس شعبے کے سربراہ کو اپنی گرفت میں لینا ممکن نہ تھا۔ اُن دنوں جب سلطان ایوبی شوبک اور کرک کی جنگوں میں اُلجھا ہوا تھا اور اُس کی غیر حاضری میں مصر سازشوں کی زرخیز زمین اور بغاوت کا آتش فشاں بن چکا تھا، صلیبیوں کے ماہر ہرمن نے کامیابی حاصل کر لی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کے ایک اعلیٰ کمانڈر احمد درویش کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ احمد سوڈانی تھا۔ اس کے خلاف کوئی ایسی شکایت نہیں تھی کہ وہ غدار ہے۔ سلطان ایوبی کو اس پر اعتماد تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی زیرِ کمان لڑائیاں لڑی تھیں اور کمانڈروں کی صف میں نام پیدا کیا تھا۔

بعد کے انکشافات سے معلوم ہوا کہ یہ کمال میریا الیستھینا نام کی ایک صلیبی لڑکی کا تھا کہ اُس نے احمد کے دماغ میں سوڈان کی محبت، سلطان ایوبی کی مخالفت اور سوڈان اور مصر کے سرحدی علاقے میں سے کچھ حصے کی خودمختار ریاست کا لالچ پیدا کیا تھا۔ وہ تھا تو مسلمان لیکن صلیبیوں نے اُس کے دماغ میں ڈال دیا تھا کہ وہ پہلے سوڈانی اور بعد میں مسلمان ہے۔ اب جبکہ نورالدین زنگی نے کرک کا قلعہ توڑ لیا تھا اور سلطان ایوبی مصر میں خانہ جنگی کا قلع قمع کر رہا تھا، احمد درویش نے صلیبی جاسوسوں کے ساتھ کئی ایک ملاقاتیں کر لی تھیں۔ اُس نے کسی کو شک تک نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ دشمن کے ساتھ سازباز کر رہا ہے۔ اُس نے مرکزی دفاتر میں اتنا اثر و رسوخ پیدا کر رکھا تھا کہ وہ پرانی دستاویزات تک جا پہنچ گیا۔ وہاں سے اُس نے جو کاغذات چوری کرائے اُن میں ایک ہرن کے چمڑے پر پتلی سی لکیروں کا ایک نقشہ تھا۔ دراصل یہ کاغذات نہیں کپڑے اور کاغذ کے درمیان کی کوئی چیز تھی۔ ایسے ہی چند ایک اور کپڑے یا کاغذ تھے جن پر فرعونوں کے وقتوں کی عجیب و غریب تحریریں تھیں جنہیں پڑھنا اور سمجھنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ یہ کسی کو دکھائی بھی نہیں جا سکتی تھیں۔ بہرحال کسی طرح ان تحریروں کے معانی واضح کر لیے گئے۔ انکشاف یہ ہوا کہ قاہرہ سے تقریباً اٹھارہ کوس دور ایک پہاڑی علاقہ ہے جو خوفناک ہے، ویران ہے اور جس کے اندر شاید درندے بھی نہیں جاتے ہوں گے۔ اس کے اندر کہیں ایک فرعون کا مدفن ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ تحریر کہاں تک صحیح اور بامعنی ہے۔ اس میں لکیروں میں ہاتھ سے بنی ہوئی چند ایک تصویریں بھی تھیں۔ کہانی کا کچھ حصہ ان تصویروں میں چھپا ہوا تھا۔ احمد نے قسمت آزمائی کا فیصلہ

کر لیا تھا۔ اس فرعون کا نام ریمینیس دوم تھا۔ اس کے مدفن کی تلاش اور کھدائی کے لیے صلیبیوں نے قاہرہ میں چند ایک ہوشیار، دانشمند اور جفاکش جاسوس بھیج دیئے تھے۔ ان کا سربراہ مارکونی اطالوی تھا جسے سیاحت اور کوہ پیمائی کا تجربہ تھا۔ احمد نے ان آدمیوں کو کامیابی سے بہروپ چڑھا دیئے تھے کہ انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ دو کو تو اُس نے اپنے گھر میں ملازم رکھ لیا تھا۔ اس کے عوض احمد درویش سے یہ سودا ہوا تھا کہ وہ مدفن سے زر و جواہرات نکالے، انہیں اپنے پاس رکھے، سلطان ایوبی کے خلاف تخریب کاری میں استعمال کرے، فدائیوں کو منہ مانگی اُجرت دے، سلطان ایوبی کو قتل کرائے اور جب مصر صلیبیوں یا سوڈانیوں کے قبضے میں آ جائے گا تو اُسے ایک خودمختار ریاست بنا دی جائے گی جس میں کچھ حصہ سوڈان کا اور کچھ مصر کا شامل ہوگا۔ اسے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس کوشش کے دوران اگر سلطان ایوبی صلیبیوں پر یا سوڈانیوں پر حملہ کرے تو احمد اپنے زیرِ کمان دستوں کو سلطان ایوبی کی جنگی چالوں کے الٹ استعمال کرے۔

احمد درویش کا دماغ اتنے بڑے لالچ کے جادو کی گرفت میں آ چکا تھا اور اُس نے مارکونی گروپ اور صلیبیوں کے ساتھ جو اُس کے نوکروں کے بہروپ میں اُس کے گھر میں تھے، نقشہ دے کر مدفن کی تلاش کی مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ ایک جاسوس کی وساطت سے اُس نے ہرمن کو اطلاع بھیج دی تھی کہ تلاش شروع ہو چکی ہے۔ ہرمن نے اس کانفرنس میں صلیبی حکمرانوں وغیرہ کو بتا دیا کہ اگر یہ مدفن بے نقاب ہو گیا تو اس سے برآمد ہونے والی دولت سے مصر کی جڑیں مصریوں کے ہی ہاتھوں کھوکھلی کی جا سکیں گی۔

☆

۱۱۷۴ء کی پہلی سہ ماہی کے آخری دن تھے۔ قاہرہ سے اٹھارہ کوس دور ایک جگہ تین اونٹ کھڑے تھے۔ ہر اونٹ پر ایک آدمی سوار تھا۔ ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک سوار نے چغے کے اندر سے ایک گول کیا ہوا چمڑے کا کاغذ نکالا۔ اُسے کھول کر غور سے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا — "جگہ یہی ہے"۔ اس کے اشارے پر تینوں اونٹ آگے چل پڑے۔ وہ ٹیلے آگے سامنے دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے درمیان ایک اونٹ گزرنے کا راستہ تھا۔ تینوں ایک تنگ سی گلی میں اندر چلے گئے۔ اندر کی چٹانوں کی شکل و صورت ایسی تھی جیسے کوئی بہت ہی وسیع عمارت ہو جس کی چھتیں غائب ہوں۔ ریت کے لامحدود سمندر میں یہ پہاڑی علاقہ تین چار میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ باہر ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ان کے نیچے سخت مٹی کی پہاڑیاں اور ان کے نیچے اونچی چھوٹی دیواروں کی طرح پہاڑیاں تھیں جن میں بعض بہت چوڑے اور گول ستونوں کی طرح ایک ہزار فٹ بلندی تک گئی ہوئی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جب شام ابھی گہری نہیں ہوتی تھی یہ علاقہ بہت سے بھوتوں کی طرح نظر آیا کرتا تھا۔ اس کے اندر جانے کی کسی نے کبھی جرأت نہیں کی تھی۔ کوئی جرأت کرتا بھی تو کیوں کرتا۔ اندر جانے کی کسی کو کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ صحرا کے مسافروں کی ضرورت صرف پانی ہوا کرتی تھی۔ ایسے خشک پہاڑوں اور چٹانوں کے اندر جو دن کے وقت دور سے شعلوں کی طرح نظر آتے تھے پانی کا قیاس

دھوکہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ جگہ کسی راستے میں بھی نہیں پڑتی تھی۔ میلوں دور سے نظر آنے لگتی تھی۔ لوگ اس کے متعلق کچھ ڈراؤنی سی کہانیاں سنایا کرتے تھے جن میں ایک یہ تھی کہ یہ شیطان بدروحوں کا مسکن ہے۔ خدا نے جب آسمان سے شیطان کو دھتکارا تھا تو شیطان یہیں اُترا تھا۔ اس علاقے کی چونکہ فوجی اہمیت بھی نہیں تھی اس لیے فوجوں نے بھی کبھی اس کے اندر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایسے علاقے کے اندر ریت، موت اور صحرائی درندوں کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اس ہولناک خطے کی تاریخ میں غالباً یہ پہلے تین انسان تھے جو اس کے اندر چلے گئے تھے۔ انہیں وہیں جانا تھا کیونکہ ہزاروں سال پرانا نقشہ اسی جگہ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ صرف ایک لکیر شک پیدا کرتی تھی۔ یہ ایک ندی کی لکیر تھی مگر وہاں کوئی ندی نہیں تھی۔ اس کی جگہ اب ایک بڑا ہی لمبا نشیب نظر آتا تھا جس کی چوڑائی بارہ چودہ گز تھی۔ اس کے اندر کی ریت کی شکل و صورت بتاتی تھی، کہ صدیوں پہلے یہاں سے پانی گزرتا رہا ہے۔ اسی نشیب نے جو قریب ہی کہیں ختم ہونے کی بجائے دریائے نیل کی طرف چلا گیا تھا تینوں سواروں کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس جگہ کی تلاش میں ہیں وہ یہی ہے۔

ان سواروں میں ایک مارکونی اطالوی تھا اور دو اس کے ساتھی۔ تینوں صلیبی تھے۔ انہیں سلطان ایوبی کے ایک کمانڈر احمر درویش نے فرعون ریمیس دوم کے مدفن کی تلاش کے لیے بھیجا تھا۔ نقشے کے مطابق وہ صحیح جگہ پر آ گئے تھے۔ اب اندر جا کر یہ دیکھنا تھا کہ یہ جگہ کس حد تک صحیح ہے۔ مارکونی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے والے فرعون اپنی آخری آرام گاہ ایسے جہنم میں بنانے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ احمر درویش نے ہمیں ایک بیکار آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے اپنا کمانڈر سمجھتے ہوئے کوئی مشورہ نہ دیا۔ وہ حکم کے پابند تھے۔ مارکونی سخت جان صلیبی تھا۔ ہمت ہارنے کا قائل نہ تھا۔ وہ آگے آگے چلتا رہا۔ وہ جوں جوں اندر جا رہے تھے چٹانوں کی شکلیں بدلتی جا رہی تھیں۔ ان کا رنگ گہرا بادامی بھی تھا، کہیں کہیں اور کہیں کہیں ان کا رنگ مٹیالا لال بھی تھا۔ ان میں ریتلی سلوں کی چٹانیں تھیں اور مٹی کے سیدھے کھڑے ٹیلے بھی۔ ڈھلانوں سے ریت بہتی نظر آتی تھی۔

بہت آگے جا کر یہ وادی بند ہو گئی۔ مارکونی نے دائیں طرف دیکھا۔ ایک ٹیلا درمیان سے اس طرح پھٹا ہوا تھا جیسے زلزلے نے دیوار میں شگاف کر دیا ہو۔ شگاف میں سے جھانکا۔ یہ ایک گلی تھی، جو دور تک چلی گئی تھی۔ اونٹ کا گزرنا مشکل نظر آتا تھا۔ مارکونی نے اپنا اونٹ شگاف کی گلی میں داخل کر دیا۔ اس کے گھٹنے دونوں طرف ٹیلوں کی دیواروں سے لگنے لگے۔ اُس نے ٹانگیں سمیٹ کر اونٹ کی کوہان پر رکھ دیں۔ پچھلے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اونٹوں کے پہلو دائیں بائیں لگتے تھے تو مٹی نیچے گرتی تھی۔ ٹیلا دو حصوں میں کٹ کر دور اوپر تک چلا گیا تھا۔ اونٹوں کے ہچکولوں سے یوں لگتا تھا جیسے ٹیلے کے دونوں حصے ہل رہے ہوں اور دونوں مل کر اونٹوں کو سواروں سمیت یہیں دبا لیں گے۔ آگے جا کر اوپر دیکھا تو دور اوپر ٹیلے کے دونوں حصوں کی چوٹیاں آپس میں مل گئی تھیں۔ آگے اندھیرا سا تھا لیکن دور آگے روشنی سی نظر آتی تھی جس سے اُمید بندھ گئی کہ گلی وہاں ختم ہو جائے گی اور آگے جگہ فراخ ہے۔

گلی نے اب سُرنگ کی صورت اختیار کر لی تھی جس میں اونٹوں کے پاؤں کی آوازیں ڈراؤنی سی گونج پیدا کرتی تھیں۔ مارکونی بڑھتا گیا۔ وہاں بھی ایک راستہ تھا اس لیے غلطی کا امکان کم تھا۔ سامنے روشنی کا جو دھبہ تھا وہ پھیل سا تھا۔ سرنگ ختم ہو رہی تھی ۔۔۔۔ اور جب وہ سُرنگ کے دہانے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اونٹ سواروں سمیت نہیں گزر سکیں گے۔ سوار اونٹوں کی گردنوں پر آ کر نیچے اترے کیونکہ پہلوؤں سے نہیں اترا جا سکتا تھا۔ اونٹوں کو بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔ آگے دیکھا تو چاروں طرف کسی پرانے قلعے کی بڑی ہی بلند دیواریں نظر آئیں مگر یہ قلعہ قدرتی تھا۔ پہاڑیوں کی شکل ایسی تھی کہ تین چار سو گز تک ڈھلان تھی اور وہاں سے پہاڑیاں سیدھی اوپر کو اُٹھ گئی تھیں بعض اونچی تھیں بعض کم بلند۔ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جگہ ہر طرف سے بند ہو۔ گھوم پھر کر دیکھا تو ایک پہاڑی کے ساتھ اتنی جگہ تھی جس پر پیدل چلا جا سکتا تھا۔

مارکونی نے اونٹوں کو وہیں بٹھا دیا اور پیدل چل پڑے۔ پہاڑی گولائی میں مڑ گئی تھی۔ پاؤں جما کر رکھنا پڑتا تھا کیونکہ ریت اور مٹی تھی جس سے پاؤں ڈھلان کی طرف مڑ کر گر سکتا تھا۔ یہ دراصل کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا چلنے کی صرف جگہ تھی۔ زمین اور ٹیلے بتا رہے تھے کہ صدیوں سے یہاں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔ یہ چلنے کی جگہ یا راہ آگے گئی تو مارکونی اور اس کے ساتھیوں کے دل اُچھل کر حلق تک آ گئے۔ ڈھلان سخت ہو گئی تھی اور نیچے جا کر کسی بڑی ہی اونچی دیوار کی منڈیر بن گئی تھی۔ دائیں طرف پہاڑی تھی جس کے پہلو میں وہ قدم جما جما کر چل رہے تھے مگر بائیں طرف زمین دور نیچے چلی گئی تھی۔ یہ ایک بڑی وسیع اور بہت ہی گہری کھائی تھی۔ وہاں سے گرنے کا نتیجہ صرف موت تھا۔ کھائی کے دوسرے کناروں پر اسی طرح کے پہاڑ تھے جس کے ساتھ وہ چل رہے تھے۔

ایسے خطرناک مقام پر آ کر مارکونی کے ایک ساتھی نے اُس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ ریمیس فرعون کا جنازہ اس جگہ سے گزارا گیا ہوگا؟"

"احمر درویش نے یہی راستہ بتایا ہے"۔ مارکونی نے کہا۔ "جہاں تک میں نقشے کو سمجھ سکا ہوں، ہمارے گزرنے کا راستہ یہی ہے۔ ریمیس کا تابوت کسی اور طرف سے گزارا گیا تھا۔ میں وہ راستہ معلوم کرنا ہے۔ وہ کوئی خفیہ راستہ تھا جو صدیوں کی آندھیوں اور زمین کی تبدیلیوں نے بند کر دیا ہوگا۔ اگر وہ راستہ مل گیا تو ہم مدفن تک پہنچ جائیں گے"۔

"اگر زندہ رہے تو!"

"میں اس کے متعلق یقین تو نہیں دلا سکتا"۔ مارکونی نے کہا۔ "یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ مدفن مل گیا تو تم دونوں کو مالا مال کر دوں گا"۔

راستہ چوڑا ہو گیا اور کھائی ختم ہو گئی۔ اب وہ دو ایسی پہاڑیوں کے درمیان جا رہے تھے جن کے دامن ملے ہوئے تھے مگر کچھ ہی دور آگے پہاڑیاں مل گئی تھیں۔ وہ وہاں تک پہنچے تو انہیں بائیں طرف اوپر چڑھنا پڑا۔

کری ایک سو گز اور اوپر جا کر انہیں ایک گلی سی نظر آئی جو نیچے کو جا رہی تھی۔ وہاں سے اردگرد دیکھا تو دُور دُور تک پہاڑیوں کے ستون اوپر کو گئے ہوئے تھے۔ منظر ہیبت ناک تھا۔ وہ نیچے اترتے گئے۔ یہ گلی کئی ایک موڑ مڑ کر انہیں ایک فراخ جگہ لے گئی جو گولائی میں تھی۔ یہاں کی گرمی ناقابلِ برداشت تھی چوٹیوں کے قریب پہاڑیاں بیر چمک سی تھی۔ وہاں کی مٹی میں کسی دھات کی آمیزش تھی۔ اسی کی تپش سے گرمی زیادہ تھی۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ سوائے چند گز جگہ کے۔ وہاں گئے تو خوف سے تینوں پیچھے ہٹ آئے۔ وہ بہت گہرا نشیب تھا۔ وسعت بھی زیادہ تھی اس کی تہہ پر ریت چمک رہی تھی اور سورج کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ ریت سے دھواں سا اٹھتا اور لرزتا نظر آتا تھا۔ اس سے اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

اس اتنے گہرے نشیب کے آمنے سامنے کے کناروں کو ایک قدرتی دیوار ملاتی تھی۔ یہ نیچے سے اوپر تک تھی۔ یہ دراصل مٹی اور ریت کا دیوار نما ٹیلا تھا جو نیچے سے بھی اتنا ہی چوڑا تھا جتنا اوپر سے۔ اس کی چوڑائی ایک گز سے کم تھی۔ کہیں سے گولائی میں تھی جس پر چلنا خطرناک تھا۔ اگر مارکونی کو پار جانا ہی تھا تو یہی ایک راستہ تھا جو پل صراط کی مانند تھا۔ اس کی لمبائی پچاس گز سے زیادہ ہی تھی۔ مارکونی کے ایک ساتھی نے اُسے کہا "میرا خیال ہے اس دیوار پر چلنے کی بجائے تم خودکشی کا کوئی بہتر طریقہ اختیار کرو گے۔"

"خزانے راستے میں پڑے نہیں ملا کرتے" مارکونی نے کہا "ہمیں اسی راستے سے پار جانا ہے۔"

"اور پھسل کر نیچے جہنم کی آگ میں گرنا ہے" ... دوسرے ساتھی نے کہا۔

"کیا ہم نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف نہیں اٹھایا کہ صلیب کی عظمت اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے جانیں قربان کر دیں گے؟" ... مارکونی نے کہا ... "کیا میدانِ جنگ میں ہمارے ساتھی صلیب پر جانیں قربان نہیں کر رہے؟ میں بزدلوں کی طرح یہیں سے واپس ہو کر احمد درویش کو یقین دلا سکتا ہوں کہ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد اب تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ جہاں ندی تھی وہاں چٹانیں ہیں اور جہاں نقشہ چٹانیں دکھاتا ہے وہاں کچھ بھی نہیں ہے مگر میں بزدل نہیں ہوں گا۔ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرے دل پر خوف طاری ہو چکا ہے۔ میں اس کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ میرے خوف میں اضافہ نہ کرو دوستو! اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو صلیب سے دھوکہ کرو گے اور اس کی سزا بڑی اذیت ناک ہوگی۔ میں تمہارے آگے آگے چلتا ہوں۔ جہاں پھسلنے کا خطرہ محسوس کرو وہاں اس طرح بیٹھ جانا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں پھر آگے سرکتے رہنا۔"

☆

یہ مطالبہ کہ وہ ایک رقاصہ کو اپنے ساتھ رکھے گا کوئی عجیب یا غیرمعمولی مطالبہ نہ تھا۔ البتہ قدوسی کو اپنے ساتھ لے جانا کچھ عجیب سا تھا۔ قدوسی ایک جواں سال رقاصہ تھی جو صرف امراء اور دولت مند افراد کے ہاں جاتی تھی۔ وہ سوڈان کی رہنے والی تھی اور مسلمان۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی مگر اُس کے ناز و ادا میں جو جادو تھا اُس نے بڑے بڑے لوگوں کے دماغ خراب کر رکھے تھے۔ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ قدوسی مارکونی کے ساتھ صحرا میں چلی جائے گی۔ مارکونی اس کے بغیر جانے پر رضامند نہیں ہو رہا تھا۔ احمد درویش کو آخر یہ وعدہ کرنا پڑا کہ وہ قدوسی کو اس

کے ساتھ بھیج دے گا۔

اُسی روز پچاس آدمیوں کی تلاش شروع ہو گئی۔ قاہرہ میں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی کمی نہیں تھی۔ مارکونی زیادہ تر آدمی انہی میں سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اُس کے اعتماد کے آدمی تھے۔ احمد بھی اسی گروہ سے آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہتا تھا۔ سلطان ایوبی کے اس جرنیل نے اپنا ایک تخریب کار گروہ تیار کر رکھا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ اُن کے اغراض و مقاصد صلیبیوں والے تھے۔ احمد درویش نے اپنا ایمان نیلام کر کے ان چند ایک مسلمانوں کو بھی ایمان فروش بنا دیا تھا۔ یہ سب صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے تھے اور ان کا اٹھنا بیٹھنا حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔

قدوسی کے پاس مارکونی خود احمد درویش کا پیغام لے کر گیا۔ احمد معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ وہ فوجی حاکم تھا اور مصر پر عملاً فوج کی حکومت تھی۔ ویسے بھی قدوسی احمد کے زیرِ اثر تھی۔ اُس نے بادل نخواستہ ہاں کر دی لیکن مارکونی نے اُسے یہ بتا کر کہ وہ فرعون کے مدفن میں سے ہیرے جواہرات نکالنے جا رہا ہے قدوسی پر ایسا نشہ طاری کر دیا کہ وہ فوراً روانہ ہونے کو تیار ہو گئی۔ مارکونی منجھا ہوا چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے قدوسی کو ملکہ قلوپطرہ بنا دیا۔ قدوسی ایک رقاصہ تھی جس کے کوئی جذبات نہیں تھے۔ اُسے اپنے جسم و اپنے حسن، اپنے فن اور زر و جواہرات سے پیار تھا۔ وہ اُن عورتوں میں سے تھی جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتی ہیں کہ اُن کے حسن و جوانی کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ مارکونی نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ فرعون کے مدفن سے برآمد ہونے والا خزانہ کہاں اور کیوں صرف کیا جائے گا۔

پچاس آدمیوں کی تلاش میں پندرہ بیس دن لگ گئے۔ ان میں زیادہ تعداد صلیبی تخریب کاروں کی تھی باقی مسلمان تھے۔ وہ بھی صلیبیوں کے ہی تخریب کار تھے۔ سب اونٹوں پر سوار ہو کر قاہرہ سے نکل گئے تھے لیکن وہ اکٹھے روانہ نہ ہوئے۔ تین تین چار چار کی ٹولیوں میں مسافروں اور تاجروں کے روپ میں نکلے۔ قدوسی کو ہے۔ وہاں چوڑائی اتنی کم تھی کہ کھڑے ہو کر چلا نہیں جا سکتا تھا۔ مارکونی بیٹھ گیا اور گھوڑے کی سواری کی پوزیشن میں ٹانگیں اِدھر اُدھر کر کے آگے کو سرکنے لگا۔ دیوار کی چوڑائی کم اور گول ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نیچے کو سرک گیا۔ اس کے پیچھے اس کا ایک ساتھی بھی آگے چلا گیا۔ اچانک تیسرے ساتھی کی بے حد گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی ... "مارکونی مجھے پکڑنا" ... مگر اُس تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ کوئی سہارا نہ ہونے کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ اُس کی چیخیں سنائی دیتی رہیں جو مدھم ہی دُور ہوتی گئیں، پھر دھمک کی آواز آئی۔ چیخیں بند ہو گئیں۔ انجام ظاہر تھا۔ مارکونی نے نیچے دیکھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ گر کر مرنے والے کی چیخوں کی گونج ابھی تک اس دہشت ناک ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔

"مجھے اپنے ساتھ رکھو مارکونی!" ... دوسرے ساتھی نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی ... "میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

مارکونی نے اُس کا حوصلہ بڑھایا اور آگے بڑھنے لگا۔ دیوار اوپر اٹھ رہی تھی۔ مارکونی بیٹھے بیٹھے آگے

سرکتا گیا۔ رونے کی آوازیں بدستور آرہی تھیں اور ان کے تیسرے ساتھی کی چیخوں کی گونج اس طرح بھٹک رہی تھی جیسے اوپر جا کر اُن کے اوپر منڈلا رہی ہو..... دیوار کچھ چوڑی ہوگئی۔ مارکونی نے گھوم کر اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اوپر کرلیا۔ آگے وہ ذرا اطمینان سے چل سکتے تھے لیکن ہوا کے جھونکے اتنے تیز تھے کہ اُن کے لیے توازن قائم رکھنا ذرا مشکل تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور دیوار ختم ہوگئی۔ آگے زمین اور پہاڑیاں کچھ سخت تھیں۔ دو چٹانوں کے درمیان تنگ سا راستہ تھا۔ وہ اس میں داخل ہوگئے۔ مارکونی کے ساتھی نے اس سے پوچھا — "جیفرے مر چکا ہوگا؟ اُسے بچایا یا دیکھا نہیں جا سکتا؟"

مارکونی نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ بھری اور نفی میں سر ہلایا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس نے کچھ کہے بغیر اپنے ساتھی کے کندھے پر تھپکی دی اور آگے چل پڑا۔ یہ بھی ایک گلی سی تھی جو فراخ ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی سے کہا — "ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم جہاں جاتے ہیں وہاں ایک ہی راستہ ملتا ہے۔ ایک سے زیادہ راستے ہوں تو بھٹک جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔"

یہ گلی ختم ہوگئی۔ آگے جگہ کشادہ ہوتے ہوتے بہت ہی کھل گئی اور زمین اوپر کو اٹھتی گئی۔ ہوا ابھی تک تیز تھی۔ مارکونی کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس ہیبت ناک علاقے میں کتنی دُور اندر پہنچ گیا ہے۔ اُسے صرف یہ احساس رہ گیا تھا کہ دنیا سے اُس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔ وہ صلیب کے نام پر دیوانہ ہُوا جا رہا تھا۔ فرعون کا مدفن تلاش کرنے کا مقصد اُس کے سامنے یہی تھا کہ اس سے نکلے ہوئے خزانے سے مسلمانوں کو خرید کر انہیں سلطنتِ اسلامیہ کے ہی خلاف استعمال کیا جائے گا اور دنیا میں صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ وہ اپنے ڈرے ہوئے ساتھی کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ ہوا اُسی طرف سے آرہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں دائیں اور بائیں کو ہٹ گئی تھیں اور سامنے آسمان نظر آرہا تھا۔ مارکونی چڑھائی چڑھ رہا تھا۔ وہ رُک گیا اور ہوا کو سُونگھ کر بولا — "تم بھی سونگھو۔ ہوا میں جو بُو ہے وہ صحرا کی نہیں۔"

"تمہارا دماغ جواب دے رہا ہے۔" اُس کے ساتھی نے کہا — "صحرا میں صحرا کی بُو نہیں ہے تو اور کس کی ہے؟ تم اطالوی ہو شاید؟ شاید تمہیں اپنے گھر کی بُو آرہی ہے۔"

مارکونی کے چہرے پر کچھ اور تاثر تھا۔ وہ ہوا کو سونگھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا — "تم شاید ٹھیک کہتے ہو میرے دماغ پر صحرا کی صعوبت کا اثر ہوگیا ہے۔ یہاں پانی نہیں ہو سکتا۔ میں شاید خیالوں میں کھجوریں، سبزے اور پانی کی بُو سونگھ رہا ہوں۔ میں اس بُو سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ میرا تجربہ ہے، مگر میرے سونگھنے کی حِس مجھے دھوکہ دے رہی ہے۔ اس جہنم میں پانی کی بُوند بھی نہیں ہو سکتی۔"

"مارکونی!" اُس کے ساتھی نے اُس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا اور کہا — "میں بھی ایک بُو سونگھ رہا ہوں، موت کی بُو۔ مجھے موت اپنی طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ آؤ دوست! جدھر سے آئے ہیں اُدھر ہی لوٹ چلیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں بزدل ہوں تو مجھے میدانِ جنگ میں بھیج دو۔ ایک سو مسلمانوں کو کاٹنے سے پہلے نہیں مروں گا۔"

مارکونی زیادہ باتیں کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر کہا — "ہم ایک سو نہیں ایک ہزار مسلمانوں کو کاٹیں گے اور مریں گے نہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ ساتھی کو لے کر چڑھائی چڑھنے لگا۔ چڑھائی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ زمین آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ سورج آگے نکل گیا تھا۔ سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ ان دونوں کو تھکن نے چُور کر دیا تھا..... وہ آگے کو جھکے ہوئے بڑھتے گئے اور اوپر اٹھتی ہوئی انتہائی بلندی تک پہنچ گئے۔ ریت نے اُن کی آنکھیں بھر دی تھیں۔ مارکونی نے آنکھیں مل کر دیکھا۔ آگے ڈھلان تھی اور چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں۔ وہ ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا — "تم اگر ریگستان سے اچھی طرح واقف ہو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ سامنے دیکھو اور بتاؤ کہ یہ سراب تو نہیں؟"

اُس کے ساتھی نے دیکھا۔ آنکھیں بند کیں، کھولیں اور غور سے دیکھا۔ اُس نے کہا — "یہ سراب نہیں ہو سکتا۔" وہ واقعی سراب نہیں تھا۔ انہیں کھجوروں کے کئی ایک درختوں کی چوٹیاں نظر آرہی تھیں۔ پتے ہرے تھے۔ درخت نشیبی جگہ میں معلوم ہوتے تھے اور کچھ دُور بھی تھے۔ مارکونی ٹیکری سے آگے چلا گیا۔ وہ اب دوڑ رہا تھا۔ اُس کا ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ وہاں عجیب و غریب شکلوں کی ٹیکریاں تھیں۔ بعض ایسی جیسے کوئی انسان گھٹنوں میں سر دے کے بیٹھا ہو۔ کچھ بڑی تھیں کچھ چھوٹی۔ مارکونی ان میں سے راستہ تلاش کرتا دوڑا جا رہا تھا۔ سورج پہاڑیوں کی چوٹیوں کے قریب چلا گیا۔ مارکونی کا سانس پھولنے لگا۔ اُس کا ساتھی قدم گھسیٹتا جا رہا تھا۔ مارکونی اچانک رُک گیا اور آہستہ آہستہ یوں پیچھے ہٹنے لگا جیسے اُس نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔ اُس کا ساتھی اُس سے جا ملا اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

☆

اُن دونوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ انہیں ایک نشیب نظر آرہا تھا۔ یہ کم و بیش ایک میل وسیع اور عریض تھا۔ اس کے اردگرد مٹی اور ریت کی اونچی اونچی قدرتی دیواریں تھیں۔ گہرائی کا یہ علاقہ سرسبز تھا۔ کچھ اونچا نیچا بھی تھا۔ وہاں کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں پانی کی بہتات تھی۔ ایسے جہنم میں ایسا سرسبز گوشہ فریبِ نگاہ نہیں تھا۔ وہ اسی خطے کی بُو تھی جو مارکونی نے سونگھی تھی۔ مارکونی کو اس جگہ سے کچھ آگے ایسی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں جو ریت اور مٹی کی نہیں بلکہ پتھروں اور پتھریلی سِلوں کی تھیں۔ اُن کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ اس جہنمی خطے کے باہر سے یہ پہاڑیاں نظر نہیں آتی تھیں اور اس سرسبز جگہ کا تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مارکونی نے تیزی سے بیٹھ کر اپنے ساتھی کو بھی بازو سے پکڑ کر بٹھا دیا۔ انہیں ایک اور عجیب چیز نظر آگئی تھی۔ یہ دو انسان تھے جو نشیب میں اسی طرف آرہے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک ننگے تھے۔ اُن کے رنگ سُنہرے بادامی اور اُن کے چہرے اچھے خاصے تھے۔ کہیں سے ایک عورت نکلی۔ وہ کسی اور طرف جا رہی تھی۔ وہ بھی سر سے پاؤں تک ننگی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور کمر تک لمبے تھے۔ شکل و صورت سے یہ لوگ حبشی

اور جنگلی نہیں لگتے تھے۔

"یہ بدروحیں ہیں"۔ مارکونی کے ساتھی نے کہا۔ "یہ انسان نہیں ہو سکتے۔ مارکونی! سورج غروب ہونے والا ہے۔ اٹھو، پیچھے کو بھاگ چلیں۔ رات کو یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

مارکونی انہیں بدروحیں سمجھتے ہوئے بھی کہہ رہا تھا کہ یہ انسان ہو سکتے ہیں۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ وہ ہوا میں اُڑ نہیں رہے تھے، زمین پر چل رہے تھے۔ دُور انہیں تین بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دوڑتے نظر آئے۔ ان سب کی حرکتیں ایسی تھیں جن سے یقین ہوتا تھا کہ یہ انسان ہیں۔ مارکونی پیٹ کے بل سرکتا آگے چلا گیا۔ اُس کا ساتھی بھی اُس کے پہلو میں جا لیٹا۔ وہ جہاں لیٹ کر دیکھ رہے تھے وہاں کی دیوار عمودی نہیں کچھ ڈھلانی تھی اور ریت زیادہ تھی۔ مارکونی کے ساتھی نے غالباً اور آگے ہونے کی کوشش کی یا جانے کیا ہوا، وہ نیچے کو سرک گیا اور لڑھکتا ہوا نیچے جا پڑا۔ وہاں سے اوپر آنا ممکن نہیں تھا۔ مارکونی پیچھے کو سرک کر ایک ایسی ٹیکری کی اوٹ میں ہو گیا جہاں سے وہ نیچے دیکھ سکتا تھا۔ یہ ڈھلان جہاں سے ساتھی گرا تھا تیس چالیس گز اونچی ہو گی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی کو اٹھتے دیکھا۔ وہ ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مارکونی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دو ننگے آدمی جو اسی طرف آ رہے تھے دوڑ پڑے۔ مارکونی نے انہیں اوپر سے دیکھ لیا۔ اُس کے ساتھی نے نہ دیکھا۔ مارکونی اُسے آواز نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہاں کوئی اور انسان بھی ہے۔ اُن دو آدمیوں نے مارکونی کے ساتھی کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ اُس کے پاس خنجر تھا اور ایک چھوٹی تلوار بھی، مگر ہتھیار نکالنے کا موقع نہ ملا۔ اُن آدمیوں نے اُسے نیچے گرا لیا۔ وہ عورت جو کہیں جا رہی تھی دوڑتی آئی۔ اُدھر سے بچے بھی آ گئے۔ انہوں نے اپنی زبان میں کسی کو پکارا۔ معلوم نہیں کہاں سے دس بارہ آدمی جو سب ننگے تھے دوڑتے آئے۔ ایک نے مارکونی کے ساتھی کی کمر سے تلوار نکال لی۔ اُسے گرا لیا گیا اور مارکونی نے دیکھا کہ تلوار سے اس کے ساتھی کی شہ رگ کاٹ دی۔ سب آدمی ناچنے لگے۔ وہ کچھ گا بھی رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔ اتنے میں ایک ضعیف العمر انسان آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنے قد جتنا لمبا عصا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب ایک طرف ہٹ گئے۔

یہ بوڑھا بھی ننگا تھا۔ اس کے عصا کے اوپر والے سرے پر دو سانپوں کے پھن بنے ہوئے تھے۔ یہ فرعون کا امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔ بوڑھے نے مارکونی کے ساتھی کے جسم کو ہاتھ لگایا۔ وہ اب تڑپ نہیں رہا تھا، مر چکا تھا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ تمام ننگے انسان جن میں چند ایک عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی سجدے میں گر پڑے۔ بوڑھا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ پھر اوپر کیا اور سب سجدے سے سر اٹھا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بوڑھے کو ڈھلان کی طرف اشارہ کر کے بتایا جا رہا تھا کہ یہ آدمی اُدھر سے نیچے آیا ہے۔ بوڑھے کے اشارے پر وہ لوگ مارکونی کے ساتھی کی لاش کو اٹھا لے گئے۔

مارکونی کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ یہ پُراسرار انسان اوپر آ کر ہر طرف دیکھیں گے کہ نیچے گرنے والے کے ساتھی بھی اوپر

ہل گئے۔ وہ کچھ دیر وہیں سے نیچے دیکھتا رہا۔

پھر سورج غروب ہو گیا۔ مارکونی نے موت کو قبول کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ اس جگہ اور ان لوگوں کے بھید کو پانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے ہاتھ میں چھوٹی تلوار لے لی اور اِدھر اُدھر دیکھتا ایک اور سمت چل پڑا۔ شام اندھیری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اُوپر ہی اوپر سے اُس طرف جا رہا تھا جس طرف وہ اُس کے ساتھی کو لے گئے تھے۔ وہاں کوئی آہٹ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ ڈراؤنا سا سکوت تھا۔ وہ دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتا آگے ہی آگے چلتا گیا۔ وہ نشیب کی گولائی کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اُسے دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جب یہ آوازیں بلند ہوئیں تو یہ ناچنے اور گانے کا ترنم اور ہنگامہ تھا۔ وہ ان آوازوں کی سمت گیا تو اُسے ایک اور منظر نظر آیا۔ بائیں طرف ایک اور وسیع نشیبی جگہ تھی۔ کئی مشعلیں جل رہی تھیں۔ وہاں بھی سبزہ تھا جہاں کم و بیش پچیس مرد، عورتیں اور بچے آہستہ آہستہ ناچ اور گا رہے تھے۔ اُن کے درمیان بہت سی آگ جل رہی تھی۔ اُس کے ذرا اوپر ایک انسانی جسم سر اور پاؤں سے باندھ کر زمین کے متوازی لٹکائی ہوئی تھی۔ اُسے گھمایا جا رہا تھا۔ یہ مارکونی کا ساتھی تھا جسے بھونا جا رہا تھا۔ مارکونی یہ ہولناک منظر دیکھتا رہا ـــــ اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ بوڑھے نے اُس کے ساتھی کے جسم سے گوشت کاٹ کر سب میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

مارکونی کے دل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہاں سے اُدھر کو واپس چل پڑا جدھر سے آیا تھا۔ اُسے راستہ یاد تھا۔ وہ چوکنا ہو کر چلا جا رہا تھا۔ وہ اُس دیوار پر پہنچا جو تصوروں سے زیادہ گہرے نشیب میں کھڑی تھی جس سے اُس کا ایک ساتھی گرا تھا۔ وہ جب دیوار کے درمیان اُس جگہ پہنچا جہاں سے اُس کا ساتھی گرا تھا اُسے وہاں نیچے غرانے اور بھونکنے کی دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سمجھ گیا کہ صحرائی لومڑیاں اُس کے ساتھی کو کھا رہی ہیں۔ اُس کے دوسرے ساتھی کو تو انسان کھا گئے تھے۔ اب ہوا تیز نہیں تھی۔ وہ تاریکی میں سنبھل سنبھل کر چلتا اور سرکتا دیوار سے گزر گیا۔۔۔ رات کے پچھلے پہر وہ اُس جگہ پہنچا جہاں تین اونٹ بیٹھے تھے۔ اُس نے اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ اونٹوں کے ساتھ بندھا ہوا پانی پی لیتا۔ وہ ایک اونٹ پر بیٹھا، دو اونٹوں کو ساتھ لیا اور چل پڑا۔

☆

وہ اگلے دن کی شام تھی جب مارکونی ایک معزز مصری سوداگر کے روپ میں احمر درویش کے گھر میں داخل ہوا۔ احمر نے اسے دیکھتے ہی پوچھا ـــــ "تم اکیلے ہو۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟"

مارکونی جواب دینے کی بجائے بیٹھ گیا۔ اُس کے تو ہوش ہی ٹھکانے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اُس نے احمر کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اُسے ایک ایک لمحے اور ایک ایک قدم کی روئیداد سنائی۔ احمر کو مارکونی کے دو ساتھیوں کے مرنے کا ذرہ بھر افسوس نہ ہوا۔ اُس نے جب سنا کہ ایک ساتھی کو ننگے آدم خوروں نے کھا لیا ہے تو اُس نے خوشی سے اچھل کر پوچھا ـــــ "کیا تم نے اپنی آنکھوں دیکھا تھا کہ اُن میں سے کسی کے

بھی جسم پر کپڑا نہیں تھا؟... بوڑھے کے عصا پر دو سانپوں کے جو پھن تم نے دیکھے تھے؟... تم نے اچھی طرح دیکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے آدمی کا گوشت کھا لیا تھا؟"

"میں خواب کی باتیں نہیں سنا رہا۔" مارکونی نے جھنجھلا کر کہا۔ "مجھ پر جو بیتی ہے میں وہ سنا رہا ہوں۔ میں نے یہ اپنی آنکھوں دیکھا ہے جو سنا رہا ہوں۔"

"فرعون بھی یہی سنا رہے ہیں جو تم نے سنایا ہے۔" احمر درویش نے اٹھ کر مارکونی کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اُسے مسرت کی شدت سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا — "تم نے بھید پا لیا ہے۔ مارکونی! یہی ہیں وہ لوگ جن کی مجھے تلاش تھی۔ یہ قبیلہ سولہ صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زمانہ انہیں انسان کا گوشت کھانے پر مجبور کر دے گا۔ تم یہ تحریریں نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے پڑھ لی ہیں۔ لکھا ہے کہ خزانوں کی حفاظت سانپ کیا کرتے ہیں لیکن میرے مدفن کی حفاظت انسان کریں گے جو صدیوں بعد سانپ اور درندے بن جائیں گے۔ میرے مدفن کی حدود میں کوئی انسان داخل ہوگا اُسے میرے محافظ کھا جایا کریں گے۔ وقت اور زمانہ انہیں ننگا کر دے گا لیکن میں نے جہاں اپنا دوسری دنیا کا گھر بنایا ہے وہ جگہ ان کی ستر پوشی کرے گی۔ باہر کا کوئی مرد ان کی عورت پر نظر نہیں ڈال سکے گا۔ جو نظر ڈالے گا وہ وہاں سے زندہ نہیں جا سکے گا۔"

"میں زندہ واپس آگیا ہوں۔" مارکونی نے کہا۔

"اس لیے کہ تم نیچے نہیں گئے۔" احمر نے کہا — "تم نے جن سیاہ رنگ کے پتھریلے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے وہ پہاڑ اپنے دامن میں کہیں رمسیس کی حنوط کی ہوئی لاش اور خزانے چھپائے ہوئے ہیں.... اور یہ ننگے لوگ؟ — ان کے آباؤ اجداد رمسیس کے وقت سے وہاں پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ مرتے رہے، اُن کی نسل آگے بڑھتی رہی اور پندرہ سولہ صدیاں گزر گئیں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ وہ زندہ کس طرح رہتے ہیں۔ شاید درندوں کی طرح صحرا کے مسافروں کے شکار میں رہتے اور انہیں بھون کر کھا لیتے ہیں۔ وہاں پانی کی افراط ہے۔ کھجوروں کی کمی نہیں۔ ان کا زندہ رہنا حیران کُن نہیں۔ وہ آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہیں۔ اگر اُن کے عقیدے ٹوٹ چکے ہوتے تو وہاں نہ ہوتے.... تم نے ان کے پاس کوئی ہتھیار دیکھے تھے؟"

"نہیں!"

"اُن کی تعداد کا کچھ اندازہ؟"

"رات کو وہ جب اکٹھے تھے تو پچیس تھے۔"

"وہ اس سے زیادہ ہو بھی نہیں سکتے۔" احمر درویش نے کہا۔

"ہاں!" مارکونی نے کہا — "میں نے اُن کے پاس دو اونٹ بھی دیکھے تھے۔ اونٹ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں مگر میں نے صرف دو دیکھے تھے۔"

"پھر وہ باہر آتے ہوں گے۔" احمر درویش نے کہا — "وہ باہر ضرور آتے ہوں گے۔ مسافروں کو پکڑنے کے لیے انہیں باہر آنا ہی پڑتا ہوگا.... سنو مارکونی! غور سے سنو۔ وہاں کوئی ایسا سیدھا راستہ ضرور ہے جس سے وہ

باہر آتے اور اندر جاتے ہوں گے۔ یہ پہاڑوں کا کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔ میں نے تمہیں جو راستہ بتایا تھا، وہ آنے جانے کا ایسا راستہ نہیں جس سے بار بار آیا جایا جا سکے۔ وہاں کوئی اور راستہ ہے جو ان ننگے آدم خوروں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں اس کی ترکیب سوچ چکا ہوں۔ ترکیب یہ ہے کہ وہاں باقاعدہ حملہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہے ہمیں اُس دیوار نما ٹیلے سے جس سے تمہارا ایک ساتھی گر کر مرا ہے کچھ اور آدمی گرا کر مارنے پڑیں لیکن یہ قربانی ضروری ہے۔ بتاؤ پچیس تیس نہتے آدمیوں کو جن میں بچے اور عورتیں بھی ہیں مارنے کے لیے اور اُن میں دو تین کو زندہ پکڑنے کے لیے تمہیں کتنے آدمی درکار ہیں؟ کم سے کم تعداد بتاؤ۔ تم ان آدمیوں کے راہنما اور سربراہ ہو گے۔"

"میں ترکیب سمجھ گیا ہوں۔" مارکونی نے کہا — "ایک ترکیب میرے دماغ میں بھی آئی ہے۔ ہم انہیں قتل کر سکتے ہیں۔ دو تین کو زندہ پکڑ سکتے ہیں لیکن میں آپ کو یہ یقین نہیں دلا سکتا کہ وہ اس جگہ کے تمام بھید ہمیں بتا دیں گے۔ اپنے قبیلے کو مرتا دیکھ کر وہ بھی مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، بتائیں گے کچھ نہیں۔ میں ایسی ترکیب کروں گا کہ ان میں سے ایک دو آدمی باہر کو بھاگ اٹھیں اور اُن کا تعاقب کیا جائے۔ راستہ معلوم ہو جائے گا۔"

"تم دانشمند ہو مارکونی!" احمر درویش نے کہا — "بتاؤ کتنے آدمی دوں؟"

"پچاس!" مارکونی نے جواب دیا اور کہا — "زیادہ تر آدمی میرے منتخب کیے ہوئے ہوں گے۔ میں انہیں تلاش کر لوں گا، مگر مہم کے آغاز سے پہلے میں اپنی شرطیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں منہ مانگا انعام ملے گا۔" احمر نے کہا۔

"مجھے خزانے سے حصہ ملنا چاہیے۔" مارکونی نے کہا — "اتنی خطرناک مہم میرے فرائض میں شامل نہیں۔ میں جاسوس اور تخریب کار ہوں۔ مجھے خزانے کی تلاش کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ یہ آپ کی ذاتی مہم ہے۔ میں انعام نہیں، منہ مانگا حصہ لوں گا۔ اگر آپ کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو آپ کو ایک ریاست کی حکمرانی مل جائے گی۔ میں جاسوس کا جاسوس رہوں گا۔"

"یہ مہم اور یہ منصوبہ ذاتی نہیں۔" احمر درویش نے کہا۔ "یہ مصر، صلیب اور سوڈان کی حکمرانی کا منصوبہ ہے۔"

مارکونی اپنے مطالبے پر قائم رہا۔ احمر مجبور ہو گیا۔ اُسے احساس تھا کہ مارکونی کے سوا رمسیس کے مدفن تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ اُس کے مطالبے ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مارکونی نے کہا۔ "معلوم نہیں مجھے کتنے دن صحرا میں رہنا پڑے۔ میں ایسی سخت اور خشک خوراک پسند نہیں کروں گا۔ مجھے دو تین اونٹ ناقہ دیے جائیں جو میں اور میرے ساتھی بھون کر کھا سکیں اور مجھے تدومی دی جائے۔"

"تدومی؟" احمر درویش نے حیرت سے کہا — "اتنی نازک اور ایسی اعلیٰ درجے کی رقاصہ کو تمہارے ساتھ ایسی خطرناک مہم میں روانہ کر دوں؟ وہ جانے پر بھی راضی نہیں ہوگی۔"

"اُسے زیادہ معاوضہ پیش کریں وہ راضی ہو جائے گی۔" مارکونی نے کہا — "میں اُس کے لیے ایسا انتظام کروں گا کہ وہ محسوس ہی نہیں کر سکے گی کہ وہ صحرا میں ہے اور کسی خطرناک مہم میں شریک ہے۔ میں اس کی قدر و قیمت

سے واقف ہوں۔"

یہ اُس دَور کا واقعہ ہے جب دولت مند تاجر اپنی چہیتی بیویوں کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ بیاہی بیویوں میں سے کوئی پسند نہ ہو تو کسی من پسند طوائف یا رقاصہ کو منہ مانگا معاوضہ دے کر ہمسفر بنا لیتے تھے۔ فوجوں کے کمانڈر بھی جنگ کے دوران اپنی بیویاں یا کرائے کی خوبصورت عورتوں کو ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اُس دَور میں خوبصورت اور جوان عورت کو سونے سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں اور یہودیوں نے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے عورت کو استعمال کیا تھا۔ مارکونی جیسے مہم جُو اور خطر پسند آدمی کا

اچانک گرم ہوا کے جھونکے تیز ہونے لگے۔ ریت اُڑنے لگی اور اس کے ساتھ عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو یا تین عورتیں اونچی آوازیں میں رو رہی تھیں۔ مارکونی کے ساتھی گھبرا گئے۔ مارکونی نے کان کھڑے کیے۔ ایک ساتھی نے اسے کہا۔ "اس دوزخ میں کوئی عورت زندہ نہیں ہو سکتی۔ یہ بدروحیں ہیں۔"

"یہ کچھ بھی نہیں ہے" ۔ مارکونی نے کہا ۔ "بدروحیں بھی نہیں۔ زندہ عورتیں بھی نہیں۔ یہ ہوا کی پیدا کی ہوئی آوازیں ہیں۔ اس علاقے میں بعض ٹیلوں میں لمبے لمبے سوراخ ہیں جو دونوں طرف کھلتے ہیں اور بعض چٹانوں کی شکل ایسی ہے کہ ان سے تیز ہوا کے جھونکے گزرتے ہیں تو اس قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں جو تم سُن رہے ہو۔ نیچے اتنی گہری اور اتنی وسیع کھائی ہے۔ اس پر یہ ننگے پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ آوازوں میں گونج پیدا کرتے ہیں۔ یہ گونج ہر طرف بھٹکتی رہتی ہے۔ ڈرو نہیں۔"

مگر اُس کے ساتھیوں پر ایسا خوف طاری ہو گیا تھا جس پر وہ قابو نہیں پا سکتے تھے۔ یہ آوازیں ہوا کی نہیں تھیں۔ قریب ہی کہیں عورتیں یا بدروحیں رو رہی تھیں۔ انہوں نے مارکونی کا پیش کیا ہوا فلسفہ تسلیم نہ کیا۔ آوازیں ہی ایسی تھیں۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ٹیلوں سے اور زمین سے ریت کے ہلکے ہلکے بادل اُٹھنے لگے تھے جن سے اب زیادہ دُور تک نظر نہیں آ سکتا تھا۔ مارکونی نے اس قدرتی دیوار پہ پہلا قدم رکھا جو اس بھیانک نشیب میں کھڑی تھی۔ وہاں جگہ اتنی کچی تھی کہ ریت اور مٹی میں پاؤں دھنس گیا۔ اُس نے دوسرا پاؤں آگے رکھا اور نیچے دیکھا گہرائی دیکھ کر وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اب اس گہرائی کی تہ بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ ریت اُڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی تہ ہے ہی نہیں۔ مارکونی چند قدم آگے چلا گیا۔ وہاں اس کے دائیں یا بائیں کوئی ٹیلا نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ہوا میں کھڑا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکوں نے اس کے جسم کو دھکیل دھکیل کر اُس کا توازن بگاڑ دیا۔ رونے کی آوازیں اور بلند ہو گئیں۔

اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "آرام آرام سے پاؤں جماتے آؤ۔ نیچے بالکل نہ دیکھنا۔ یہ تصوّر کرتے آنا کہ تم زمین پر چل رہے ہو۔"

اُس کے دونوں ساتھیوں پر پہلے ہی خوف طاری تھا۔ دیوار پر تین چار قدم آگے گئے تو ہوا کی تندی نے اُن کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ اُن کے جسم ڈولنے لگے۔ مارکونی اُن کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ وسط میں پہنچ گئے اور وہاں مارکونی نے دیکھا کہ دیوار ٹوٹی ہوئی ہے اور ذرا نیچے چلی گئی

ایک پردہ دار ڈولی سے بہروپ میں لے جایا گیا۔ مارکونی اس کا خاوند بنا۔ ان دونوں کے ساتھ دو آدمی تھے۔ ایک صلیبی تھا اور دوسرا مسلمان جس کا نام اسماعیل تھا۔ یہ احمر کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ اپنی ضرورت پوری کرانے پر بھی ہر جرم کر گزرتا تھا۔ کرائے کے قاتلوں میں سے بھی تھا۔ معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں تھی لیکن حیثیت والے لوگ اُسے سلام کرتے تھے۔ مارکونی بھی اُسے اچھی طرح جانتا تھا اور اسے اہم اور قابلِ اعتماد سمجھتا تھا۔ یہ سب الگ الگ راستوں سے روانہ ہوئے تھے۔ انہیں اشارے کر دیئے گئے تھے کہ وہ جگہ بتا دی گئی تھی جہاں انہیں اکٹھا ہونا تھا۔ اُن کے پاس تیر و کمان اور تلواریں تھیں۔ رستے اور کھانے پینے کا سامان تھا۔

سب سے پہلے مارکونی، اسماعیل، تندری اور اُن کا ایک صلیبی ساتھی وہاں پہنچے تھے۔ مارکونی انہیں اس پہاڑی علاقے کے اندر لے گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور انہوں نے خیمے لگا لیے تھے۔ اُسی رات اُن کے ساتھیوں کو پہنچ جانا تھا۔ اسماعیل تندری کو جانتا تھا۔ تندری اُس سے واقف نہیں تھی۔

☆

ایک وہ محاذ تھا جس پر نور الدین زنگی لڑ رہا تھا۔ اُس نے کرک کا قلعہ فتح کر کے وہاں کے اور مضافات کے علاقوں کے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ اُس کے گشتی دستے دُور دُور تک گشت کرتے تھے تاکہ صلیبی کسی طرف سے جوابی حملے کے لیے آئیں تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ ان دستوں کا تصادم صلیبی دستوں سے ہوتا رہتا تھا۔ زنگی تمام انتظامات سلطان ایوبی کی فوج کے حوالے کر کے بغداد واپس جانے کی تیاریاں کرنا چاہتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے انتظار میں تھا مگر سلطان ایوبی دوسرے محاذ پر لڑ رہا تھا جو صلیبیوں اور اُن کے پیدا کردہ غدّاروں نے مصر میں کھول رکھا تھا۔ یہ محاذ زیادہ خطرناک تھا۔ سلطان ایوبی اس زمین دوز محاذ پر لڑنے کی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ خوب مقابلہ کر رہا تھا مگر اُسے ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ ایک محاذ اور بھی کھل گیا ہے۔ یہ تھا فرعونوں کے مدفنوں کی تلاش۔

شام کے کھانے کے بعد سلطان ایوبی اُس کمرے میں گیا، جہاں وہ اپنے سالاروں اور دیگر حکام کو اکٹھا کر کے احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ وہاں فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کے علاوہ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس بھی تھے۔ سلطان ایوبی کو اُسی روز نور الدین زنگی کا ایک طویل تحریری پیغام ملا۔ اُس نے اس پیغام کے ضروری حصے کمانڈروں کو سنائے۔ زنگی نے لکھا تھا۔ "عزیز صلاح الدین! اللہ تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ اسلام کو تمہاری بہت ضرورت ہے۔ کرک اور گرد و پیش کے علاقے دشمن سے صاف ہو چکے ہیں۔ گشتی دستے جاتے ہیں، تو صلیبیوں کا کوئی دستہ کبھی کبھی ہمارے کسی دستے سے اُلجھ پڑتا ہے۔ صلیبی مجھ پر یہ رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ابھی یہیں ہیں۔ تمہارے تیار کیے ہوئے چھاپہ مار دستے تعریف کے قابل ہیں۔ بہت دُور تک چلے جاتے ہیں۔ تم نے اُن پر جو محنت کی ہے وہ اس کا صلہ دے رہے ہیں۔ تمہارے جاسوس ان سے بھی دلیر اور عقل مند ہیں۔ اُن کی نظروں سے میں اتنی دُور بیٹھا ہُوا دشمن کی ہر ایک حرکت دیکھ رہا ہوں ....

"تازہ اطلاع یہ ہے کہ صلیبی شاید جوابی حملہ نہ کریں۔ وہ ہمیں انگیخت کر رہے ہیں کہ ہم آگے جا کر اُن پر حملہ کریں۔ تم جانتے ہو کہ بیت المقدس جو ہماری منزل ہے اور قبلہ اوّل جو ہمارا مقصود ہے کتنی دُور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ

تم ان فاصلوں سے اور ان مسافتوں سے گھبرانے والے انسان نہیں لیکن فاصلے زیادہ نہیں دشواریاں اور رکاوٹیں زیادہ ہیں۔ بیت المقدس تک ہمیں بہت سے قلعے سر کرنے ہوں گے۔ ان میں چند ایک قلعے تو بہت مضبوط ہیں۔ صلیبیوں نے قبلۂ اول کا دفاع دُور دُور کی قلعہ بندیوں کی صورت میں بہت مضبوط کر رکھا ہے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ صلیبی اس کوشش میں ہیں کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور اطالویوں کا بحری بیڑہ متحدہ ہو جائے اور مصر پر حملہ آور ہو کر شمالی علاقے میں فوجیں اتار دے۔ تمہیں اس صورتِ حال کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ پیش بندی کر لو۔ تمہارے پاس دُور مار آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں زیادہ ہونی چاہیئیں۔ میں یہ مشورہ دوں گا کہ شمالی علاقے کی زمین اجازت دے تو دشمن کے بحری بیڑے کو ساحل تک آنے دو۔ وہاں مزاحمت نہ کرو۔ دشمن کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دو کہ اُس نے تمہیں بے خبری میں آن دبوچا ہے۔ فوجیں اُتر آئیں تو جہازوں پر آگ برساؤ اور صلیبی فوج کو اپنی پسند کے میدان میں گھسیٹ لاؤ۔۔۔۔

"میں تمہاری مجبوریوں سے بے خبر نہیں ہوں۔ تمہارے قاصد نے تمام حالات بتائے ہیں۔ ربِّ کعبہ کی قسم، صلیبیوں کی ساری بادشاہیاں طوفان کی طرح آ جائیں تو بھی اُمتِ رسول اللہؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اُمت لہو دینا جانتی ہے۔ یہ سرفروشوں کی اُمت ہے مگر ایمان فروشوں نے ہمیں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ تم قاہرہ میں قید ہو گئے ہو، میں بغداد سے نہیں نکل سکتا۔ عورت، شراب اور زر و دولت نے ہماری صفوں میں شگاف کر ڈالے ہیں۔ اگر ہمارے گھر میں سکون اور اعتماد ہوتا تو ہم دونوں صلیب کا مقابلہ کرتے مگر کفار نے ایسا طلسم پیدا کیا ہے کہ مسلمان بھی کافر ہو گئے ہیں۔ یہ کافر مسلمان اتنے مردہ ہو چکے ہیں کہ یہ احساس بھی نہیں رکھتے کہ اُن کا دشمن اُن کی بیٹیوں کی عصمت سے کھیل رہا ہے۔ کرک کے مسلمان بہت بُری حالت میں تھے۔ صلیبیوں نے اُن پر جو مظالم ڈھائے وہ سنو تو لہو کے آنسو روؤ۔ میں اپنی قوم کے غداروں کو کیسے سمجھاؤں کہ دشمن کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے۔۔۔۔

"تم نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تمہارے اپنے بھائی اور اچھے اچھے حاکم اور کماندار تمہارے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ صلاح الدین! افسوس اس پر نہیں کرو کہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ وہ غدار ہوئے اور یہ بھی افسوسناک ہے کہ صلیبی خوش ہو رہے ہوں گے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرا رہے ہیں۔ تم غداروں کو بخش نہیں سکتے۔ غدار کی سزا قتل ہے۔۔۔۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جب آؤ تو تمہارے ساتھ فوج زیادہ ہونی چاہیئے۔ صلیبی تمہیں قلعہ بندیوں میں لڑا کر تمہاری طاقت زائل کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کے راستے میں ہی تم بے دست و پا ہو جاؤ۔ تم جب آؤ تو مصر کے اندرونی حالات کو پوری طرح قابو میں کر کے آنا۔ سوڈانیوں کی طرف سے چوکنا رہنا۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ تمہارے سامنے کچھ مالی مسائل بھی ہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ بہتر ہے کہ اپنے مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرو، اور یہ کوشش بھی کرو کہ قاہرہ سے جلدی نکل آؤ لیکن اندر اور باہر کے حالات دیکھ کر وہاں سے نکلنا۔ اللہ تمہارا حامی ہے۔"

☆

صلاح الدین ایوبی نے مجلس کے حاضرین کو یہ پیغام پڑھ کر سنایا اور انہیں یہ اُمید افزا خبریں سنائیں کہ فوج میں شامل ہونے کے لیے دیہاتی علاقے سے لوگ آنے لگے ہیں، توہم پرستی کی جو مہم دشمن نے شروع کی تھی وہ ختم کر دی گئی ہے لیکن کہیں کہیں اس کے اثرات باقی ہیں۔ ایک فتنہ مسجدوں سے بھی اٹھا تھا۔ اُسے بھی دبا لیا گیا ہے۔ تین چار اماموں نے انہی توہمات کو جو صلیبیوں نے ہمارے مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا ایلچی بنا لیا تھا۔ ہمارے سامنے ایسے لوگ آئے ہیں جو کسی مصیبت کے وقت براہِ راست خدا سے دُعا مانگنے کے بجائے اماموں کو نذرانے دیتے رہے کہ وہ ان کے لیے دعا کریں۔ یہ وہم پھیلا دیا گیا تھا کہ عام آدمی خدا سے کچھ نہیں مانگ سکتا، نہ خدا اس کی سنتا ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا — "میں نے ان اماموں کو مسجدوں سے نکال دیا ہے اور مسجدیں ایسے اماموں کے حوالے کر دی ہیں جن کے نظریات اور عقیدے قرآن کے عین مطابق ہیں۔ وہ اب لوگوں کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ مسلمان کا خدا عالم اور بے علم کے لیے، امیر اور غریب کے لیے، حاکم اور رعایا کے لیے ایک جیسا ہے۔ وہ ہر کسی کی دعا سنتا ہے، اچھے عمل کی جزا اور بُرے عمل کی سزا دیتا ہے۔ میں اپنی قوم میں یہی قوت اور یہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اور خدا کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے دوستو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا دشمن صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑ رہا۔ وہ تمہارے دلوں میں نئے عقیدے ڈال رہا ہے۔ یہودی اس مہم میں پیش پیش ہے۔ یہودی اب کبھی تمہارے آمنے سامنے آ کر نہیں لڑے گا۔ وہ تمہارے ایمان کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس عمل میں وہ اتنی جلدی کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن وہ ناکام بھی نہیں ہو گا۔ وہ وقت آئے گا، جب خدا کی دھتکاری ہوئی یہ قوم مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ایسی چال چلے گی کہ اپنے مقصد کو پا لے گی۔ اس کا خنجر سلطنتِ اسلامیہ کے سینے میں اتر جائے گا۔ اگر اپنی تاریخ کو اس ذلت سے بچانا چاہتے ہو تو آج ہی پیش بندی کر لو۔ اپنی قوم کے قریب جاؤ۔ اپنے آپ کو حاکم اور قوم کو محکوم سمجھنا چھوڑ دو۔ ان میں آنا وقار پیدا کرو کہ یہ قومی وقار پر جانیں قربان کر دیں۔"

سلطان ایوبی نے بتایا کہ صلیبیوں کے پاس عورت اور دولت ہے اور ہمارے ہاں ان دونوں کا لالچ موجود ہے۔ ہمارے سامنے ایک مہم یہ بھی ہے کہ قوم کے دل سے عورت اور دولت کا لالچ نکال دیں۔ اس کے لیے ایمان کی مضبوطی کی ضرورت ہے۔

"امیرِ محترم!" ایک اعلیٰ کماندار نے کہا — "ہمیں دولت کی ضرورت بھی ہے۔ اخراجات پورے کرنے مشکل ہو رہے ہیں۔ ہمیں بعض کاموں میں مشکل پیش آتی ہے۔"

"میں یہ مشکل آسان کر دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا — "تمہیں یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے قبول کرنی پڑے گی کہ مسلمانوں کے پاس دولت کی اور فوج کی کمی رہی ہے اور رہے گی۔ ہمارے رسولؐ نے پہلی جنگ تین سو تیرہ مجاہدین کی طاقت سے لڑی تھی۔ اُس کے بعد مسلمان جہاں بھی لڑے اسی تناسب سے لڑے۔ مسلمانوں کے پاس دولت کی کمی کبھی نہیں رہی۔ دولت چند ایک افراد کے گھروں میں چلی گئی۔ اب بھی ہماری قوم کا یہی

جہاں چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے جو مالک مسلمان ہیں اُن کے پاس دولت کے ڈھیر پڑے ہیں۔"

"دولت کے ڈھیر یہاں بھی پڑے ہیں سالارِ اعظم!" غیاث بلبیس نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک نئی مہم شروع کر سکتے ہیں..... آپ کو معلوم ہے کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہاں جو فرعون بھی مرا وہ اپنا تمام تر خزانہ اپنے ساتھ زمین کے نیچے لے گیا۔ وہ خزانے کس کے تھے؟ یہ اُس غریب مخلوق کی دولت تھی جسے جھکا رکھ کر اُس سے سجدے کرائے گئے۔ اُس دور کے انسان نے فرعون کو خدا صرف اس لیے کہا تھا کہ وہ انسان بھوکا تھا۔ اُس کی قسمت فرعونوں کے ہاتھ میں تھی۔ اُس کی زندگی اور موت بھی فرعونوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ انسانوں سے زمین کھدوا کر اور پہاڑ کٹوا کر فرعونوں نے اپنے زمین دوز مقبرے بنائے، اور وہ ایسے جیسے اُن کے محل تھے۔ ان میں انہوں نے وہ دولت ڈھیر کر لی جو لوگوں کی تھی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم فرعونوں کے زمین دوز مقبروں اور مدفنوں کی تلاش شروع کر دیں اور خزانے ملک اور قوم کی خاطر استعمال کریں۔"

غیاث بلبیس کی تائید میں کئی آوازیں اٹھیں — "یہ صحیح ہے امیرِ محترم! ہم نے اس سے پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔" — "ہم اس مہم میں فوج کو استعمال کر سکتے ہیں۔" — "شہری آبادی سے ایک لشکر جمع کیا جا سکتا ہے۔"

— "ہاں، ہاں، غیر فوجیوں کو استعمال کیا جائے اور انہیں اُجرت دی جائے۔"

مجلس میں ہنگامہ سا بپا ہو گیا۔ ہر کوئی کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اگر کوئی خاموش تھا تو وہ صلاح الدین ایوبی تھا۔ مجلس میں بہت دیر بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کا امیر اور سالارِ اعظم خاموش ہے۔ مجلس پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے سب پر نگاہ ڈالی اور کہا — "میں اس مہم کی اجازت نہیں دے سکتا جس کی تجویز غیاث بلبیس نے پیش کی ہے۔" — مجلس پر سناٹا طاری ہو گیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ سلطان ایوبی اس تجویز کو ٹھکرا دے گا۔ اس نے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد تاریخ مجھے قبر چور اور مقبروں کا ڈاکو کہے۔ تاریخ نے مجھے ذلیل کیا تو اس میں تمہاری بھی ذلت ہو گی۔ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ صلاح الدین ایوبی کے مشیر اور وزیر بھی قبر چور تھے۔ صلیبی اس الزام کو خوب اچھالیں گے اور تمہاری قربانیوں اور جذبۂ اسلام کو ڈکیتی اور رہزنی کا نام دے کر تمہیں تمہاری ہی نسلوں میں رُسوا کر دیں گے اور تم ہی نہیں ہماری تاریخ ذلیل اور رُسوا ہو جائے گی۔"

"گستاخی معاف امیرِ محترم!" علی بن سفیان نے کہا۔ "تھوڑے سے عرصے کے لیے مصر صلیبیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کے خزانوں کی تلاش شروع کی تھی۔ قاہرہ کے مضافات میں ہم نے جن کھنڈروں سے صلیبی تخریب کاروں اور فدائیوں کا ایک گروہ پکڑا تھا، وہ کسی فرعون کا مدفن تھا۔ وہاں سے وہ سب کچھ لے گئے تھے۔ صلیبیوں کی حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہی ورنہ وہ یہاں کے تمام خزانے نکال کر لے جاتے۔ محترم غیاث بلبیس نے ٹھیک کہا ہے کہ یہ خزانے اگر کسی کی ملکیت ہیں تو وہ فرعون نہیں تھے۔ ان کے مالک اُس کے وقت کے انسان تھے۔ میں یہ مشورہ پیش کرنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ یہ خزانے نکال کر آج کے انسان کی فلاح و بہبود اور وقار کے لیے استعمال کیے جائیں۔"

"اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں".... سلطان ایوبی نے کہا۔ "کہ یہ خزانے تمہارے سامنے آ گئے تو تم بھی

فرعون بن جاؤ گے۔ انسان کو یہ جرأت کس نے دی تھی کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھے؟ — دولت اور دولت کی ہوس نے۔ انسان کو انسان کے آگے سجدہ کس نے کرایا تھا؟ — مفلسی اور بھوک نے۔ تم صلیبیوں کی بات کرتے ہو کہ انہوں نے فرعونوں کے ایک مدفن کو لوٹا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب پہلے فرعون کی لاش تمام تر خزانے کے ساتھ زمین میں دبائی گئی تھی، قبر چوری اُسی وقت شروع ہو گئی تھی۔ انسان وحشیوں اور درندوں کی طرح پہلے فرعون کے مدفن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اُن کا دین اور ایمان صرف دولت بن گیا تھا۔ پھر فرعون مر کر اپنے خزانے زمین میں لے جاتے رہے اور قبر چوری باقاعدہ پیشہ بن گئی۔ اس کے بعد ہر فرعون نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مدفن کسی ایسی جگہ تیار کرایا جہاں تک کوئی پہنچ نہ سکے اور مرنے کے بعد اُس کے پسماندگان اور جانشین نے ایسے طریقے سے بند کرایا کہ کوئی اُسے کھول نہ سکے اور جب فرعونوں کا دور ختم ہو گیا تو مصر جس کے قبضے میں بھی آیا اُس نے ان چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش شروع کر دی۔ میں جانتا ہوں کہ فرعونوں کے بہت سے مدفن ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی جانتا ہی نہیں کہ کہاں ہیں۔ وہ زمین دوز محل ہیں۔ قیامت تک مصر کے حکمران اور حملہ آور ان مدفنوں کو ڈھونڈتے رہیں گے....

"ان تمام حکومتوں کو زوال کیوں آیا؟ صرف اس لیے کہ ان کی توجہ خزانوں پر مرکوز ہو گئی تھی۔ رعایا کو یہ تاثر دیا گیا کہ دولت ہے تو عزت ہے۔ ہاتھ خالی ہے تو تم بھی اور تمہاری بیٹیاں بھی اُن کی ہیں جن کے پاس دولت ہے.... میرے رفیقو! صلاح الدین ایوبی کو اس قطار میں کھڑا نہ کرو۔ میں اپنی قوم کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ اصل دولت قومی وقار اور ایمان ہے لیکن یہ تاثر صرف اس صورت میں پیدا کیا جا سکتا ہے کہ میں خود اور تم سب جو حکومت کے ستون ہو دل سے دولت کا لالچ نکال دو۔"

"ہم ان خزانوں کی تلاش ذاتی لالچ کے لیے نہیں کرنا چاہتے۔" ایک کمانڈر نے کہا — "ہم قومی ضروریات کے پیشِ نظر یہ مہم شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں میرا انکار تم میں سے کسی کو پسند نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا — "میری بات سمجھنے کے لیے تمہیں اپنے ذہن بالکل خالی کرنے ہوں گے۔ میری عقل مجھے بتا رہی ہے کہ باہر سے آئی ہوئی دولت جو قومی ضروریات کے لیے ہی آئی ہو حاکموں کے ایمان متزلزل کر دیا کرتی ہے۔ یہ دولت کی لعنت ہے۔ اگر میرے پاس گھوڑا خریدنے کے لیے رقم نہیں ہو گی تو میں فوج کے ساتھ پیدل بیت المقدس جاؤں گا۔ گھوڑا خریدنے کے لیے مُردوں کے کفن اتار کر نہیں بیچوں گا۔ میرا مقصد بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرانا ہے۔ گھوڑا خریدنے کے لیے رقم کا حصول میرا مقصد نہیں۔ تم جب خزانوں کی تلاش کرنے لگو گے تو قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طور پر چوری چھپے مقبروں کو اکھاڑنے لگیں گے۔ مصر میں ایسا ہوتا آیا ہے اور جب یہ خزانے تمہارے سامنے آئیں گے تو تم ایک دوسرے کے اگر دشمن نہ ہوئے تو ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھو گے۔ جہاں خزانے آ جاتے ہیں وہاں انسانی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ حقوق العباد کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان زر و جواہرات نے انسان کو خدا بنایا تھا۔ وہ خدا اب کہاں ہیں؟ آسمانوں پر نہیں، زمین کے نیچے۔ میرے رفیقو! میں ایک نئے جرم کی بنیاد

نہیں ڈالنا چاہتا۔ ان خزانوں سے بچو۔ یہ خزانوں کے لالچ کا ہی کرشمہ ہے کہ تمہاری صفوں میں غدار بھی موجود ہیں۔ تم وہ غداروں کو قتل کرتے ہو تو چار اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اپنی تقدیر اپنی تدبیر سے بناؤ۔ تم مسلمان ہو۔ اپنی قسمت کفار کے ہاتھوں میں نہ دو، ورنہ سب غدار ہو جاؤ گے۔ فرعون مر چکے ہیں۔ انہیں زمین کی تہوں میں دبا رہنے دو۔"

"آپ کے حکم کے بغیر ہم ایسی کوئی مہم شروع نہیں کریں گے۔" کسی نے کہا۔

"غیاث!" سلطان ایوبی نے غیاث بلبیس سے مسکرا کر پوچھا۔ "آج تمہیں ان پوشیدہ خزانوں کا خیال کیسے آ گیا ہے؟ مجھے یہاں آئے چار سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ تجویز کیوں پیش نہ کی؟"

"میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا امیر محترم!" غیاث بلبیس نے کہا۔ "تقریباً دو مہینے ہوئے کتب خانے کے مہتمم نے مجھے بتایا تھا کہ پرانے کاغذات میں سے کچھ کاغذات گم ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کاغذات کی نوعیت اور اہمیت پوچھی تو اُس نے بتایا کہ وہ ایسے اہم نہیں تھے کہ تلاش ضروری سمجھی جائے۔ یہ کچھ نقشے تھے اور فرعونوں کے وقتوں کی تحریریں تھیں۔ بہت ہی بوسیدہ اور کرم خوردہ کاغذات اور کپڑے تھے۔ مہتمم نے جب فرعونوں کا نام لیا تو مجھے خیال آیا کہ ان تحریروں اور نقشوں میں فرعونوں کے خفیہ مقبروں کے متعلق معلومات ہو سکتی ہیں۔ میں نے وہ پلندے دیکھے جن میں سے کاغذات گم ہوئے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر زیادہ توجہ نہیں دی کہ ان تحریروں کو آج کون پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔"

"تم نے صحیح نہیں سوچا غیاث!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مصر میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان تحریروں اور اشاروں کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان کاغذوں اور نقشوں کی چوری حیران کن نہیں۔ یہ چوری خزانے کے کسی لالچی نے کی ہو گی۔ ان کاغذوں کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں، مجھے چور کے ساتھ دلچسپی ہے۔ وہ کوئی تمہارا ہی رفیق نہ ہو۔ اس چور کا سراغ لگاؤ۔"

"مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ ان کاغذوں کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں محترم غیاث بلبیس کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ بہت دنوں سے ہمارے مخبر اور شہر کے اندر کے جاسوس ہمیں کسی پُراسرار سرگرمی کی اطلاعیں دے رہے ہیں۔ قدومی یہاں کی ایک مشہور رقاصہ ہے جسے امیروں کی محفلوں کی شمع کہا جاتا ہے، پانچ چھ دنوں سے غائب ہے۔ ایک رقاصہ کا شہر سے غیر حاضر ہو جانا کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا کرتا لیکن قدومی کو میں نے خاص طور پر نظر میں رکھا ہوا ہے۔ میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس کے ہاں اجنبی اور مشکوک سے دو آدمی آتے رہے ہیں۔ پھر قدومی کے گھر سے ایک روز ایک پردہ پوش عورت کو نکلتے دیکھا گیا۔ وہ ایک اجنبی تاجر مسافر کے ساتھ جا رہی تھی۔ مجھے شک ہے کہ قدومی بھیس بدل کر نکل گئی ہے۔ دوسرے مخبروں کی اطلاعوں سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ آدمی جنوب کی طرف مشکوک حالت میں جاتے دیکھے گئے ہیں۔ ان سرگرمیوں سے مجھے شک ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ان گم شدہ کاغذات کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور یہ شبہ بھی ہے کہ یہ صلیبی تخریب کار ہوں گے۔ جو کچھ بھی ہے، ہم ان سرگرمیوں کا کھوج لگا رہے ہیں۔"

"ضرور کھوج لگاؤ۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اور ان خزانوں کو اپنے ذہنوں سے اتار دو۔ میں جانتا

ہوں کہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ہمیں مالی استحکام کی ضرورت ہے، مگر میں کسی سے مدد نہیں مانگوں گا۔ محترم نورالدین زنگی نے مالی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ میں یہ امداد قبول نہیں کروں گا۔ مالی امداد سگے بھائی سے ملے تو بھی انسانی صلاحیتوں کے لیے، محنت اور دیانتداری کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ پھر انسان خزانوں کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگتا ہے۔ مصر کی زمین بانجھ نہیں ہو گئی۔ محنت کرو گے، یہ زمین تمہیں ثمر دے گی۔ قوم کو بتاؤ کہ حکومت پر اس کے حقوق کیا ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو رعایا سمجھنا چھوڑ دے اور قوم کو یہ بھی بتاؤ کہ اُس کے فرائض کیا ہیں۔ اگر قوم نے فرائض سے نگاہیں پھیر لیں تو حقوق پامال ہو جائیں گے۔ تم جس زمین کی پاسبانی میں خون نہیں بہاؤ گے اور جس کے وقار کے لیے پسینہ نہیں بہاؤ گے وہ تمہارا حق کبھی ادا نہیں کرے گی۔ پھر اس ملک کے حکمران باہر کے خزانوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور قوم افراد میں منتشر ہو کر کفار کی غلام ہو جائے گی۔"

☆

جن خزانوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی ہاتھ لگانے سے بھی گریز کرتا تھا، اُن تک اُس کے اپنے ہی ایک جرنیل کے بھیجے ہوئے پچاس آدمی پہنچ گئے تھے۔ مارکونی، اسماعیل، قدومی اور ایک اور صلیبی شام کو پہنچے۔ اُن کے باقی ساتھی جو الگ الگ ٹولیوں میں روانہ ہوئے تھے اُسی رات پہنچنا شروع ہوئے اور آدھی رات کے بعد پورے پچاس آدمی پہنچ گئے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، یہ جگہ ایسی تھی جس کے قریب سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا تھا۔ جگہ ڈراؤنی ہونے کے علاوہ کسی راستے پر پڑتی ہی نہیں تھی۔ یہ چونکہ سرحد سے دور تھی اس لیے سرحدی دستوں کی نظروں میں بھی نہیں تھی۔ مارکونی نے رات کو ہی سب کو اس خطے کے اندر پہنچا دیا تاکہ باہر سے کوئی دیکھ ہی نہ سکے اور انہیں مکمل آرام دینے کے لیے کہا کہ وہ جتنی دیر سو سکتے ہیں سو جائیں، یہاں سے آگے پیدل جانا ہو گا اور یہ سفر جسم کی بجائے اعصاب کو زیادہ تھکائے گا۔ مارکونی خود قدومی کے ساتھ اپنے خیمے میں چلا گیا۔

وہ سب اُس وقت جاگے جب سورج اُن ٹیلوں کے اوپر آ گیا جس کے دامن میں سب سوئے ہوئے تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ وہ کون کون سا سامان، اوزار اور ہتھیار وغیرہ اپنے ساتھ لیں۔ ان میں مضبوط رسّے، کدالیں اور موٹی موٹی سلاخیں تھیں اور ہتھیاروں میں تیر و کمان اور تلواریں۔ راستے کی مشکلات کے متعلق بھی اُس نے سب کو بتا دیا۔ اُس دلدل کے متعلق بھی انہیں ذہنی طور پر تیار کر دیا جس سے اُس کا ایک ساتھی گر کر ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو گیا تھا۔ اُس نے انہیں رونے کی آوازوں سے بھی خبردار کر دیا جو اس علاقے میں سنائی دیتی تھیں۔ اونٹوں کو ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے اُس نے صرف ایک آدمی پیچھے رہنے دیا۔ قدومی کو بھی وہ ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ کہیں کوئی راستہ اندر جانے کے لیے مل ہی جائے گا اور وہ قدومی کو اُس راستے سے لے جائے گا۔ قدومی کی حفاظت کے لیے بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے صرف اسماعیل موزوں آدمی تھا۔

مارکونی نے اسماعیل سے کہا۔ "تم قدومی کے لیے یہیں رہو گے لیکن یہ خیال رکھنا کہ تمہاری حیثیت

اس لڑکی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس کے آرام اور حفاظت کے تم ذمہ دار ہو گے۔ میں بہت جلدی واپس آرہا ہوں۔ تم دونوں کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

وہ اپنی پارٹی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس راستے سے وہ واقف ہو چکا تھا۔ بے خوف و خطر چلتا گیا۔ جوں جوں یہ آدمی آگے بڑھتے جا رہے تھے ان پر خوف مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ صحراؤں سے پوری طرح واقف تھے مگر ایسا خطہ اور اس قسم کے پہاڑ انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور وہ جب اس جگہ پہنچے جہاں رونے کی آوازیں آتی تھیں تو سب رک کر خلاؤں میں دیکھنے لگے۔ بلا شک و شبہ عورتیں رو رہی تھیں۔ ان آدمیوں میں دو تین ایسے بھی تھے جنہوں نے اس علاقے کے متعلق وہ تمام ڈراؤنی کہانیاں سن رکھی تھیں جو بہت مدت سے مشہور تھیں۔ انہوں نے اپنے صلیبی ساتھیوں کو بھی یہ کہانیاں سنا کر ڈرا دیا۔ وہ سب ڈر کی گرفت میں پہلے ہی تھے لیکن انہیں جو انعام بتایا گیا تھا اس میں اتنی طاقت تھی جو ان کے خوف کو دبا رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ صلیب کے تنخواہ دار ملازم بھی تھے اور مارکونی ان کا افسر تھا۔ وہ انعام اور حکم کی پابندی کے تحت چلے جا رہے تھے۔ رونے کی آوازوں پر وہ رکے تو مارکونی نے انہیں بتایا کہ یہ عورتیں یا عورتوں کی بدروحیں نہیں یہ ہوا کی آوازیں ہیں مگر وہ ڈرتے رہے اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔

اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ اس وسیع اور بے انتہا گہرے نشیب تک پہنچے جو انہیں قدرتی دیوار پر چل کر پار کرنا تھا۔ مارکونی کو وہاں کچھ مشکل پیش آئی۔ دیوار پر پاؤں رکھنے سے سب گھبراتے تھے۔ مارکونی آگے آگے چلا۔ وہ ایک بار اس تجربے سے گزر چکا تھا۔ اس کے پیچھے دوسرے آدمی نے دیوار پر قدم رکھا اور پھر باقی بھی چل پڑے۔ سورج اس جہنم میں ہی روپوش ہو گیا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ کھائی کی گہرائی نظر نہیں آتی تھی۔ مارکونی دیوار عبور کر گیا۔ اسے ایسی چیخ سنائی دی جو تہہ کی طرف جا رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ایک اور ہیبت ناک چیخ سنائی دی۔ یہ بھی دور نیچے جا کر ایک دھیمی سی دھمک میں خاموش ہو گئی۔ ایسی پانچ چیخیں سنائی دیں...

یہ گروہ جب دیوار سے گزر کر کچھ آگے جا جمع ہوا تو اس میں پانچ آدمی نہیں تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ اس سے آگے کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے اور وہ منزل کے قریب آگئے ہیں۔ اس نے اس امید کا اظہار بھی کیا کہ ان کی واپسی اس راستے سے نہیں ہوگی بلکہ سیدھا اور آسان راستہ مل جائے گا۔

رات بہت گہری ہو چکی تھی جب وہ اس جگہ پہنچے جس کے پیچھے وسیع سرسبز خطہ تھا۔ مارکونی نے تمام آدمیوں کو وہاں سے تھوڑی دور چھپا دیا۔ دو آدمی اپنے ساتھ لیے اور باقی سب سے کہا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ کھا کر سو جائیں۔ انہیں ضرورت کے وقت جگا لیا جائے گا۔ مارکونی دو آدمیوں کو ساتھ لے کر اس جگہ کی دیکھ بھال کے لیے چلا گیا۔ نیچے موت کا سکوت تھا۔ کہیں ہلکی سی روشنی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اور زیادہ قریب جانے سے ڈرتا تھا۔ اس نے حملہ صبح کے لیے ملتوی کر دیا اور اپنے آدمیوں کے پاس واپس آگیا۔

☆

قدومی اور اسماعیل اکیلے رہ گئے تھے۔ قدومی اُن ہنگامہ خیز محفلوں کی عادی تھی جن میں شراب اور دولت

پانی کی طرح بہتی تھی۔ مارکونی اسے اس ہولناک ویرانے میں لے آیا تھا اور اسے ایک آدمی کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا تھا۔ اسماعیل اسے جانتا تھا۔ وہ اسماعیل سے واقف نہیں تھی۔ اسماعیل جرم و گناہ کی دنیا کا انسان تھا جس کی شکل و صورت اتنی اچھی اور طبیعت اتنی شگفتہ تھی کہ قدومی نے اسے کوئی عام آدمی نہ سمجھا لیکن اسماعیل اس کے ساتھ بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ شام کے وقت اس نے قدومی کو بھنا ہوا گوشت گرم کر کے دیا اور شراب بھی اس کے آگے رکھ کر کہا کہ کھانا کھا کر سو جانا۔ کوئی ضرورت ہو تو خیمے سے بلا لینا۔ وہ باہر نکل گیا۔ قدومی نے کھانا کھا لیا۔ شراب بھی حسب عادت پی لی لیکن تنہائی اسے پریشان کرنے لگی۔ اسے اپنے حسن اور ناز و ادا پر چونکہ فخر تھا اس لیے اسے توقع تھی کہ اسماعیل اس کے قریب ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس لحاظ سے خبردار زیادہ تھی مگر اسماعیل نے اس کی طرف ایسی کوئی توجہ نہ دی جس کی قدومی کو توقع تھی۔

قدومی کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنے خیمے سے نکلی اور اسماعیل کے خیمے میں چلی گئی۔ وہ ابھی جاگ رہا تھا۔ قدومی کے لیے اس نے دیا جلا دیا اور پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ قدومی نے کہا کہ اس کی طبیعت گھبرا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور پوچھا — "تم شاید مسلمان ہو؟"

"تمہیں مذہب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" — اسماعیل نے جواب دیا — "تمہاری دلچسپی انسانوں کے ساتھ ہے کسی کے مذہب کے ساتھ نہیں۔ میرا نام اسماعیل ہے اور میرا کوئی مذہب نہیں رہا۔"

"اوہ!" — قدومی نے مسکراہٹ اور حیرت سے کہا — "تم ہو اسماعیل، احمد درویش کے خاص آدمی۔" اس نے پوچھا — "یہ آدمی کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟" وہ مارکونی کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ کہنے لگی — "اس نے اپنا نام سلیمان سکندر بتایا ہے لیکن یہ مسلمان معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہ مسلمان ہے بھی نہیں" — اسماعیل نے کہا — "اور یہ سوڈانی بھی نہیں اور سلیمان سکندر اس کا نام نہیں۔"

"پھر یہ کون ہے؟" — قدومی نے پوچھا — "اس کا اصلی نام کیا ہے؟"

"میں اس کا نام نہیں بتا سکتا" — اسماعیل نے کہا — "یہ راز چھپائے رکھنے کے لیے مجھے معاوضہ ملتا ہے... تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ کون ہے۔ تم منہ مانگی اجرت پر اس کی تفریح طبع کے لیے آئی ہو۔ یہ تمہارا پیشہ ہے۔ اس نے تمہیں خزانے میں سے کچھ حصہ دینے کا وعدہ دیا ہوگا؟"

"وہ تو میرا حق ہے" — قدومی نے کہا — "اس نے مجھے جو اجرت دی ہے وہ اس خطرناک بیابان میں ساتھ آنے کے لیے بہت ہی تھوڑی ہے۔ میں تو خزانے میں سے حصہ لینے کے وعدے پر ساتھ آئی ہوں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں وہ حصہ دے دے گا؟" — اسماعیل نے پوچھا — "اور کیا تمہیں یقین ہے کہ اسے وہ خزانہ مل جائے گا جس کا حصہ وصول کرنے کے لیے تم آئی ہو؟"

"میں اتنی قیمتی لڑکی ہوں کہ لوگ مجھے خزانوں کے عوض خریدنا چاہتے ہیں" — قدومی نے غرور کے لہجے میں کہا — "یہ شخص تو میری قیمت ادا ہی نہیں کر سکتا۔ میں ایسے امیرزادوں اور شہزادوں کو اپنا غلام بنا کے رکھا کرتی ہوں۔"

"کب تک؟" — اسماعیل نے مسکرا کر کہا — "زیادہ سے زیادہ دو سال۔ اس کے بعد تمہاری قیمت اتنی گر

جائے گی کہ تم گلیوں میں پاگلوں کی طرح دوڑتی پھرو گی، تمہیں پوچھے گا کوئی نہیں۔ جن کے پاس خزانے ہیں انہیں ایک اور قدوی مل جائے گی۔ تم جیسی کئی مل جائیں گی۔۔۔۔ سنو قدوی! اتنا غرور نہ کرو۔"

"کیوں نہ کروں؟" قدوی نے کہا۔ "یہ شخص جو اپنا نام سلیمان سکندر بتاتا ہے میرے طلسم میں ایسا گرفتار ہے کہ اس نے مجھے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ وہ صرف میرے لیے خزانے کی تلاش میں جا رہا ہے۔ وہ مجھے سکندریہ لے جائے گا جہاں ہم سمندر کے کنارے محل بنائیں گے، پھر میں رقاصہ نہیں رہوں گی۔ کیا تمہیں اس میں کچھ شک ہے؟"

"شک نہیں، مجھے یقین ہے کہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔" اسماعیل نے کہا۔ "میں اپنی اُجرت کے لیے اس کے ساتھ آیا ہوں۔ احمد درویش کا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ، میں آ گیا۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں کرائے کا گناہ گار ہوں۔ میں اُجرت پر قتل بھی کیا کرتا ہوں، مگر میں جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں کبھی پکڑا ہی نہیں گیا۔ احمد درویش مجھے بچا لیتا ہے۔ مجھ میں دوسری خوبی یا خرابی یہ ہے کہ میں عورت کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں ایسا کیوں کرتا ہوں۔ عورت پردہ دار ہو یا عصمت فروش، میں اس کی عزت کرتا ہوں، میں عورت کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں بھی دھوکے میں نہیں رکھوں گا۔ میں تمہیں یہ بتا دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں، کہ یہ خزانہ تمہارے لیے محل تعمیر کرنے کے لیے نہیں نکالا جا رہا۔ یہ مصر کی جڑیں کاٹنے کے لیے استعمال ہوگا۔ یہاں صلیبی حکومت قائم کی جائے گی۔ مسجدوں کو گرجے بنایا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہُوا تو یہ خزانہ مصر سے باہر چلا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے تمہیں مصر کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے بھی نہیں۔ ہم دونوں پیشہ ور ہیں۔ گناہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں تمہیں صرف دو باتیں بتانا چاہتا تھا جو بتا چکا ہوں۔ ایک بار پھر سُن لو۔ تمہارے حُسن، اور جوانی کی عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں یہ شخص اپنے ساتھ تفریح اور عیاشی کے لیے لایا ہے۔ اس کی نظر میں تم ایک طوائف ہو۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو ایک دو ہیرے تمہارے ہاتھ میں دے دے گا اور اگر اُس نے کسی کے لیے محل تعمیر کیا بھی تو وہ کوئی نوخیز لڑکی ہوگی۔ وہ تم نہیں ہوگی۔ تمہارے چہرے پر مجھے بال جیسی باریک دو لکیریں نظر آ رہی ہیں جو آج اچھی لگتی ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں بعد یہ گہری ہو کر تمہاری قدر و قیمت ختم کر دیں گی۔"

اسماعیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جس میں طنز نہیں تھی، دھوکہ اور فریب نہیں تھا۔ ایک گونہ اپنائیت سی تھی اور ایسی حقیقت جو قدوی نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ اسماعیل اُس پر ڈورے ڈالے گا مگر اسماعیل نے اُسے ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ اس کی بجائے اُسے یہ تاثر دے دیا کہ اس کی اہمیت دو روز کی مہمان ہے۔ قدوی تو اپنے حُسن کی تعریفیں سننے کی عادی تھی۔ اپنے آپ کو قلو پطرہ ثانی سمجھتی تھی۔ اسماعیل نے ایسا تاثر پیدا کیا جسے قدوی دھتکار نہ سکی۔ اسماعیل کا انداز ہی ایسا تھا کہ اُس کا پیدا کیا ہُوا تاثر اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور قدوی کی آنکھوں سے نیند غائب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسماعیل کے ساتھ باتوں میں رات گزارنا چاہتی تھی۔ اس خواہش کو وہ دبا نہ سکی۔ اسماعیل نے اسے مایوس نہ کیا۔ رات کا آخری پہر تھا جب قدوی کی آنکھ لگ گئی۔

اُس کی آنکھ کھلی تو وہ اسماعیل کے خیمے میں تھی اور اسماعیل خیمے سے باہر کمبل میں لپٹا سویا پڑا تھا۔ قدوی نے اسے جگایا اور کہا۔ "میں نے خواب دیکھا ہے۔ عجیب سا خواب تھا۔ پوری طرح یاد نہیں رہا۔ کوئی مجھے کہہ رہا تھا کہ سلیمان سکندر کے خزانے کی نسبت اسماعیل کی باتیں زیادہ قیمتی ہیں۔" وہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں رقاصہ کا تصنع نہیں، ایک معصوم لڑکی کی سادگی تھی۔

☆

سورج نکلنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ مارکونی اپنے آدمیوں کو اُس سرسبز نشیب کے اوپر اپنی سکیم کے مطابق موزوں جگہوں پر چھپا چکا تھا۔ صبح روشن ہوئی تو نیچے ننگے آدمی اور عورتیں نظر آنے لگیں۔ مارکونی نے اپنا ایک دلیر اور تنومند آدمی کو نیچے جانے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اسی ڈھلان سے جس سے اُس کا ایک ساتھی لڑھک کر نیچے گرا اور اس پُراسرار قبیلے کی ضیافت بن گیا تھا، مارکونی نے اپنے اُس آدمی کو نیچے لڑھک جانے کو کہا۔ وہ ڈھلان کے اوپر بیٹھا اور نیچے سرک گیا۔ کچھ آگے جا کر وہ قلابازیاں کھانے لگا اور زمین پر جا پڑا۔ وہ اٹھ کر چل پڑا۔ تین چار ننگے آدم خوروں نے اُسے دیکھ لیا اور اُسے پکڑنے کے لیے دوڑے۔ وہ خوشی سے چلا رہے تھے۔ وہ جب اس آدمی کے قریب آئے تو اوپر سے چار تیر نکلے اور اُن کے سینوں میں اُتر گئے۔ اُدھر سے دو اور ننگے مرد دوڑے آئے۔ وہ بھی تیروں کا نشانہ بن گئے۔ مارکونی نے اوپر ایک چٹان کے ساتھ رسّہ بندھوا دیا تھا جسے اُس نے ڈھلان سے نیچے پھینک کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے پکڑ کر سب ایک دوسرے کے پیچھے نیچے اُتر جائیں۔

سب نیچے چلے گئے۔ مارکونی نے اوپر سے رسّہ کھول کر نیچے پھینک دیا اور ڈھلان سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ یہ سارا گروہ تلواریں نکال کر آگے کو دوڑ پڑا۔ چند اور ننگے مرد سامنے آئے انہیں بھی کاٹ دیا گیا۔ جو زندہ رہ گئے تھے وہ اُلٹے پاؤں بھاگے۔ نیچے سے سرسبز علاقے کے کئی ایک حصے تھے۔ مارکونی نے دیکھا کہ بھاگنے والے ایک حصے میں چلے گئے تھے۔ وہ اُن کے پیچھے گیا۔ اُسے اُن آدمیوں کا واویلا سنائی دے رہا تھا۔ ان کی چیخ و پکار پر وہ اُن کے تعاقب میں گیا۔ اس کے باقی آدمی خون خرابہ کر رہے تھے۔ وہ خود ان دو آدمیوں کے تعاقب میں رہا۔۔۔ تھوڑی ہی دُور اسے آدمی نظر آ گئے۔ وہ اب دو نہیں تین تھے۔ وہ تینوں ایک چٹان پر چڑھ رہے تھے۔ مارکونی نے ان کے پیچھے دوڑتے کچھ فاصلہ رکھا۔ وہ تینوں چٹان کی دوسری طرف اُتر گئے۔ وہ بھی چٹان پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف اُسے سیاہ پہاڑی کا دامن نظر آیا۔ وہاں ایک غار کا دہانہ تھا جس میں سے جھک کر گزرا جا سکتا تھا۔ مارکونی اس غار میں چلا گیا۔ اُس نے تلوار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

اندر سے غار کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے اس میں کسی کے دوڑنے کی ہلکی ہلکی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دوڑتا گیا۔ یہ غار نہیں سُرنگ تھی جو معلوم نہیں قدرتی تھی یا فرعون رعمینیس نے مرنے سے پہلے بنوائی تھی۔ سُرنگ کے کئی موڑ تھے اور اندر گھپ اندھیرا۔ اُسے بولنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ وہ دوڑتا گیا اور اُسے دُور سامنے روشنی کا ایک گولا نظر آیا۔ اس میں اُسے تین آدمی دوڑتے دکھائی دیے۔ وہ غار کا دوسرا دہانہ تھا۔ وہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سکیم کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ تینوں غار سے نکل گئے۔ وہ بھی غار سے نکل گیا۔ تینوں میں ایک آدمی

گر پڑا۔ مارکونی نے جاکر دیکھا۔ یہ وہی بوڑھا آدمی تھا جس نے اُسے اُس روز دیکھا تھا جس روز اس کا ساتھی نیچے گر پڑا اور آدم خوروں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ بہت ہی بوڑھا تھا۔ زیادہ دوڑ نہیں سکتا تھا۔ غار سے باہر ریتیلے اور پتھریلے ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ایک طرف سیاہ پہاڑ دُور اوپر تک چلا گیا تھا۔ مارکونی نے بوڑھے کو سہارا دے کر اٹھایا اور اس کے بھاگتے ہوئے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے اشاروں میں اسے سمجھایا کہ ان آدمیوں کو واپس بلاؤ۔

بوڑھے نے انہیں پکارا۔ وہ رکے تو انہیں اپنی طرف بلایا۔ اُس نے مارکونی کے ساتھ مصری زبان میں بات کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری زبان بولتا اور سمجھتا ہوں۔ مجھے قتل کرکے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

مارکونی بھی مصری زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا۔ "میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارے ان آدمیوں کو بھی قتل نہیں کروں گا۔ مجھے باہر جانے کا راستہ بتا دو۔"

"کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"ہاں!" مارکونی نے جواب دیا۔ "میں تمہاری بادشاہی سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

بوڑھے نے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ وہ دونوں بہت ہی ڈرے ہوئے تھے۔ بوڑھے نے مارکونی سے کہا۔ "ان کے ساتھ جاؤ۔ یہ تمہیں سیدھے راستے پر ڈال دیں گے۔"

"تم بھی ساتھ چلو۔" مارکونی نے کہا۔ "یہ دونوں مجھے غلط راستے پر ڈال دیں گے۔"

بوڑھا ساتھ چل پڑا۔ وہ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزرے۔ ایک ٹیلے کے اوپر گئے اور ایسی ہی کچھ بھول بھلیوں میں سے گزر کر وہ کھلے صحرا میں پہنچ گئے۔ مارکونی نے دیکھا کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ یہاں کوئی راستہ ہے جو اندر کی پُراسرار دنیا میں لے جاتا ہے۔ بوڑھے نے اسے کہا۔ "تم اب چلے جاؤ ورنہ خدا کا قہر تمہیں بھسم کر دے گا۔" مارکونی نے تینوں کو ساتھ لیا اور یہ کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے گیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو بھی باہر لائے گا۔ مارکونی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس سے وہ تینوں ڈر رہے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ واپس چل پڑے۔ مارکونی نے راستہ اور اس کے موڑ اچھی طرح دیکھ لیے۔ وہ پھر غار کے دہانے میں داخل ہوئے اور اس میں گزرتے سرسبز دنیا میں پہنچ گئے۔ بوڑھا اُسے اُس جگہ لے گیا جہاں مارکونی کے ساتھی کو آگ پر بھون کر کھایا گیا تھا۔ مارکونی کے ساتھی اُسے ڈھونڈ رہے تھے۔ کئی ایک ننگی لاشیں پڑی تھیں۔ بچوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ بوڑھے نے یہ قتل عام شاید پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ رُک گیا اور بڑے تحمل سے مارکونی سے پوچھا۔ "ان بے گناہوں کو کاٹ کر تم نے کیا پایا؟"

"اور تم ہمارے آدمی کو بھون کر کھا گئے تھے۔" مارکونی نے پوچھا۔ "اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟"

"وہ گناہگار دنیا کا انسان تھا۔" بوڑھے نے کہا۔ "اس نے ہماری مقدس سلطنت میں آکر اسے ناپاک کر دیا تھا۔"

"تم لوگ یہاں کیوں رہتے ہو؟" مارکونی نے پوچھا۔ "فرعون ریمینیس دوم کا مدفن کہاں ہے؟"

"میں ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دوں گا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

مارکونی نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان کی عورتوں کو لے آؤ۔ اس نے حملے سے پہلے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی عورت کو قتل نہ کریں، اور نہ چھیڑیں۔ انہیں یرغمال کے طور پر پکڑ لیں۔ مارکونی کے ساتھی دس گیارہ عورتوں کو سامنے لے آئے۔ ان میں دو تین بوڑھی باقی جوان، نوجوان اور دو تین کم سن بچیاں تھیں۔ وہ مادر زاد ننگی تھیں۔ اُن کے رنگ گندمی اور صاف تھے۔ شکل و صورت بھی سب کی اچھی تھی۔ ان کے بال لٹک گئے ہوئے تھے اور اُن میں چمک تھی۔

"کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری عورتوں کو تمہارے سامنے بے عزت کرکے انہیں قتل کر دیا جائے؟" مارکونی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"کیا تم اس سے پہلے مجھے قتل نہیں کرو گے؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں!" مارکونی نے جواب دیا۔

"سنو گناہگار دنیا کے انسان!" بوڑھے نے کہا۔ "تمہاری عورتیں کپڑوں میں ڈھکی رہتی ہیں۔ تم انہیں پردوں میں چھپا چھپا کر رکھتے ہو مگر وہ بے حیائی سے باز نہیں آتیں۔ تم عورت کی خاطر سلطنتیں قربان کر دیتے ہو۔ عورت کو نچاتے ہو اور انہیں گناہوں کا ذریعہ بناتے ہو۔ ہماری عورتیں ننگی رہتی ہیں مگر بے حیائی نہیں کرتیں۔ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے تم نے میری دنیا کی عورتوں کو دیکھا ہے۔ میں تو تمہاری نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم خدا کے مقدس ریمینیس کے خزانے لوٹ لو، میری بیٹیوں کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالنا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم مجھے ان پہاڑوں کا بھید بتا دو۔" مارکونی نے کہا۔ "میں تمہاری عزت تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"ڈاکو کے وعدے پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔" بوڑھے کے ہونٹوں پر طنز کی مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے کہا "جس آدمی کے دل میں دولت کا لالچ ہوتا ہے، اُس کی آنکھ میں غیرت نہیں ہوتی۔ اس زبان پر وعدے آتے ہیں اور اسی زبان سے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ تم اُس دنیا کے انسان ہو جہاں دولت پر اپنی بیٹیاں قربان کی جاتی ہیں اور سنو میرے اجنبی دوست! تم مصری نہیں ہو۔ تمہاری آنکھوں میں سمندر کی چمک ہے، نیل کے پانی کی نہیں۔ تمہارے جسم سے مجھے سمندر پار کی بُو آتی ہے۔"

"میں ریمینیس کے مدفن کی تلاش میں آیا ہوں۔" مارکونی نے اُسے غصے سے کہا۔ "مجھے وہ مدفن بتا دو۔"

"میں بتا دوں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "اس سے پہلے میں تمہیں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مدفن کے اندر جا کر تم زندہ باہر نہیں آسکو گے۔"

"کیا تمہارے آدمی اندر چھپے ہوئے ہیں جو مجھے قتل کر دیں گے؟"

"نہیں!" بوڑھے نے جواب دیا۔ "تمہیں قتل کرنے کے لیے میرے پاس کوئی آدمی نہیں رہا۔"

تمہارے اپنے آدمی تمہیں قتل کریں گے۔ تمہاری لاش یہاں سے کوئی نہیں لے جائے گا۔"

"تم غیب دان ہو؟" مارکونی نے پوچھا۔ "آنے والے وقت کی خبر دے سکتے ہو؟"

"نہیں!" بوڑھے نے جواب دیا۔ "میں نے گزرا ہُوا وقت دیکھا ہے۔ جس نے گزرے ہوئے وقت کو عقل اور دل کی نظر سے دیکھا ہو وہ آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے۔ موت تمہاری آنکھوں میں آکر بیٹھ گئی ہے۔"

مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "تم جنگلی سو بڈھے! مجھے بتاؤ وہ مدفن کہاں ہے جس کی تلاش میں میں اتنی دور سے آیا ہوں۔"

"تمہارے سامنے ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "وہ اُوپر۔ آؤ۔"

مارکونی نے کچھ سوچا اور اپنے آدمیوں سے کہا۔ "ان عورتوں کو عزت سے رکھو۔ اس بوڑھے کے ساتھ گپ شپ لگاتے رہو اور اس کے ان دونوں آدمیوں کو بھی کچھ نہ کہنا۔ ان کے ساتھ دوستی پیدا کر لو۔ میں قدومی اور اسماعیل کو لینے جا رہا ہوں۔"

وہ اُسی راستے پر چل پڑا جو سُرنگ میں سے گزر کر باہر جاتا تھا۔

☆

مارکونی اس راستے سے باہر نکل گیا جو اُسے بوڑھے نے دکھایا تھا۔ اُسے اس سمت کا اندازہ تھا جدھر سے وہ اس ہولناک علاقے میں داخل ہُوا تھا۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اُس نے کم و بیش دو میل سفر طے کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اُس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں سے وہ اپنے گروہ کے ساتھ اندر گیا تھا۔ وہ اپنے خیمے تک گیا۔ اُس نے اسماعیل اور قدومی کو ایک ہی خیمے میں اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ حکم کے لہجے میں اسماعیل سے کہا۔ "میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی حیثیت میں رہنا۔ اس کے پاس بیٹھے تم کیا کر رہے ہو؟"

"کیا میں اس ویرانے میں اکیلی بیٹھی رہتی؟" قدومی نے کہا۔ "میں نے خود اسے اپنے پاس بلایا ہے۔"

"تمہیں میں اپنے ساتھ صرف اور صرف اپنے لیے لایا ہوں۔" مارکونی نے غصّے سے کہا۔ "میں تمہیں اپنی اُجرت دے رہا ہوں۔ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے گھر میں اپنے پاس سو آدمیوں کو بلاؤ۔ یہاں تم میری لونڈی ہو۔"

گذشتہ رات اسماعیل نے اُس پر خلوصِ دل سے ایسا تاثر طاری کر دیا تھا کہ اُس کے دل میں مارکونی کے خلاف شک اور ناپسندیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اُسے وہ اب اپنا ایک گاہک سمجھنے لگی تھی۔ اب مارکونی نے اُسے اپنی لونڈی کہہ دیا تو اُس کے دل میں مارکونی کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ اُس نے اچھے اور بُرے انسان میں فرق دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ اسماعیل نے اُسے بالکل نہیں کہا تھا کہ وہ اچھا آدمی ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ کرائے کا گناہگار اور اُجرت لے کر قتل کرنے والا آدمی ہے۔ قدومی مارکونی کو دھتکار نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ اپنی طے کی ہوئی اُجرت پر آئی تھی جو وہ وصول کر کے گھر رکھ آئی تھی۔ آگے خزانے کے کچھ حصّے کا وعدہ تھا جو مشکوک نظر آتا تھا۔ اُس نے برداشت نہ کیا کہ مارکونی اسماعیل کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرے۔

اسماعیل مارکونی کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مارکونی کو بازو سے پکڑا اور خیمے سے باہر لے جا کر دھیمی سی آواز میں کہا۔ "احمد درویش نے تمہیں شاید میرے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔ میرے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم میرے ملک اور میری قوم کی جڑیں کاٹنے آئے ہو۔ میں اتنا بڑا گناہگار ہوں کہ کرائے پر تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اپنی پوری اُجرت لوں گا اور اگر خزانہ برآمد ہو گیا تو اپنا حصّہ الگ وصول کروں گا۔"

"تم ایسی باتیں احمد درویش کے ساتھ کرنا۔" مارکونی نے اسے کمانڈروں کی طرح کہا۔ "یہاں تم میرے ماتحت ہو۔ خزانہ جو نکلے گا وہ میری تحویل میں ہوگا۔ میں اسے جہاں چاہوں لے جاؤں۔"

"سنو سلیمان سکندر!" اسماعیل نے پہلے کی طرح دھیمی آواز اور ہلکے سے تبسم سے کہا۔ "میں جانتا ہوں تم مارکونی ہو سلیمان سکندر نہیں ہو۔ میں ایک عادی مجرم ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہاری باتیں مجھے پھر سے مصری مسلمان بنا دیں گی اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان قومی جذبے کا اتنا دعا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کی لاش میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو لاش بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ مجھے مجرم رہنے دو۔"

مارکونی نے محسوس کر لیا کہ یہ شخص بہت گہرا ہے اور خطرناک بھی، اس لیے اس سے اس موقعے پر دشمنی مول لینی اچھی نہیں۔ اُس نے اسماعیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور دوستوں کی طرح مسکرا کر کہا۔ "تم بلاوجہ کسی غلط فہمی میں پڑ گئے ہو۔ میں دراصل یہ نہیں چاہتا کہ یہ طوائف تمہارے یا میرے دماغ پر سوار ہو جائے۔ یہ بہت چالاک عورت ہے۔ یہ ہم دونوں میں غلط فہمی پیدا کر کے خزانے پر ہاتھ مارنا چاہتی ہے۔ مجھے اپنا دشمن نہ سمجھو۔ احمد درویش نے تمہیں بتایا نہیں کہ اُس نے تمہارے متعلق کیا سوچ رکھا ہے۔"

"کیا تمہیں اُمید ہے کہ خزانہ مل جائے گا؟"

"مل گیا ہے۔" مارکونی نے جواب دیا۔ "میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں۔"

اسماعیل اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ قدومی بھی اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار بڑے نمایاں تھے۔ مارکونی نے اُس آدمی کو آواز دی جسے وہ اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اُسے کہا کہ وہ اونٹوں کو ایک دوسرے کے پیچھے باندھ کر لے آئے۔ خیمے بھی لپیٹ لیے گئے۔

☆

مارکونی انہیں وہاں لے گیا جہاں اُس کے دوسرے آدمی تھے اور جہاں فرعون ریمیس کا خفیہ مدفن تھا۔ قدومی نے ایسی سرسبز جگہ دیکھی تو بہت حیران ہوئی۔ ایک اونچی پہاڑی کے دامن میں ننھی سی جھیل تھی۔ پہاڑی کے نیچے سے پانی پھوٹتا تھا۔ یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ مارکونی ننگے قبیلے کے بوڑھے سردار کے پاس چلا گیا جو مدفن کا سراغ لگاتا تھا۔ قدومی اسماعیل کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ اُسے ایک چھوٹے سے بچّے کی لاش پڑی دکھائی دی۔ بچہ ننگا تھا اور اُس کا جسم خون میں نہایا ہُوا تھا۔ قدومی خوف سے کانپنے لگی۔ کچھ اور آگے گئے تو دو لاشیں اکٹھی پڑی تھیں۔ یہ بڑی عمر کے آدمیوں کی تھیں۔ دونوں میں تیر پیوست تھے اور جب وہ اسماعیل کے ساتھ

فراخ جگہ تھی جہاں مارکونی کے آدمی اوپر سے اترے تھے۔ وہاں اُسے کئی اور لاشیں نظر آئیں۔ ان میں پانچ چھ لاشیں بچوں کی تھیں۔ تمام لاشوں کے منہ اور آنکھیں کھلی ہوئیں اور چہروں پر اذیت اور کرب کے بھیانک تاثرات تھے۔ قدسی کسی بڑے ہی حسین دُنیا کی عورت تھی۔ اُس نے ایسا ہیبت ناک منظر کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک بہت ہی چھوٹے سے بچے کی لاش دیکھ کر اُس کی چیخ نکل گئی۔

مارکونی کے تین چار آدمی چیخ سُن کر دوڑے آئے۔ قدسی کو چکر آگیا تھا اور اسماعیل نے اُسے تھام لیا تھا۔ مارکونی کے آدمیوں کو بتایا گیا کہ وہ لاشیں دیکھ کر ڈر گئی ہے۔ ایک آدمی اُس کے لیے پانی لینے کو دوڑا۔ قدسی جلدی سنبھل گئی۔ اُس نے پوچھا کہ یہ مرنے والے کون تھے اور انہیں کیوں ہلاک کیا گیا ہے۔ اسماعیل کو معلوم نہیں تھا.... مارکونی کے ایک آدمی نے اُسے بتایا کہ یہ کون تھے اور انہیں کیوں قتل کیا گیا ہے۔ قدسی نے اسماعیل کی طرف دیکھا۔ اُس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اسماعیل نے کہا — "ہم سے یہ لوگ اچھے تھے جو اس خزانے کی رکھوالی کر رہے تھے۔ یہ ننگے آدم خور دیانت دار تھے جنہوں نے جان دے دی، خزانے کا بھید نہ بتایا۔ اگر یہ فرعون کا مدفن اکھاڑ کر مال و دولت نکال لے جاتے تو تمہیں کون پکڑ سکتا تھا، مگر یہ دیانت دار تھے۔ ہم ڈاکو اور قاتل ہیں جو اپنے آپ کو مہذب سمجھتے ہیں۔ یہ مارکونی کی کارستانی ہے۔"

"میں اس خزانے میں سے کچھ بھی نہیں لوں گی جس کی خاطر ان معصوم بچوں اور بے گناہ آدمیوں کو اس بیدردی سے قتل کیا گیا ہے" — قدسی نے کہا — "ان کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آتا۔ یہ نہتے تھے۔"

اُس وقت مارکونی بوڑھے کے ساتھ ایک چٹان کے پیچھے گیا ہُوا تھا۔ بوڑھے نے اُسے کہا "اوپر چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک بہت بڑا پتھر جو یہیں سے نظر آ رہا ہے، اسے تم چٹان ہی سمجھ رہے ہو۔ اگر اُسے وہاں سے ہٹا سکو تو تمہیں اُس دنیا کا دروازہ نظر آئے گا جس میں رمینیس دوم کا تابوت اور اُس کا خزانہ رکھا ہے۔ اس چٹان کو اُس وقت سے کسی نے نہیں ہلایا جب سے یہ یہاں رکھی گئی ہے۔ پندرہ صدیوں سے اس چٹان کو کسی نے چھُوا بھی نہیں۔ ہم پندرہ صدیوں سے اس کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ میں تمہیں رمینیس کی موت کے واقعات اس طرح سنا سکتا ہوں جیسے وہ کل میرے سامنے مرا ہو۔ یہ مجھے باپ اور دادا نے سنائے تھے۔ دادا کو اس کے باپ اور دادا نے سنائے تھے اور اس طرح پندرہ صدیوں کی باتیں میرے سینے میں آئیں جو میں نے اپنے قبیلے کو سنا دی ہیں۔"

"میں یہ باتیں بعد میں سنوں گا" — مارکونی نے بےتاب ہو کر کہا اور وہ چٹان پر چڑھ گیا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اوپر کی تھڑلی چٹان الگ ہے یا الگ کی جا سکتی ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر سے دیکھنے کی کوشش کی مگر اُسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جس سے یہ چٹان الگ معلوم ہوتی۔ وہ نیچے اُتر آیا۔

"میں جانتا ہوں تم یقین نہیں کرو گے کہ اس چٹان کے دو حصے ہیں" — بوڑھے نے کہا — "اُوپر کا حصہ جو پیچھے پہاڑ کے ساتھ ملا ہُوا ہے، پہاڑ اور چٹان کا حصہ معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں۔ یہ انسانی ہاتھوں کا کمال ہے۔ اس کی ساخت قدرتی لگتی ہے لیکن یہ انسانوں کی کاریگری ہے۔ رمینیس نے یہ اپنی نگرانی میں

بنوایا تھا۔ اس کے نیچے اور پہاڑ کے سینے میں جو دنیا آباد ہے وہ رمینیس نے اپنی زندگی میں تیار کرائی تھی، اور اسے باہر کی دنیا کے انسانوں سے تا قیامت چھپائے رکھنے کے لیے اُس نے یہ چٹان بنوائی، رکھوا کر دیکھی اور اُن آدمیوں کو قید میں ڈال دیا تھا جنہوں نے اُس کا مدفن اور چٹان تیار کی تھی۔ وہ مر گیا تو اس کا تابوت یہاں لایا گیا۔ اُس کا ضرورت کا سامان اندر رکھا گیا۔ کاریگروں کو قید سے نکال کر اوپر چٹان رکھوائی گئی اور ان تمام آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ بارہ آدمیوں کو یہاں غاروں میں آباد کیا گیا۔ انہیں مصر کی بارہ خوبصورت عورتیں دی گئیں۔ انہیں غاروں میں رہنے کو کہا گیا۔ ان کے ذمے اس جگہ کی رکھوالی تھی۔ آج تم نے جنہیں قتل کر دیا ہے اور میں جو زندہ ہوں انہی بارہ آدمیوں اور بارہ عورتوں کی نسل سے ہیں۔"

"اس چٹان کو ہم وہاں سے ہٹا کس طرح سکتے ہیں؟" — مارکونی نے پوچھا۔

"تمہاری آنکھیں کہاں ہیں؟" — بوڑھے نے پوچھا — "تمہاری عقل کہاں ہے؟" — اور اس نے کہا — "چٹان کی چوٹی دیکھو۔ کیا تم اس کے ساتھ رسّے نہیں باندھ سکتے؟ اگر تمہارے آدمیوں میں طاقت ہے تو مل کر رسّے کو کھینچیں تو چٹان نیچے آ سکتی ہے۔"

مارکونی مدفن کو بہت جلد بے نقاب کرنے کے لیے بیتاب تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو بلایا، رسّے منگوائے اور دو رسّے اوپر والی چٹان کی اُبھری ہوئی چوٹی کے ساتھ بندھوا دیئے۔ اُس نے تمام آدمیوں سے کہا کہ نیچے سے رسّہ پوری طاقت سے کھینچیں۔ وہ خود اُوپر چلا گیا۔ نیچے سے جب سب نے زور لگایا تو اُس نے دیکھا کہ بڑی چٹان ہل رہی تھی۔ ایک بار یہ اتنی زیادہ ہل گئی کہ اُسے اس کے نیچے خلا نظر آ گیا۔ اُس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُس نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اس کے آدمیوں نے اور زور لگایا تو چٹان سرک گئی۔ مارکونی نے اپنے آدمیوں کو ذرا آرام کرنے کو کہا۔ سورج سیاہ پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تھا۔ مارکونی کے پاس شراب کا ذخیرہ تھا۔ اُس نے شراب کا مشکیزہ منگوا کر کہا پیو اور اس چٹان کو کنکر کی طرح نیچے پھینک دو۔

سب شراب پر ٹوٹ پڑے۔ مارکونی نے پُرجوش لہجے میں کہا — "میں آج رات تمہیں دو اونٹ بھون کر کھلاؤں گا" — تھوڑی دیر بعد شراب نے سب کی تھکن دُور کر دی اور ان میں نئی تازگی آ گئی۔ اتنے میں سورج اُفق سے بھی نیچے چلا گیا تھا۔ مشعلیں جلا کر رکھ لی گئیں اور سب نے ایک بار پھر زور لگانا شروع کیا۔ مارکونی اُوپر کھڑا تھا۔ اسے مشعلوں کی ناچتی روشنی میں چٹان کا بالائی حصہ آگے کو جھکتا اور کچھ سرکتا نظر آیا۔ اُس نے اور زیادہ جوش سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اچانک چٹان مہیب آواز کے ساتھ سرک گئی اور اُلٹ کر نیچے کو لڑھک گئی۔ جہاں مارکونی کے آدمی تھے وہ جگہ تنگ تھی۔ اُن کے پیچھے بھی ایک پتھریلی ٹیکری تھی۔ اُوپر سے چٹان اتنی تیزی سے آئی کہ نیچے سے آدمی بھاگ نہ سکے۔ روشنی بھی کم تھی۔ پہاڑوں اور چٹانوں میں گھری ہوئی یہ دنیا بیک وقت کئی ایک چیخوں سے لرز اٹھی اور سکوت طاری ہو گیا۔ مارکونی دوڑتا نیچے آیا۔ ایک مشعل اٹھا کر دیکھا۔ گری ہوئی چٹان کے نیچے سے خون بہ رہا تھا۔ کسی کا ہاتھ نظر آ رہا تھا، کسی کی ٹانگ اور کسی کا سر، اور کچھ ایسے بھی تھے جو درمیان میں نیچے آ گئے تھے۔

مارکونی کو کسی کے دوڑنے کی آہٹیں سنائی دیں۔ شاید کوئی بچ بھی گئے تھے۔ وہ بھاگ گئے تھے۔ اُس نے ٹیکری پر دیکھا۔ وہاں چار انسان کھڑے تھے۔ ایک بوڑھا تھا، دوسرا اسماعیل، تیسرا مارکونی کا ایک ساتھی جو ہانپ رہا تھا۔ وہ بھاگا نہیں تھا اور چوتھا انسان قدومی تھی جو سراپا خوف بنی کھڑی تھی۔ مارکونی آہستہ آہستہ ٹیکری پر آیا۔ اس نے چاروں کو باری باری دیکھا۔ سب خاموش تھے۔ سب سے پہلے بوڑھا بولا۔ اس نے کہا۔ "میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں موت نظر آ رہی ہے۔ میں نے اپنے فرض کو نظر انداز کر کے تمہیں یہ بھید بتا دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ موت کا بھید ہے اور موت میرا فرض پورا کر دے گی.... کیا تم واپس چلے جاؤ گے؟"

"نہیں!" مارکونی نے آہستہ سے کہا۔ "میرے یہ ساتھی میرے ساتھ ہیں۔ یہ میرا ساتھ دیں گے"

اُس نے ان سے پوچھا۔ "معلوم ہوتا ہے کوئی زندہ نکل گئے ہیں۔ کون کون بھاگا ہے؟"

"مجھ سے پوچھو" بوڑھے نے کہا۔ "تمہارے چار آدمی میرے دو آدمیوں کے ساتھ بھاگ گئے ہیں۔ میرے آدمی انہیں باہر کا راستہ نہیں بتائیں گے۔ انہیں اب اندر ہی بھٹک بھٹک کر مرنا ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ چٹان کے نیچے آ کر مر جاتے۔ یہ موت آسان تھی۔ آج رات کے لیے یہ کام بند کر دو۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا۔"

☆

مارکونی پر اس حادثے کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے بوڑھے کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اسماعیل نے بوڑھے کو ایک چادر دی جو اُس نے اپنے اوپر ڈال لی۔ قدومی پر خاموشی طاری تھی۔ وہ اُن عورتوں کو بھی دیکھ چکی تھی جنہیں مارکونی نے یرغمال بنا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ اب کسی اور جگہ تھیں۔

"تم میرے ایک آدمی کو کھا گئے تھے" مارکونی نے کہا۔ "اس سے پہلے تم نے کتنے انسان کھائے ہیں؟"

"جتنے ہاتھ لگ سکے" بوڑھے نے جواب دیا۔ "میں بتا نہیں سکتا کہ ہماری نسل میں انسانی گوشت کب داخل ہوا۔ جو تاریخ میرے کانوں میں ڈالی گئی ہے اس میں پندرہ صدیوں پرانی ایک پیشن گوئی شامل ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ جو لوگ خدائے ریمنیس کے مدفن کی حفاظت کریں گے انہیں ریگزار اپنی ٹھنڈی آغوش میں رکھے گا۔ انہیں پانی اور سائے سے محروم نہیں ہونے دے گا۔ انہیں دنیا کے لالچ سے آزاد کر دے گا۔ انہیں سونے، چاندی، عورت اور شراب کی خواہش سے آزاد کر دے گا۔ انہیں یہ بھی ضرورت نہیں رہے گی کہ وہ اپنے ستر ڈھانپیں۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ہو گی۔ ان میں کوئی لالچ نہیں ہو گا۔ لالچ ہی انسان کو قاتل، ڈاکو اور بددیانت بناتا ہے۔ وہ کبھی دولت کا لالچ کرتا ہے اور کبھی عورت کا۔ اس کا دین نہیں رہتا۔ لالچ فساد کی جڑ ہے۔ ہمیں اس لعنت سے آزاد کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ریمنیس کے محافظ انسان کا گوشت کھائیں گے۔ یہاں سے باہر جایا کریں گے۔ انسان کا شکار کھیلیں گے اور کوئی جانور ملے تو اُسے بھی کھائیں گے۔ اگر نہیں کھائیں گے تو ان کی نسل ختم ہو جائے گی۔"

"کیا تم آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہو؟" قدومی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"انسان بڑی کمزور چیز ہے۔ اپنے خدا بدلتا رہتا ہے" بوڑھے نے کہا۔ "اور کبھی انسان خود ہی خدا بن جاتا ہے۔ اِس وقت تم لوگ میرے خدا ہو کیونکہ میری جان اور میری بچیوں کی عزت جو تمہاری قید میں ہیں تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تم پر یہ راز تمہیں خدا سمجھ کر فاش کر دیا ہے کیونکہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں اور اپنی بچیوں کو بے آبرو کرانے سے ڈرتا ہوں۔ فرعون نے بھی تمہاری طرح اپنے وقت کی مخلوق کی گردن پر بھوک اور بیگار کی چھری رکھ کر کہا تھا کہ میں خدا ہوں۔ انسان نے مجبور ہو کر کہا۔ ہاں! تم ہی خدا ہو۔ بھوک اور مفلسی انسان کو حقیقت سے بہت دور لے جا کر پھینک دیتی ہے۔ اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ جسے حقیقی خدا نے اشرف المخلوقات کہا تھا، اُس کا صرف جسم رہ جاتا ہے جسے پیٹ کی آگ جلاتی ہے تو وہ اس انسان کے آگے سجدے کرنے لگتا ہے جو اُس کے پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرتا ہے۔ انسان کی اسی کمزوری نے بادشاہ پیدا کیے۔ ڈاکو اور رہزن پیدا کیے۔ انسان کو حاکم اور محکوم، ظالم اور مظلوم بنایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو بھوک نے بدی سے آشنا کیا۔ یہ غلط ہے۔ انسان کو بدکار زر و جواہرات نے بنایا ہے.... تم کون ہو؟ کیا ہو؟" اُس نے قدومی سے پوچھا۔ "ان میں سے کس کی بیوی ہو؟ ان میں سے کسے اپنا آدمی کہہ سکتی ہو؟" بوڑھے کو معلوم ہو چکا تھا کہ قدومی قاہرہ کی رقاصہ ہے۔

قدومی اس کے سوال سے پریشان ہو گئی۔ وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ بوڑھے کے سوال نے اس کا پسینہ نکال دیا۔ بوڑھے نے اُسے خاموش دیکھ کر کہا۔ "تم اپنے حسین چہرے اور جوانی کی بدولت اپنے آپ کو خدا سمجھتی ہو اور تمہاری خواہش کرنے والے تمہیں خدا کہتے ہیں۔ مجھے جنگلی اور وحشی نہ سمجھو۔ میرے پاس کپڑے ہیں جو میں پہن کر کبھی کبھی قاہرہ جایا کرتا ہوں.... تمہاری مہذب دنیا کو دیکھتا ہوں، پھر واپس آ کر کپڑے اتار دیتا ہوں۔ میں نے تمہاری دنیا میں بگھیوں پر شہزادے سیر کرتے دیکھے ہیں۔ تمہاری طرح کی شہزادیاں دیکھی ہیں۔ ناچنے اور گانے والی بھی دیکھی ہیں اور انہیں جو نچاتے ہیں انہیں بھی دیکھا ہے۔ میں نے فرعونوں کے وقتوں کی باتیں سنی ہیں اور آج کے وقت کے فرعون بھی دیکھے ہیں۔ ان سب کا انجام بھی دیکھا ہے۔ تمہارا انجام بھی جو تمہیں ابھی نظر نہیں آ رہا دیکھ رہا ہوں۔ تم نے خزانے کے لالچ میں اتنے بے گناہ انسانوں کا خون کیا۔ اس گناہ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ فرعون بھی نہیں بچ سکے تھے۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا۔ ان کا انجام دیکھنا۔ وہ خدا ہوتے تو اُن کا یہ انجام نہ ہوتا۔ خدا وہ ہوتا ہے جو انجام تک پہنچایا کرتا ہے، انجام تک پہنچا نہیں کرتا۔ میں نے اُس انسان کو کبھی خدا نہیں مانا جو آج پہاڑی کے نیچے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے۔ میں اور میرا قبیلہ اس کی حفاظت نہیں کر رہے۔ ہم نے دنیا کے لالچ سے بچنے کے لیے اپنا ایک عقیدہ بنا لیا ہے۔ ہم اس عقیدے کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

بوڑھا ٹھہری ٹھہری آواز میں بولتا جا رہا تھا۔ قدومی اُسے دیکھ رہی تھی اور بوڑھے کی باتوں میں اُسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ مارکونی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس نے بوڑھے سے

کہا — "تم اپنی عورتوں کے پاس چلے جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا۔ ہمیں اندر جانا ہے۔"

بوڑھا چلا گیا تو مارکونی نے قدوی سے کہا — "آؤ۔ ہم بھی سو جائیں۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی" — قدوی نے کہا۔

مارکونی اُس کی طرف لپکا۔ قدوی پیچھے ہٹ گئی۔ مارکونی نے اُسے دھمکی دی۔ اسماعیل اس کے آگے آگیا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ مارکونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور مارکونی پیچھے ہٹ گیا۔ وہ جب چلا گیا تو قدوی اسماعیل کے سینے پر سر پھینک کر بچوں کی طرح رونے لگی۔

☆

صبح جاگے تو مارکونی نے بوڑھے کو ڈھونڈا۔ بوڑھا وہاں نہیں تھا۔ عورتوں کو دیکھا۔ وہ بھی غائب تھیں۔ انہیں آوازیں دیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُن میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ مارکونی کو اب ان کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ مدفن کا دہانہ کھل چکا تھا۔ بوڑھا اگر وہاں ہوتا بھی تو اُسے معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہے۔ مارکونی نے اسماعیل، اپنے ساتھی اور قدوی کو اپنے ساتھ لیا اور وہ سب اُس چٹان پر چڑھ گئے جہاں مدفن کے اندر جانے کا دہانہ تھا۔

مارکونی نیچے اترا۔ یہ ایک کشادہ گڑھا تھا، جو سُرنگ بن کر ایک طرف چلا گیا تھا۔ وہ مشعلیں ساتھ لے گئے تھے جو جلائی گئیں۔ کچھ دُور آگے جا کر سُرنگ بند ہو گئی۔ مارکونی نے وہاں الٹی کدال ماری تو ایسی آوازیں آئیں جیسے اس کے پیچھے جگہ کھوکھلی ہے۔ یہ پتھر کا چوکور دروازہ تھا۔ اس پر ضربیں لگائی گئیں تو کناروں سے خلا نظر آنے لگے۔ سلاخوں اور ہتھوڑوں وغیرہ کی مدد سے اس تراشے ہوئے پتھر کو ہلا لیا گیا اور بہت سی محنت اور مشقت کے بعد اس چوکور پتھر نے اس طرح راستہ دے دیا کہ پیچھے کو گرا۔ اس کے وزن کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرنے سے زلزلے کا جھٹکا محسوس ہُوا۔ اندر سے پندرہ سوا صدیوں کی بدبو جھکڑ کی طرح باہر آئی۔ سب پیچھے کو بھاگے اور انہوں نے ناک منہ پر کپڑے لپیٹ لیے۔ ذرا دیر بعد مشعلوں کے ساتھ اندر گئے۔ چند قدم آگے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

سیڑھیوں پر انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیوں کے پنجر پڑے تھے۔ ان کے ساتھ برچھیاں اور ڈھالیں بھی تھیں۔ یہ پہرہ داروں کی ہڈیاں تھیں۔ انہیں اندر زندہ پہرے پر کھڑا کر کے مدفن کے منہ پر اتنی وزنی سِل جما دی گئی تھی۔ سیڑھیاں انہیں دُور نیچے لے گئیں۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا۔ یہ زمین پتھریلی تھی۔ کاریگروں نے لمبی مدت صرف کر کے دیواریں اور چھت اس طرح تراشی تھی کہ یہ بیسویں صدی کی عمارت معلوم ہوتی تھی۔ وہاں ایک بڑی ہی خوشنما کشتی رکھی تھی جس کے بادبان لپیٹے ہوئے تھے۔ کشتی میں بھی انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں پڑی تھیں۔ یہ ملاحوں کی تھیں۔ ایک تاریک راستہ جو کاریگری سے تراشا گیا تھا ایک اور کمرے میں لے گیا۔ وہاں ایک بجی سجائی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے آگے آٹھ گھوڑوں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں اور بگھی کی اگلی سیٹ پر انسانی ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔ اس کمرے میں کئی اور ہڈیوں کے پنجر تھے۔ اس سے آگے ایک اور کمرہ تھا، جو صحیح معنوں میں شیش محل تھا۔ چھت اونچی اور دیواروں پر چتر کاری کی گئی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ سیڑھیاں اور ان

پر ایک پتھر کی کرسی اور کرسی پر رمینیس کا بُت بیٹھا ہُوا تھا۔ یہ بھی پتھر کا تھا۔

سیڑھیوں پر ہڈیوں کے پنجر اور کھوپڑیاں پڑی تھیں۔ قدوی نے ایک کھوپڑی کے ساتھ موتیوں کا ایک ہار دیکھا جس کے ساتھ ایک نیلا ہیرا تھا۔ کانوں میں ڈالنے والے زیورات تھے اور انگوٹھیاں بھی چند اور ڈھانچوں کے ساتھ اُس نے ہار اور زیورات دیکھے۔ مارکونی نے ایک ہار اٹھایا۔ ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ان موتیوں اور ہیروں کی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔ مشعل کی روشنی سے ہیرے رنگا رنگ شعاعیں دیتے تھے۔ مارکونی ہار قدوی کے گلے میں ڈالنے لگا تو قدوی چیخ مار کر اسماعیل کے پیچھے ہو گئی۔ مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا — "میں نے کہا تھا کہ تمہیں ملکہ قلو پطرہ بناؤں گا۔ ڈرو مت قدوی! یہ سب ہار تمہارے ہیں۔"

"نہیں!" — قدوی نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا — "نہیں! میں نے ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں میں اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔ یہ بھی مجھ جیسی تھیں۔ یہ اُس 'خدا' کی محبوبہ کا ہار ہے جو یہیں کہیں مرا پڑا ہے۔ میں نے ان کا انجام دیکھ لیا ہے جنہیں تکبر نے 'خدا' بنایا۔ میں نے اپنا خدا دیکھ لیا ہے" — وہ اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اُس نے اسماعیل کو گھسیٹتے ہوئے کہا — "مجھے یہاں سے لے چلو۔ مجھے لے چلو یہاں سے۔ میں ہڈیوں کا پنجر ہوں" — اُس کے گلے میں اپنا ہار تھا۔ اُس نے یہ ہار اتار کر ہڈیوں پر پھینک دیا۔ انگلیوں سے بیش قیمت انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں اور چلّانے لگی — "میں نے اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔ میں نے خدا دیکھ لیا ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔"

مارکونی ایک اور کمرے میں جا چکا تھا۔ اسماعیل نے قدوی سے کہا — "ہوش میں آؤ۔ ہم چلے گئے تو یہ سارا خزانہ یہ دونوں صلیبی اٹھا لے جائیں گے" — اسماعیل کو ایک اور راستہ نظر آگیا۔ مشعل اُس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ قدوی کو اُس طرف لے گیا اور وہ ایک اور فراخ کمرے میں داخل ہوئے۔ وسط میں ایک چبوترے پر تابوت رکھا تھا۔ چہرہ ننگا تھا۔ یہ تھا فرعون رمینیس دوم جس کے آگے لوگ سجدے کرتے تھے۔ لاش حنوط کی ہوئی تھی۔ چہرہ بالکل صحیح تھا۔ آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں۔ اسماعیل اس چہرے کو بہت دیر دیکھتا رہا۔ قدوی نے بھی دیکھا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں بھی ہڈیوں کے پنجر نظر آئے اور وہیں انہیں بڑے خوشنما بکس بھی دکھائی دیے۔ ایک بکس کا ڈھکنا کھلا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس میں سونے کے زیورات اور ہیرے پڑے تھے۔ ان پر ایک انسانی بازو کی ہڈی اور ایک ہاتھ کی ہڈیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بکس کے ساتھ کھوپڑی اور باقی ہڈیاں پڑی تھیں۔

"آہ انسان!" — اسماعیل نے کہا — "اس شخص نے مرنے سے پہلے یہ زیورات اور ہیرے اٹھانے کی کوشش کی۔ اسے امید ہو گی کہ یہاں سے نکل بھاگے گا مگر دم گھٹنے سے خزانے کے اوپر مر گیا۔ بوڑھے نے ٹھیک کہا تھا کہ انسان کی دشمن بھوک نہیں ہوس ہے۔" اُس نے بکس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا — "قدوی! تم بھی ہوس لے کے آئی ہو۔ میں تمہیں کچھ دے دوں۔"

"نہیں اسماعیل!" — قدوی نے اس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا — "میری ہوس مر چکی ہے۔ قدوی مر چکی ہے۔"

اسماعیل نے پھر بھی بکس میں ہاتھ ڈالا۔ قدوی نے چلّا کر کہا — "بچو اسماعیل!"

اسماعیل سنا رہا تھا۔ وہ ایک طرف مُڑ کر لڑھک گیا اور اٹھا اُس نے دیکھا کہ مارکونی تلوار سونتے اُس پر حملہ آور ہُوا تھا۔ اُس کی تلوار کا وار کہیں پہ پڑا۔ مارکونی کی آواز سنائی دی ــــ "یہ خزانہ میرا ہے"۔ اتنے میں مارکونی کا ساتھی بھی آ گیا۔ اسماعیل کے پاس خنجر تھا جس سے وہ تلوار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ قدومی کو قریب ہی ایک برچھی پڑی نظر آ گئی۔ مارکونی اسماعیل پر وار کر رہا تھا جو وہ مشعل پہ روک رہا تھا۔ مارکونی کے ساتھی نے بھی اسماعیل پر حملہ کیا۔ دونوں صلیبی خزانہ دیکھ کر پاگل ہو چکے تھے۔ قدومی کو انہوں نے نہ دیکھا کہ کیا کر رہی ہے۔ جوں ہی مارکونی کی پیٹھ قدومی کی طرف ہوئی قدومی نے پوری طاقت سے برچھی اُس کے پہلو میں اتار دی۔ برچھی نکال کر ایک اور وار کیا اور اُسے لڑھکا دیا۔ اس کا ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا۔ وہ قدومی پر تلوار کا وار کرنے کو لپکا تو اسماعیل نے خنجر سے اس کے پہلو سے پیٹ چیر ڈالا۔

قدومی جو خزانے میں سے حصہ لینے گئی تھی اپنے گلے کا ہار، بیش قیمت دو انگوٹھیاں اور کانوں کے زیورات وہاں پھینک کر اسماعیل کے ساتھ باہر نکل آئی۔ دہانے والے دروازے سے نکلتے ہوئے اسماعیل نے جلتی ہوئی مشعل اندر ہی پھینک دی۔ وہ دونوں ان اشیاء کے علاوہ بہت کچھ اندر ہی پھینک آئے تھے۔ قدومی کو جب باہر کی تازہ ہوا لگی تو اُس نے اسماعیل سے کہا ــــ "ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو؟ میں کون ہوں؟"

"میں بھی کچھ ایسے ہی محسوس کر رہا ہوں"۔ اسماعیل نے کہا "ہم شاید سارے گناہ اندر ہی پھینک آئے ہیں"۔

اس علاقے سے باہر نکلنے کا راستہ انہیں معلوم تھا۔ وہ باہر نکل گئے۔ باہر تھوڑے سے اونٹ کھڑے تھے باقی معلوم نہیں کہاں غائب ہو گئے تھے۔ وہ دو اونٹوں پر بیٹھے اور قاہرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

☆

وہ اگلی رات تھی۔ آدھی گزر گئی تھی جب غیاث بلبیس نے قدومی اور اسماعیل کی ساری داستان ہر ایک تفصیل کے ساتھ سُن کر لمبی آہ بھری اور کہا۔ "مجھے صلاح الدین ایوبی کی باتیں اب صحیح معلوم ہو رہی ہیں۔ اس نے کہا تھا ان خزانوں سے دُور رہو"۔

غیاث بلبیس شہری امور کا کوتوال تھا۔ اسماعیل اور قدومی اُسے اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ صحرا سے لوٹ کر احمر درویش کے پاس جانے کی بجائے غیاث بلبیس کے پاس چلے گئے اور اسے ساری واردات سُنا کر بتایا کہ اس کا اصل سرغنہ احمر درویش ہے۔ غیاث بلبیس نے اُسی وقت علی بن سفیان کو اپنے پاس بلا لیا۔ اُسے یہ واردات سنائی۔ احمر معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ ان دونوں نے سلطان ایوبی کو جاجگایا اور اجازت مانگی کہ وہ احمر درویش کو گرفتار کر لیں۔ انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے فوج کے کچھ آدمی ساتھ لیے اور احمر درویش کے گھر چھاپہ مارا۔ سارے گھر کی تلاشی لی۔ وہاں سے وہ نقشے اور کاغذات برآمد ہوئے جو پرانی دستاویزات کے پلندے سے غائب تھے۔

صبح علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کے ساتھ فوج کے ایک بڑے دستے کو اس پُراسرار علاقے کی طرف

بھیجا گیا جہاں رمیلیس کا مدفن تھا۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا تھا کہ ثبوت وغیرہ دیکھ کر مدفن کو اسی طرح بند کر دیا جائے جس طرح پہلے تھا۔ کسی کو اندر نہ جانے دیا جائے۔ اسماعیل راہنمائی کر رہا تھا۔ وہاں گئے تو وہ جگہ خونچکاں کہانی بیان کر رہی تھی۔ فوج کی مدد سے مدفن کے دہانے کو اُسی وزنی چوکور پتھر سے بند کر دیا گیا۔ چٹان جو نیچے پڑی تھی اسے فوج کی ایک بڑی جمعیت نے رسّوں اور زنجیروں سے اوپر کیا اور فرعون ایک بار پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا، مگر اب وہ اپنے جیسے دو اور گناہگاروں کی لاشیں اپنے مدفن میں لے گیا۔ ☆

اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟

صلیبیوں کا سن ۱۱۷۴ء دنیائے اسلام کے لیے اچھا ثابت نہ ہوا۔ یہ سلمانوں کا سن ۵۶۹ ہجری تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان نے سال کے آغاز میں یہ خبر سنائی کہ عکرہ میں اپنا ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا ہے۔ یہ اطلاع ایک اور جاسوس لایا تھا جو ان دونوں کے ساتھ تھا۔ یہ جاسوس کچھ قیمتی معلومات بھی لایا تھا لیکن ایک جاسوس کی شہادت اور دوسرے کی گرفتاری نے سلطان ایوبی کو پریشان کر دیا۔ علی بن سفیان بھانپ گیا کہ سلطان ایوبی کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گیا ہے۔ فوجی سراغرسانی اور جاسوسی کا یہ ماہر سربراہ جانتا تھا کہ سلطان ایوبی نے سینکڑوں فوجیوں کی شہادت پر بھی کبھی پریشانی اور افسوس کا اظہار نہیں کیا لیکن ایک چھاپہ مار یا کسی ملک میں بھیجے ہوئے ایک جاسوس کی شہادت کی خبر سن کر اس کا چہرہ بجھ جایا کرتا ہے۔

اب ایک جاسوس کی شہادت اور ایک کی گرفتاری کی اطلاع پر علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے چہرے پر رنج کا تاثر دیکھا تو اس نے کہا۔ "امیر محترم! آپ کا چہرہ اداس ہوتا ہے تو لگتا ہے سارا عالم اسلام ملول ہو گیا ہے۔ اسلام کی آبرو جانوں کی قربانی مانگتی ہے۔ ایک دن ہم دونوں کو بھی شہید ہونا ہے۔ ہمارے دو جاسوس ضائع ہو گئے ہیں تو میں دو اور بھیج دوں گا۔ یہ سلسلہ رک تو نہیں جائے گا۔"

"یہ سلسلہ رک جانے کا مجھے خدشہ نہیں علی!" سلطان ایوبی نے رنجیدہ سی مسکراہٹ سے کہا۔ "ہر کسی چھاپہ مار کی شہادت میرے ذہن میں یہ سوچ بیدار کر دیتی ہے کہ ایک یہ سرفروش ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل، وطن سے دور، اپنے بیوی بچوں، بہن بھائیوں اور ماں باپ سے دور دشمن کے ملک میں تن تنہا اپنا فرض ادا کرتے اور جان کی قربانی دیتے ہیں، اور ایک یہ ایمان فروش ہیں جو گھروں میں بادشاہوں کی طرح رہتے، عیش و عشرت کرتے اور اسلام کی جڑیں کاٹنے میں اپنے دشمن کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔"

"کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ سالاروں، نائب سالاروں اور تمام کمانداروں کو باقاعدہ وعظ دیئے جایا کریں؟" علی بن سفیان نے کہا۔ "آپ انہیں مہینے میں ایک بار اسلام کی عظمت اور صلیبیوں کے عزائم کے متعلق وعظ دیا کریں۔ میرا خیال ہے کہ جن کا رجحان دشمن پروری کی طرف ہے انہیں بتایا جائے کہ ان کا دشمن کون ہے اور کیسا ہے تو وہ اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کر لیں گے۔"

"نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "جب انسان ایمان بیچنے پر آتا ہے تو اس کے آگے قرآن رکھ دو تو وہ اس مقدس کتاب کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دے گا۔ ایک طرف صرف الفاظ ہوں اور دوسری طرف دولت،

معلوم کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس لیے انہیں عیسائیت کے متعلق، گرجوں کے اندر کے آداب اور طور طریقوں کے متعلق نہ صرف معلومات دی گئیں بلکہ ریہرسل بھی کرائی گئی تھی۔ عمران نے اس ریہرسل کو ایسی خوبی سے عملی شکل دی کہ بڑا پادری اور اُس کے چیلے چانٹے اس سے بہت متاثر ہوئے اور اسے گرجے میں رکھ لیا۔ عمران نے پادری کی خدمت ایسے والہانہ انداز سے شروع کر دی کہ وہ پادری کا خصوصی ملازم بن گیا۔ چونکہ وہ ذہین بھی تھا اس لیے اُس نے پادری کے دل پر قبضہ کر لیا۔ پادری نے تسلیم کر لیا کہ یہ شخص غیر معمولی طور پر ذہین ہے لیکن اس پر مذہب کا جنون اتنی شدت سے طاری ہو گیا ہے کہ اس کی ذہانت بیکار ہو رہی ہے۔ پادری نے اس کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔

☆

عمران کا ایک ساتھی ایک عیسائی تاجر کے پاس گیا اور بتایا کہ وہ کرک سے بھاگا ہوا عیسائی ہے جہاں اس کا سارا خاندان مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اُس نے اپنی داستانِ غم ایسے جذباتی انداز سے سنائی کہ تاجر نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ وہ رحیم ہنگورہ نام کا سوڈانی مسلمان تھا۔ عمران کی طرح ذہین، دلیر اور خوبرو۔ اُس نے اس تاجر کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اُس نے چند دن صرف کر کے دیکھا تھا کہ وہاں صلیبی فوج کے افسر آتے ہیں اور فوج کے لیے سامان خریدتے ہیں۔ ٹریننگ اور اپنی عقل کے زور پر وہ تاجر کا قابلِ اعتماد ملازم بن گیا۔ چند دنوں بعد تاجر نے اُسے گھر کے کام بھی دینے شروع کر دیئے۔ رحیم نے ایلی مور کے عیسائی نام سے تاجر کے گھر والوں پر بھی اپنا اثر قائم کر لیا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے تاجر کی بیوی، اُس کی جوان بیٹی اور بیٹے کو ایسے انداز سے اپنی تباہی کی کہانی سنائی تھی کہ ان سب کے آنسو نکل آئے تھے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کا مکان انہی کے مکان جیسا تھا۔ ایسی ہی سجاوٹ تھی۔ ایسا ہی سامان تھا۔ اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا تھا۔ تاجر کی بیٹی جیسی خوبصورت جوان بہن تھی۔ اُس کے گھر میں حاجت مندوں کو نوکر رکھا جاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اب خدا نے یہ دن دکھایا ہے کہ میں نوکری کر رہا ہوں۔

تاجر کی بیٹی ایلس اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئی۔ وہ رحیم سے اس کی بہن کے متعلق ہی پوچھتی رہی۔ رحیم نے کہا۔ "وہ بالکل تمہاری طرح تھی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے بہن اور زیادہ یاد آنے لگی ہے۔ اگر وہ مر جاتی تو اتنا غم نہ ہوتا۔ غم یہ ہے کہ مسلمان اُسے اٹھا لے گئے ہیں۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ اُس کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ مجھے اب یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ اُسے مسلمانوں سے کس طرح رہائی دلاؤں۔ کبھی دل میں زیادہ ابال اٹھا تو شاید میں پاگلوں کی طرح وہیں جا پہنچوں جہاں بہن کو چھوڑ آیا ہوں۔ بہن تو نہیں ملے گی مجھے موت مل جائے گی۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

ماں بیٹی نے ضرور سوچا ہوگا کہ اتنا خوبرو جوان جوانی کی عمر میں ہی غم میں گھلنے لگا ہے اور اس کی جذباتی حالت بتا رہی ہے کہ اس کا غم ہلکا نہ کیا گیا تو یہ پاگل ہو جائے گا یا خودکشی کرے گا۔ ایلس جو تاجر کی جوان اور غیر شادی شدہ بیٹی تھی رحیم کے درد کو اپنے دل میں محسوس کرنے لگی۔ یہاں تک کہ رحیم جب باہر نکلا تو ایلس نے کسی بہانے باہر جا کر رحیم کو راستے میں روک لیا اور کہا کہ وہ اُن کے گھر آتا رہا کرے۔ اُس نے رحیم سے کچھ جذباتی باتیں

کر کے اُس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ ماں بیٹی نے تاجر سے بھی کہا کہ اس آدمی کا خیال رکھے۔ دراصل رحیم کی شکل و صورت اور ڈیل ڈول ایسی تھی کہ وہ کسی اونچے اور کھاتے پیتے خاندان کا بیٹا لگتا تھا۔ اس ناٹک میں اگر کوئی کسر تھی تو وہ اس کی زبان اور اداکاری سے پوری ہو جاتی تھی جس کی اُسے ٹریننگ دی گئی تھی۔

تین چار روز بعد وہ تاجر کے پاس بیٹھا تھا کہ اُسے اپنا ایک ساتھی جاسوس رضا انجارہ نظر آیا۔ رحیم اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اُسے کوئی ٹھکانہ نہیں ملا۔ رضا تجربہ کار گھوڑ سوار تھا اور گھوڑے پالنے اور سنبھالنے کی مہارت رکھتا تھا۔ رحیم اُسے تاجر کے پاس لے آیا اور اس کا تعارف فرانسس کے نام سے کرا کے کہا کہ یہ بھی کرک کا لٹا پٹا عیسائی ہے۔ اسے کہیں نوکر کرا دیا جائے۔ رحیم نے کہا کہ یہ گھوڑوں کے سائیسوں کا انچارج تھا۔ یہی کام کر سکتا ہے۔ تاجر نے کہا کہ اس کے پاس بڑے بڑے فوجی افسر آتے رہتے ہیں۔ ان کی وساطت سے وہ فرانسس کو ملازمت دلا دے گا۔۔۔۔ دو تین روز بعد رضا کو اس اصطبل میں ملازمت مل گئی جہاں فوج کے بڑے افسروں کے گھوڑے رہتے تھے۔

تاجر کے پاس فوج کے افسر آتے رہتے اور وہ ان کے پاس جاتا رہتا تھا۔ رحیم نے دیکھا کہ تاجر ان افسروں کو شراب اور حشیش کے علاوہ چوری چھپے عورتیں بھی دیا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے ان سب کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ رحیم تاجر کو صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے خلاف بھڑکاتا رہتا اور اس خواہش کا اظہار کرتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج پورے عرب اور مصر پر قابض ہو جائے اور کوئی مسلمان زندہ نہ رہے۔ اس خواہش میں وہ بعض اوقات اتنا بے تاب اور بے قرار نظر آتا تھا جیسے عکرہ کے مسلمانوں کا خون پی لے گا۔ تاجر اُسے تسلی دیتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج اس کی خواہش پوری کر دے گی۔ وہ صلیبی فوج کے ان افسروں کو بھی برا بھلا کہنے لگتا تھا جو عکرہ میں بیٹھے عیش کر رہے تھے۔ ان جذباتی باتوں کے ساتھ ساتھ رحیم عقل مندی کی باتیں بھی کرتا تھا اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ایسے جنگی نقشے اور منصوبے بناتا تھا کہ تاجر اُسے غیر معمولی طور پر دانش مند سمجھتا تھا۔ ایسے ہی جذبات اور دانشمندانہ باتوں کا نتیجہ تھا کہ تاجر نے اُسے وہ فوجی راز دینے شروع کر دیئے جو اُسے فوجی افسروں سے حاصل ہوتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ایلس رحیم کی گرویدہ ہو گئی۔ رحیم نے ابتدا میں اُسے بھی اپنے فرض کی ایک کڑی سمجھا لیکن ایلس کے والہانہ پن نے رحیم کے دل میں اُس کی محبت پیدا کر دی۔ رحیم نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنا فرض پورا کر کے وہ ایلس کو اپنے ساتھ قاہرہ لے جائے گا اور اُسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرے گا، مگر ابھی دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ صلیبی فوج کا ایک بڑا افسر اس لڑکی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

رضا انجارہ بھی تربیت یافتہ جاسوس تھا۔ اصطبل میں اُسے فوج کے کسی بڑے افسر کا گھوڑا مل گیا تھا۔ اس افسر نے محسوس کیا کہ رضا عام قسم کا سائیس نہیں بلکہ عقل و دانش بھی رکھتا ہے۔ وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا۔ جب کبھی یہ افسر اصطبل میں آتا تو رضا اس سے پوچھتا "صلاح الدین ایوبی کو آپ کب شکست دے رہے ہیں؟" اور پھر وہ بتاتا کہ سلطان ایوبی کی فوج میں کیا خوبیاں اور صلیبی فوج میں کیا خامیاں ہیں۔ ایک روز اُس نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اگر کوئی جنگی امور کا ماہر نہ کہے تو کم از کم ایک سائیس کے دماغ میں نہیں آ سکتی۔ اس افسر نے اُسے کہا۔

تم کون ہو؟ تمہارا پیشہ سائیسی نہیں ہو سکتا۔"

"آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میرا پیشہ سائیسی ہے؟" رضا نے کہا۔ "میں کرک میں گھوڑوں کا مالک تھا۔ میں خود تو فوج میں نہیں تھا میرے دو گھوڑے جنگ میں گئے تھے۔ یہ تو زمانے کے انقلاب ہیں کہ گھوڑوں کا مالک آج اصطبل میں سائیس ہے۔ مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دیں تو میں باقی عمر آپ کے جوتے صاف کرتے گزار دوں گا۔"

"صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے فرانسس!" اس نے رضا سے کہا۔

"لیکن کیسے؟" رضا نے کہا۔ "اگر ہمارے بادشاہوں نے کرک اور شوبک پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو اسی طرح محاصرے میں لے کر شکست دینے کی کوشش کی جس طرح انھوں نے ہمیں محاصرے میں لیا تھا تو آپ کامیاب نہیں ہوں گے۔ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی جنگ کے استاد ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ انھوں نے ہماری فوج کو قلعوں سے دُور روکنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ عقل مندی اس میں ہوگی کہ حملہ کسی ایسی سمت سے کیا جائے جو ایوبی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ ایوبی اور زنگی قلعوں میں بیٹھے رہیں اور آپ مصر پر چھا جائیں۔"

"ایسے ہی ہوگا۔" افسر نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا۔ "سمندر میں کوئی قلعہ نہیں ہوتا۔ مصر کے ساحل پر کوئی قلعہ نہیں۔ مصر پر اب صلیب کی حکمرانی ہوگی۔"

یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد رضا نے اس افسر سے کئی ایک راز کی باتیں معلوم کر لیں۔ دشمن اپنا جنگی راز تفصیل سے بیان نہیں کیا کرتا۔ ہوشیار جاسوس اشاروں میں باتیں اگلوا لیتا اور ان اشاروں کو اپنے فن کے مطابق جوڑ کر وہ کہانی بنا لیتا ہے جسے راز کہتے ہیں۔

☆

رحیم اور رضا ہر اتوار کی صبح گرجے میں جاتے اور عمران سے ملاقات کر لیتے اور اُسے اپنی رپورٹیں بھی دیا کرتے تھے۔ رحیم نے عمران کو بتا دیا تھا کہ تاجر کی بیٹی ایلیس اُسے بڑی شدت سے چاہنے لگی ہے۔ عمران نے اُسے کہا کہ وہ اس کی محبت کو ٹھکرائے نہیں ورنہ اُسے اس جگہ سے نکال دیا جائے گا اور یہ احتیاط بھی کرے کہ اس کی محبت میں ہی نہ گم ہو جائے، مگر رحیم ایلیس کے حُسن و جوانی میں گم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُن کی شادی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ عکرہ سے بھاگ چلیں کیونکہ کوئی فوجی افسر لڑکی کے باپ کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رہا تھا۔ رحیم نے عمران کو یہ صورتِ حال نہ بتائی۔

عمران نے پادری کا قُرب اور اعتماد اس حد تک حاصل کر لیا تھا کہ اُس کا ہمراز درباری بن گیا تھا۔ وہ پادری سے ایسے سوال پوچھتا تھا جن میں ذہانت کی پختگی اور علم کی تشنگی ہوتی تھی۔ پادری اپنی فراغت کے اوقات میں اُسے مذہب کے سبق دیا کرتا تھا۔ وہ عمران کو یہ ذہن نشین کرا رہا تھا کہ عیسائیت کا یہ فرض ہے کہ کرۂ ارض سے اسلام کا وجود ختم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے جنگ کی جائے اور جو بھی ذریعہ کامیاب ہو سکتا ہے استعمال کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کو قتل کیا جائے۔ انھیں ہر ذریعے سے عیسائیت میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ

عیسائیت قبول نہ کریں تو ان کے ذہنوں سے اسلام بھی نکال دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں بدی کا بیج بو دیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنی عورتوں کو استعمال کیا جائے۔ یہ عورتیں مسلمان عورتوں میں بدکاری پیدا کریں اور جوان لڑکیاں مسلمان نوجوانوں اور ان کے حکمرانوں اور حاکموں کا کردار تباہ کریں۔ چونکہ یہودی بھی مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اپنی عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کی تباہ کاری کے لیے یہودی عورتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ سامنے رکھا جائے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا ہے۔ پھر ہر طریقہ اختیار کیا جائے۔ وہ خواہ دوسروں کی نظر میں ناجائز، ظالمانہ اور شرمناک ہی کیوں نہ ہو۔

عمران پادری سے ایسی باتیں سنتا اور اطمینان کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وہاں فوجی افسر اور حکومت کے افسر بھی آتے رہتے تھے۔ اُن دنوں چونکہ صلیبیوں کو یکے بعد دیگرے دو میدانوں سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا تھا اس لیے عکرہ میں ہر کسی کی زبان پر یہی سوال تھا کہ جوابی حملہ کب کیا جائے گا۔ پادری کی ذاتی محفل میں تو اور کوئی بات ہوتی ہی نہیں تھی۔ عمران وہاں سے قیمتی راز حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صلیبی حکمرانوں میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہے۔ اُن کی اپنی بادشاہیاں اور سلطنتیں تھیں۔ وہ چونکہ ہم مذہب تھے اس لیے صلیب پر ہاتھ رکھ کر انھوں نے اسلام کے خاتمے کی جنگ شروع کر دی تھی، مگر اندر سے وہ پھٹے ہوئے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو در پردہ مسلمانوں کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر کے اپنے صلیبی بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی تیاریاں بھی کرتے رہتے تھے۔ ان میں قابلِ ذکر سیز ریمنڈل تھا جس نے ایک میدان میں نورالدین زنگی کے ساتھ صلح کر کے تاوان ادا کیا اور مسلمانوں کے جنگی قیدی رہا کر دیئے تھے۔ اب سیز ریمنڈل دوسرے حکمرانوں کو بھڑکا رہا تھا کہ وہ سب مل کر زنگی پر حملہ کریں۔ حملے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک زنگی پر اور دوسرا مصر پر۔ اُس وقت زنگی کرک میں تھا۔

بہر حال پادری اُن کے نفاق پر پریشان رہتا تھا۔ عمران نے اُسے یہ نہ کہا کہ جو قوم اپنی لڑکیوں کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتی، اس کے افراد ایک دوسرے کو دھوکہ دینے سے کیوں گریز کریں گے۔ میدان میں ہار کر زمین دوز جنگ لڑنے والی قوم کی اخلاقی حالت یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے بھائیوں سے بھی دغا اور فریب کریں۔ عمران نے اپنے ذہن میں یہ بات سلطان ایوبی کو بتانے کے لیے محفوظ کر لی کہ اگر اسلام کی صفوں میں غدار نہ ہوں تو صلیبیوں کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے یورپ بھی لیا جا سکتا ہے۔ غدار مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری بن گئے تھے۔ عکرہ کا پادری اور صلیبی حکمران مسلمانوں کی اس کمزوری پر بہت خوش تھے۔ عمران کو وہاں پتہ چلا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے کردار میں تخریب کاری کی مہم اور تیز کر دی ہے۔ اُسے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے نام بھی معلوم ہو گئے جو در پردہ صلیبیوں کے اتحادی بن چکے تھے۔ انھیں صلیبی بے دریغ یورپ کی شراب، دولت اور جوان لڑکیاں سپلائی کر رہے تھے۔

عمران اور رضا تو اپنے فرائض میں مگن تھے مگر رحیم فرض کے راستے سے ہٹتا جا رہا تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اُسے تاجر کے گھر کا ہی کوئی کام دیا جائے۔ ایلیس کی محبت نے اُسے اندھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند

دِنوں بعد ایلیس نے اُسے بتایا کہ اس کی شادی ایک ایسے فوجی افسر کے ساتھ کی جا رہی ہے جو عمر میں اُس سے بہت بڑا ہے۔ بڈھا بھی ہوتا تو ایلیس رحیم کے سوا کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں سے سنوا چکی تھی کہ اس افسر کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ اس کا باپ نہیں مانتا تھا۔ وہ ان فوجی افسروں سے ہی دولت کما رہا تھا۔ اپنی لڑکی دینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ایلیس نے ایک روز اپنے گلے میں ڈالی ہوئی صلیب رحیم کے ہاتھ پہ رکھ کر اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور صلیب کی قسم کھائی تھی کہ وہ رحیم کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔ رحیم نے بھی صلیب پہ ایسی ہی قسم کھائی تھی۔

☆

ایک روز پادری کے پاس چار یا پانچ فوجی افسر آئے اور اس کے خاص کمرے میں جا بیٹھے۔ عمران نے اُن کے چہروں کے تاثرات سے محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ عمران پادری کے کمرے میں چلا گیا۔ ایک فوجی افسر بات کرتے کرتے چُپ ہو گیا۔ پادری نے عمران سے کہا۔ ”جانِ گنہگار! تم کچھ دیر باہر ہی رہو۔ ہم کوئی ضروری باتیں کر رہے ہیں۔“

عمران دوسرے کمرے میں چلا گیا اور دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ بول رہے تھے، پھر بھی کام کی باتیں عمران نے سمجھ لیں۔ جب فوجی افسر چلے گئے تو عمران وہاں سے اِدھر اُدھر ہو گیا تاکہ پادری کو شک نہ ہو۔ اُس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ اسی وقت بھاگ جائے اور کہیں رُکے بغیر قاہرہ پہنچے اور سلطان ایوبی کو اطلاع کر دے کہ حملہ روکنے کی تیاری کر لے، مگر پادری نے اُسے بلا کر ایسے کام پر لگا لیا کہ وہ فوری طور پر بھاگ نہ سکا۔ اس کے علاوہ اُسے رحیم اور رضا سے بھی رپورٹیں لینی تھیں۔ ممکن تھا کہ ان کے کانوں میں بھی یہ خبر پہنچی ہو جو اس نے سنی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اُن سے تصدیق ہو جائے تو تینوں اکٹھے عکرہ سے نکل جائیں۔ اس کام کے لیے وہ تین چار روز انتظار کر سکتا تھا لیکن اس کی بے تابی اُسے ٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

دوسرے دن وہ رضا کے پاس گیا۔ رضا اُسے اصطبل میں ملا۔ اُس سے پوچھا کہ اُسے کوئی نئی خبر ملی ہے؟ رضا نے بتایا کہ کچھ غیر معمولی سی سرگرمی نظر آ رہی ہے اور اس نے اُڑتے اُڑتے سُنی ہے کہ صلیبی جوابی حملہ خشکی کے راستے نہیں کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر کی طرف سے آئیں گے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کے حملے کی تفصیل کیا ہے۔ عمران نے اُسے بتایا کہ اس حملے کو صلیبی فیصلہ کُن بنانا چاہتے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سنا تھا وہ رضا کو سُنا دیا اور اسے یہ مشن دیا کہ وہ اس حملے کی تفصیلات معلوم کرے۔ عمران صرف تصدیق کرنا چاہتا تھا، ورنہ وہ تفصیل سے تو آگاہ ہو ہی چکا تھا۔ اُس نے رضا سے کہا کہ اب وہ ایک آدھ دن میں یہاں سے روانگی کی تیاری کرے، اُن کا فرض پورا ہو چکا ہے۔ واپسی کے لیے انہیں تین گھوڑوں یا اونٹوں کی بھی ضرورت تھی، جو انہیں کہیں سے چوری کرنے تھے۔

عمران رحیم سے ملنا چاہتا تھا تاکہ اُسے بھی چوکنا کر کے واپسی کی تیاری کے لیے کہہ دے لیکن رات ہو چکی تھی اور وہ اُس کے ٹھکانے پر جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ تاجر نے اُسے رہنے کے لیے جو جگہ دے رکھی تھی وہاں جانا ٹھیک نہیں تھا۔ عمران گرجے چلا گیا۔

وہ اگر رحیم کے پاس جاتا بھی تو وہ اُسے نہ ملتا، وہ اپنے ٹھکانے میں ہی نہیں تھا اور وہ خطرے میں بھی نہیں تھا۔ جب عمران اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے پریشان تھا، اُس وقت ایلیس نے رحیم کو کسی اور ہی پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ صلیبیوں نے رقص اور کھانے کی محفل منعقد کی تھی۔ ایلیس کے امیدوار نے اُسے اپنے ساتھ رقص کے لیے کہا تو ایلیس نے اُسے ٹھکرا دیا اور وہ اس سے کم عمر کے افسروں کے ساتھ ناچتی رہی۔ اُس کے اُمیدوار نے اُس کے باپ سے شکایت کی۔ اس کا باپ بھی اس محفل میں موجود تھا جہاں شراب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھیں۔ باپ نے ایلیس کو ڈانٹ کر کہا کہ وہ اپنے منگیتر کی توہین نہ کرے اور اس کے ساتھ ناچے۔ ایلیس ناراض ہو کر گھر چلی گئی اور باپ کو یہ فیصلہ سُنا آئی کہ وہ اس بوڑھے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔

اس کا باپ اور امیدوار اس کے پیچھے گئے۔ وہ دُور جا چکی تھی۔ گھر جا کر دیکھا وہ وہاں نہیں تھی۔ تلاش کرتے کرتے وہ رحیم کے کمرے سے برآمد ہوئی۔ باپ نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ اس نے تنک کر جواب دیا کہ وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے اور جہاں چاہے بیٹھ سکتی ہے۔ اُس کے اُمیدوار کو شک ہوا کہ یہاں معاملہ گڑبڑ ہے۔ ایلیس کو باپ گھر لے گیا۔ اُمیدوار نے رحیم سے پوچھا کہ یہ لڑکی یہاں کیوں آئی تھی؟ ... رحیم نے جواب دیا کہ وہ پہلے بھی یہاں آیا کرتی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ اُمیدوار بڑا افسر تھا۔ اس نے رحیم کو دھمکی دی کہ وہ یہاں سے چلا جائے ورنہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ رحیم کے جسم میں جوانی کا خون تھا۔ اُس نے دھمکی کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ معاملہ بگڑ گیا۔ تاجر نے آ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ ایلیس کے اُمیدوار نے کہا کہ وہ اس آدمی کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔

دوسرے دن تاجر نے رحیم سے کہا کہ وہ اُسے ملازمت میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ فوج کے اتنے بڑے افسر کو ناراض کر کے وہ اپنا کاروبار تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ اُس نے رحیم کو یہ نصیحت کی کہ وہ وہاں سے چلا جائے کیونکہ فوجی افسر اُسے کسی جرم کے بغیر قید خانے میں ڈال سکتا ہے۔ رحیم بھول چکا تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے یہاں آیا تھا۔ اُس نے ایلیس کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا لیا۔ اس کے اُمیدوار کی دھمکی کا وہ عملی جواب دینا چاہتا تھا۔ تاجر نے اُسے دُکان میں [illegible]۔ رحیم اُس کے گھر گیا۔ ایلیس سے ملا اور اُسے بتایا کہ اس کے باپ نے اُسے نوکری سے نکال دیا ہے۔ ایلیس اس کے ساتھ بھاگ جانے کو تیار ہو گئی۔ بھاگنے کا وقت شام کے بعد کا مقرر کیا گیا، جب اُس کا باپ گھر نہیں ہوتا تھا۔

رات کو اُس وقت جب عمران رضا کے پاس بیٹھا اس راز کے متعلق باتیں کر رہا تھا جس کے لیے انہوں نے جان کا خطرہ مول لے رکھا تھا، رحیم ایلیس کے انتظار میں شہر سے باہر اُس جگہ کھڑا تھا جو اسے ایلیس نے بتائی تھی۔ ایلیس نے اُسے کہا تھا کہ وہ باپ کے گھوڑے پر آئے گی اور وہ دونوں ایک ہی گھوڑے پر بھاگیں گے۔ وہ بے صبری سے ایلیس کا انتظار کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ وہ باپ کا گھوڑا کس طرح چُرا کر لا سکے گی ... لڑکی نے گھوڑا چُرا لیا تھا۔ اس پہ زین ڈال کر کس لی تھی اور وہ گھوڑے پہ سوار ہو کر نکل بھی آئی تھی۔ رحیم نے جب اُسے دیکھا تو اُسے یقین نہ آیا کہ یہ ایلیس ہے۔ اس کی آواز پر وہ گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہو گیا۔ کچھ دُور تک انہوں نے گھوڑے

کی رفتار آہستہ رکھی۔ شہر سے دُور جاکر رحیم نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ کچھ دیر بعد وہ عکہ سے کافی دُور جا چکے تھے۔

☆

آدھی رات کے وقت وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پانی تھا۔ رحیم نے اس خیال سے گھوڑا روک لیا کہ اسے پانی پلا لیا جائے اور آرام بھی کر لے۔ اسے معلوم تھا کہ آگے بہت دُور تک پانی نہیں ملے گا۔ اُسے یقین بھی ہو گیا تھا کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ کسی کو کیا خبر کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اُس نے ایلس سے کہا کہ آرام کر لیں۔ سحر کے وقت میں روانہ ہو جائیں گے۔

"تم بیت المقدس کا راستہ جانتے ہو؟" ایلس نے اس سے پوچھا۔

انہوں نے عکہ سے بھاگتے وقت یہ طے کیا ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ اب لڑکی نے بیت المقدس کا نام لیا تو رحیم نے کہا — "بیت المقدس کیوں؟ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا جہاں تمہارے تعاقب میں کوئی آنے کی جرأت ہی نہیں کرے گا۔"

"کہاں؟" ایلس نے پوچھا۔

"مصر" رحیم نے جواب دیا۔

"مصر؟" ایلس نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا — "وہ تو مسلمانوں کا ملک ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"مسلمانوں کو تم نہیں جانتی ایلس!" رحیم نے کہا۔ "مسلمان بڑی رحمدل قوم ہے۔ تم چل کے دیکھنا۔"

"نہیں!" ایلس نے بدک کر کہا — "مجھے مسلمانوں سے ڈر آتا ہے۔ بچپن سے مجھے مسلمانوں کے متعلق بڑی غلیظ باتیں بتائی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈرایا کرتی ہیں۔ مجھے مسلمانوں سے نفرت ہے۔" وہ ڈر رہی تھی اور رحیم کے ساتھ لگ گئی تھی۔ اُس نے کہا — "مجھے بیت المقدس لے چلو۔ وہاں ہم شادی کر لیں گے۔ بیت المقدس کدھر ہے؟ میں سمت بھول گئی ہوں۔"

"میں مصر کی طرف جا رہا ہوں۔" رحیم نے کہا۔

ایلس بگڑ گئی اور پھر وہ رونے لگی۔

"تم مسلمانوں سے نفرت کرتی ہو؟"

"بہت زیادہ!"

"اور مجھ سے تمہیں محبت ہے؟"

"بہت زیادہ!"

"اور اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں مسلمان ہوں، تو تم کیا کرو گی؟"

"میں ہنسوں گی۔" ایلس نے کہا — "مجھے تمہارے لطیفے اور مذاق بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ایلس!" رحیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "میں مسلمان ہوں اور ذرا اس قربانی پر غور کرو جو مجھ

سے تمہاری محبت نے کرائی ہے۔ میں یہ قربانی بخوشی دے رہا ہوں۔"

"کیسی قربانی؟" ایلس نے کہا۔ "تم تو پہلے ہی بے گھر تھے۔ اب ہم اپنا گھر بنائیں گے۔"

"نہیں ایلس!" رحیم نے کہا۔ "میں اب بے گھر ہوا ہوں۔ تم اپنے گھر سے بھاگی ہو۔ میرے ساتھ شادی کر کے تم اپنا گھر بسا لو گی لیکن میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ میں اپنے فرض کا بھگوڑا ہوں۔ میں اپنی فوج کا بھگوڑا ہوں۔ میں جاسوس ہوں۔ عکرہ میں جاسوسی کرنے آیا تھا مگر تمہاری محبت پر میں نے اپنا فرض قربان کر دیا ہے۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو۔" ایلس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "چلو سو جاؤ۔ میں تمہیں جلدی جگا دوں گی۔"

"میں تمہیں ڈرا نہیں رہا ایلس!" رحیم نے کہا۔ "میرا نام رحیم منصور ہے، ایلی مُور نہیں۔ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں جہاں رکھوں گا پورے آرام میں رکھوں گا۔ تمہیں تمہارے باپ کے گھر والی بادشاہی نہیں دے سکوں گا لیکن تکلیف بھی نہیں ہونے دوں گا۔ تمہاری زندگی آرام سے گزرے گی۔"

"مجھے اسلام قبول کرنا پڑے گا؟" ایلس نے پوچھا۔

"تم اس میں کیا ہرج ہے؟" رحیم نے کہا۔ "تم ابھی باتیں نہ سوچو۔ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ سو جاؤ۔ ہمارا سفر بڑا لمبا ہے۔ باتوں کے لیے بہت وقت ہے۔"

وہ لیٹ گیا۔ ایلس بھی لیٹ گئی۔ ذرا سی دیر بعد ایلس کو رحیم کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ گہری سوچوں میں کھو گئی تھی۔

☆

رحیم کی آنکھ کھلی تو صبح کا اجالا سفید ہو چکا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھا۔ اُسے اتنی دیر نہیں سونا چاہیے تھا۔ آنکھیں مل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں گھوڑا بھی نہیں تھا، ایلس بھی نہیں تھی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا۔ صحرا کی ویرانی کے سوا اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اُس نے ایلس کو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سوچوں میں کھو گیا۔ ایک خیال یہ آیا کہ ان کے تعاقب میں کوئی آ گیا ہو گا اور وہ ایلس کو سوتے میں اٹھا کر لے گیا ہے۔ اس صورت میں رحیم کو زندہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اُسے وہ لوگ قتل کر جاتے یا اُسے اغوا کے جرم میں پکڑ لے جاتے۔ حیرت اس پر تھی کہ وہ ایلس کو ایسی خاموشی سے اٹھا کر لے گئے کہ رحیم کی آنکھ ہی نہ کھلی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایلس خود بھاگ گئی ہے۔ اُس نے رحیم کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

ایلس جہاں کہیں بھی گئی اور اُسے جو کوئی بھی لے گیا، رحیم کو اب یہ سوال پریشان کرنے لگا کہ وہ کہاں جائے۔ عکرہ واپس جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ قاہرہ جانے سے بھی ڈرتا تھا۔ اُس نے اپنا فرض پورا نہیں کیا تھا۔ اُس نے اپنے کمانڈر عمران کو نہیں بتایا تھا کہ وہ جا رہا ہے۔ سوچ سوچ کر اُس نے ایک بہانہ گھڑ لیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب قاہرہ کی بجائے کرک چلا جائے اور وہاں بتائے کہ اُسے پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور جاسوس ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بھاگ کر وہاں سے نکلا ہے۔ اُسے مُہلت نہیں ملی کہ عمران یا رضا کو اطلاع دے سکتا، کہ اس کی گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے ...... یہ اچھا بہانہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُسے کوئی یہ تو نہیں کہے گا، کہ کوئی

وہ پانی پی کر کرک کی سمت چل پڑا۔ اُسے ایلس کی گمشدگی پریشان کر رہی تھی اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُسے کبھی بھی پتہ نہ چل سکے گا کہ ایلس کہاں غائب ہو گئی ہے۔

وہ بمشکل تین میل چلا ہو گا کہ اُسے دوڑتے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ گرد کا بادل اڑا آ رہا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سوار کون ہیں۔ اسے یہی معلوم تھا کہ وہ خود کون ہے۔ یہی خطرناک پہلو تھا۔ وہ گھوڑوں کے راستے سے ہٹ کر چلتا گیا۔ گھوڑے قریب آ گئے۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہ صلیبی تھے اور انہوں نے گھوڑے اس کی طرف موڑ لیے تھے۔ وہ نہتہ تھا۔ بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں تھی۔ سواروں نے اُسے گھیر لیا۔ اُس نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ ایلس کا امیدوار تھا۔ اُس نے رحیم سے کہا۔ "مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو۔"

اُسے پکڑ لیا گیا اور اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر اسے ایک سوار نے لاش کی طرح گھوڑے پر ڈال لیا۔ گھوڑے عکرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب عمران رحیم سے ملنے گیا تو وہ اسے نہ ملا۔ تاجر کے ایک نوکر نے اُسے بتایا کہ اسے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ عمران شش و پنج میں پڑ گیا۔ رحیم جا کہاں سکتا تھا۔ اس کے پاس کیوں نہیں آیا؟ — عمران گرجے میں واپس چلا گیا۔ رضا سے وہ شام کے بعد مل سکتا تھا۔ انہیں رحیم کو ڈھونڈنا تھا۔ یہ خطرہ بھی محسوس کیا گیا کہ وہ گرفتار نہ ہو گیا ہو۔ اس صورت میں یہ خطرہ تھا کہ اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی نشاندہی نہ کر دی ہو۔ عمران کو یہ سوچ پریشان کر رہی تھی کہ رحیم اگر پکڑا گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اور رضا بھی پکڑے جائیں۔ پکڑے جانے اور مارے جانے کا انہیں فکر نہ تھا۔ فکر یہ تھا کہ انہوں نے وہ راز حاصل کر لیا تھا جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے اور اب انہیں یہاں سے نکلنا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رضا اصطبل سے باہر کہیں کھڑا تھا۔ چار گھوڑے اصطبل کے دروازے پر رُکے۔ ایک سوار نے اپنے آگے کسی کو لاش کی طرح ڈال رکھا تھا۔ اُسے اتارا گیا۔ یہ دیکھ کر رضا کا خون خشک ہو گیا کہ وہ رحیم تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ سواروں میں ایک بڑا افسر تھا۔ رضا اُسے اچھی طرح جانتا پہچانتا تھا۔ دوسروں سے بھی وہ واقف تھا۔ رحیم کو وہ لے جانے لگے تو بڑے افسر نے رضا کو دیکھ لیا۔ اُسے "فرانسس" کے نام سے بلایا۔ رضا ڈر گیا لیکن اس کے پاؤں نہیں اٹھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔

"چاروں گھوڑے اندر لے جاؤ۔" اس افسر نے رضا سے کہا۔ "ہمارے سائیسوں کے حوالے کر دینا..."

اُس نے رحیم کے متعلق حکم دیا۔ "اسے اُس کمرے میں لے چلو۔"

رضا کو چونکہ فرانسس کے نام سے بلایا گیا تھا اس لیے وہ جان گیا کہ رحیم نے اس کی نشاندہی نہیں کی۔ یہ صلیبی افسر اُسے ابھی تک سائیس فرانسس سمجھ رہے تھے۔ اُس نے ایک افسر سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟ اس نے چوری کی ہو گی؟"

"یہ صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہے۔" ایک فوجی نے جواب دیا اور طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب یہ تہ خانے میں جاسوسی کرے گا۔ جاؤ گھوڑے لے جاؤ۔"

اس دوران رضا اور رحیم نے ایک دوسرے کو گہری نظروں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا۔ انہوں نے آنکھوں کے کچھ اشارے مقرر کر رکھے تھے۔ اگر ایسی صورتِ حال میں دو جاسوسوں کا سامنا ہو جائے تو وہ ایک اشارہ تو یہ کرتے تھے کہ بھاگ جاؤ۔ دوسرا یہ کہ کوئی خطرہ نہیں۔ رحیم نے رضا کو ایسا ہی ایک اشارہ کیا جس سے اُسے تسلی ہو گئی کہ اس نے کسی کی نشاندہی نہیں کی۔ تاہم ان کے لیے یہ خوشی کی بات نہیں تھی۔ اس کا ساتھی پکڑا گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ تہ خانے میں اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ رحیم کو اب مرنا تھا مگر بڑی ہی اذیت ناک موت مرنا تھا۔ رضا کو معلوم تھا کہ رحیم کو کون سے کمرے میں لے جایا جا رہا ہے اور اس کے بعد اُسے کہاں لے جائیں گے۔

☆

عمران گرجے کے ساتھ اپنے کمرے میں پریشانی کی حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ رحیم کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ رضا تھا۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور گھبرائی ہوئی سرگوشی میں کہا۔ "رحیم پکڑا گیا ہے"۔ اُس نے جو دیکھا تھا وہ عمران کو سنا دیا۔ رضا نے اُسے یہ بھی بتا دیا کہ رحیم نے اشارے سے اُسے بتا دیا ہے کہ اس نے ہماری نشاندہی نہیں کی۔

"اگر نہیں کی تو تہ خانے میں جا کر کر دے گا۔" عمران نے کہا۔ "اس دوزخ میں زبان بند رکھنا آسان نہیں ہوتا۔"

ان دونوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا محال ہو گیا کہ وہ فوراً نکل جائیں یا ایک آدھ دن انتظار کر لیں۔ ایسے نازک وقت میں ان سے ایک غلطی سرزد ہو گئی۔ وہ یہ تھی کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گئے۔ چھاپہ ماروں (کمانڈو) اور جاسوسوں کے لیے یہ ہدایت تھی کہ وہ تحمل، بُردباری اور صبر سے کام لیں۔ عجلت اور جذبات سے بچیں۔ اگر ان کا کوئی ساتھی ایسے طریقے سے کہیں پھنس جائے کہ اس کی مدد کرنے میں دوسروں کے پھنسنے کا بھی خطرہ ہو تو اس کی مدد نہ کی جائے۔ رضا جذبات میں آ گیا۔ اس نے کہا۔ "میں رحیم جیسے خوبصورت اور دلیر دوست کو قید سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"ناممکن ہے۔" عمران نے کہا اور اُسے ایسے خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں چونکہ وہیں رہتا ہوں جہاں رحیم کو لے گئے ہیں اس لیے دیکھوں گا کہ اُسے وہاں سے نکالنا ممکن ہو سکتا ہے یا نہیں۔" رضا نے کہا۔ "میں نے وہاں اتنی دوستی پیدا کر رکھی ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ رحیم کہاں ہے۔ اگر میں اُس تک پہنچ گیا تو رحیم آزاد ہو جائے گا یا میں بھی اس کے ساتھ ہی جاؤں گا، اور اگر میں بھی پکڑا گیا تو تم چل جانا۔ راز تمہارے پاس ہے۔ میں رحیم کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

ناممکن تھا کہ رضا رحیم کو وہاں سے آزاد کرا لیتا، لیکن اس کے جذبات اتنے شدید تھے کہ عمران بھی اس کا

بہتا ہو گیا اور وہ حقائق کو بھول گیا۔ رضا اُسے یہ کہہ کر چلا گیا کہ رات کو کسی وقت آکر اسے بتائے گا کہ رحیم کی رہائی کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ اگر کوئی صورت نہ ہوئی تو وہ رات کو نکل جائیں گے۔ عمران کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ گھوڑوں کا انتظام کرے۔ گھوڑوں کا انتظام آسان نہیں تھا۔ پادری کے باڈی گارڈوں کے گھوڑے وہاں موجود رہتے تھے۔ انہی میں سے دو یا تین گھوڑے چوری کرنے تھے۔

اس وقت تک رحیم کو قید خانے میں نہیں ڈالا گیا تھا۔ اُسے انٹیلی جنس کے دو وحشی قسم کے افسروں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ جاسوس جب پکڑا جاتا ہے تو سزا کا مرحلہ سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ پہلے اس سے معلومات لی جاتی ہیں۔ جاسوس اکیلا نہیں ہوتا، پورا گروہ ہوتا ہے۔ گرفتار کیے ہوئے جاسوس سے یہی ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور دوسرا سوال یہ کہ اس نے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔ رحیم سے بھی یہی سوال پوچھا گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسرا سوال پوچھا گیا کہ اس نے یہاں سے کوئی خفیہ بات معلوم کی ہے تو وہ بتا دے۔ رحیم نے جواب دیا کہ اس کے پاس کوئی راز نہیں۔ تاجر کی بیٹی اُلیس کے ساتھ تعلقات کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اُلیس کی شادی ایک بوڑھے افسر کے ساتھ کی جا رہی تھی اس لیے وہ گھر سے بھاگنے پر مجبور ہو گئی۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس طرح پکڑے گئے ہو؟"

"نہیں"۔۔۔ رحیم نے جواب دیا۔۔۔ "میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں پکڑا گیا ہوں"۔

"تم اور بھی بہت کچھ جانتے ہو"۔۔۔ ایک افسر نے اُسے کہا۔۔۔ "وہ سب کچھ بتا دو جو تم جانتے ہو تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی"۔

"میں یہ جانتا ہوں کہ میں اپنا فرض بھول گیا تھا"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "میں اس کی سزا خوشی سے قبول کروں گا۔ مجھے جس قدر تکلیف اور جتنی اذیت دے سکتے ہو دو، میں اسے اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کروں گا"۔

"کیا تمہارے دل میں ابھی تک اُلیس کی محبت ہے؟"

"ابھی تک ہے"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "اور ہمیشہ رہے گی۔ میں اُسے اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ اُسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرنی تھی"۔

"اگر ہم یہ کہیں کہ اس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے تو تم مان لو گے؟"

"نہیں"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "جس نے میرے لیے اپنا گھر اور اپنے عزیز چھوڑ دیئے تھے وہ دھوکا نہیں دے سکتی۔ اس کے ساتھ کسی نے دھوکہ کیا ہے"۔

"اگر ہم اُلیس تمہارے حوالے کر دیں تو کیا تم ہمیں بتا دو گے کہ عکرہ میں تمہارے کتنے ساتھی ہیں اور وہ کہاں ہیں؟"۔۔۔ اس سے پوچھا گیا۔۔۔ "اور یہ بھی بتا دو گے کہ تم نے یہاں سے کون سا راز حاصل کیا ہے؟"

رحیم کا سر جھک گیا۔ ایک افسر نے اس کا سر اوپر اٹھایا تو رحیم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ افسروں کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ خاموش رہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے اندر ایسی کشمکش پیدا ہو گئی ہے جس میں وہ فیصلہ نہیں

کر سکتا کہ اس کا رویہ اور ردِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اس کی یہ کیفیت ظاہر کرتی تھی کہ اس کے دل میں اُلیس کی محبت بہت گہری اُتری ہوئی ہے۔

"تمہیں آخر کار ہمارے تمام سوالوں کا جواب دینا ہوگا"۔۔۔ ایک افسر نے اُسے کہا۔۔۔ "اُس وقت تک تم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے ہو گے۔ تم جیو گے نہ مرو گے۔ اگر پہلے ہی جواب دے دو تو اُلیس تمہارے پاس ہوگی اور تم آزاد ہو گے۔ اس وقت تم قید خانے میں نہیں۔ یہ ایک افسر کا کمرہ ہے۔ اگر تم سوچنے کی مہلت چاہتے ہو تو آج رات تمہیں اسی کمرے میں رکھا جائے گا"۔

رحیم خاموش رہا اور خالی خالی نظروں سے افسروں کو دیکھتا رہا۔ افسروں کو ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس کمرے سے بھاگ جائے گا۔ برآمدے میں پہرہ تھا۔ یہ علاقہ فوج کا تھا۔ گشتی پہرہ بھی تھا۔ رحیم بھاگ کر جا بھی کہاں سکتا تھا۔ ایک افسر نے باہر آ کر اپنے ساتھی افسر سے کہا۔۔۔ "تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ اسے تہہ خانے میں لے چلو۔ لوہے کی لال گرم سلاخ جسم کے ساتھ لگاؤ، ساری باتیں اُگل دے گا۔ نہیں بولے گا تو جھکا اور پایا پڑا رہنے دو"۔

"میرا تجربہ مختلف ہے میرے دوست!"۔۔۔ دوسرے افسر نے کہا۔۔۔ "یہ نہ بھولو یہ مسلمان ہے۔ تم ابھی تک کتنے مسلمان جاسوسوں سے راز اگلوا سکے ہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ لوگ ایک بار روٹھ جائیں تو مر جاتے ہیں زبان نہیں کھولتے۔ یہ شخص کہہ چکا ہے کہ ہماری ہر اذیت اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کرے گا۔ یہ کٹر مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ یہ تہہ خانے میں جا کر بھی کہہ دے گا کہ وہ کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ ہمارا مقصد اسے جان سے مارنا نہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور یہ معلوم کرنا ہے کہ انہیں اس حملے کا پتہ تو نہیں چل گیا جو ہم مصر پر کرنے والے ہیں؟"

"ان کے باپ کو بھی پتہ نہیں چل سکتا"۔۔۔ دوسرے افسر نے کہا۔۔۔ "ہائی کمانڈ کے افسروں کے سوا کسی کو حملے کے متعلق علم ہی نہیں۔ یہ جاسوس تاجر کی بیٹی کے عشق میں اُلجھا ہوا تھا۔ اسے تو دنیا کی ہوش ہی نہیں تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسے اُلیس نے گرفتار کرایا ہے۔ یہ ابھی تک اس کی محبت میں مر رہا ہے"۔

"میں اُلیس کو ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں"۔۔۔ ایک نے کہا۔۔۔ "اسے آج رات اسی کمرے میں رہنے دیتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جو راز ہم کئی دنوں بعد بھی نہیں اگلوا سکیں گے وہ اُلیس جیسی دلکش لڑکی چند منٹوں میں اگلوا لے گی"۔

"کیا اس لڑکی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟"

"کیا تمہیں ابھی تک شک ہے؟"۔۔۔ دوسرے نے کہا۔۔۔ "تم نے شاید پوری بات نہیں سنی۔ اُلیس نے واپس آ کر جو بیان دیا ہے، وہ تم نے پورا نہیں سنا۔ اب چونکہ تفتیش ہم دونوں کے سپرد کی گئی ہے اس لیے تمہارے ذہن میں ہر ایک بات واضح ہونی چاہیئے۔ اُلیس اس شخص کو بُری طرح چاہتی تھی۔ وہ اسے ایلی مُور نام کا عیسائی سمجھتی رہی۔ اُلیس کا باپ اس کی شادی کمانڈر ولیسٹ میکاٹ کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ دراصل اپنی بیٹی رشوت کے طور پر دے رہا تھا۔ اُلیس اس جاسوس کے ساتھ بھاگ گئی۔ راستے میں اس نے اُلیس کو بتا دیا کہ وہ

ایلی نور نہیں رحیم ہے اور وہ مسلمان ہے اور وہ جاسوس ہے۔ ایلس نے اسے مذاق سمجھا مگر رحیم نے اسے یقین دلا دیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا۔ رحیم نہیں جانتا تھا کہ ایلس کے دل میں مسلمانوں کی کتنی دہشت اور حقارت بچپن سے بیٹھی ہوئی ہے اور رحیم کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایلس مذہب کی پکی ہے۔ ہر وقت صلیب گلے میں ڈالے رکھتی ہے۔ اس نے جان لیا کہ اس مسلمان نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ قاہرہ لے جا کر نہ صرف خود خراب کرے گا بلکہ دوسروں سے بھی خراب کرائے گا اور آخر میں کسی کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ ہم نے اپنے بچوں کے ذہنوں میں مسلمانوں کا جو گھناؤنا تصور پیدا کر رکھا ہے وہ ایلس کے سامنے آگیا۔۔۔۔

"ایلس کے دل میں مذہب کی محبت پیدا ہوگئی اور یہ محبت مسلمان کی محبت پر ایسی غالب آئی کہ اسے حقارت میں بدل دیا۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ عکرہ واپس آکر اسے بوڑھے کمانڈر کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ اسے صلیب کا یہ فرض یاد آگیا کہ مسلمان کو ہر حال میں دشمن سمجھنا اور اسلام کے خاتمے کے لیے کام کرنا ہے۔ لڑکی چونکہ ہوشیار اور دلیر ہے، اس لیے اس نے بھاگنے کا نہایت اچھا طریقہ سوچا۔ رحیم پر ظاہر نہ ہونے دیا اور لیٹ گئی۔ رحیم اطمینان سے سو گیا تو ایلس گھوڑے پر سوار ہوئی اور ایسی خاموشی سے نکل آئی کہ رحیم کو خبر تک نہ ہوئی۔ راستے سے واقف تھی۔ عکرہ پہنچ گئی اور اپنے باپ کے سامنے اقبالِ جرم کر کے اسے رحیم کے متعلق بتایا۔ باپ نے اسی وقت کمانڈر ویسٹ بیکاٹ کو جگایا اور اسے یہ واقعہ سنایا۔ کمانڈر نے تین سپاہی ساتھ لیے اور رحیم کے تعاقب میں گیا۔ رحیم پیدل کہاں جا سکتا تھا، پکڑا گیا اور اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"رحیم کو معلوم نہیں کہ اسے ایلس نے دھوکہ دیا ہے؟"

"نہیں" — دوسرے نے کہا — "میں اب ایلس کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ رحیم کو ہم نہایت اچھا کھانا کھلائیں گے۔"

☆

وہاں کے ملازموں اور دوسرے لوگوں کی زبان پر یہی موضوع تھا کہ ایک مسلمان جاسوس پکڑا گیا ہے۔ رینا بھی فرانسس کے روپ میں ان ملازموں میں شامل تھا۔ وہ بھی مسلمان جاسوس کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسروں کی طرح خواہش ظاہر کر رہا تھا کہ جاسوس کو سرِ عام پھانسی دی جائے یا اسے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا بھگا دیا جائے۔ رینا کو معلوم ہو چکا تھا کہ رحیم ابھی تک اسی کمرے میں ہے۔ سب حیران تھے کہ اسے قید خانے میں کیوں نہیں لے گئے اور جب باورچی خانے کے ایک ملازم نے انہیں بتایا کہ قیدی کے لیے افسروں کا سا کھانا گیا ہے اور وہ خود کھانا دے آیا ہے تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ رینا باتوں باتوں میں باورچی خانے کے اس آدمی کو الگ لے گیا اور پوچھا — "کیا تم مذاق کر رہے ہو کہ مسلمان جاسوس کو اتنا اچھا کھانا دیا گیا ہے جو افسر کھاتے ہیں؟ پھر وہ جاسوس نہیں ہوگا۔"

"بڑا خطرناک جاسوس ہے" — ملازم نے کہا — "جو افسر تفتیش کر رہے ہیں میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔

وہ ابھی اسے کھلا پلا کر اس سے باتیں پوچھیں گے۔ پھر وہ کسی لڑکی کی باتیں کر رہے تھے جو اس قیدی کو پھانس کر اس سے باتیں اگلوائے گی۔"

رحیم کھانا کھا چکا تو اس کے کمرے میں ایلس داخل ہوئی۔ دونوں افسر چلے گئے تھے۔ انہوں نے ایلس کو بلا کر اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور قیدی سے کیا پوچھنا ہے۔ ایلس کو دیکھ کر رحیم بہت حیران ہوا۔ اسے خواب کا دھوکہ ہوا ہوگا۔

"تم؟" — اس نے ایلس سے پوچھا — "کیا تمہیں بھی گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے؟"

"ہاں!" — ایلس نے کہا — "میں کل رات سے قید میں ہوں۔"

"تم وہاں سے غائب کس طرح ہوئی تھی؟" — رحیم نے کہا — "میں مان نہیں سکتا کہ تم خود بھاگ آئی تھی۔"

"میں کیوں کر بھاگ سکتی تھی" — ایلس نے کہا — "میرا تو جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ تم سو گئے تھے مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر ٹہلنے لگی اور کچھ دور نکل گئی۔ کسی نے پیچھے سے میرا منہ ہاتھ سے بند کر دیا اور اٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایک نے ہمارا گھوڑا بھی لے لیا۔ میرا منہ بند تھا، تمہیں پکار نہیں سکتی تھی۔ وہ مجھے یہاں لے آئے۔"

"انہیں کس نے بتایا ہے کہ میں ایلی نور نہیں رحیم ہوں؟" — رحیم نے پوچھا — "اور جنہوں نے تمہیں وہاں جا پکڑا تھا وہ مجھے بھی کیوں نہ پکڑ لائے؟ انہوں نے مجھے قتل کیوں نہ کر دیا؟"

"میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی" — ایلس نے کہا — "میں خود مجرم ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو ایلس!" — رحیم نے کہا — "تمہیں دھمکا کر میرے متعلق پوچھا گیا ہے اور تم نے ڈر کے مارے بتا دیا ہے کہ میں کون ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی تکلیف ہو۔"

"اگر تمہیں میری تکلیف کا خیال ہے تو یہ لوگ تم سے جو کچھ پوچھتے ہیں وہ انہیں بتا دو" — ایلس نے کہا — "انہوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں رہا کر دیں گے۔"

"بات پوری کرو ایلس" — رحیم نے طنزیہ لہجے میں کہا — "یہ بھی کہو کہ میں سب کچھ بتا دوں تو مجھے رہا کر دیں گے اور تم میرے ساتھ شادی کر لوگی۔"

"شادی بھی ہو سکتی ہے" — ایلس نے کہا — "بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ۔"

"کیا تم یہ امید لے کے آئی ہو کہ میں رہائی کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دوں گا؟" — رحیم نے کہا — "ایلس! میں فوج کا معمولی سا سپاہی نہیں، جاسوس ہوں۔ عقل رکھتا ہوں۔ میں اسی گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں کہ عقل پر تمہاری محبت کو سوار کر لیا تھا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ جس صلیب کی تم قسمیں کھا رہی ہو وہ گلے میں ڈال کر جھوٹ بول رہی ہو۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم خود وہاں سے بھاگی ہو؟ کیونکہ تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتماد نہ رہا۔ مجھے سوتا چھوڑ کر بھاگ آئیں۔ یہاں آ کر تم نے اپنے بوڑھے منگیتر کو میرے پیچھے بھیج دیا۔

میرے دل میں بھی تمہاری قوم کے خلاف نفرت ہے۔ میں تمہاری قوم کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنی جان تمہاری قوم کو تباہ کرنے کے لیے داؤ پر لگائی ہے، لیکن تمہاری محبت، محبت ہی رہے گی۔ اس پر نفرت غالب نہیں آسکے گی۔ میں نے تمہاری خاطر اپنا فرض فراموش کیا۔ اپنا مستقبل تباہ کیا مگر تم نے ناگن کی طرح ڈنک مارا۔"

وہ ایسے انداز سے بول رہا تھا کہ ایلس کی زبان بند ہو گئی۔ اس کے دل میں رحیم کی محبت موجود تھی۔ رحیم نے جب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمے اور پُراثر انداز میں باتیں کیں تو یہ جوان لڑکی اپنے سینے سے اٹھتے ہوئے جذبات کے بگولے کی لپیٹ میں آگئی۔ پہلے تو اس کے آنسو پھوٹے پھر اس نے بے تابی سے رحیم کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور روتے ہوئے کہا ـــ " مجھے تم سے نفرت نہیں۔ تم اپنا فرض بھول گئے تھے میں نہ بھول سکی۔ میں مجرم ہوں۔ میں نے تمہیں پکڑوا دیا ہے۔ اس جرم کی سزا مجھے بڑی سخت ملے گی۔ مجھے چند دنوں میں اس بوڑھے کمانڈر کی بیوی بنا دیا جائے گا، جو وحشی ہے اور شراب پی کر درندہ بن جاتا ہے۔ مجھے کچھ نہ بتاؤ ایلی نور۔"

"میں ایلی نور نہیں ہوں ـــ رحیم نے کہا ـــ " میں رحیم ہوں۔"

☆

تفتیش کرنے والے دونوں افسر کہیں اور بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ یہ خوبصورت لڑکی رحیم کو موم کرے گی اور صبح سے پہلے پہلے ہمارا کام پورا کر دے گی۔ وہاں صرف ایک پہرہ دار تھا جو برآمدے میں بیٹھ گیا تھا۔ کمرے کے پچھواڑے اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں ایک سایہ آہستہ آہستہ آگے کو سرک رہا تھا جیسے ہوا کا جھونکا رک رک کر آگے بڑھ رہا ہو۔ اُدھر عمران گرجے سے ملحق اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ ذرا سی آہٹ سنائی دیتی تھی تو وہ اٹھ کر دروازے میں آجاتا تھا۔ اُسے ہر آہٹ رضا کی آہٹ لگتی تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری سے تین گھوڑے منتخب کر لیے تھے جو آٹھ گھوڑوں کے ساتھ بندھے تھے۔ اُس کے زینیں بھی چوری چھپے الگ کر لی تھیں۔ اسے اُمید تھی کہ رضا اور رحیم آجائیں گے مگر جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی امید بھی تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حقیقت نکھرتی آرہی تھی کہ اس نے رضا کو یہ اجازت دے کر کہ رحیم کو آزاد کرائے سخت غلطی کی تھی۔ یہ ناممکن تھا۔ وہ اب سوچ رہا تھا کہ ایک گھوڑا کھولے اور نکل جائے مگر اسے رضا کا خیال آجاتا تھا۔ رضا نے اُسے کہا تھا کہ وہ رات کو آئے گا ضرور خواہ اکیلا آئے۔

اُس وقت رضا موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ وہ ایک سیاہ سایہ بن کر اُس کمرے کے ایک دریچے کے پاس پہنچ گیا تھا جس میں رحیم بند تھا۔ اُس نے کان لگا کر اندر کی باتیں سنیں۔ اسے [illegible] کے یہ الفاظ سنائی دیے۔ "ـــ میں تمہیں رہا نہیں کرا سکتی۔ یہ لوگ جو کچھ پوچھتے ہیں وہ بتا دو پھر میں اپنے باپ سے کہہ کر تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں۔ مجھے اسی مقصد کے لیے تمہارے پاس لایا گیا ہے کہ میری محبت تم سے راز اگلوائے گی۔"

دریچے کے کواڑ پر نہایت آہستہ سے کسی نے تین بار دستک دی۔ رحیم اس اشارے کو سمجھتا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ اس کا کون سا ساتھی ہو سکتا ہے۔ ایلس کچھ نہ سمجھ سکی۔ رحیم ٹہلتے ٹہلتے دریچے تک گیا اور کواڑ کھول دیا۔ رضا باہر کھڑا تھا۔ کود کر اندر گیا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ایلس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور خنجر

اس کے دل میں اتار دیا۔ اسے قتل کرنا ضروری تھا، ورنہ وہ شور مچا کر انہیں پکڑوا سکتی تھی۔ رضا اور رحیم دریچے سے کود کر باہر گئے اور اندھیرے میں بھاگ اٹھے۔ رضا اس جگہ سے واقف تھا اُس نے راستہ تو اچھا اختیار کیا تھا لیکن برآمدے میں جو پہرہ دار تھا اس نے کسی طرف سے دو سائے بھاگتے دیکھ لیے۔ اس کے شور پر دوسرے سنتری ہوشیار ہو گئے۔ جانے کہاں سے ایک تیر آیا جو رحیم کے پہلو میں اتر گیا۔ وہ جوان اور توانا آدمی تھا، گرا نہیں، رضا کے ساتھ بھاگتا چلا گیا مگر زیادہ دُور تک نہ جا سکا۔ اُس کے قدم ڈگمگانے لگے تو رضا نے اُسے اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ تیر پہلو سے نکالنا ممکن نہیں تھا۔

رحیم رضا سے کہنے لگا کہ وہ اُسے وہیں پھینک کر بھاگ جائے۔ وہ اب زندہ نہیں رہ سکتا تھا لیکن رضا اپنے دوست کو اُس وقت تک اپنے آپ سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک وہ زندہ تھا۔ اُس نے رحیم کی ایک نہ سُنی اور تاریک راستوں میں چھپتا چھپاتا چلتا گیا۔ اسے خیال آگیا کہ وہ اس جگہ سے گزر رہا ہے جہاں تمام مکان مسلمانوں کے ہیں۔ اُسے دُور دُور بھاگ دوڑ اور شور شرابا سنائی دے رہا تھا۔ ان کا تعاقب کرنے والے کہیں اور تھے۔ رضا کو معلوم تھا کہ عکرہ کے مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں اور صلیبیوں کی نگاہ میں ہر مسلمان جاسوس اور مشتبہ ہے۔ ذرا سے شک پر کسی بھی مسلمان کو قید خانے میں ڈال دیا جاتا تھا اور اس کے گھر کی تلاشی توہین آمیز طریقے سے لی جاتی تھی۔ رضا کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر وہ رحیم کے بوجھ تلے شل ہو چکا تھا، اور اسے یہ اُمید بھی تھی کہ شاید رحیم کی زندگی بچانے کا کوئی بندوبست ہو جائے۔

اُس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ رضا تیزی سے اندر چلا گیا۔ جس نے دروازہ کھولا تھا گھبرا گیا۔ رضا نے مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کرایا۔ وہاں تو صرف یہ کہہ دینا ہی کافی تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ رضا کو پناہ مل گئی مگر رحیم شہید ہو چکا تھا۔ رضا کے کپڑے خون سے لتھڑ گئے تھے۔ اس نے گھر والوں کو سارا واقعہ سنایا اور عمران کے متعلق بھی بتایا۔ گھر میں تین مرد تھے۔ وہ جوش میں آگئے۔ انہوں نے رضا کے کپڑے تبدیل کر دیے۔ رحیم کی لاش کے متعلق فیصلہ ہُوا کہ اسے گھر کے کسی کمرے میں دفن کر دیا جائے گا۔ رضا عمران کو بلانے کے لیے چلا گیا۔

☆

رات کے اس وقت جب دنیائے اسلام گہری نیند سوئی ہوئی تھی، قوم کے غدّار دشمن کی بھیجی ہوئی عورتوں اور شراب میں بدمست پڑے تھے، ان سے دُور، بہت دُور ایک مسلمان اسلام کی ناموس پر اپنی جان پر کھیل گیا تھا اور دو جوان کی بازی لگا کر اس راز کے ساتھ عکرہ سے نکل کر قاہرہ پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے جس پر مصر کی عزت اور اسلام کی آبرو کا دارومدار تھا۔ اس راز کو وہ خدا کی امانت سمجھتے تھے۔ وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا کہ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں یا عیش کر رہے ہیں لیکن انہیں یہ احساس تھا کہ انہیں خدا دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

عمران کا سر اس تذبذب اور اضطراب میں دکھنے لگا تھا کہ رحیم آجائے گا یا نہیں، رضا آجائے گا یا نہیں وہ تنہا

تک یہ خبر پہنچا سکے گا یا نہیں کہ مصر پر حملے کے لیے یورپ سے صلیبیوں کا بہت بڑا بیڑہ آ رہا ہے۔ عمران اس لیے بھی تا ہو رہا کہ کم از کم کرک جلدی پہنچنا چاہتا تھا کہ نورالدین زنگی یا سلطان ایوبی یا دونوں کسی اور طرف حملے یا پیش قدمی کی سکیم نہ بنا لیں۔ ایسی صورت میں انہیں روکنا تھا۔ اگر ان کی فوج کسی اور طرف نکل گئی تو مصر کا خدا ہی حافظ تھا۔ عمران کو ان سوچوں نے اس قدر پریشان کیا کہ اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ اسے شہر کی خاموشی میں کوئی سرگرمی سنائی دے رہی تھی۔ کچھ بھاگ دوڑ سی تھی۔ یہ اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی۔ اُس نے دو چار نفل پڑھ کر ہاتھ خدا کے حضور پھیلا دیئے اور گڑگڑایا ۔۔۔ "یا خدا! مجھے اپنے فرض کی تکمیل تک زندگی عطا کر۔ میں یہ امانت ٹھکانے پر پہنچا دوں تو مجھے میرے خاندان سمیت ختم کر دینا۔"

اُس کے دروازے پر ویسی ہی دستک ہوئی جیسی رحیم کے دریچے پر ہوئی تھی۔ عمران نے دروازہ کھولا۔ رضا کھڑا تھا۔ اُسے اندر بلا کر عمران نے دروازہ بند کر دیا۔ رضا ہانپ رہا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ اس پر کیا گزری ہے اور رحیم شہید ہو چکا ہے۔ عمران نے جب یہ سنا کہ رحیم کی لاش ایک مسلمان گھرانے میں ہے جو اسے گھر میں دفن کر دیں گے تو عمران پریشان ہو گیا۔ وہ عکرہ کے کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ رضا نے اُسے بتایا کہ اس گھر میں تین مرد ہیں اور باقی عورتیں۔ انہوں نے فوراً ایک کمرے کے کونے میں کھدائی شروع کر دی تھی۔ عمران اس گھر جانا چاہتا تھا تاکہ دیکھ لے کہ ان کے پکڑے جانے کا کوئی خطرہ تو نہیں۔ رضا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہوشیار لوگ معلوم ہوتے ہیں، سنبھال لیں گے۔

عکرہ سے نکلنا دشوار ہو گیا تھا۔ شہر کی ناکہ بندی کر لی گئی تھی۔ ایک لڑکی کا قتل اور ایک جاسوس کا فرار معمولی سی واردات نہیں تھی۔ نکلنا رات کو ہی تھا۔ ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اکٹھے نکلیں گے اور دونوں میں سے کوئی پکڑا گیا یا دونوں پکڑے گئے تو اور جو کچھ بھی کہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ رحیم کی لاش کہاں ہے یا وہ مارا گیا ہے۔ اگلا مسئلہ گھوڑوں کا تھا۔ عمران رضا کو اُس جگہ لے گیا جہاں آٹھ گھوڑے بندھے تھے مگر دُور سے دیکھا کہ محافظوں میں سے ایک وہاں ٹہل رہا تھا۔ عمران رضا کو ایک جگہ چھپا کر آگے گیا اور اس سنتری کے پاس چلا گیا۔ اس سے پوچھا کہ آج اسے پہرہ دینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔ سنتری عمران کو جان گنتھر کے نام سے اچھی طرح جانتا تھا اور بڑے پادری کے خصوصی خادم کی حیثیت سے اس کا احترام بھی کرتا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ آج ایک مسلمان جاسوس کو پکڑا گیا تھا۔ وہ کسی لڑکی کو قتل کر کے فرار ہو گیا ہے۔ اس لیے حکم آیا ہے کہ ہوشیار رہا جائے۔

اس سنتری کی موجودگی میں گھوڑے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ عمران نے اسے باتوں میں لگا لیا اور پیچھے ہو کر اس کی گردن بازو کے گھیرے میں لے لی۔ سنتری کا دم گھٹنے لگا۔ عمران نے اس کے پہلو سے خنجر نما تلوار کھینچ لی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ مرنے تک اس کی گردن بازو کے شکنجے میں دبائے رکھی۔ اسے مار کر عمران نے رضا کو بلایا۔ دو گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور سوار ہو گئے۔ گرجے کے باقی محافظ کمرے میں کہیں سوئے ہوئے تھے۔ عمران اور رضا چل پڑے ۔ شہر سے نکلنے کے کئی راستے تھے۔ وہ ایک طرف چل پڑے اور شہر سے نکل گئے۔ اچانک وہ گھیرے میں آ گئے اور انہیں للکارا گیا۔

"ہم شہری ہیں دوستو!" ۔۔۔ عمران نے کہا ۔۔۔ "ہم بھی تمہاری طرح ڈیوٹی دے رہے ہیں۔"

تین چار مشعلیں جل اٹھیں جن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ وہاں گھوڑ سواروں کا ایک دستہ تھا جو اِدھر اُدھر پھیلا ہوا تھا۔ تب انہیں احساس ہوا کہ شہر کی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ عمران نے اپنے کپڑے نہیں بدلے تھے۔ اس کے کپڑوں پر سنتری کا خون تھا۔ مشعل کی روشنی میں یہ خون صلیبی سواروں کو نظر آ گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ خون کس کا ہے تو عمران نے لگام کو جھٹکا دے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ رضا نے بھی ایسا ہی کیا مگر اس نے ذرا دیر کر دی۔ عمران نکل گیا۔ رضا گھیرے میں آ گیا۔ عمران کے پیچھے بھی تین چار سوار گئے۔ اسے رضا کی بلند پکار سنائی دینے لگی ۔۔۔ "عمران رُکنا نہیں۔ نکل جاؤ۔ خدا حافظ" ۔۔۔ عمران بہت دُور تک یہ پکار سنتا رہا۔ پتہ چلتا تھا جیسے وہ گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عمران کا گھوڑا بڑا اچھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں سے تیر گزرنے لگے لیکن وہ تعاقب کرنے والوں کو پیچھے ہی پیچھے چھوڑتا چلا گیا۔ وہ راستے سے واقف تھا۔ اس نے کرک کا رُخ کر لیا۔ گھوڑا بدلنے کی ضرورت تھی۔

جب صبح کی روشنی سفید ہو رہی تھی اس کا گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے پانی کی تلاش کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ آگے ریتیلی چٹانوں کا علاقہ آ گیا۔ وہ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے سامنے چٹان میں دو تیر لگے جس کا مطلب تھا کہ رک جاؤ۔ وہ رک گیا اور یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ اسے روکنے والے اس کی اپنی فوج کے آدمی تھے۔ اسے اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر نے اُس کی بات سُن کر اسے تازہ دم گھوڑا دیا اور دو سپاہی اس کے ساتھ کر کے اسے کرک کے راستے پر ڈال دیا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نورالدین زنگی سے مل کر قاہرہ جائے گا۔ عکرہ سے جو خبر لایا تھا وہ زنگی تک بھی پہنچنی چاہیے تھی۔

☆

عمران جب کرک کے قلعے میں نورالدین زنگی کے سامنے بیٹھا اپنی کہانی سنا رہا تھا زنگی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس خوبرو جوان کو دل میں بٹھا لینا چاہتا ہو۔ اُس نے اٹھ کر بیتابی سے عمران کو سینے سے لگا لیا اور اس کے دونوں گال چوم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور پھر نیام میں ڈال کر نیام کو چوما۔ اسے دونوں ہاتھوں پہ رکھ کر عمران سے کہا ۔۔۔ "اس وقت جب صلیب ایک خوفناک گدھ کی طرح چاند ستارے پر منڈلا رہی ہے ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تلوار سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ تم بغداد میں کہو، دمشق میں کہو، کہیں بھی کہو، میں تمہیں ایک محل دے سکتا ہوں۔ تم نے جو کارنامہ کر دکھایا ہے اس کے صلے میں تم دولت کے انبار کے حقدار ہو لیکن میرے عزیز دوست! میں تمہارے لیے محل کھڑا نہیں کروں گا۔ تمہیں دولت کی شکل میں صلہ نہیں دوں گا کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اندھا اور اپاہج کر دیا ہے۔ یہ قبول کرو، میری تلوار! اور یاد رکھو اس تلوار نے بڑے بڑے جابر صلیبیوں کا خون پیا ہے۔ اس تلوار نے بہت سے قلعوں پر اسلام کا جھنڈا لہرایا ہے اور یہ تلوار اسلام کی پاسبان ہے۔"

عمران نورالدین زنگی کے آگے دو زانو بیٹھ گیا اور اُس کے ہاتھوں سے تلوار لے کر چومی، آنکھوں سے

لگائی اور کمر سے باندھ لی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اُس پر رقت طاری ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"اور اپنی قدر و قیمت پہچان لو میرے دوست!" — زنگی نے کہا — "ایک جاسوس دشمن کے لشکر کو شکست دے سکتا ہے اور ایک غدار اپنی پوری قوم کو شکست کی ذلت میں ڈال سکتا ہے۔ تم نے دشمن کو شکست دے دی ہے۔ تم جو خبر لائے ہو یہ دشمن کی شکست کی خبر ہے۔ صلیبی انشاء اللہ مصر اور فلسطین کے ساحل سے آگے نہیں آ سکیں گے اور ان کا بحری بیڑہ واپس نہیں جا سکے گا۔ یہ تمہاری فتح ہوگی اور اس کا صلہ تمہیں خدا دے گا۔"

"مجھے قاہرہ کے لیے جلدی روانہ ہو جانا چاہیے" — عمران نے کہا — "دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ امیر مصر کو بہت دن پہلے اطلاع مل جانی چاہیے۔"

"تم ابھی روانہ ہو جاؤ" — نورالدین زنگی نے کہا — "میں تمہیں بڑی اچھی نسل کا گھوڑا دے رہا ہوں۔"

اُس نے عمران کو قاہرہ تک کا وہ راستہ بتا دیا جس پر کئی چوکیاں تھیں۔ ان پر قاصدوں کے گھوڑے بدلنے کا انتظام تھا ... "اور صلاح الدین سے پہلی بات یہ کہنا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کو اپنے خاندان میں جذب کر لو۔ ان کے خاندانوں کی کفالت کا انتظام بیت المال سے کرو" — اس نے عمران سے پوچھا — "تم صرف جاسوسی کر سکتے ہو یا جنگ کو بھی سمجھ سکتے ہو؟"

"کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہوں" — عمران نے جواب دیا — "آپ حکم دیں۔"

"پیغام لکھنے کا وقت نہیں" — زنگی نے کہا — "صلاح الدین سے کہہ دینا کہ مجھے کرک تمہارے حوالے کر کے بغداد جلدی واپس جانا تھا۔ اطلاعیں مل رہی ہیں کہ اُن علاقوں میں صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے اور ہمارے چھوٹے چھوٹے حکمران ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں لیکن اس تازہ خبر نے مجھے رُکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چار پانچ سال پہلے تم نے بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا بیڑہ غرق کیا تھا۔ وہ تمہارے پھندے میں آ گئے تھے۔ اب وہ محتاط ہو کر آئیں گے۔ اسی لیے انہوں نے سکندریہ کے شمالی ساحل کو منتخب کیا ہے۔ اگر تم ان سے سمندر میں براہ راست ٹکر لینے کا فیصلہ کرو تو یہ تمہاری غلطی ہوگی۔ تمہارے پاس صلیبیوں جتنی بحری طاقت نہیں ہے۔ ان کے جہاز بڑے ہیں اور ہر جہاز میں بادبانوں کے علاوہ بے شمار چپّو ہیں۔ چپّو چلانے کے لیے ان کے پاس غلاموں کی بے انداز تعداد ہے۔ تم اتنی تعداد سے محروم ہو۔ تمہارے جہازوں کے چپّو چلانے والے ملاح ہیں اور سپاہی بھی۔ سمندری جنگ میں وہ دونوں کام نہیں کر سکیں گے۔ صلیبیوں کو ساحل پر آنے دو۔ سکندریہ کو بحری گولوں کا خطرہ ہوگا۔ آتشیں گولے شہر کو آگ لگا دیں گے۔ اس کا کوئی انتظام کر لینا ....

"اگر دشمن نے اسی انداز سے حملہ کیا جیسا کہ عمران خبر لایا ہے تو میں دشمن کے پہلو پر ہوں گا۔ یہ اس کا بایاں پہلو ہوگا۔ تم دائیں پہلو کو سنبھالو گے اور تمہارے ذمے ایک کام یہ ہوگا کہ صلیبیوں کا کوئی جہاز واپس نہ جائے۔ آگ لگا دینا۔ اگر تمہارے پاس سمندری چھاپہ مار ہوں تو تم جانتے ہو کہ ان سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوڈان کی طرف سے چوکنا رہنا۔ وہ سرحد خالی نہ رہے۔ مجھے احساس ہے کہ تمہارے پاس فوج کم ہے۔ میں یہ

کمی پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے بڑی ضرورت رازداری کی ہے۔ رازداری کی خاطر میں پیغام تحریری نہیں بھیج رہا۔ فتح کی صورت میں، میں کرک فوج کے حوالے کر کے بغداد چلا جاؤں گا۔"

یہ پیغام ذہن نشین کر کے عمران قاہرہ روانہ ہو گیا۔

صلیبیوں کے سن ۱۱۷۰ء کے ابتدائی دن تھے جب علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ عکرہ میں ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا ہے اور ان کا کمانڈر عمران واپس آ گیا ہے تو یہ جان لینے کے باوجود کہ عمران بڑا ہی قیمتی راز لایا ہے سلطان ایوبی بجھ سا گیا۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ چند ایک باتیں کر کے عمران کو اندر بلایا اور اٹھ کر اُسے گلے لگا لیا، پھر کہا — "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا ایک ساتھی شہید کس طرح ہوا اور دوسرا پکڑا کس طرح گیا ہے؟"

عمران نے پوری تفصیل سے ساری کہانی بیان کر دی اور جب اس نے وہ راز بیان کیا جو وہ عکرہ سے لایا تھا تو سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ عمران نے یہ بھی بتایا کہ وہ نورالدین زنگی کو اطلاع دے آیا ہے۔ اس نے سلطان ایوبی کو زنگی کا پیغام سنایا۔ اس سے سلطان ایوبی کا بہت سا وقت بچ گیا تھا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور ان خاندانوں کے متعلق معلومات پیش کرنے کو کہا تاکہ اس کے مطابق ان کی مزید مدد کی جائے۔ اس کے بعد اس نے عمران سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ عمران نے اسے بتایا کہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ چار پانچ سال پہلے کی نسبت زیادہ ہوگا۔ حملہ ایک ماہ کے اندر اندر ہوگا۔ یورپ سے تازہ دم فوج لائی جائے گی جسے سکندریہ کے شمال میں اتارا جائے گا۔ دوسری فوج بیت المقدس کے علاقے سے آئے گی جو مصر کی طرف پیش قدمی کرے گی۔ سکندریہ کے شمال میں اترنے والی فوج سکندریہ پر قبضہ کر کے اسے اڈہ اور رسدگاہ بنائے گی اور شمال کی طرف سے مصر پر حملہ آور ہوگی۔ عمران کے کہنے کے مطابق صلیبیوں کو یہ توقع ہے کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جا لیں گے اور نورالدین زنگی اسے مدد اور کمک نہیں دے سکے گا کیونکہ راستے میں صلیبیوں کی بیت المقدس والی فوج حائل ہوگی۔

یہ ایسا طوفان تھا جو بے خبری میں آ جاتا تو مصر پر صلیبیوں کا قبضہ یقینی تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے تمام سینئر کمانڈروں کو بلا لیا۔ علی بن سفیان کو اس نے یہ ہدایت دی کہ وہ دشمن کے جاسوسوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دے تاکہ اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی خبر باہر نہ جا سکے۔ سکندریہ کے متعلق اس نے خصوصی ہدایات دیں۔

☆

برطانیہ ابھی اس جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ انگریزوں کو غالباً یہ توقع تھی کہ کسی وقت وہ اکیلے ہی مسلمانوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں گے لیکن پوپ (سب سے بڑے پادری) کے کہنے پر انگریزوں نے صلیبیوں کو اپنے کچھ جنگی جہاز دے دیئے تھے۔ سپین کا تمام بیڑہ اس حملے میں شرکت کے لیے تیار تھا۔ فرانس، جرمنی اور بلجیم کے جہاز بھی آ گئے تھے اور اس متحدہ بیڑے میں یونان اور سسلی کی جنگی کشتیاں بھی شامل تھیں۔ یہ

اور اسلحہ کے لیے ماہی گیروں سے بادبانی کشتیاں لے لی گئی تھیں۔ ان میں بعض خاصی بڑی تھیں۔ اس بیڑے میں اُن تمام ممالک سے تازہ دم فوج آرہی تھی جس سے صلیب پر حلف لیا گیا تھا کہ فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں آئے گی

"اگر صلاح الدین ایوبی نے ہمارا مقابلہ اپنے بحری بیڑے سے کیا تو اس کی اُسے مصر جتنی قیمت دینی پڑے گی"۔ فرانسیسی بحریہ کے کمانڈر نے کہا۔۔۔ "ہم جانتے ہیں اس کے بحری بیڑے کی کتنی کچھ طاقت ہے"۔۔۔ وہ بحیرۂ روم کے دوسرے کنارے پر ایک کانفرنس میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔۔۔ "صلاح الدین اور نور الدین خشکی پر لڑنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اس حملے کی خبر مسلمانوں کو قبل از وقت نہیں ہوگی اور صلاح الدین ایوبی کو اُس وقت خبر ہوگی جب ہم قاہرہ کو محاصرے میں لے چکے ہوں گے۔ نور الدین زنگی اُس کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکے گا اور ہمارا یہ حملہ فیصلہ کن ہوگا"۔

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ سوڈانیوں کو استعمال کرنا ضروری ہے"۔۔۔ ریناٹ نے کہا۔۔۔ ریناٹ ایک مشہور صلیبی حکمران اور جنگجو تھا۔ اسے بیت المقدس کی طرف سے خشکی پر آنا اور حملہ کرنا تھا۔ وہ شروع سے زور دے رہا تھا کہ وہ مصر پر شمال اور مشرق سے حملہ کریں تو جنوب سے سوڈانی بھی مصر پر حملہ کر دیں گے۔

"آپ پچھلے تجربوں کو بھول جاتے ہیں"۔۔۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن فلپ آگسٹس نے کہا۔ "۱۱۶۹ء میں ہم نے سوڈان کو بے دریغ مدد دی تھی اور اس توقع پر ہم نے سمندر سے حملہ کیا تھا کہ سوڈانی جنوب سے حملہ کریں گے اور صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو سوڈانی ہیں وہ بغاوت کر دیں گے مگر انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ دو سال بعد پھر انہیں مدد دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی ضائع کر دی۔ اب کے پھر انہوں نے ہمیں مایوس کیا۔ ہم کیوں نہیں اپنے منصوبے میں شریک کریں؟ اگر مصر ہم نے اپنی طاقت سے لے لیا تو سوڈانی ہم سے حصہ مانگیں گے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ سوڈانیوں میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں۔ مسلمان پر بھروسہ کرنا غلطی ہے۔ اگر آپ سچے دل سے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا دوست نہ سمجھیں۔ انہیں خرید کر اپنا دوست ضرور بنائیں لیکن دل میں اس کی دشمنی قائم رکھیں"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں"۔۔۔ ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا۔ "آپ لوگوں نے فاطمیوں کو دوست بنایا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہوتے ہوئے بھی اسے ابھی تک قتل نہیں کر سکے۔ ہم نے انہیں بڑے بڑے قابل جاسوس اور تخریب کار دیے جو انہوں نے اپنی غلطیوں سے پکڑوا کر مروا دیے۔ اب ہم کسی پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ہمیں اپنی جنگی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اب ہم کامیاب ہوں گے"۔

ان کی جنگی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس سے زیادہ تکبر کرنے میں حق بجانب تھے۔ بحری بیڑے کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ بیت المقدس کی طرف سے جو فوج آرہی تھی وہ سمندر کی طرف سے آنے والی نفری سے دگنی تھی۔ یورپی مؤرخوں میں تعداد کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے تو اس حملے کا صلیبی جنگوں میں ذکر ہی نہیں کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اس حملے میں کم و بیش صلیبیوں کی چھ بادشاہیاں شامل تھیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے حکمران بھی تھے جو اپنی فوجیں لے آئے تھے۔ ان میں خامی یہ تھی کہ ان کی کمان متحدہ نہیں تھی

تاہم یہ لشکر نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو آسانی سے شکست دے سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کی فوج کم تھی۔ اس کے علاوہ مصر میں غداروں نے بدامنی پھیلا رکھی تھی اور سب سے بڑا خطرہ یہ کہ سوڈانی بھی حملہ کر سکتے تھے۔ نور الدین زنگی کو بھی کچھ ایسی ہی دشواریوں کا سامنا تھا۔ دنیائے اسلام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور یہ حکمران عیش و عشرت کے عادی ہو چکے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں اپنے زیرِ اثر لے رکھا تھا۔ وہ آپس میں بھی پھٹے ہوئے تھے اور انہیں اسلام کی ناموس کا ذرہ بھر احساس نہ تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سینئر کمانڈروں کو بلا کر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے کو اُس نے سوڈان کی سرحد پر چلے جانے کو کہا۔ اس کے کمانڈر کو یہ ہدایت دی کہ وہ سرحد سے ذرا پیچھے خیمہ زن رہے لیکن فوج کو مختلف جگہوں پر اس طرح متحرک رکھے کہ گرد اڑتی رہے اور یہ ظاہر ہو کہ فوج کی تعداد بے حساب ہے۔ سلطان ایوبی نے خصوصی حکم یہ دیا کہ کسی بھی وقت فوج آرام کی حالت میں نہ رہے۔ دوسرے حصے کو سکندریہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ کوچ رات کو ہوگا اور تمام پڑاؤ دن کے وقت ہوں گے اس کے کمانڈر کو بتایا گیا کہ اسے یہ حکم بعد میں ملے گا کہ اس کی منزل کیا ہے اور آخری خیمہ گاہ کہاں ہوگی۔ تیسرے حصے کو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس نے کسی بھی کمانڈر کو نہ بتایا کہ یہ احکام کیوں دیے جا رہے ہیں۔ یہ سب نے دیکھا کہ تمام تر منجنیقیں اس فوج کو دی گئی تھیں جو سکندریہ کی طرف جا رہی تھیں۔

اس کے سات آٹھ روز بعد سلطان ایوبی قاہرہ میں نہیں تھا اور نور الدین زنگی کرک میں نہیں تھا۔ وہ دونوں سکندریہ کے مشرق میں گھوم پھر رہے تھے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں کسی ملک کے حکمران اور فوجوں کے کمانڈر ہیں اور یہ وہ دو انسان ہیں جو صلیبیوں کے لیے سراپا دہشت بنے ہوئے ہیں۔ وہ غریب سے دو شتربان تھے جو معلوم نہیں کہاں سے آئے تھے اور کہاں جا رہے تھے۔ انہوں نے ساحل پر جا کر بحیرۂ روم کی وسعت کو نظروں سے بھانپا اور ناپا۔ وہ تین چار دن میں دُور دُور گھوم گئے۔ سلطان ایوبی سکندریہ اور نور الدین زنگی کرک چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو کچھ احکام دیے اور وہ چلا گیا۔

☆

صلیبیوں کا بیڑہ مکمل خاموشی اور رازداری سے آیا۔ بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج چل پڑی۔ دونوں کی روانگی کے اوقات میں مطابقت تھی۔ صلیبیوں نے بڑے اچھے موسم کا انتخاب کیا تھا۔ اس موسم میں سمندر خاموش رہتا ہے۔ تلاطم اور طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا۔ صلیبی جہازوں کے کپتانوں کو مصر کا ساحل نظر آنے لگا، لیکن انہیں سلطان ایوبی کا کوئی جہاز نظر نہیں آرہا تھا۔ سب سے اگلے جہاز کے کپتان نے سمندر میں ماہی گیروں کی ایک کشتی دیکھی۔ اس نے جہاز ان کے قریب کر کے اوپر سے جھک کر پوچھا۔۔۔ "جنگی جہاز کہاں ہیں؟ اگر غلط بتاؤ گے تو تمہیں ڈبو کر مار ڈالیں گے"۔

ماہی گیروں نے کہا۔۔۔ "مصر کے جہاز اس طرف نہیں رکھے جاتے۔ یہاں سے بہت دُور ہیں"۔

جہاز روک کر رسہ پھینکا گیا۔ دو ماہی گیر رسے کے ذریعے جہاز پر چلے گئے۔ انہوں نے کپتان کو مصر کے جنگی

جہازوں کے متعلق جو معلومات دیں وہ یہ تھیں کہ کئی جہاز مرمت ہو رہے ہیں، جو جہاز اچھی حالت میں ہیں وہ اتنی دور ہیں کہ سکندریہ تک پہنچتے دو دن لیں گے کیونکہ بادبانوں اور چپوؤں کے لحاظ سے وہ کمزور اور کم رفتار ہیں۔ ماہی گیروں نے جو سب سے زیادہ قیمتی بات بتائی وہ یہ تھی کہ چونکہ سلطان ایوبی بحریہ کی طرف توجہ نہیں دیتا اس لیے جنگی ملاح عیش و عشرت میں پڑے رہتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ جو دیہات ہیں وہاں چلے جاتے ہیں، ماہی گیروں سے مچھلیاں چھین لیتے ہیں۔

صلیبی بحریہ کے راہنما کے لیے یہ معلومات خوشخبری سے کم نہ تھیں۔ اُس نے اپنا جہاز روک لیا اور ایک کشتی کے ذریعے اس بیڑے کے کمانڈر کے جہاز تک گیا۔ اُسے اس نے یہ معلومات دیں جو اس نے ان دو ماہی گیروں سے لی تھیں۔ ان کے لیے میدان صاف تھا۔ کمانڈر نے بیڑے کو وہیں روک لیا۔ وہ شام کے اندھیرے میں ساحل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے وہ جگہ بتا دی گئی تھی جہاں ساحل کے ساتھ پانی اتنا گہرا تھا کہ جہاز ریت میں پھنسے بغیر ساحل تک آسکتے تھے۔ وہاں فوج کو آسانی سے اتارا جا سکتا تھا۔۔۔ سکندریہ کی بندرگاہ سے ایک کشتی کھلے سمندر کی طرف چلی گئی جو بظاہر ماہی گیروں کی تھی۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا جب یہ کشتی بیڑے تک پہنچ گئی۔ کم و بیش اڑھائی سو جنگی جہاز سمندر میں دور دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ ماہی گیر اپنی کشتی کو بیڑے کے درمیان لے گئے اور پوچھ پوچھ کر کمانڈر کے جہاز تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بتایا کہ سکندریہ کے اندر کوئی فوج نہیں ہے صرف شہری آبادی ہے اور مصری بیڑے کے جنگی جہاز یہاں سے بہت دور ہیں ۔۔۔ یہ ماہی گیر مسلمانوں کے جاسوس تھے۔

رات کا پہلا پہر تھا جب اگلی صف کے جنگی جہاز ساحل کی طرف بڑھے اور کسی دشواری کے بغیر ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ پچھلی صف کے جہاز ان کے قریب، عقب میں آئے اور لنگر ڈال دیئے۔ تیسری صف بھی قریب آگئی۔ فوج اتارنے کا انتظام غالباً یہ تھا کہ ہر ایک جہاز کو ساحل پر نہیں آنا تھا بلکہ تمام جہازوں کو ساتھ ملا کر ان میں سے فوج کو گزر کر اترنا تھا۔ سکندریہ پر خاموشی سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اطلاع کے مطابق وہاں چونکہ فوج نہیں تھی اس لیے قبضہ مشکل نہ تھا۔ اگلے جہازوں سے جو فوج اتری اسے سکندریہ میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا اور سپاہیوں کو بتایا گیا کہ شہر ان کا اپنا ہے، کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ سپاہی دوڑ پڑے۔ انہیں شہر کو لوٹنا تھا اور ان کی نظر عورتوں پر بھی تھی۔

جونہی سپاہیوں کا یہ ہجوم شہر کے قریب آیا شہر کے باہر دائیں اور بائیں شعلے اٹھے جن سے رات روشن ہو گئی۔ یہ گھاس، لکڑیوں اور کپڑوں کے انبار تھے جن پر تیل ڈالا گیا تھا۔ ان سے روشنی کا کام لینا تھا۔ شہر کی گلیوں میں بھی مشعلیں جل اٹھیں اور مکانوں کی چھتوں سے تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ صلیبی پیچھے کو بھاگے تو دائیں اور بائیں سے ان پر تیر برسنے لگے۔ ان کے لیے سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے رات لرزنے لگی۔ ان صلیبیوں کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی۔ ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ پیچھے گیا ہوگا۔ صلیبی فوج جو ابھی جہازوں میں تھی اُسے آگے آنے کا حکم ملا۔ جہازوں میں سے صلیبیوں کی منجنیقیں آتشیں گولے پھینکنے لگیں اور دور مار تیر بھی

آنے لگے۔

سب سے پیچھے والے دو تین جنگی جہازوں میں سے شعلے اٹھے۔ صلیبی کپتانوں نے پیچھے دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر سے آگ کے گولے اٹھتے ہیں اور ان کے جہازوں میں آگرتے ہیں۔ صلیبیوں نے خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر جہازوں کو ہجوم کی صورت میں اکٹھا کر دیا تھا اور وہ سلطان ایوبی کے پھندے میں آگئے تھے۔ دن کے وقت اگلے جہاز کو جو ماہی گیر ملے تھے وہ علی بن سفیان کے محکمے کے آدمی تھے۔ یہ معمولی سی بات تھی کہ سمندر میں ماہی گیر ملے تو صلیبی کپتان نے ان سے معلومات حاصل کیں۔ ماہی گیروں نے غلط معلومات دیں، انہوں نے صرف یہ بات ٹھیک بتائی تھی کہ مصری بیڑہ یہاں سے دور ہے۔ وہ واقعی دور تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو بتا دیا تھا کہ وہ سمندر پر نظر رکھے، کسی بھی وقت حملہ آجائے گا۔ امیر البحر نے دیکھ بھال کا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ اسے قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ صلیبی بیڑہ سمندر کے وسط تک آگیا ہے۔ چنانچہ امیر البحر اپنے چند ایک جنگی جہاز جن میں آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں تھیں ایک طرف دور لے گیا تھا۔ اُس نے بادبان بھی اتار لیے تھے اور مستول بھی تاکہ دور سے جہاز نظر نہ آسکیں۔ ان کی بجائے اس نے ایک ایک چپو پر دو دو آدمی لگا دیئے تاکہ رفتار تیز رہے۔

شام کے بعد جب صلیبی بیڑہ ساحل کے قریب گیا تو امیر البحر نے مستول بھی چڑھا دیئے اور بادبان بھی اور چپوؤں کی رفتار بھی تیز رکھی اور اس طرح وہ صلیبی بیڑے کے عقب میں عین اُس وقت پہنچ گیا جب صلیبیوں نے اپنے جہاز ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیئے تھے۔ صلیبیوں کو دوسرا دھوکہ ان "ماہی گیروں" نے دیا تھا جو سکندریہ سے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے صلیبی کمانڈر سے کہا تھا کہ وہ ان کے جاسوس ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ سکندریہ میں کوئی فوج نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ شہر کے ان مکانوں میں جو سمندر کی طرف تھے وہاں صرف فوج تھی شہریوں کو محفوظ حصے میں بھیج دیا گیا تھا۔

سلطان ایوبی کا امیر البحر بہت تھوڑے جہاز لے کر گیا تھا۔ انہوں نے نقصان تو بہت کیا لیکن دشمن کے کئی ایک جہاز بچ کر نکل گئے۔ دوسروں نے مقابلہ کیا۔ جلتے جہازوں نے رات کو دن بنا رکھا تھا۔ اس روشنی میں سلطان ایوبی کے جہاز بھی نظر آنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز صلیبیوں کی منجنیقوں کی زد میں آگیا۔ امیر البحر نے اپنے جہازوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا کیونکہ دشمن جہازوں کی افراط کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھیر اڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سکندریہ میں سلطان ایوبی کے جانبازوں نے جوش میں آکر ساحل پر حملہ بول دیا اور جہازوں پر آتشیں تیر پھینکنے لگے۔ یہ جانباز مصری فوج کے اُس تیسرے حصے کے تھے جسے سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ انہیں غیر فوجی لباس میں سکندریہ میں مکانوں میں مورچہ بند کیا گیا تھا اور نہایت خاموشی سے شہریوں کو دوسرے مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی عقل اور دھوکے کی جنگ لڑ رہا تھا اور کم سے کم طاقت استعمال کر رہا تھا۔ اس نے ابھی خاصی نفری اپنے زیر کمان ریزرو میں رکھی ہوئی تھی۔

رات بھر یہ جنگ جاری رہی۔ سمندر میں کئی جہاز جل رہے تھے۔ وہاں قیامت کا منظر بنا ہوا تھا۔ صلیبی

بیڑہ چونکہ زیادہ تھا بلکہ سلطان ایوبی کے جہازوں کی نسبت بہت ہی زیادہ اس لیے صلیبی جہاز تباہی سے نکل کر مسلمانوں کے جہازوں کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صورت گھیرے والی بن گئی تھی۔ رات کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ اپنے جہازوں کی کیفیت کیا ہے۔ سلطان ایوبی وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنے اُن جہازوں کو جنہیں اُس نے محفوظ کے طور پر رکھا ہوا تھا حکم بھیج دیا کہ صلیبی جہازوں کو دُور کا چکر کاٹ کر اُلجھائیں۔ رات کے پچھلے پہر باقی جہاز بھی معرکے میں شریک ہو گئے۔ اس میں بہادری تو اُن ملاحوں کی تھی جو چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اپنے جہازوں کو تیر، آتش گیر مادہ اور گولے پہنچا رہے تھے۔ اپنے جہازوں کو ڈھونڈنا بہت ہی مشکل کام تھا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب امیر البحر ایک کشتی میں ساحل پر آیا۔ اس کے ساتھ چند ایک بحری سپاہی تھے۔ امیر البحر کے کپڑے خون سے لال تھے اور اس کی ایک ٹانگ جھلسی ہوئی تھی۔ اس کا جہاز نذرِ آتش ہو گیا تھا، اور وہ چند ایک جوانوں کو سمندر سے نکال لایا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو بڑی عجلت میں معرکے کی صورتِ حال بتائی جو مختصر یہ تھی کہ اس کے آدھے جہاز تباہ ہو چکے تھے لیکن صلیبیوں کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جا چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ سلطان ایوبی نے اُسے بتایا کہ باقی جہازوں کو بھی بھیج دیا گیا ہے۔ یہ اقدام امیر البحر کی خواہش اور ضرورت کے عین مطابق تھا۔ اس نے سلطان ایوبی سے کہا — "صلیبیوں کو سب سے زیادہ نقصان وہ بوجھ دے رہا ہے جو انہوں نے جہازوں میں لاد رکھا ہے۔ رسد کے علاوہ اُن کے جہازوں میں فوج بھی ہے اور بعض جہازوں میں گھوڑے ہیں۔ اس بوجھ کی وجہ سے اُن کے جہاز رفتار میں نہیں آتے اور گھومنے میں دیر لگاتے ہیں۔ میرے جہاز خالی ہیں۔"

امیر البحر اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اس کا سر ڈول رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے طبیب اور جراح کو بلایا مگر امیر البحر نے پروا نہ کی۔ سلطان ایوبی کا ہیڈ کوارٹر ساحل کے چٹانی علاقے میں تھا۔ وہ ایک اونچی چٹان پر کھڑے تھے۔ سورج کی پہلی کرنوں نے سمندر اور ساحل کا جو منظر دکھایا وہ ہیبت ناک تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی، سمندر میں جہاز مست سانڈوں کی طرح سمندر کو چیر رہے تھے۔ بہت سے جہاز جل رہے تھے۔ بعض مستول ٹوٹ جانے اور بادبان بے کار ہو جانے سے ایک ہی جگہ کھڑے ہچکولے کھا رہے تھے۔ سمندر میں بہت سے انسان تیرتے نظر آ رہے تھے اور موجیں لاشوں کو ساحل پر پھینک رہی تھیں۔ اپنے جہازوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ دُور مغرب کی طرف سمندر سے مستولوں کے بالائی حصے اُبھرے، پھر بادبان نظر آئے۔ جہاز ایک صف میں ایک دوسرے سے دُور دُور معرکے کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے کہا — "تمہارے جہاز آ رہے ہیں" — اُس نے اِدھر دیکھا۔ وہاں امیر البحر نہیں تھا۔

امیر البحر اپنے جہازوں کو آتا دیکھ کر سلطان کو بتائے بغیر چٹان سے اتر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو وہ اُس وقت نظر آیا جب وہ ایک کشتی میں بیٹھ چکا تھا اور کشتی کا بادبان کھل چکا تھا۔ یہ دس چپوؤں کی کشتی تھی۔ سلطان ایوبی نے چلا کر اسے پکارا — "سعدی! تم واپس آ جاؤ۔ میں نے تمہاری جگہ ابو فرید کو بھیج دیا ہے۔"

امیر البحر دُور نکل گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا — "یہ میری جنگ ہے۔ خدا حافظ" — اور اُس کی کشتی دُور ہی دُور ہٹتی گئی، پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

قاصد نے سلطان ایوبی کو اطلاع دی کہ سکندریہ سے شمال مشرق کی طرف تین میل دُور صلیبیوں کی کچھ فوج اتر آئی ہے اور وہاں خونریز معرکہ لڑا جا رہا ہے۔ سلطان ایوبی نے وہاں جانے کی بجائے کچھ احکام جاری کر دیئے اور سمندری جنگ کو دیکھتا رہا — اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ صلیبیوں کا ایک جہاز ساحل کے ذرا قریب آ گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بیڑے کا ایک جہاز اس کے قریب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صلیبیوں نے تیروں کی بوچھاڑیں ماریں لیکن مسلمان ملاحوں نے پروا نہ کی۔ وہ اپنے جہاز کو صلیبی جہاز کے اتنا قریب لے آئے کہ کود کود کر اس میں چلے گئے اور دست بدست لڑ کر جہاز پر قبضہ کر لیا، مگر یہ معرکہ اتنا سہل نہ تھا جیسا بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان بحریہ کے سرفروشوں نے خون اور جان کی بے دریغ قربانی دی۔ وہ تین تین چار چار جہازوں کے گھیرے میں لڑے۔ دشمن کے جہازوں میں کود کود کر لڑے۔ تیروں سے چھلنی ہوئے مگر اس طرح معرکے میں سے نکلنے کی نہ سوچی جس طرح صلیبی اپنے جہاز نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صلیبیوں کی کمر رات کو ہی ٹوٹ گئی تھی۔ اُن کے کمانڈر صلیب کا حلف پورا کر رہے تھے اور انہیں صبح تک یہ اُمید لڑاتی رہی کہ وہ سلطان ایوبی کی قلیل سی بحری قوت پر قابو پا لیں گے لیکن اگلے دن کے پچھلے پہر تک اُن کی کیفیت اتنی بگڑ چکی تھی کہ جہاز بکھر کر اُدھر کو ہی جا رہے تھے جدھر سے آئے تھے۔ وہ اپنی زیادہ تر قوت مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کرا گئے تھے — اور اُن کی جو تھوڑی سی فوج ساحل پر اتری تھی وہ سکندریہ سے تین چار میل دُور شمال مشرق میں کچھ کٹ گئی تھی باقی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج کا دوسرا حصہ ابھی جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے پاس قاصد آ رہے تھے، جا رہے تھے، اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ صلیبی ناکام ہو گئے ہیں تو اُس نے فوج کے دوسرے حصے کو ایک اور محاذ دے دیا۔ عمران کی اطلاع کے مطابق بیت المقدس کی طرف سے بھی صلیبی فوج کو آنا تھا۔ اُس کے لیے نورالدین زنگی گھات میں تھا، تاہم پیش بندی کے طور پر سلطان ایوبی نے دفاع مضبوط کر لیا۔ تیسرے حصے کو جو اُس نے اپنے زیرِ کمان ریزرو میں رکھا ہوا تھا، اُن صلیبیوں کو پکڑنے پر لگا دیا جو سمندر سے نکل رہے تھے۔

سورج کی آخری کرنوں نے سلطان ایوبی کو یہ منظر دکھایا کہ صلیبیوں کے وہی جہاز نظر آ رہے تھے جو جل چکے تھے اور ابھی ڈوبے نہیں تھے یا وہ جنہیں پکڑ لیا گیا تھا یا اُن جہازوں کے بادبان نظر آ رہے تھے جو واپس جاتے ہوئے دُور ہی دُور ہٹتے جا رہے تھے۔ اُس کی اپنی بحریہ کے جہاز جو بچ گئے تھے ساحل کی طرف آ رہے تھے۔ دیکھنے والوں نے اندازہ لگایا کہ سلطان کی آدھی بحریہ معرکے پر قربان ہو گئی تھی۔ کشتیاں ساحل پر آ رہی تھیں، ان میں اپنے بحری سپاہی آتے تھے جو زخمی تھے یا سمندر سے نکالے گئے تھے۔ ان کے جہاز تباہ ہو گئے تھے۔ ایک کشتی اُس چٹان کے قریب آ کے ساحل سے لگی جس پر سلطان ایوبی کھڑا تھا۔ اس میں کسی کی لاش تھی۔ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے پوچھا — "یہ کس کی لاش ہے؟"

"امیر البحر سعدی بن سعد کی۔" ایک ملاح نے جواب دیا۔

سلطان ایوبی دوڑ کر نیچے اترا۔ لاش سے کپڑا ہٹایا۔ اُس کے امیر البحر کی لاش خون سے لال ہو چکی تھی۔ ملاحوں

نے بتایا کہ امیر البحر نے ایک جہاز تک پہنچ کر بحریہ کی کمان لے لی تھی اور جنگ لڑاتے رہے۔ انہوں نے اس جہاز پر اپنی کمان کا جھنڈا چڑھا دیا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں کے چار جہازوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان میں سے دو تباہ ہوئے اور امیر البحر کا جہاز بھی تباہ ہو گیا۔ اس وقت تک معرکہ ختم ہو چکا تھا ___ سلطان ایوبی نے امیر البحر کی لاش کا ہاتھ چوما اور کہا ___ "تم سمندر کے فاتح ہو۔ میں کچھ بھی نہیں۔"

اس نے جہاں یہ حکم دیا کہ دشمن کے جو جہاز پیچھے رہ گئے ہیں اُن سے سامان نکالا جائے وہاں جذباتی لہجے میں کہا ___ "تمام کشتیاں سمندر میں ڈال دو اور کسی شہید کی لاش سمندر میں نہ رہنے دو۔ انہیں یہیں دفن کرنا جہاں بحیرۂ روم کی ہوائیں ان کی قبروں کو ٹھنڈی رکھیں۔"

بحری شہیدوں کی تعداد کم نہیں تھی۔

☆

بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج کوچ کر چکی تھی اور آدھا راستہ طے کر آئی تھی۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ اُن کی بحریہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے قلب میں صلیبیوں کا مشہور جنگجو حکمران ریجنالٹ تھا۔ اس فوج کے بھی تین حصے تھے۔ ایک آگے تھا۔ دوسرا کچھ دُور پیچھے درمیان میں اور تیسرا بہت دائیں کو ہٹ کر آ رہا تھا۔ اس کی متحدہ کمان ریجنالٹ کے پاس تھی اور اُسے یہ توقع تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جا لے گا۔ تصوروں میں اُسے قاہرہ نظر آ رہا تھا۔ گھوڑا گاڑیوں کے قافلے رسد بھی ساتھ لا رہے تھے۔ سکندریہ سے بہت دُور شمال مشرق میں ایک وسیع خطہ ریت اور مٹی کے ٹیلوں اور نشیب و فراز کا ہُوا کرتا تھا۔ آٹھ صدیوں نے اس خطے کو اب ویسا نہیں رہنے دیا۔ اس کے قریب باقی علاقہ صحرا تھا اور اس صحرا میں پانی بھی تھا۔ ریجنالٹ نے ایک پڑاؤ وہاں کیا۔ اس کی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تھا۔ دائیں طرف والا حصہ دُور تھا۔ آدھی رات کا وقت ہو گا ریجنالٹ کے کیمپ میں قیامت بپا ہو گئی۔ اس کے کچھ بھی پلے نہ پڑا کہ یہ قیامت آسمان سے ٹوٹی ہے یا اس کی اپنی فوج نے بغاوت کر دی ہے۔

اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ نورالدین زنگی کی گھات میں آ گیا ہے۔ زنگی نے کئی دنوں سے اپنی فوج کو ٹیلوں اور نشیب و فراز کے اس علاقے میں لا کے بٹھا رکھا تھا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ یہاں پانی قریب ہے اس لیے صلیبی یہاں پڑاؤ کریں گے۔ صلیبی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تو زنگی کے کمانڈروں کو مایوسی ہوئی تھی۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ رات کو پڑاؤ پر حملہ کرنا ہے۔ وہاں پڑاؤ نہ ہُوا۔ بہت دیر بعد انہیں دُور سے گرد کے بادل نظر آئے تو وہ سمجھے کہ آندھی آ رہی ہے۔ صحرائی آندھی بڑی خوفناک ہُوا کرتی ہے لیکن یہ آندھی نہیں صلیبی فوج کا درمیانی حصہ تھا جو اسی جگہ آ کر رُک گیا، جہاں نورالدین زنگی کو توقع تھی۔ صلیبیوں نے خیمے نہ لگائے کیونکہ انہیں صبح کوچ کرنا تھا۔ جانوروں کو الگ باندھ دیا گیا اور پھر سورج ڈوب گیا۔

آدھی رات کو زنگی کے دستے جو گھات میں تھے باہر آئے۔ یہ سب سوار تھے۔ انہوں نے پہلے تو اندھیرے میں تیروں کا مینہ برسایا اور جب سوئے ہوئے سپاہیوں میں بھگدڑ مچی تو سواروں نے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ وہ

اندھا دھند برچھیاں اور تلواریں چلاتے گئے اور آگے نکل گئے۔ صلیبی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ سواروں نے پھر ہلّہ بول دیا۔ صلیبیوں کے بندھے ہوئے گھوڑوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔ یہ سب بھاگ اٹھے۔ ریجنالٹ وہاں سے بھاگ گیا اور دائیں حصے والی فوج میں جا پہنچا۔ یہ حصہ کہیں دُور پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ نورالدین زنگی اسی طرف تھا۔ اس ساری فوج کی رسد پیچھے آ رہی تھی۔ زنگی نے اس کے لیے الگ دستے مقرر کر رکھے تھے۔ انہوں نے صبح تک رسد پر قبضہ کر لیا۔ دائیں والا حصہ رات کو ہوشیار ہو گیا تھا۔ ریجنالٹ اسے اپنے عقب کی طرف لانے لگا کیونکہ وہ اسی جگہ میدانِ جنگ سمجھتا تھا۔ صبح کے دھندلکے میں یہ فوج چل پڑی۔ نورالدین زنگی نے عقب سے اس کے پہلو پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد اس فوج کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس پر کس طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کی طرح زنگی بھی جم کر نہیں لڑتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے دستوں سے حملے کرا کے صلیبیوں کو گھیرتا جا رہا تھا۔

اُس نے رات کو سلطان ایوبی کی طرف قاصد بھیج دیا تھا۔ ان دونوں نے سکیم پہلے ہی بنا رکھی تھی۔ زنگی کا ہر عمل اور اقدام اور دشمن کا ردِعمل ان کی سکیم کے عین مطابق تھا۔ ریجنالٹ نے اپنی فوج کے اگلے حصے کو پیچھے آنے کا پیغام بھیجا۔ چار روز ریجنالٹ اور زنگی میں لامحدود وسعت میں معرکے ہوتے رہے۔ زنگی نے صلیبیوں کو بکھیر لیا تھا اور "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑ رہا تھا۔ صلیبیوں کی فوج کا آگے والا حصہ واپس ہُوا تو رات کو اس کے عقب پر حملہ ہُوا۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے رات میں شب خون مارے اور غائب ہو گئے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ صلیبی آمنے سامنے کی جنگ لڑنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن سلطان ایوبی انہیں کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ یہ طریقہ آسان نہیں تھا۔ چھاپہ مار اگر ایک سو کی تعداد میں جاتے تھے تو بمشکل ساٹھ واپس آتے تھے۔ اس کے لیے خصوصی مہارت، دلیری اور تیزی کی ضرورت تھی جو سلطان ایوبی نے اپنے چھاپہ مار دستوں میں پیدا کر رکھی تھی۔

جنگ بہت دُور دُور تک پھیل گئی۔ صلیبی فوج میں نہ جمعیت رہی نہ مرکزیت۔ اُن کی رسد زنگی کے قبضے میں آ چکی تھی۔ میدانِ جنگ میں نہ کوئی سامنا نہ عقب۔ صلیبی اس جنگ کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے جو مسلمان لڑ رہے تھے۔ پھر کیفیت یہ ہو گئی کہ جو صلیبی سپاہی بھاگ سکے بھاگ گئے اور جن میں تاب نہ رہی وہ ہتھیار ڈالنے لگے۔ ریجنالٹ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے کسی اور جگہ کچھ فوج اکٹھی کر لی اور اُسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ زنگی کہاں ہے۔ اس نے نہایت اچھی سکیم سے وہاں حملہ کر دیا۔ یہ ایک بڑا ہی سخت معرکہ تھا۔ صلیبی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ریجنالٹ کی چالیں اور اپنی فوج پر کنٹرول بہت اچھا تھا مگر چوتھی یا پانچویں رات زنگی کے شب خون مارنے والے ایک دستے کے چند ایک جانبازوں نے جان کی بازی لگا دی اور ریجنالٹ کی ذاتی خیمہ گاہ پر جا شب خون مارا۔ یہ زنگی کی سکیم کے تحت اقدام کیا گیا تھا۔ زنگی نے چھاپہ ماروں کی للکار پر حملہ کر دیا۔ اُس دور میں رات کے وقت لڑائی نہیں لڑی جاتی تھی۔ یہ طرح مسلمانوں نے ڈالی تھی کہ رات کو بھی حملے جاری رکھتے تھے۔

صبح طلوع ہوئی تو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر ریجنالٹ قیدی کی حیثیت سے نورالدین زنگی کے سامنے کھڑا تھا اور زنگی اسے اپنی شرائط بتا رہا تھا۔ یہ صلیبی کمانڈر ہر شرط ماننے پر آمادہ تھا لیکن بات جب بیت المقدس پر آئی

ریجنالٹ نے انکار کر دیا۔ زنگی نے اسے کہا تھا کہ بیت المقدس ہمارے حوالے کر دو اور آزاد ہو جاؤ.... شام تک سلطان ایوبی بھی آگیا۔ ریجنالٹ کو پورے احترام کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اُس سے بغل گیر ہو کر ملا۔

"آپ عظیم سپاہی ہیں"۔ ریجنالٹ نے سلطان ایوبی سے کہا۔

"یوں کہو کہ اسلام عظیم مذہب ہے"۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا — "سپاہی وہی عظیم ہوتے ہیں جن کا مذہب عظیم ہوتا ہے"۔

"محترم ریجنالٹ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ان کا بحری بیڑہ نہیں آیا تھا؟" نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی سے کہا — "انہیں صحیح جواب تم ہی دے سکتے ہو۔ میں تو یہاں تھا"۔

"آپ کا بحری بیڑہ پورے طمطراق سے آیا تھا"۔ سلطان ایوبی نے کہا — "اور واپس بھی چلا گیا ہے۔ آپ کے بہت سے جہاز سمندر کی تہ میں ہوں گے اور جو ڈوبے نہیں اُن کے جلے ہوئے ڈھانچے سمندر پر تیر رہے ہیں۔ جو فوج جہازوں سے اُتر آئی تھی وہ واپس نہیں جا سکی۔ ہم نے آپ کی تمام لاشیں پورے احترام سے دفن کر دی ہیں" — سلطان ایوبی اُسے جنگ کی صورتِ حال سنا رہا تھا اور ریجنالٹ کی آنکھیں اور منہ کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ روئیداد سچی ہے۔

"اگر یہ سچ ہے تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہوا؟" ریجنالٹ نے پوچھا۔

"یہ راز اُس روز آپ پر فاش کر دوں گا جس روز فلسطین سے صلیب کا آخری سپاہی بھی نکل جائے گا"۔ نورالدین زنگی نے کہا — "آپ کی یہ شکست آخری نہیں کیونکہ آپ اس سرزمین سے نکلنے پر آمادہ نظر نہیں آتے"۔

"میں آپ کو اپنے علاقے دے دوں گا"۔ ریجنالٹ نے کہا — "مجھے رہا کر دیں۔ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بھی کروں گا۔ آپ کی سلطنت بہت وسیع ہو جائے گی"۔

"ہمیں اپنی سلطنت کی ضرورت نہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا — "ہمیں خدا کی سلطنت قائم کرنی ہے، اسلام کی سلطنت جس کی وسعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کا مقصود اسلام کی بیخ کنی ہے جو ممکن نہیں۔ آپ نے فوجیں استعمال کر دیکھی ہیں۔ بحری بیڑہ بھی آزما لیا ہے۔ اپنی بیٹیوں کو بھی استعمال کر دیکھا ہے۔ آپ نے ہماری قوم میں غدار بھی پیدا کیے ہیں۔ گزشتہ ایک صدی میں آپ نے کتنی کامیابی حاصل کی ہے؟"

"کیا یہ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ ہم نے اسلام کو کہاں کہاں سے نکالا ہے؟" ریجنالٹ نے کہا — "اسلام تو بحیرۂ روم کے پار پہنچ گیا تھا۔ سپین سے اسلام کی پسپائی کیوں ہوئی؟ روم آپ کے ہاتھ سے کیوں نکلا؟ سوڈان آپ کا کیوں دشمن ہوا؟ صرف اس لیے کہ ہم نے تمہارے اسلام کے محافظوں کو خرید لیا تھا۔ آج بھی تمہارے حکمران بھائی ہمارے زرخرید غلام ہیں۔ ان کی ریاستوں میں مسلمان رہ گئے ہیں، اسلام ختم ہو گیا ہے"۔

"ہم وہاں اسلام کو زندہ کریں گے دوست!"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

"آپ خواب دیکھ رہے ہیں صلاح الدین!" ریجنالٹ نے کہا — "آپ دونوں کب تک زندہ رہیں گے؟ کب تک لڑنے کے قابل رہیں گے؟ اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟ میں آپ دونوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں

کہ آپ سچے دل سے اپنے مذہب کے پاسبان اور بہی خواہ ہیں لیکن آپ کی قوم میں مذہب کو نیلام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہم خریدار ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ جنگ و جدل کی بجائے اپنی قوم کو زر پرستی، لذت پرستی اور تعیش پسندی سے بچانے کی مہم چلائیں تو ہم یہاں ایک دن نہ ٹھہر سکیں گے، مگر میرے دوستو! آپ اس مہم میں کامیاب نہیں ہوں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ عیاشی آپ کی قوم میں نہیں آئی بلکہ قوم کے سربراہ اور حکمران عیاش ہو گئے ہیں۔ اس حقیقت سے آپ چشم پوشی نہ کریں کہ جو برائی حکمرانوں کی طرف سے شروع ہوتی ہے وہ قوم میں رواج کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کے حکمرانوں کو اپنے جال میں پھانسا ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مجھے قتل کر دیں۔ مجھ جیسے چند اور صلیبی حاکموں کو قتل کر دیں، اسلام کو بہرحال ختم ہونا ہے۔ ہم نے جس مرض کا زہر آپ کی قوم کی رگوں میں ڈال دیا ہے وہ بڑھے گا کم نہیں ہوگا"۔

وہ ایسی حقیقت بیان کر رہا تھا جس سے نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی انکار نہیں کر سکتے تھے تاہم وہ صلیبیوں پر بہت بڑی فتح حاصل کر چکے تھے اور ایک صلیبی بادشاہ جو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر تھا ان کے پاس جنگی قیدی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدی ہاتھ آئے تھے۔ یہ صرف ایک جاسوس کا کارنامہ تھا جو عکرہ سے اس حملے کی خبر بروقت لے آیا تھا۔

☆

ریجنالٹ اور دوسرے تمام جنگی قیدیوں کو نورالدین زنگی کرک لے گیا اور سلطان ایوبی اس سے رخصت ہو کر قاہرہ چلا گیا۔ اُس نے سوچا تک نہ تھا کہ وہ اب نورالدین زنگی سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ وہ اس مسرت کے ساتھ قاہرہ گیا کہ زنگی ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو بڑی سخت شرائط منوائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ نورالدین زنگی نے بھی ذہن میں کچھ منصوبے بنائے ہوں گے مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مارچ ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے کہ بغداد کے کسی علاقے میں شدید زلزلہ آیا جس نے چھ سات دیہات کو تباہ کر دیا۔ بغداد میں بھی نقصان ہوا۔ مؤرخوں نے اسے تاریخ کا سب سے زیادہ تباہ کن زلزلہ کہا ہے۔ نورالدین زنگی کے دل میں اپنے عوام کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ ان کی امداد کے احکام جاری کرنے کی بجائے خود کرک سے چل پڑا۔ وہ ان کی دستگیری اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اُسے کرک سے جانا تھا۔ بغداد اور ارد گرد کے حالات اچھے نہیں تھے۔ وہ کرک سے ریجنالٹ اور دوسرے صلیبی قیدیوں کو بھی ساتھ لیتا گیا۔

بغداد پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے زلزلے کا شکار ہونے والے لوگوں کی طرف توجہ دی۔ دارالخلافے سے باہر رہنے لگا۔ وہ دل و جان سے اپنے لوگوں کی مدد کرتا رہا۔ جہاں رات آتی وہیں رک جاتا۔ اس نے کھانے کی پروا نہ کی کہ کیسا ملتا ہے اور کس کے ہاتھ کا پکا ہوتا ہے۔ اُسے تباہ حال لوگوں کی خوشحالی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اپریل کے آخر تک اُس نے تمام متاثرین کو آباد کر دیا۔ جب ذرا فرصت ملی تو اُس نے اپنے طبیب کو بتایا کہ وہ اپنے گلے کے اندر درد محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے دوا دارو کیا لیکن حلق میں سوزش بڑھتی گئی۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن مرض کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ بات کرنے سے بھی معذور ہو گیا اور مئی ۱۱۷۴ء کے پہلے ہفتے میں خاموشی سے

جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ زنگی کو خناق کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا لیکن بعض مؤرخوں نے وثوق سے لکھا ہے کہ زنگی کو حسن بن صباح کے فدائیوں نے زہر دیا تھا۔ اُن دنوں جب زنگی زلزلے سے تباہ کیے ہوئے دیہات میں بھاگتا دوڑتا رہتا اور اس کے کھانے کے اوقات اور پکانے کے طور طریقے بے قاعدہ ہو گئے تھے فدائیوں نے اُسے کھانے میں ایسا زہر دینا شروع کر دیا تھا جس کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ زہر حلق کی ایسی سوزش کا باعث بنا جسے طبیب سمجھ ہی نہ سکے۔ جنرل محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب "گوریلا وار فیئر" میں کئی بڑے بڑے اور مستند مؤرخوں کے حوالے سے اسی کی تصدیق کی ہے کہ نورالدین زنگی فدائیوں کا شکار ہوا تھا۔

زنگی کوئی وصیت نہ کر سکا۔ سلطان ایوبی کو کوئی پیغام نہ بھیج سکا۔ سلطان ایوبی کو اُس وقت اطلاع پہنچی جب زنگی دفن ہو چکا تھا۔ دوسرے ہی دن بغداد سے ایک اور قاصد یہ اطلاع لے کے آیا کہ نورالدین زنگی کی وفات کے ساتھ ہی موصل، حلب اور دمشق کے امراء نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے اور سلطان ایوبی کو یہ اطلاع بھی ملی کہ بغداد کے امراء وزراء نے نورالدین زنگی کے بیٹے الملک الصالح کو جس کی عمر صرف گیارہ سال تھی، سلطنتِ اسلامیہ کا خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ یہ اُمراء نابالغ خلیفہ کو کس راستے پر ڈالیں گے اور وہ کیا گل کھلائیں گے۔

سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا ـــ "تم نے پانچ مہینے گزرے مجھے اطلاع دی تھی کہ عکرہ میں اپنا ایک جاسوس شہید ہو گیا اور دوسرا پکڑا گیا ہے تو میرا دل بیٹھ گیا تھا اور مجھے ایسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے صلیبیوں کا یہ سال دنیائے اسلام کے لیے اچھا نہیں ہو گا ..... بیٹھ جاؤ، میری باتیں غور سے سنو۔ اب ہمیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔"

☆

اسلام کی بقا کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی

مئی ۱۱۷۴ء کا دن دنیائے اسلام کا ایک تاریک دن تھا۔ نورالدین زنگی کی میت کو ابھی غسل بھی نہیں دیا گیا تھا کہ بہت سے انسانوں کے چہرے مسرت سے چمک اٹھے تھے۔ یہ صلیبی نہیں تھے۔ یا یوں کہیے کہ صرف صلیبی نہیں تھے جو زنگی کے انتقال پر مسرور تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے جو صلیبیوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی خوش نظر آتے تھے۔ یہ مسلمان ریاستوں اور جاگیروں کے امراء اور حاکم تھے۔ وہ سب زنگی کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ وہ جنازے کے لیے آئے تھے۔ ان میں سے بعض بے چین تھے جیسے زنگی کے انتقال سے غمزدہ ہوں، مگر بے چینی یہ تھی کہ وہ زنگی کو شام سے پہلے پہلے دفن کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اکٹھے تو ہو گئے تھے لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو شکی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کا مذہب ایک، خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک اور دشمن ایک تھا مگر ہر ایک کا دل دوسرے سے الگ اور جدا تھا۔ ان کی مثال ایک درخت کی ٹہنیوں کی سی تھی جو ٹوٹ کر درخت سے الگ ہو گئی ہوں اور اب الگ الگ اپنے آپ کو ہرا بھرا رکھنے کی توقع لیے ہوئے ہوں۔

وہ دور دراصل جاگیرداری اور نوابی کا تھا۔ بعض مسلمان ریاستیں قدرے وسیع تھیں اور باقی چھوٹی چھوٹی۔۔۔۔ ان کے حکمران امیر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مرکزی خلافت کے تحت تھے۔ اسلام کے کسی بھی دشمن کے خلاف جنگ ہو تو یہ امراء خلافت کو مالی اور فوجی مدد دیتے تھے، مگر یہ مدد صرف حد تک محدود رہتی تھی۔ اس میں کوئی ملی جذبہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ امن اور سکون سے عیش و عشرت کرنے کی خاطر خلافت کا مطالبہ پورا کر دیتے تھے۔ عیش و عشرت کی خاطر وہ اپنے سب سے بڑے (ملکہ واحد) دشمن صلیبیوں سے درپردہ دوستی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر بھی رکھے تھے لیکن نورالدین زنگی کا وجود صلیبیوں کے راستے میں ایک چٹان تھا۔ وہ مسلمان امراء کو کئی بار شرمسار کر چکا تھا اور اس نے انہیں زیر نگین کرانے کی سرتوڑ کوشش کی تھی کہ صلیبی انہیں اسلامی وحدت سے توڑ کر ہڑپ کرتے جائیں گے مگر صلیبیوں کی مہیا کی ہوئی یورپی شراب، نوجوان لڑکیوں اور سونے کی اینٹوں میں اتنی قوت تھی، جس نے ان کے کان بند اور عقل سربمہر کر رکھی تھی۔ زنگی کی آواز جیسے پتھروں سے ٹکرا کر واپس آجاتی تھی۔

وہ سب سے پہلے جاگیردار اور نواب تھے، امیر اور حاکم تھے اور اس کے بعد اگر مذہب کی بات چل نکلے تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ ان کا اگر دین تھا تو وہ ان کی ریاستیں اور جاگیریں تھیں۔ یہی ان کا ایمان تھا۔ وہ سلامی

وصیت کے قائل نہیں تھے. جنگ کے سخت خلاف تھے کیونکہ انہیں خطرہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ صلیبی ان کی جاگیروں پر قبضہ کر لیں گے. اس کے علاوہ اُن کے دلوں میں یہ ڈر بھی تھا کہ ان کی رعایا نے اپنے دشمن کو پہچان لیا تو اس میں روحانی بیداری اور قومی وقار بیدار ہو جائے گا، پھر رعایا ان کی ذاتی کے لیے خطرہ بن جائے گی. حقیقت یہ تھی کہ رعایا ان کے لیے مستقل خطرہ تھی. لوگوں میں قومی وقار موجود تھا. زنگی کی فوج انہی لوگوں کی فوج تھی جس کے مجاہدوں نے دس گنا دشمن کا مقابلہ بھی کیا تھا. یہ جذبے کا کرشمہ تھا. امراء کو یہ جذبہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا. لہٰذا وہ زنگی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے اور صلاح الدین ایوبی کو تو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے. اب زنگی فوت ہو گیا تو وہ خوش تھے. انہیں معلوم تھا کہ اس قوم میں اب کوئی زنگی نہیں رہا اور جہاد بھی زنگی کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا.

زنگی دفن ہو گیا. صلیبیوں پر مسلمانوں کی جو دہشت طاری تھی وہ ختم ہو گئی. اُن کے دل میں اب صلاح الدین ایوبی کا کانٹا رہ گیا تھا جس کے متعلق اب وہ اتنے فکر مند نہیں تھے جتنے زنگی کی زندگی میں تھے. اب سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا تھا. اُسے مدد اور کمک دینے والا زنگی مر گیا تھا. صلیبیوں کو اصل خوشی تو اس پر ہوئی کہ زنگی کے بعد سرکردہ امراء اور وزراء نے زنگی کے کمسن بیٹے الملک الصالح کو گدی پر بٹھا دیا تھا جس کی عمر گیارہ سال تھی. یہ انتخاب اُن اُمراء نے کیا تھا جو در پردہ صلیبیوں کے دوست تھے. اس طرح سلطانی کی گدی صلیبیوں کے ہاتھ آ گئی تھی. اُن اُمراء میں گمشتگین نام کا ایک امیر جو دراصل قلعہ دار (قلعے کا گورنر) تھا اور دوسرا سیف الدین والیٔ موصل تھا. دمشق کا حاکم شمس الدین بن عبد الملک تھا. الجزیرہ اور نواحی علاقوں پر نور الدین زنگی کے بھتیجے کا راج تھا. ان کے علاوہ کئی اور جاگیردار تھے. ان سب نے خود مختاری کا اعلان کر دیا. وہ بظاہر خلافت کے ماتحت تھے لیکن عملاً آزاد ہو گئے تھے. وہ اپنی اپنی جگہ بہت مسرور تھے مگر محسوس نہ کر سکے کہ وہ ذروں کی طرح بکھر کر صلیبیوں کا آسان شکار بن گئے ہیں.

زنگی کی وفات سے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا اُسے زنگی کی بیوی نے محسوس کیا. سلطان ایوبی نے محسوس کیا اور اُن لوگوں نے محسوس کیا جن کے دلوں میں اسلام کی عظمت زندہ تھی.

☆

اس حادثے کو بہت دن گزر چکے تھے. سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا. کمرے میں مصطفیٰ جودت نام کا ایک اعلیٰ فوجی افسر بیٹھا بول رہا تھا. مصطفیٰ ترک تھا. وہ نور الدین زنگی کی فوج میں سپاہیوں کا کمانڈر تھا. زنگی کی وفات کے بعد اُس نے عالم اسلام میں جو تباہ کن انقلاب دیکھا اُس نے اسے تڑپا دیا. اُس نے یہ کہہ کر چھٹی لے لی کہ اُسے ترکی سے آئے کئی سال گزر گئے ہیں لہٰذا وہ ترکی اپنے گھر جانا چاہتا ہے. وہ دمشق سے روانہ ہوا، قاہرہ پہنچ گیا اور سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا. مصطفیٰ اُن فوجی افسروں میں سے تھا جو افسر کم اور مسلمان زیادہ ہوتے ہیں. اُسے معلوم تھا کہ زنگی کے بعد صرف سلطان ایوبی ہے جو عظمتِ اسلام کی پاسبانی کر سکتا ہے اور کرے گا. اُسے ڈر تھا کہ سلطان ایوبی کو اس طرف کے حالات کا علم نہیں ہو گا. چنانچہ وہ سلطان ایوبی کو وہاں کے حالات سنا رہا تھا.

"......اور فوج کس حال میں ہے؟" سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا.

"محترم زنگی مرحوم نے فوج میں جو جذبہ پیدا کیا تھا وہ زندہ ہے" — مصطفیٰ نے جواب دیا — "مگر یہ جذبہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکے گا. آپ جانتے ہیں کہ صلیبیوں کے سیلاب کو صرف فوج نے روک رکھا ہے. محترم زنگی مرحوم کی زندگی میں عملاً فوج حکومت کر رہی تھی. جنگی منصوبے اور فیصلے فوج کے ہاتھ میں تھے. لیکن یہ اقدام خلافت کے احکام کے خلاف تھا. اب ہم خلافت کے پابند ہو گئے ہیں. ہم اپنے آپ کوئی کارروائی نہیں کر سکتے. اگر خلیفہ کوئی جنگی منصوبہ بنائے گا ہی نہیں تو فوج کیا کرے گی؟ صلیبی جانتے ہیں کہ مسلمان اُمراء میں وہ غیرت ہی نہیں جو قومی عظمت کی خاطر لڑاتی اور مرواتی ہے اور لوگ جانیں قربان کرتے ہیں. صلیبیوں نے اُمراء کی غیرت خرید لی ہے اور اب وہ سالاروں کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں. اُن کی تخریبی سرگرمیاں فوج میں بھی اور قوم میں بھی شروع ہو گئی ہیں. اگر یہ عمل جلدی نہ روکا گیا تو صلیبی فوجی حملے کے بغیر ہی سلطنتِ اسلامیہ کے مالک بن جائیں گے. سلطنتِ اسلامیہ جاگیروں میں تقسیم ہو گئی ہے. امراء کو اب راہِ راست پر نہیں لایا جا سکتا. وہ صلیبیوں کی شراب میں ڈوب گئے ہیں. انہوں نے وہاں لڑکیوں کی فوج اتار دی ہے. آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ لڑکیاں اُمراء کے حرموں میں رہتی ہیں. ان کے کہنے پر جشن منائے جاتے ہیں جن میں سرکردہ فوجی افسروں کو مدعو کر کے یہ لڑکیاں انہیں بے حیائی سے اپنے جال میں پھانس رہی ہیں."

"اور اس کے بعد میں جانتا ہوں کیا ہو گا" — سلطان ایوبی نے کہا — "فوجیوں کو لٹنے اور بدکاری کا عادی بنایا جائے گا."

"بنایا جا رہا ہے" — مصطفیٰ نے کہا — "حشیشین بھی اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے ہیں. اب یوں ہو گا کہ جو سالار یا نائب سالار صلیبیوں کی دشمنی دل سے نہیں نکالے گا اور جہاد کا قائل رہے گا اسے حشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کے ہاتھوں پُراسرار طریقے سے قتل کرا دیا جائے گا."

مصطفیٰ نے سلطان ایوبی کو تفصیل سے بتایا کہ کون سا امیر کیا کر رہا ہے. اس تفصیل کا لب لباب یہ تھا کہ اُمراء جہاں خود مختار ہو گئے تھے، وہاں انہوں نے ایک دوسرے کو دشمن سمجھنا شروع کر دیا تھا. انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں. صلیبی اس نفاق اور چپقلش کو ہوا دے رہے تھے.

"آپ نے اچھا کیا ہے جو مجھے وہاں کے حالات بتانے آ گئے ہیں" سلطان ایوبی نے کہا — "اگر آپ نہ آتے تو مجھے اِن تفصیلات کا علم نہ ہوتا، البتہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ گیارہ سال کے بچے کو سلطان بنا کر وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں."

"اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" مصطفیٰ نے پوچھا — "اگر آپ نے فوری کارروائی نہ کی تو سمجھ لیں کہ سلطنتِ اسلامیہ کا سورج ڈوب گیا ہے. آپ کی کارروائی صرف جنگی ہونی چاہیے."

"یہ دن بھی مجھے دیکھنا تھا کہ میں بھائیوں کے خلاف جنگی کارروائی کی سوچوں گا" سلطان ایوبی نے کہا — "میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد غالباً تاریخ میں یہ نہ لکھ دیں کہ صلاح الدین ایوبی خانہ

زنگی کا مجرم تھا:

"اگر آپ اس ڈر سے قاہرہ میں بیٹھے رہے تو تاریخ آپ پہ یہ شرمناک الزام عائد کرے گی کہ نورالدین زنگی مر گیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھی دم نکل گیا تھا۔ اس نے مصر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے سلطنتِ اسلامیہ کو قربان کر دیا تھا۔"

"ہاں!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ الزام زیادہ شرمناک ہوگا۔ میں ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں مصطفیٰ! اگر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا ہوں تو میں یہ نہیں دیکھوں گا کہ میرے گھوڑے تلے کون روندا جاتا ہے۔ میری نگاہ میں وہ مسلمان کفار سے بدتر ہے جو کافر کو دوست سمجھتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ آپ واپس چلے جائیں۔ میں نے علی بن سفیان کو وہاں بھیج رکھا ہے لیکن یاد رکھنا کہ وہ جاسوسوں کے بھیس میں گیا ہے۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں ہونے گا کہ علی بن سفیان ان کے درمیان گھوم پھر رہا ہے اور جائزہ لے رہا ہے کہ وہاں کس قسم کی کارروائی کی ضرورت ہے۔ آپ جا کر دیکھیں کہ کون کون سا سالار مشکوک ہے۔ علی بن سفیان کے ساتھ بہت سے آدمی گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں وہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے تمام اُمرا کی طرف اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے ہیں کہ اُمرا ان حالات میں جب کہ صلیبی ان کے سر پر بیٹھے ہیں ایک محاذ پر متحد ہو جائیں اور آپس کے اختلافات مٹانے کی کوشش کریں۔ مجھے اُمید نہیں کہ وہ پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے لیکن میں انہیں صرف ایک بار بتا دینا چاہتا ہوں کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ انہوں نے میرے کہے پر عمل نہ کیا تو میں کیا کروں گا۔"

مصطفیٰ جودت کو رخصت کر کے سلطان ایوبی نے اپنے دربان کو چند ایک سالاروں اور انتظامیہ کے حکام کے نام دے کر کہا کہ انہیں بہت جلدی اس کے پاس بھیجا جائے۔ یہ اس کی ہائی کمانڈ تھی جسے اس نے بلایا تھا۔

☆

قاضی بہاؤالدین شداد جو صلاح الدین ایوبی کا دستِ راست اور ہمراز دوست تھا اور جو اُس کی مجلسِ مشاورت میں اعلیٰ رتبہ اور مقام رکھتا تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ "صلاح الدین ایوبی کو خدا نے فولاد کے اعصاب عطا کیے تھے۔ اُس نے اپنی شخصیت اور کردار کو اس قدر مضبوط بنا رکھا تھا کہ پہاڑوں جیسے صدمے ہنس کھیل کر برداشت کر لیتا تھا۔ عزم کا ضدی اور مستقل مزاج تھا۔ امیر ہو یا غلام وہ ہر کسی کا یکساں احترام کرتا تھا۔ البتہ کسی کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا تو صرف بہادری اور شجاعت کی بنا سمجھتا تھا۔ اُس کے قریب رہنے والے اس سے دو طرح کا تاثر لیتے تھے۔ ایک رعب کا دوسرا محبت کا۔ اُس کے سپاہی جب میدانِ جنگ میں اُسے دیکھتے تھے تو دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک بار یوں ہوا کہ ایک خادم نے دوسرے خادم پر جوتا اتار کر پھینکا۔ صلاح الدین ایوبی کمرے سے نکل رہا تھا۔ جوتا اسے جا لگا۔ دونوں خادم تھر تھر کانپنے لگے لیکن صلاح الدین ایوبی نے دونوں طرف سے منہ پھیر لیا اور آگے نکل گیا۔ یہ کردار کی عظمت کا مظاہرہ تھا۔ دوست تو دوست، دشمن اُس کے سامنے آتے تو اُس کے مرید بن جاتے تھے۔ ۔ ۔ ۔

"نورالدین زنگی کی موت نے سلطنتِ اسلامیہ کو تاریخ کے سب سے بڑے خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس خطرے کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا کہ اپنے ہی امیر اور وزیر صلیبیوں کے دوست اور اسلام کے دشمن ہو گئے تھے۔ مصر کے اندرونی حالات ابھی پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ صلاح الدین ایوبی مصر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایسے حالات میں وہ یہی کر سکتا تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ کے دفاع کا ارادہ دل سے نکال دے اور صرف مصر کے دفاع کو مضبوط رکھے، لیکن میرا یہ دوست ذرہ بھر نہ گھبرایا۔ اس ضمن میں میرے ساتھ بات کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ "اگر میں اسلام کی پاسبانی سے دستبردار ہو جاؤں تو روزِ محشر صلیبیوں کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا۔" اسلام کی پاسبانی اور فروغ کو وہ فرمانِ خداوندی سمجھتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو کبھی حاکم یا حکمران نہیں سمجھا۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی نوجوانی بھی یاد ہے جب وہ پوری طرح عیش و عشرت میں ڈوب گیا تھا۔ وہ شراب بھی پیتا اور رقص و سرود کا دلدادہ تھا۔ موسیقی اور رقص کی باریکیوں اور گہرائیوں کو سمجھتا اور نسوانی حُسن کو دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کرتا اور تعیش کے لیے حسین ترین لڑکی کا انتخاب کرتا تھا۔ کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا تھا کہ یہ نوجوان چند ہی سال بعد اسلام کا سب سے بڑا علمبردار اور اسلام کے دشمنوں کے لیے برق اور طوفان بن جائے گا۔ اپنے چچا کے ساتھ وہ صلیبیوں کے خلاف پہلے ہی معرکے میں گیا تو اُس نے سب کو حیران کر دیا اور جب وہ اس معرکے سے واپس آیا تو اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ عیش و عشرت پر لعنت بھیجی اور اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی۔ اُس نے قوم کو اور اپنی فوج کو یہ نعرہ دیا کہ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ ۔ ۔ ۔

"اُسے اس بدلی ہوئی کیفیت میں دیکھنے والے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ کبھی عیاش بھی ہوا کرتا تھا۔ کردار کی بلندی اور پختگی اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کو مار دیا جائے۔ یہ پختگی صلاح الدین ایوبی کے کردار میں تھی۔ دوستوں کی محفلوں میں وہ کہا کرتا تھا۔ "مجھے کافروں نے مسلمان بنایا ہے۔ اگر ہم اپنے ان نوجوانوں کو جو مذہب سے منحرف ہو گئے ہیں کافر کی ذہنیت دکھا دیں تو وہ راہِ راست پر آ جائیں گے۔ دشمن کے ساتھ انہیں پیار کے جو سبق دیئے جا رہے ہیں وہ انہیں قومی وقار سے محروم کر رہے ہیں۔ میں اپنی قوم کو اپنے رسولؐ کی یہ حدیث یاد کرانا چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو جان لو کہ تم کون ہو اور کیا ہو، اور اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان لو کہ وہ کون ہے اور کیا ہے اور تمہارے متعلق وہ کیا ارادے رکھتا ہے۔" اُس کے کردار کا رُخ دشمن نے ہی بدلا تھا۔ ۔ ۔ صلاح الدین ایوبی اپنے مقصد اور عزم میں اس حد تک مگن رہا کہ اُس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ وہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا قائد ہے، مصر کا حاکمِ کُل ہے اور فنِ حرب و ضرب کا ایسا استاد کہ صلیبیوں کے کمانڈر متحد ہو کر بھی اس سے خائف رہتے ہیں۔ اس کی مالی حالت یہ تھی کہ وہ حج نہیں کر سکا۔ جہاد نے اسے مہلت نہ دی۔ آخری عمر میں اس کی یہی ایک خواہش رہ گئی تھی کہ حج پر جائے مگر اب اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ وہ جب فوت ہوا تو اس کی ذاتی متاع صرف سینتالیس درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کی جائیداد صرف ایک مکان تھا جو اُس کے باپ دادا کا تھا۔"

یہ اُس کے کردار کی پختگی کا حیران کُن مظاہرہ تھا کہ اُس نے جب اپنے سالاروں وغیرہ کو کانفرنس کے

تھی۔ یہ بلایا تو اُس کے چہرے پر گھبراہٹ یا پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔ کانفرنس کے حاضرین پر خاموشی طاری تھی۔

"میرے رفیقو! تم نے مُسکرا کر سب کو دیکھا اور کہا — "میرے رفیقو! تم نے یہ توقع تھی کہ سلطان ایوبی گھبرایا ہُوا ہوگا، مگر اُس نے مسکرا کر سب کو دیکھا اور کہا — ہمیں للکارا ہے جو نظاہر بڑے ہی دشوار اور پیچیدہ حالات میں میرا ساتھ دیا ہے۔ آج ایسے حالات نے ہمیں للکارا ہے جو بظاہر ہمارے قابو میں آنے والے نہیں، لیکن یاد رکھو، اگر ہم نے ان حالات پر قابو نہ پایا تو ہم سب کے لیے دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور خدا کے حضور بھی رسوائی۔ دُنیا میں تاریخ ہماری قبروں پر لعنت بھیجے گی اور روزِ حشر وہ شہید ہمیں شرمسار کریں گے جنہوں نے اسلام کی آبرو پر جانیں قربان کی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب جانیں قربان کردیں" — اس تمہید کے بعد اُس نے اپنے اعلیٰ حکام کو ہر ایک تفصیل بتائی اور کہا کہ اب انہیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔ اُس نے سب کے چہروں کا جائزہ لیا، کچھ دیر خاموش رہا۔ سب کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے۔ اُسے اطمینان ہوگیا کہ یہ حکام ہر صورتِ حال میں اُس کا ساتھ دیں گے۔ اُس نے کہا۔ "میرا پہلا اقدام یہ ہے کہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اب مرکزی خلافت کا پابند نہیں رہنا چاہتا، لیکن میں یہ اعلان تم سب کی اجازت کے بغیر نہیں کروں گا۔ مجھے اجازت دینے یا نہ دینے سے پہلے ایک دو پہلوؤں پر غور کرلو۔ ایک یہ کہ خلافت عملاً ختم ہوچکی ہے۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ خلیفہ گیارہ سال کا بچّہ ہے۔ اس پر تین چار اُمراء نے قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ اُمراء صلیبیوں کے دوست ہیں۔ لہٰذا آپ کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگنی چاہیے کہ خلافت صلیبیوں کی گود میں چلی گئی ہے۔ اب ہماری فکر خلافت کے خلاف ہے۔ اگر تم خود مختار اور آزاد نہیں ہوتے تو تمہیں خلیفہ کے حکم ماننے پڑیں گے اور یہ حکم سلطنتِ اسلامیہ کے لیے تباہ کُن ہوں گے۔ کیا ان حالات میں یہ اقدام صحیح نہیں ہوگا کہ میں مصر کو خلافت سے آزاد کردوں اور اس کے بعد تمہارا ہر قدم ایسا آزادانہ ہو جو اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہو؟"

"کیا آپ خلافت کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے ہیں؟" ایک سالار نے پوچھا۔

"میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا" سلطان ایوبی نے جواب دیا — "کل پرسوں تک میرے وہ ایلچی واپس آجائیں گے جنہیں میں نے اُمراء کی طرف بھیج رکھا ہے۔ اگر مجھے جنگی کارروائی کا فیصلہ کرنا پڑا، تو گریز نہیں کروں گا۔"

"آپ مصر کو خود مختار مملکت قرار دے دیں" ایک حاکم نے کہا — "ہم گیارہ سال کے بچّے کو خلیفہ تسلیم نہیں کرسکتے۔"

"تو کیا تم سب مجھے سلطانِ مصر تسلیم کروگے؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

تمام حاضرین نے بیک زبان کہا کہ وہ اُسے سلطانِ مصر تسلیم کرتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اُسی وقت خود مختاری کا اعلان کردیا اور مصر کو آزاد مملکت قرار دے دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اسے اُسی وقت قانون کے مطابق سلطان کا خطاب مل گیا۔

"میں اُمّتِ رسول اللہ کا نہیں میدانِ جنگ کا بادشاہ ہوں" سلطان ایوبی نے کہا — "تم نے دیکھا ہے

کہ میں صلیبیوں کے لشکر کے درمیان گھومتا پھرتا رہا ہوں۔ میں نے دس دس جانبازوں سے دس دس ہزار لشکروں کو تہہ و بالا کیا ہے، مگر اپنے بھائیوں کے خلاف جنگ کی سوچتا ہوں تو تمام جنگی چالیں ذہن سے نکل جاتی ہیں، میری تلوار نیام سے باہر نہیں آتی۔ مجھے اور تم سب کو یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں اور صلیبی تماشہ دیکھیں۔"

"یہ تماشہ ہمیں دکھانا ہی پڑے گا سلطانِ محترم!" ایک سالار نے کہا — "اگر اپنے بھائیوں پر الفاظ کا اثر نہ ہو تو تلوار استعمال کرنی ہی پڑے گی۔ ہم میں سے کوئی بھی خلافت کی گدی کا خواہشمند نہیں۔ ہم جو کچھ کریں گے اسلام کی خاطر کریں گے، ذاتی مفاد کی خاطر نہیں۔"

☆

سلطان ایوبی نے اس سے پہلے دو ایلچی دمشق، حلب، موصل اور دوتین اور ریاستوں کے اُمراء کی طرف بھیج رکھے تھے۔ اُس نے سب کو طویل پیغام بھیجا تھا جس میں اُس نے سب کو صلیبی خطرے سے آگاہ کیا اور انہیں متحد ہونے کی تلقین کی تھی۔ وہ انہیں اسلامی وحدت کا قائل کرنا چاہتا تھا۔ دونوں ایلچی مایوس واپس آگئے۔ کسی ایک بھی امیر نے اُس کے پیغام کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ بعض نے مذاق اُڑایا تھا۔ ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ کے دربار میں گئے۔ پیغام پیش کیا تو خلیفہ نے خود پڑھنے کی بجائے اُن اُمراء کے حوالے کردیا جن کے ہاتھوں میں وہ کٹھ پتلی بنا ہُوا تھا۔ انہوں نے ہی اسے خلافت کی گدی پر بٹھایا تھا۔ ان اُمراء نے سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا، آپس میں کھسر پھسر کی اور ایک نے خلیفہ سے کہا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف جنگ کا بہانہ کرکے تمام مسلمان ریاستوں کو ایک ریاست بنانے کی سوچ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ اس ریاست کا حکمران بنے گا۔ دوسرا امیر بول پڑا۔ اُس نے بھی گیارہ سال کی عمر کے خلیفہ کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکایا اور کہا — "آپ اسے حکم دے سکتے ہیں کہ جنگ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ صرف خلیفہ کرسکتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی خلیفہ کی حکم عدولی کرے تو آپ اسے معزول کرکے واپس بلا سکتے ہیں۔ مصر کی امارت کسی اور کے حوالے کی جاسکتی ہے۔"

کمسن خلیفہ نے ایلچیوں کو یہی حکم دیا اور کہا — "صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ وہ ہمارے حکم کا انتظار کرے۔ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ اسلامی وحدت ضروری ہے یا نہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے پاس جو فوج ہے اس میں زنگی مرحوم کے بھیجے ہوئے بہت سے دستے ہیں" ایک امیر نے خلیفہ سے کہا — "اُسے حکم بھیجا جائے کہ وہ دستے واپس بھیج دے۔ اُسے اپنی مرضی سے فوج کے استعمال کی اجازت نہیں ملنی چاہیے۔"

"اُسے کہنا کہ وہ دستے، سوار اور پیادہ، جو اُسے خلافت کی طرف سے دے دیئے گئے تھے وہ واپس کردے" خلیفہ نے کہا — "اور تم لوگ اب جاسکتے ہو۔"

"اور ایوبی سے کہنا کہ آئندہ خلیفہ کو اس قسم کے پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کرے" ایک اور امیر نے کہا۔

ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ دوسرے اُمراء کے پاس گئے۔ سب نے پیغام کا مذاق اُڑایا۔ بعض

نے سلطان ایوبی کے خلاف توہین آمیز الفاظ بھی کہے۔ ایلچی واپس آ گئے۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی جیسے اُسے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ اسے دراصل علی بن سفیان کا انتظار تھا جسے اُس نے خفیہ دمشق بھیج رکھا تھا۔ فوجی جاسوسی اور سراغرسانی کا یہ ماہر اپنے ساتھ کم و بیش ایک سو چیدہ جاسوس لے کر دمشق گیا تھا۔ یہ لوگ تاجروں کے قافلے کی صورت میں تاجروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی کو ان کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ نورالدین زنگی کی وفات کی اطلاع کے فوراً بعد سلطان ایوبی کو یہ اطلاع ملی کہ امیروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اطلاع بھیجنے والا کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا بلکہ نورالدین زنگی کی بیوی تھی، جو نئے خلیفہ کی ماں تھی۔ اس نے خفیہ طور پر اپنا ایک قاصد قاہرہ کی طرف دوڑا دیا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو وہی حالات بتائے جو زنگی کی وفات کے بعد وہاں پیدا ہو گئے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو لکھا بھیجا تھا ـــ اب اسلام کی آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے کمسن بیٹے کو خلیفہ بنا دیا گیا ہے۔ لوگ میرا احترام کرنے لگے ہیں کیونکہ میں خلیفہ کی ماں ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں خوش قسمت ماں ہوں مگر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ میرے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا گیا بلکہ مجھ سے بیٹا چھین لیا گیا ہے۔ سیف الدین امیرِ موصل نے اور دوسرے تمام امیروں نے میرے بیٹے کے گرد گھیرا ڈال لیا ہے۔ میرے خاوند کے بھتیجوں نے بھی خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اگر ان امیروں کا آپس میں اتحاد ہوتا تو میں اتنی پریشان نہ ہوتی۔ یہ سب ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو قتل کر دوں لیکن اس کے نتائج سے ڈرتی ہوں۔ آپ آ جائیں۔ یہ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ آپ کس طرح آئیں گے اور کیا کریں گے۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے اس طرف توجہ نہ دی یا وقت ضائع کیا تو قبلۂ اول پر تو صلیبی قابض ہیں ہی، خانۂ کعبہ پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ کیا اُن لاکھوں شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا جنہوں نے زنگی کی اور آپ کی قیادت میں جانیں قربان کی ہیں؟ آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے زیرِ اثر کیوں نہیں رکھتی؟ میں اس کا جواب دے چکی ہوں۔ اُمراء نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ صرف ایک بار میرے پاس آیا تھا۔ وہ میرا بیٹا لگتا ہی نہیں تھا۔ اسے شاید حشیش پلا دی گئی تھی۔ وہ بھول چکا ہے کہ میں اس کی ماں ہوں.... بھائی صلاح الدین! جلدی آؤ۔ دمشق کے لوگ آپ کا استقبال کریں گے۔ مجھے اسی قاصد کی زبانی جواب دیں کہ آپ کیا کریں گے یا کچھ بھی نہیں کریں گے؟

سلطان ایوبی نے قاصد کو اُسی وقت بھیج دیا تھا۔ اُس نے زنگی کی بیوہ کو یقین دلایا تھا کہ وہ بڑا سنگین اقدام کرے گا لیکن سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے گا۔ قاصد کو واپس بھیجنے کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو دمشق، موصل، حلب، یمن اور تمام تر اسلامی علاقوں میں جا کر وہاں کا جائزہ لینے کے لیے کہا۔ یہ کوئی سرکاری نوعیت کا دورہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان کو جاسوسوں کے انداز سے بہروپ میں وہاں جانا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ معلوم کرے کہ مسلمان اُمراء جو خودمختاری کا اعلان کر چکے ہیں کیا ارادے رکھتے ہیں، صلیبیوں کے ساتھ اُن کا رابطہ ہے یا نہیں، خلیفہ کی فوج کا رجحان کیا ہے، کیا اس فوج کو خلیفہ کے ایسے احکام کی خلاف ورزی کے لیے

تیار کیا جا سکتا ہے جو اسلام کے لیے نقصان دہ اور دشمن کے لیے سودمند ہوں؟ اور علی بن سفیان کو یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اُن علاقوں کے عوام کے جذبات اور تصورات کیا ہیں، اور کیا فدائی بھی خلیفہ کے ساتھ مل گئے ہیں؟ یہ جائزہ بھی لینا تھا کہ سلطان ایوبی دمشق یا کسی اور مسلمان علاقے پر فوج کشی کرے تو وہاں کے عوام کا ردِعمل کیا ہوگا۔

سلطان ایوبی کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ اندھیرے میں نہیں چلتا تھا۔ اُسے جہاں جانا ہوتا، اپنے جاسوسی کے نظام کے ذریعے وہاں کے احوال و کوائف، دشواریوں اور خطروں کا جائزہ لے لیتا تھا جیسا کہ پہلی کہانیوں میں بتایا جا چکا ہے کہ اُس کا جاسوسی کا نظام بہت تیز اور ہوشیار تھا۔ اُس کے جاسوس جہاں اداکاری اور بہروپ دھارنے کی مہارت رکھتے تھے وہاں وہ ماہر چھاپہ مار، گھوڑ سوار اور کمانڈو بھی تھے۔ اسی لیے انہیں لڑاکا جاسوس کہا جاتا تھا۔ وہ بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے بھی ماہر تھے۔ علی بن سفیان کو خدا نے جاسوسی اور سراغرسانی کا وصف پیدائش کے ساتھ ہی عطا کیا تھا۔ اب زنگی کی وفات کے بعد اسلامی ممالک کے حالات مخدوش ہو گئے اور صلیبی خطرہ سر پر آ گیا تو اُسے سلطان ایوبی کے اس حکم کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لینا ہے اور یہ جائزہ کس طرح لینا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اُس کی لائی ہوئی رپورٹ کے مطابق کوئی کارروائی کرے گا اور یہ کارروائی بقائے اسلام کے لیے بہت ضروری ہوگی۔

☆

یہاں ہم کہانی کو کچھ دن پیچھے لے جاتے ہیں، جب علی بن سفیان قاہرہ سے روانہ ہوا تھا۔ اُس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے لڑاکا جاسوسوں میں سے کم و بیش ایک سو افراد کو منتخب کیا۔ انہیں مشن بتایا اور کہا کہ اسلام کی آبرو اُن سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے اور اس مشن میں انہیں اپنی مہارت کا پورا پورا استعمال کرنا ہے۔ ان ایک سو آدمیوں کو تاجروں کا لباس پہنایا گیا۔ علی بن سفیان مصنوعی داڑھی کے ساتھ قافلے کا سردار بنا۔ انہوں نے اونٹوں پر مختلف اقسام کا سامان لاد لیا جو انہیں دمشق وغیرہ کی منڈیوں میں بیچنا اور اس کے بدلے وہاں سے سامان لانا تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ تجارتی سامان میں اس پارٹی نے تلواروں اور برچھیوں جیسے ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ اس میں آتش گیر مادہ بھی تھا اور آگ لگانے کا دیگر سامان بھی۔ یہ قافلہ رات کے وقت قاہرہ سے روانہ ہوا اور طلوعِ سحر تک بہت دور نکل گیا۔

کچھ دیر آرام کر کے قافلہ پھر روانہ ہوا۔ علی بن سفیان بہت جلدی منزل پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تو بھی اُس نے قافلے کو نہ روکا۔ رات خاصی گزر چکی تھی جب ایک بڑی موزوں جگہ آ گئی۔ یہ سرسبز خطہ تھا اور وہاں اونچی نیچی چٹانیں بھی تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہاں پانی بھی تھا۔ قافلہ آرام اور پانی کے لیے رُک گیا۔ یہ لوگ تاجر نہیں فوجی تھے۔ ان کی ہر حرکت میں ڈسپلن تھا، احتیاط تھی اور ٹریننگ کے مطابق وہ خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی ایسے تربیت یافتہ تھے کہ انسانوں کی طرح خاموش تھے۔ علی بن سفیان نے چٹانوں اور ٹیلوں کے اندر جانے کی بجائے باہر ہی پڑاؤ کیا۔ فوجی دستور کے مطابق دو آدمیوں کو پانی کی تلاش کے لیے بھیجا گیا۔ سب نے ہتھیار نکال لیے تھے کیونکہ اُن دنوں سفر میں دو خطرے تھے۔ ایک خطرہ صحرائی ڈاکوؤں کا تھا اور دوسرا

صلیبیوں کے چھاپہ مار دستوں کا۔ اُن کے یہ دستے دراصل ڈاکو ہی تھے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے پھرتے تھے۔

دو آدمی اس خطے کے اندر چلے گئے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ یہاں دشمن کے چھاپہ ماروں یا گشتی دستوں نے قیام نہ کر رکھا ہو۔ کچھ دُور اندر گئے تو کہیں روشنی کا دھوکہ سا ہوا۔ وہ آگے گئے اور ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انہیں بڑی اچھی جگہ نظر آئی جو میدانی سی تھی۔ وہاں پانی بھی تھا۔ ہریالی بھی تھی اور کھجور کے درخت بھی تھے۔ وہاں دو مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں انہیں چھ سات آدمی اور چار لڑکیاں نظر آئیں۔ بہت خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے آگ بھی جلا رکھی تھی جس پر وہ گوشت بھون رہے تھے اور پیالوں میں وہ کچھ پی رہے تھے جو شراب ہی ہو سکتی تھی۔ ذرا پرے گھوڑے اور تین چار اونٹ بندھے تھے۔ بہت سارا سامان بھی ایک طرف پڑا تھا۔ علی بن سفیان کے دونوں آدمی چھپ کر قریب چلے گئے۔ رات کے سکوت میں اُن لوگوں کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اُن کا جنسی مذاق بتا رہا تھا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں۔ لڑکیاں بے حیائی کی حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔ ان دونوں آدمیوں نے انہیں نظرانداز نہ کیا۔ واپس آ کر علی بن سفیان کو بتایا۔

علی بن سفیان گیا اور چھپ کر قریب سے دیکھا۔ ان آدمیوں اور لڑکیوں کی زبان کچھ اور تھی جو علی بن سفیان سمجھتا تھا۔ وہ عیسائی تھے۔ علی بن سفیان سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے پاس چلا جائے اور معلوم کرے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں یا ان کی نقل و حرکت دیکھتا رہے۔ اُس کے ساتھ ایک سو لڑاکا جاسوس تھے۔ اُسے ان چھ سات آدمیوں اور چار لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن وہ انہیں سراغرساں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے شک ہو گیا تھا کہ یہ صلیبی جاسوس اور تخریب کار ہیں اور کسی اسلامی مملکت میں جا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ اُس کے مطلب کے لوگ تھے۔ وہ اور زیادہ قریب ہونے کے لیے ٹیلے کے اوپر اوپر سرکتا ہوا آگے گیا تو ٹھٹھک کر رک گیا۔ وہاں ٹیلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اُسے اپنے بالکل نیچے دو آدمی نظر آئے جن کے منہ اور سر سیاہ کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے ان آدمیوں اور لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بلاشک و شبہ صحرائی ڈاکو تھے اور ان کی نظر لڑکیوں پر تھی۔ یہ دو نقاب پوش پیچھے ہٹ آئے۔ انہوں نے آپس میں جس زبان میں باتیں کیں، وہ علی بن سفیان کی مادری زبان تھی۔

"ان کے پاس ہتھیار ہیں" — ایک ڈاکو نے کہا۔

"ہاں" — دوسرے نے کہا — "میں نے دیکھ لیا ہے۔ ان کی تلواریں سیدھی ہیں۔ یہ عیسائی ہیں۔"

"یہ عام قسم کے مسافر معلوم نہیں ہوتے۔"

"انہیں سو جانے دو۔ سب کو بلا لاتے ہیں۔"

"ہم آٹھ آدمی انہیں سوتے میں ہی پکڑ سکتے ہیں۔"

"پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آدمیوں کو سوتے میں ختم کر دیں گے اور لڑکیوں کو گھوڑوں پر ڈال

لیں گے۔"

وہ دونوں اپنے ساتھیوں کو بلانے کے لیے چل پڑے۔ علی بن سفیان نے چھپ چھپ کر ان کا تعاقب کیا۔ وہ کسی اور راستے سے باہر نکل گئے۔ وہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ علی بن سفیان کا قافلہ ایسی جگہ قیام کیے ہوئے تھا جو صحرائی ڈاکو نہیں دیکھ گئے تھے۔ علی بن سفیان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ ان لوگوں کو خبردار کر دے یا انہیں لُٹ جانے دے۔ گہری سوچ بچار کے بعد اُس نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ اپنے آدمیوں میں واپس آیا۔ بیس بائیس آدمیوں کو برچھیوں سے مسلح کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں موزوں جگہوں پر تیار کھڑا کر دیا اور اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ خود بھی چوکس اور ہوشیار رہا اور اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ ڈاکو کس وقت آئیں گے۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکیاں اور ان کے ساتھ کے آدمی سو گئے ہیں، صرف ایک آدمی برچھی ہاتھ میں لیے ٹہلتا رہا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ تربیت یافتہ ہیں۔ انہوں نے سنتری کھڑا کیا تھا۔ مشعلیں جلتی رہیں۔

☆

سحر ہونے والی تھی جب ٹیلوں کے اندر گھوڑوں کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ سب ہوشیار ہو گئے۔ لڑکیوں کا سنتری بدل گیا تھا۔ اب دوسرا آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ ڈاکو ٹیلوں کے درمیان تھے اور علی بن سفیان اور اس کے آدمی ٹیلوں کے اوپر۔ تھوڑی ہی دیر بعد آٹھ ڈاکو اُس جگہ داخل ہوئے جہاں ان کا شکار سویا ہوا تھا۔ سنتری گھبرا گیا۔ اُس نے جلدی سے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ ڈاکوؤں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیا اور گھوڑوں سے کود آئے۔ لڑکیوں کے ساتھ کے آدمی جاگ اٹھے مگر ڈاکوؤں نے انہیں ہتھیار اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ ایک نے للکار کر کہا — "اپنا سامان اور لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو اور اپنی جانیں بچاؤ" — اُس نے لڑکیوں سے کہا — "تم اس طرف آ جاؤ، ماری جاؤ گی"۔ دو ڈاکوؤں نے انہیں دھکیل کر ایک طرف کر دیا۔ ان کے آدمی نہتے تھے، پھر بھی انہوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ واقعی تربیت یافتہ تھے۔ بے جگری سے لڑے۔

علی بن سفیان کی آواز پر جو اُس نے پہلے مقرر کر رکھی تھی، اُس کے آدمی عقابوں کی طرح ٹیلوں سے اترے اور ڈاکو ابھی سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ ایک ایک برچھی ایک ایک ڈاکو کے جسم میں داخل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے ڈاکوؤں کے ہاتھوں لڑکیوں کے ساتھ کے دو آدمی مارے جا چکے تھے جس کا علی بن سفیان کو کوئی افسوس نہیں تھا۔ وہ غالباً یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک دو آدمیوں کا خون بہہ جائے تاکہ دوسروں پر، خصوصاً لڑکیوں پر دہشت طاری ہو جائے۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو ٹیلوں پر چڑھا دیا اور ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ لڑکیاں بہت ہی ڈری ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے دو لاشیں اپنے ساتھیوں کی اور آٹھ لاشیں ڈاکوؤں کی پڑی تھیں۔ علی بن سفیان نے اُن کی زبان میں ان آدمیوں اور لڑکیوں سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ لوگ اُس کے اس قدر ممنون تھے جیسے اس کے مرید بن گئے ہوں۔ اُس نے انہیں

کے منہ سے نکالا تھا۔ ان سے اس نے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تو علی بن سفیان مسکرایا اور بولا — "اگر تم لوگ مجھ سے یہ سوال پوچھتے تو میں بھی ایسا ہی غلط جواب دیتا۔ میں تمہاری تعریف کروں گا کہ اتنی خوفزدگی میں بھی تم نے اپنا پردہ نہیں اٹھایا۔"

"تم کہاں سے آئے ہو؟" — ایک نے اس سے پوچھا — "اور کہاں جارہے ہو؟"

"جہاں سے تم آئے ہو" — علی بن سفیان نے جواب دیا — "اور وہیں جارہا ہوں جہاں تم جارہے ہو۔ ہمارے کام مختلف ہیں، منزل ایک ہی ہے۔"

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ حیران سے ہوتے اور علی سفیان کو دیکھنے لگے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا — "کیا تم نے دیکھا تھا کہ میں نے کیسی چال سے ان ڈاکوؤں کو ختم کر دیا ہے؟ کیا کوئی مسافر بالکل اکیلا ایسی چال چل سکتا ہے؟ کیا یہ ایک تربیت یافتہ کمانڈر کی استادی نہیں جو میں نے دکھائی ہے؟"

"تم مسلمان فوجی بھی ہو سکتے ہو۔"

"میں صلیب کا سپاہی ہوں" — علی بن سفیان نے جواب دیا۔

"کیا تم اپنی صلیب دکھا سکتے ہو؟"

"کیا تم اپنی اپنی صلیب مجھے دکھا سکتے ہو؟" — علی بن سفیان نے پوچھا اور سب کی طرف دیکھ کر کہا — "تم نہیں دکھا سکتے۔ تمہارے پاس صلیبیں نہیں ہیں کیونکہ جس کام کے لیے تم جارہے ہو اس میں صلیب ساتھ نہیں رکھی جاسکتی۔ میں تم سے تمہارے نام نہیں پوچھوں گا۔ اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا۔ اپنا کام بھی نہیں بتاؤں گا۔ صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں اور ہم میں سے معلوم نہیں کون کون اپنے وطن کو واپس لوٹ سکے گا۔ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ خداوند یسوع مسیح نے جس طرح مجھے اور میرے آدمیوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے یہ نشانی ہے کہ تم صحیح راستے پہ ہو اور تم کامیاب ہو گے۔ نورالدین زنگی کی موت اس حقیقت کی نشانی ہے کہ دنیا پر صلیب کی حکومت ہوگی۔ مسلمانوں کا کون سا امیر رہ گیا ہے جو ہمارے جال میں نہیں آگیا؟ میں تمہیں بھی نصیحت کروں گا کہ ثابت قدم رہنا" — اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا — "تمہارا کام سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ہے۔ خداوند یسوع مسیح تمہاری قربانی کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ ہم جو مرد ہیں وہ اپنی جان دے کر دنیا کی مشکلات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ تمہاری کوئی جان نہیں لیتا۔ تم سے آبرو کی قربانی لی جاتی ہے اور یہی سب سے بڑی قربانی ہے۔"

علی بن سفیان استاد تھا۔ اس کی زبان میں ایسا طلسم تھا کہ وہ سب دم بخود ہو گئے۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے ان سے کہلوا لیا کہ وہ صلیبی ہیں اور تخریب کاری کے لیے دمشق اور دیگر علاقوں میں جارہے ہیں۔ وہ بھی تاجروں کے بھیس میں تھے۔ علی بن سفیان صلیبیوں کے نظام جاسوسی کی خفیہ باتیں اور اصطلاحیں جانتا تھا۔ اس وقت تک وہ بے شمار صلیبی جاسوس پکڑ کر ان سے اقبال جرم کروا چکا تھا۔ اس نے جب ان اصطلاحوں میں باتیں کیں تو لڑکیوں اور ان کے ساتھ کے آدمیوں کو نہ صرف یہ یقین ہو گیا کہ وہ صلیبی جاسوس ہے بلکہ وہ اسے

جاسوسوں کا کمانڈر سمجھنے لگے۔ اس نے انہیں بتایا کہ اس کے ساتھ ایک سو آدمی ہیں۔ ان میں بڑا کا جاسوس بھی ہیں اور فدائی بھی جو دمشق وغیرہ میں اُن اعلیٰ افسروں کو قتل کرنے یا غائب کرنے جارہے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے مکتبِ فکر کے پیروکار ہیں۔ اُس نے انہیں بتایا کہ وہ لمبے عرصے سے مصر میں کام کر رہا تھا۔ اب اُسے ادھر بھیجا جارہا ہے۔

اس گروہ نے علی بن سفیان کے سامنے اپنا پردہ اٹھا دیا اور ایک مشکل پیش کی۔ وہ یہ تھی کہ ان کا کمانڈر ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ ان علاقوں میں پہلے بھی آچکا تھا جہاں وہ جارہے تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد وہ اندھے ہو گئے تھے۔ انہیں ایک راہنما کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں تسلی دی کہ وہ اپنے مشن سے ہٹ کر ان کی راہنمائی کرے گا، وہ اسے اپنا مشن بتا دیں۔ انہوں نے بتا دیا۔ انہیں چند ایک سالاروں کے نام بتا کر کہا گیا تھا کہ ان تک تحفے پہنچانے ہیں اور لڑکیوں کو ضرورت کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ ایسے سالاروں اور امیروں تک رسائی حاصل کرنی ہے جو صلیبیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ انہیں صلیبیوں کا دوست بنانا ہے۔

"اس مرحلے میں آکر میرا اور تمہارا کام ایک ہو جاتا ہے" — علی بن سفیان نے کہا — "مجھے ان سالاروں اور قائدین کو ختم کرنا ہے جو دل سے صلیب کی دشمنی نہیں نکال رہے ... تم دمشق میں کہاں قیام کرو گے؟"

"تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تاجر بن کر جارہے ہیں" — ایک نے جواب دیا — "دمشق کے قریب جاکر یہ لڑکیاں باپردہ مسلمان عورتیں بن جائیں گی۔ ہم سرائے میں قیام کریں گے۔ وہاں سے تاجروں کے بھیس میں سالاروں وغیرہ تک جائیں گے۔"

☆

اگلی صبح علی بن سفیان کا قافلہ دمشق کی سمت جارہا تھا۔ یہ صلیبی آدمی اور لڑکیاں بھی اس قافلے میں شامل ہو گئی تھیں۔ جانوروں میں ڈاکوؤں کے گھوڑوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں نے علی بن سفیان کو اپنا لیڈر بنا لیا تھا۔ ان کی نظر میں وہ صلیبی تھا۔ اُس نے انہیں کہا تھا کہ وہ اس کے کسی آدمی کے ساتھ بات نہ کریں کیونکہ ان میں مسلمان بھی ہیں جو بیشک فدائی اور تخریب کار ہیں لیکن ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔ راستے میں علی بن سفیان نے ان صلیبیوں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان سے باتیں پوچھتا رہا۔ اسے کام کی بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔

اگلے روز قافلہ دمشق میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان کی ہدایت پر سرائے میں جانے کی بجائے قافلے نے ایک میدان میں خیمے گاڑ دیئے۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ باہر سے جب تاجروں کے قافلے آتے تھے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مال دکانوں میں جانے سے پہلے ہی قافلے سے ہی خرید لیا جائے۔ وہاں سے کم قیمت پر اشیا مل جاتی تھیں۔ علی بن سفیان نے اعلان کیا کہ دس گھوڑے بھی بکاؤ ہیں۔ اس ہجوم میں دمشق کے تاجر اور دکاندار بھی تھے۔ دو چار گھنٹوں میں وہاں میلہ لگ گیا۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ مال روک کے رکھیں اور جلدی فروخت نہ کریں۔ آنا زیادہ ہجوم دیکھ کر اُس نے اپنے چند ایک ذہین آدمیوں

سے کہا کہ وہ لوگوں میں گھل مل جائیں اور ان کے خیالات معلوم کریں۔ یہ آدمی اس کام کے ماہر تھے۔ وہ چغے اتار کر ہجوم میں شامل ہوگئے۔ ان میں سے دو تین شہر میں چلے گئے۔

علی بن سفیان اور اُس کے تمام آدمیوں نے مغرب کی نماز مختلف مسجدوں میں تقسیم ہوکر پڑھی۔ صلیبیوں کو وہ خیمہ گاہ میں چھوڑ گئے تھے۔ مسجدوں میں انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ قاہرہ سے آئے ہیں اور تاجر ہیں۔ لوگوں کے ساتھ گپ شپ کے انداز میں انہوں نے اُن کے خیالات معلوم کر لیے۔ لوگوں کے خیالات اور جذبات امید افزا تھے۔ ان میں کچھ لوگ بجھے ہوئے بھی تھے۔ وہ خلیفہ اور امراء کے خلاف باتیں کرتے تھے اور ان میں اونچی حیثیت کے لوگ بھی تھے جو جانتے اور سمجھتے تھے کہ دنیائے اسلام کو صلیب للکار رہی ہے اور اپنی خلافت عیاش امراء کے ہاتھ آگئی ہے۔ وہ بہت پریشان تھے اور کہتے تھے کہ زنگی کے بعد صرف صلاح الدین ایوبی ہے جو اسلام کا نام زندہ رکھ سکتا ہے۔

علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ یہ لڑکیاں اور آدمی صلیبی ہیں اور ان پر یہی ظاہر کرتے رہیں کہ ہم سب صلیب کے مشن پر آئے ہیں۔ انہیں کوئی شک نہیں ہوا تھا۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ آج رات آرام کریں اور اُس کی ہدایت کا انتظار کریں۔ رات کو وہ ایک سالار توفیق جواد کے گھر چلا گیا۔ وہ تاجروں کے بھیس میں تھا اور مصنوعی داڑھی لگا رکھی تھی۔ اس نے دربان سے کہا کہ اندر اطلاع دو کہ قاہرہ سے آپ کا ایک دوست آیا ہے۔ دربان نے اندر اطلاع دی تو علی بن سفیان کو اندر بلا لیا گیا۔ توفیق جواد اُسے پہچان نہ سکا۔ علی بن سفیان نے بات کی تو توفیق جواد نے اُسے پہچان لیا اور گلے لگا لیا۔ علی بن سفیان کو اس شخص پر بھروسہ تھا۔ اُس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کچھ صلیبی جاسوسوں اور لڑکیوں کو پھانس لایا ہے اور اب یہ سوچنا ہے کہ انہیں کس طرح استعمال کیا جائے۔

"اس سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کے اندرونی اور بیرونی حالات کیا ہیں؟" — علی بن سفیان نے اس سے پوچھا — "قاہرہ میں بڑی تشویشناک خبریں پہنچی ہیں۔"

توفیق جواد نے ان تمام خبروں کی تصدیق کی جو قاہرہ پہنچی تھیں۔ اس نے کہا — "علی بھائی! تم اسے خانہ جنگی کہو گے لیکن صلیبی خطرے کو روکنے کے لیے صلاح الدین ایوبی کو خلافت کے خلاف فوج کشی کرنی پڑے گی۔"

"اگر ہم قاہرہ سے فوج لائیں تو کیا یہاں کی فوج ہمارا مقابلہ کرے گی؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"تم لوگ حملے کے انداز سے نہ آؤ" — توفیق جواد نے کہا — "صلاح الدین ایوبی یہ ظاہر کریں کہ وہ خلیفہ سے ملنے آئے ہیں اور خلیفہ کی تعظیم کے لیے فوج کے کچھ دستے ساتھ لائے ہیں۔ اگر امراء کی نیت ٹھیک ہوئی تو وہ استقبال کریں گے، دوسری صورت میں ان کا ردِ عمل سامنے آجائے گا۔ جہاں تک یہاں کی فوج کا تعلق ہے، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ فوج تمہارا مقابلہ نہیں کرے گی بلکہ تمہارا ساتھ دے گی، مگر یہ بھی ذہن میں رکھو کہ تم جتنا وقت ضائع کرو گے یہ فوج اتنی تم سے دُور ہٹتی جائے گی۔ اس فوج کا وہ جذبہ مارنے کی کوششیں شروع ہوگئی ہیں جو اسلامی فوج کی اصل قوت ہے۔ تم جانتے ہو علی بھائی، حکمران جو عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے دشمن کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہیں تاکہ جنگ و جدل کا خطرہ ٹل جائے۔ پھر وہ فوج

کو کمزور کرتے ہیں اور ایسے سالاروں کو منظورِ نظر بناتے ہیں جو خدائی احکام کی بجائے ان کی خواہشات کے پابند ہوں۔ وہ صلاح الدین ایوبی جیسے سالاروں کو پسند نہیں کرتے۔ یہ عمل یہاں شروع ہوچکا ہے۔ ہمارے اعلیٰ رتبوں کے چند ایک فوجی افسر اپنے جذبے اور ایمان سے دستبردار ہوچکے ہیں۔ ابھی کچھ ایسے سالار بھی ہیں جو صلیبیوں کو کبھی دوست نہیں کہیں گے اور نورالدین زنگی کے جذبۂ جہاد کو زندہ رکھیں گے مگر وہ اپنے طور پر خلافت کے احکام کے بغیر کیا کر سکتے ہیں؟"

"کیا میں سلطان ایوبی سے یہ کہہ دوں کہ یہاں کی فوج ہمارا ساتھ دے گی؟" — علی بن سفیان نے پوچھا۔

"ضرور کہہ دو" — توفیق جواد نے جواب دیا — "البتہ خلیفہ کے محافظ دستے (باڈی گارڈز) اور امراء کے محافظ دستے تمہارے خلاف لڑیں گے۔ ان دستوں کی نفری کم نہیں۔ ان میں چنے ہوئے سپاہی ہیں۔ جب سے زنگی فوت ہوئے ہیں ان دستوں کی خاطر مدارات پہلے سے زیادہ ہونے لگی ہے۔ انہیں غالباً خانہ جنگی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔"

"یہاں کے لوگوں میں مجھے جو قومی جذبہ نظر آیا ہے، اس سے مجھے توقع ہے کہ ہم یہاں آئے تو کامیاب ہوں گے" — علی بن سفیان نے کہا۔

"قوم اتنی جلدی بے حس نہیں ہوسکتی" — توفیق جواد نے کہا — "جس قوم نے اپنے بیٹے شہید کرائے ہوں وہ اپنے دشمن کو کبھی نہیں بخشتی اور جس فوج نے دشمن سے دو دو ہاتھ کیے ہوں اسے اتنی جلدی مردہ نہیں کیا جاسکتا مگر حکمرانوں کے پاس ایسے ایسے ہتھکنڈے ہوتے ہیں جو قوم اور فوج کو مردہ کر دیا کرتے ہیں۔ اب قوم اور فوج میں نفاق پیدا کیا جا رہا ہے۔ قوم کی نظروں میں فوج کو گرایا جا رہا ہے۔"

"میں محترم نورالدین زنگی کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں" — علی بن سفیان نے کہا — "وہ خلیفہ کی والدہ بھی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی آبرو کو بچائیں.... کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ انہیں یہاں بلا لیا جائے؟"

"کل ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی" — توفیق جواد نے کہا — "میں انہیں بلا سکتا ہوں۔ تمہارا نام سن کر وہ فوراً آجائیں گی۔"

توفیق جواد نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا کہ خلیفہ کی والدہ کے ہاں جاؤ، میرا سلام کہنا اور ان کے کان میں کہنا کہ قاہرہ سے کوئی آیا ہے۔

☆

جب علی بن سفیان توفیق جواد کے پاس بیٹھا تھا اُس وقت اس کی خیمہ گاہ میں رونق تھی۔ رات خاصی گزر گئی تھی۔ خریداروں کا ہجوم بہت دیر ہوئی جا چکا تھا۔ علی بن سفیان کے ایک سوداگر مرید نے لمبا سفر طے کیا تھا۔ وہ بازار سے دنبے اور بکرے لے آئے تھے جنہیں ذبح کرکے وہ کھا رہے تھے اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ لڑکیاں ایک خیمے میں تھیں۔ صلیبی مرد علی بن سفیان کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے شراب نکال لی تاکہ

محفل کی رونق دوبالا ہو جائے۔ انہوں نے سب کو شراب پیش کی تو سب نے انکار کر دیا۔ صلیبی حیران ہوئے۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ ان میں مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ جو مسلمان تھے ان کے متعلق بتایا گیا تھا کہ فدائی ہیں یعنی وہ برائے نام مسلمان ہیں۔ اصل میں وہ حسن بن صباح کے فرقے کے تھے جو شراب کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ صلیبیوں کو کچھ شک ہُوا۔ وہ آخر تربیت یافتہ جاسوس تھے۔ انہوں نے دو چار اور ایسی نشانیاں دیکھ لیں جن سے ان کا شک پختہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح اٹھنے لگے جیسے خیمے میں سونے جا رہے ہوں۔

انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ایک لڑکی نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکلی کہ یہ خیمہ خالی کر دو۔ وہ کچھ دیر ادھر اُدھر گھومتی پھرتی رہی۔ بہت دیر بعد علی بن سفیان کا ایک آدمی اٹھ کر اُس کی طرف آیا۔ وہ معلوم نہیں کیوں اٹھا تھا۔ لڑکی نے اسے روک لیا اور کہا کہ خیمے میں بیٹھے بیٹھے اُس کا دل گھبرا رہا تھا اس لیے باہر نکل آئی۔ وہ مردوں کو انگلیوں پر نچانا جانتی تھی۔ اس آدمی کو اُس نے ایسی باتوں میں جکڑ لیا کہ وہ بھول ہی گیا کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔ لڑکی نے کہا — "یہ آدمی جو ہمارے ساتھ ہیں، بہت بُرے آدمی ہیں۔ ہم تمہاری طرح یہاں کسی اور کام سے آئی ہیں لیکن یہ ہمیں بہت پریشان کرتے ہیں۔ کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ تم میرے خیمے میں آ کر سو جاؤ؟ میں ان سے بچی رہوں گی" — اور اس نے ایسی اداکاری کی کہ یہ آدمی موم ہو گیا اور اُس کے ساتھ اس کے خیمے میں چلا گیا۔

خیمے میں چھوٹی قندیل جل رہی تھی۔ لڑکی نے روشنی میں اس آدمی کو دیکھا تو بڑی ہی پُرکشش اور جذباتی مسکراہٹ سے کہا — "اوہ! تم تو بہت خوبصورت آدمی ہو۔ تم میری حفاظت کر سکو گے۔" اس نے شراب کی چھوٹی سی صراحی اٹھا کر کہا — "تھوڑی سی پیو گے؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"میں مسلمان ہوں۔"

"اگر اتنے پکے مسلمان ہو تو صلیب کے لیے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کیوں آئے ہو؟"

وہ آدمی چونکا۔ اس نے کہا — "اس کی مجھے اُجرت ملتی ہے۔"

لڑکی جتنی خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔ اپنے یہ دونوں ہتھیار استعمال کر کے اُس نے علی بن سفیان کے اس آدمی کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کہا — "شراب نہ پیو، شربت پی لو۔" وہ دوسرے خیمے میں چلی گئی اور ایک پیالہ اٹھا لائی۔ اس آدمی نے پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ سے لگایا تو مسکرا کر پیالہ رکھ دیا۔ لڑکی سے پوچھا — "اس میں کتنی حشیش ڈالی ہے؟"

لڑکی کو دھچکہ سا لگا لیکن سنبھل گئی اور بولی — "زیادہ نہیں۔ اتنی سی ڈالی ہے جتنی تمہیں ذرا سی دیر کے لیے بے خود کر دے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں تم پر قبضہ کرنا چاہتی ہوں" — اس نے سنجیدگی سے کہا — "اگر تمہیں میری باتیں بُری لگیں تو یہ خنجر میرے دل میں اُتار دینا۔ میں تمہیں اتفاقیہ نہیں ملی تھی۔ میں نے تمہیں اُٹھتے اور ادھر آتے دیکھ لیا تھا۔ میں تمہارے راستے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ سفر کے دوران میں تمہیں غور سے دیکھتی رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ہم کبھی اکٹھے رہے ہیں اور ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم میرے دل میں اُتر گئے ہو۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے تمہیں شراب پیش کی تھی، خود نہیں پی تھی۔ میں شراب نہیں پیتی کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ یہ لوگ مجھے زبردستی پلاتے ہیں۔"

وہ چونک کر بولا — "تم ان کافروں کے ساتھ کیسے آ گئیں؟"

"بارہ سال سے ان کے ساتھ ہوں" — لڑکی نے جواب دیا — "میں یروشلم کی رہنے والی ہوں۔ اُس وقت میری عمر بارہ سال تھی جب مجھے باپ نے فروخت کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے خریدار عیسائی ہیں۔ انہوں نے مجھے اس کام کی ٹریننگ دی جس کے لیے میں یہاں آئی ہوں۔ میں دمشق اور بغداد کا نام سنا کرتی تھی اور یہ نام مجھے اچھے لگتے تھے۔ اس سرزمین پر قدم رکھا ہے تو اس کی ہواؤں نے میرے اندر میرا مذہب بیدار کر دیا ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ مسلمانوں کی تباہی کے لیے میں کوئی کام نہیں کر سکوں گی" — اس نے جذباتی لہجے میں کہا — "میرا دل رو رہا ہے، میری روح رو رہی ہے" — اُس نے اس آدمی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیے اور کہا — "تم بھی مسلمان ہو۔ آؤ بھاگ چلیں۔ مجھے جہاں لے جاؤ گے چلوں گی۔ ریگستان میں لیے لیے پھرو گے تو خوشی سے تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم بھی اپنی قوم کو دھوکہ دینے سے باز آ جاؤ۔ ہمارے پاس سونے کے بہت سکے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہاں پڑے ہیں۔ آسانی سے چرا لاؤں گی۔"

علی بن سفیان کا یہ آدمی تھا تو عقل مند لیکن لڑکی کے جھانسے میں آ گیا۔ اُسے اپنی ڈیوٹی یاد آ گئی تھی۔ اسی لیے اس نے حشیش نہیں پی تھی۔ وہ حشیش کی بُو سے واقف تھا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ اور اس کی پارٹی یہاں کیا کرنے آئی ہے۔ لڑکی نے بتا دیا۔ اس آدمی نے کہا — "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم یہاں مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکو گی۔ اگر تم سچے دل سے اس کام سے متنفر ہو گئی ہو تو تم خوش قسمت ہو کہ تم ہمارے دھوکے میں آ گئی ہو۔ اب تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ ہم میں سے کوئی بھی صلیب کا جاسوس نہیں۔ ہم سب مصر کی فوج کے جاسوس ہیں" — لڑکی جوشِ مسرت سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اس آدمی نے کہا — "میں اپنے کمانڈر سے کہوں گا کہ تمہیں دوسری لڑکیوں سے الگ رکھے اور کسی امیر وغیرہ کے حوالے نہ کرے۔"

لڑکی بیتابی سے اس کے ہاتھ چومنے لگی۔ اس کا فریب کامیاب ہو گیا۔ علی بن سفیان کا اتنا ہوشیار جاسوس ایک لڑکی کے فریب کا شکار ہو گیا۔

"ذرا ٹھہرو" — لڑکی نے اُسے کہا — "میں دیکھ آؤں کہ میرے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں" — وہ خیمے سے نکل گئی۔

☆

علی بن سفیان سالار توفیق جواد کے گھر بیٹھا نورالدین زنگی کی بیوہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اسلام کے اس عظیم مجاہد کی بیوہ نے قاصد کے ذریعے صلاح الدین ایوبی تک اپنے جذبات پہنچا دیئے تھے پھر بھی اس سے ملنا ضروری تھا۔ بہت سی معلومات لینی اور اقدام طے کرنے تھے۔ کچھ دیر بعد پُرعظمت عورت آگئی۔ وہ سیاہ اوڑھنی میں تھی۔ علی بن سفیان کو پہچان نہ سکی کیونکہ وہ مصنوعی داڑھی میں تھا۔ جب پہچان لیا تو اس کے آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگی — "یہ وقت بھی ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو یوں چھپ کر اور بہروپ دھار کر ملیں گے۔ تم یہاں سر اونچا کرکے آیا کرتے تھے۔ اب اس حال میں آئے ہو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ لے اور میں گھر سے اس احتیاط سے نکلی ہوں کہ کوئی میرے پیچھے یہ دیکھنے کے لیے نہ آئے کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔"

علی بن سفیان کے آنسو بہہ رہے تھے۔ جذبات کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ بہت دیر بول ہی نہ سکا۔ زنگی کی بیوہ نے کہا — "علی بن سفیان! میں نے یہ لباس اپنے خاوند کے ماتم کے لیے نہیں پہنا۔ میں اس غیرت کے ماتم میں ہوں جو میری قوم کا زیور ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے میرے بیٹے کو آلۂ کار بنا کر قومی غیرت صلیبیوں کے قدموں میں ڈال دی ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو، کل خلیفہ کے حکم سے اُس صلیبی بادشاہ کو جسے میرے خاوند نے جنگی قیدی بنایا تھا رہا کر دیا گیا ہے۔ یہ ریناالڈ تھا جسے چند ہی مہینے پہلے نورالدین زنگی نے بے شمار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ ایک لڑائی میں پکڑا تھا۔ اُسے اور دوسرے قیدیوں کو زنگی کرک سے یہاں لے آئے تھے۔ زنگی بہت خوش تھے۔ کہتے تھے کہ میں صلیبیوں کے ساتھ ایسی سودا بازی کرکے اس صلیبی حکمران کو چھوڑوں گا جو اُن کی کمر توڑ دے گی۔ ایک بادشاہ اور اعلیٰ کمانڈر کی گرفتاری معمولی سی بات نہیں ہوتی۔ ہم اس کے بدلے صلیبیوں سے اپنی شرائط منوا سکتے تھے، مگر کل میرا بیٹا میرے پاس آیا اور بڑی خوشی سے کہا — 'ماں! میں نے صلیبی حکمران کو اور اس کے ساتھ تمام صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیا ہے' — میرے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ میں بہت دیر اپنے آپ سے باہر رہی۔ بیٹے سے پوچھا کہ ان جنگی قیدیوں کے عوض تم نے اپنے جنگی قیدی رہا کرائے ہیں؟ بیٹے نے بچوں کا سا جواب دیا۔ کہنے لگا کہ ہم ان قیدیوں کو رکھ کے کیا کریں گے۔ ہم آئندہ کسی سے لڑائی نہیں کریں گے۔۔

"میں نے بیٹے سے کہا کہ تم آئندہ اپنے باپ کی قبر پر نہ جانا۔ تم جب مر گئے تو میں تمہیں اس قبرستان میں دفن نہیں کروں گی جس میں تمہارا باپ دفن ہے۔ اس قبرستان میں وہ شہید بھی دفن ہیں جو صلیبیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ تمہیں وہاں دفن کرکے میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتی ۔۔۔۔ لیکن میرا بیٹا بچہ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا۔ میں ان امیروں سے بھی ملی ہوں جن کے قبضے میں میرا بچہ ہے۔ وہ میرا احترام کرتے ہیں لیکن میری کوئی بات نہیں سنتے۔ صلیبیوں نے اپنے حکمران اور جنگی قیدیوں کو رہا کرا کے اسلام کے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ میں حیران ہوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں بیٹھا ہوا کیا کر رہا ہے۔ وہ کیوں نہیں آتا؟ علی بن سفیان! صلاح الدین ایوبی کیا سوچ رہا ہے؟ اسے کہنا تمہاری ایک بہن تمہاری غیرت کا ماتم کر رہی ہے۔ اُسے کہنا کہ وہ سیاہ لباس اُس روز اتارے گی جس روز تم دمشق میں داخل ہو کر مجھے دکھا دو گے کہ تم نے ملتِ اسلامیہ کی آبرو ان عیاش اور ایمان فروشوں سے چھین لی اور اسے بچا لیا ہے، ورنہ میں اسی لباس میں مر جاؤں گی اور وصیت کر

جاؤں گی کہ مجھے اسی لباس میں دفن کیا جائے، کفن نہ پہنایا جائے۔ میں روزِ قیامت اپنے خاوند اور خدا کے سامنے سفید کفن میں نہیں جانا چاہتی۔"

"میں ان جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں" — علی بن سفیان نے کہا — "آیئے، حقیقت کی بات کریں۔ سلطان ایوبی آپ کی ہی طرح بیتاب اور بے چین ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ہمیں کوئی کارروائی جذبات اور اشتعال کے زیرِ اثر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہم اس کوشش میں ہیں کہ خانہ جنگی نہ ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ قوم ہمارا ساتھ دے۔ فوج کے متعلق توفیق جواد مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ ہماری فوج کے خلاف نہیں لڑے گی۔ البتہ محافظ دستے مقابلہ کریں گے۔"

"قوم آپ کے ساتھ ہے" — زنگی کی بیوہ نے کہا — "میں عورت ہوں، میدانِ جنگ میں نہیں جا سکی۔ میں ایک اور محاذ پر لڑتی رہی ہوں۔ میں نے قوم کی عورتوں میں ملی جذبہ اس حد تک پیدا کر رکھا ہے کہ آپ کسی بھی وقت انہیں میدانِ جنگ میں لے جا سکتے ہیں۔ میرے انتظامات کے تحت یہاں کی تمام نوجوان لڑکیاں تیغ زنی اور تیر اندازی کی مہارت رکھتی ہیں۔ عورتوں نے اپنے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں کو شعلے بنا رکھا ہے۔ میں نے جن عورتوں کے ہاتھوں انہیں تربیت دی ہے وہ میرے ہاتھ میں ہیں۔ اگر نوبت خانہ جنگی تک آگئی تو ہر گھر کو عورتیں خلیفہ کی فوج کے خلاف مورچہ بنا لیں گی۔ اگر صلاح الدین ایوبی فوج لے کے آ گئے تو میرا خلیفہ بیٹا اور اس کے حاشیہ بردار اپنے آپ کو تنہا پائیں گے۔ تم جاؤ برادر علی! فوج لاؤ۔ یہاں کے حالات مجھ پر چھوڑ دو۔ قوم کی طرف سے تم پر ایک بھی تیر نہیں چلے گا۔ اگر تم ضرورت سمجھو کہ میرے بیٹے کو قتل کر دیا جائے تو بھول جانا کہ وہ نورالدین زنگی کا اور میرا بیٹا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے جسم کے ٹکڑے کرا لوں گی، سلطنتِ اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکوں گی۔"

توفیق جواد نے بھی علی بن سفیان کو یقین دلایا کہ خانہ جنگی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے سکیم بنائی کہ سلطان ایوبی کس طرح آئے گا اور یہاں کیا ہوگا۔ یہ طے ہوا کہ سلطان ایوبی خاموشی سے آئے گا اور خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو بے خبری میں آن لے گا۔

☆

وہ صلیبی لڑکی جس نے علی بن سفیان کے ایک آدمی سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ ایک سو آدمی صلیب کے آدمی نہیں، اُسے خیمے میں اکیلا چھوڑ کر اور اُسے یہ کہہ کر چلی گئی کہ وہ دیکھنے جا رہی ہے کہ اس کے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا کہ وہ دھوکے میں آ گئے ہیں، یہ سب مصری فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں اور ان کا کمانڈر علی بن سفیان ہے جو سراغرسانی اور جاسوسی کا ماہر سربراہ ہے۔ اس انکشاف نے ان صلیبیوں کو چونکا دیا اور وہ سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ ان کے لیے وہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لڑکی اُس مصری جاسوس کے پاس چلی گئی تاکہ اسے بہلائے رکھے۔ ایک صلیبی باہر نکلا اور علی بن سفیان کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ اسے نہ ملا۔ اُس وقت علی بن سفیان توفیق جواد کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ صلیبی